

دلچسپ اور شہنی خیر کہانیوں کا مجموعہ

# مقامی جاسوسی ڈائجسٹ

نومبر 2018

عمران علی  
مترجم و اصل





HASHMI  
KAJAL



Keep your eyes out of trouble. With  
your signature style with Hashmi  
Kajal, made of natural ingredients  
to protect your eyes from allergies  
and making them more comfortable  
than ever before.

Order Online at  
www.hashmikajal.com.pk

Your Winning  
Cosmide

PANISTAN  
FASHION  
MEET 2  
KARACHI



عزیزانِ مسکن! السلام علیکم!

16 اکتوبر آئی اور خاموشی سے گزر گئی۔ شہید ملت لیاقت علی خان کی بری دھیرے دھیرے ذہنوں سے محو ہوتی جا رہی ہے لیکن اس عدم  
توجہی سے مرحوم کے مقام و مرتبے میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ہاشمی سے موازنہ کرتے ہیں تو آج معاشرتی اقدار بہت بدل چکی ہیں۔ عقل اور  
برداشت کا عنصر رفتہ رفتہ دم توڑ رہا ہے۔ تو نگار، زور آزمائی، تشدد اور قتال و جدال عالمی معاشرے میں ہر طرف کا رفرمانظر آتا ہے اور ہم اس سے  
متنبہ نہیں ہیں۔ آئے دن ملک کے کسی نہ کسی حصے سے خون ریز کہانیاں سامنے آتی رہتی ہیں۔ اس معاشرتی ایسے میں جہاں دیگر عوامل کا رفرما  
ہوتے ہیں، وہاں غذائی عادات و ترجیحات کی تبدیلی سرفہرست نظر آتی ہے۔ ہمیں تو خیر اپنی معاشی اگلیوں سے نمٹنے سے ہی فرصت نہیں ملتی لیکن  
مغرب میں غذائی تحقیق کا سلسلہ بہت آگے جا رہا ہے۔ انہوں نے نہایت عرق ریزی کے بعد جو کچھ بتایا اور سمجھایا، اس کا حاصل ایک کلمہ ہے۔  
ادویہ سے روزمرہ خوراک تک، وہ آرگنیک یعنی ارضی یعنی قدرتی پیداوار کو نوع انسانی کے لیے بہترین اور صحت افزا قرار دے رہے ہیں۔ کھیت،  
کھلیان اور زمین کی کٹی سے صاف تک آنے والی پیداوار انسانوں کے لیے ہر اعتبار سے سودمند ہے۔ کارخانوں اور مشینوں سے گزر کر خوشنما  
پیکنگ میں آنے والی تمام غذائی اشیاء نہ صرف بہت سے اوصاف سے محروم ہو جاتی ہیں بلکہ ان میں کچھ تاگزیر لوازم شامل ہونے سے نقصان دہ  
خواص پیدا ہو جاتے ہیں جو دل، دماغ، جگر اور گردوں جیسے اعضائے ربیعہ کے لیے مضر ہوتے ہیں۔ جاپان اور مغرب کے کئی ملکوں میں بچوں کے  
کھانے کو دے کے لیے مٹی کے پارک بنائے گئے ہیں تاکہ ان کی پیاریوں سے لڑنے کی صلاحیت اور نشوونما میں بہتری آئے۔ ہمارے ملک میں یہ  
شعبہ تو جسے نیکر خرچہ ہے۔ ہر شے میں ملاوٹ اور ہجر عادات..... بہت سے مشروبات کی مضرت رساں تیزابیت مستند ہے۔ نام نہاد میٹل ڈائٹر  
پیٹا ضرورت سے زیادہ فیشن بن چکا ہے جس کے بارے میں ایک محترم اور معزز شخصیت نے فرمادیا کہ لوگ شکلوں کا پانی پئیں۔ بازاری کھانے  
اور فاسٹ فوڈ ز زبان کے پشمارے ضرور دیتے ہیں لیکن ان کے اثرات صحت کے نٹ سے مسائل کو جنم دیتے ہیں۔ بن میں بلڈ پریشر، غصہ اور  
عدم برداشت سرفہرست ہیں۔ قدرتی وسائل سے براہ راست غذائی ضروریات پوری کی جائیں تو اس کے بہترین نتائج جلدی انفرادی اور اجتماعی  
ردیوں میں اعتدال لاسکتے ہیں۔ ان چند ہائے سودمند کے بعد چلتے ہیں فلموں کے اکھاڑے میں، جہاں ذہین قارئین زور آزمائیں۔

باسط شہزاد فرام سکھر سے لکھتے ہیں "اس مرتبہ جاسوسی کا شدت والا انتظار کیا لیکن رسالہ ملتے ہی سارے جذبات جھاگ کی طرح پھٹ  
گئے۔ بھی ہمارا محبت نامہ ہی غائب تھا حتیٰ کہ کالی فہرست میں بھی نام نہیں تھا پتا نہیں کیوں۔ (ہمیں بھی نہیں معلوم کیوں؟ ملائی نہیں) سرورق  
ہمارے نوٹے دل کی کچھ کچھ دکھائی گئے۔ اس مرتبہ پھر خاتون کی گردن ٹیڑھی تھی۔ مصدور کو خواہجین سے کوئی پرائیوٹ ہے شاید۔ چینی ٹکٹ چینی میں  
عبدالرزاق صاحب اور اس کے بھتیجے پر برابرتان تھے، شاندار اور تفصیلی تبصرہ تھا۔ عائشہ مرزا صاحبہ بائگل ٹرل کی آنکھوں کے حوالے سے آپ سے  
مشفق ہوں۔ سویرا صاحبہ اور حسن صاحب کی مختصر حاضری، مندرجہ اور بھگل اپنی جگہ کنڈلی کی تفصیل بیان کر رہی تھیں، گزیرچین مکمل ہونے کی  
مبارک باد۔ اس مرتبہ آپ کے خط کو پتہ چلی کہ دکھائی گئی اور تین تین چار فیصل آباد لے، میں بھی اسی شہر سے حلق رکھتا ہوں۔ ہارٹ کچر کا چٹ پنا تبصرہ  
بہت اچھا لگا۔ عبدالباقی رومی انصاری صاحب کا عمدہ تبصرہ۔ سجاد خان اور سعید قادری کے تبصرے بہترین تھے۔ اس کے بعد بھی چھلانگ  
لگاتے ہوئے انگارے پر آئے۔ بھی میں تو پہلوان شمشٹ کا فین ہو گیا ہوں کیا شعر ہوتے ہیں موصوف کے۔ شاہ زیب زن مریدی کے مسلسل کو  
تاکم رکھتے ہوئے ایک بار پھر تاجور کو بچانے چلا گیا اور قسط با ایڈر یعنی اور داراب کے ساتھ برعدوں سے بچتے ہوئے مندر میں پھنس گیا، مغل  
صاحب سے گزارش ہے کہ داراب کو پاک پاسے لا دیں اب۔ مسلسل دو ماہ کی قسطیں سنسنی اور ایکشن سے بھرپور رہی ہیں۔ کہانی کا اختتام قریب  
تھا ہے شاید۔ اگلی قسط کا بے تابی سے انتظار ہے۔ اس کے بعد دل کڑا کر کے پڑھ ہی لی آوارہ گرد۔ نام کے عین مطابق جا رہی ہے اسٹوری۔ بھی  
یہ پسندیدہ کہانیوں میں شامل بھی۔ ڈاکٹر صاحب سے گزارش ہے کہ تھوڑا شیڈو تیز کریں۔ سرورق کی دونوں کہانیاں اچھی تھیں لیکن الٹ پھیر کو  
بہترین کہوں گا دیکھنا لوگی نے جہاں بہت سی آسانیاں دی ہیں وہیں بہت سے گہر بھی اچاڑے ہیں۔ سنی آموڑ کہانی بھی۔ فلز اغزل صاحبہ کی  
جلدی کا فیصلہ اچھی لگی۔ مرد شناس، دلیری اور قرض شناسی سے گندمی بہترین کہانی بھی۔ جس میں ایک باپ نے کئی لوگوں کی جان بچاتے ہوئے  
اپنے بیٹے کو کھو دیا۔ دعا ہے کہ یہ جذبہ ہر پاکستانی میں پیدا ہو جائے۔ جہاں وہ خود سے پہلے دوسروں کے بارے میں سوچے۔ اب آتا ہوں  
اسٹوری آف دی مٹھ خزانہ کی طرف۔ ایک باپ کی بیٹی سے محبت سے لبریز اور جذبات سے بھری ہوئی کہانی۔ دل کی آنکھوں سے پڑھنے والی  
ہے، یہ کہانی بدلتی یاد رہے گی۔ ویلڈن سیریناراض صاحبہ پیار سے زیادہ مٹی خزانہ کوئی نہیں ہو سکتا۔ ترجمہ کی ہوئی کہانیوں کے لیے معذرت، وہ  
مجھے کچھ خاص نہیں لگتیں۔ باقی کہانیاں اچھی زیر مطالعہ ہیں۔ آخر میں اظہارِ عزم کے لیے بہت بہت کھیتیں۔ انتظار رہے گا آپ کے قلم سے نکلے گی



ظاہر کریم کی مظہر گڑھ سے درخواست ”جائے کتنے ماہ و سال بیت گئے یا نہیں پر جاسوسی ڈائجسٹ میرے دل کی دھڑکن ہے۔ پہلی مرتبہ کچھ گھڑ ماہوں اس امید کے ساتھ کہ خاکسار کو بھی خوش آمدید کہا جائے گا۔ (خوش آمدید) خلاف معمول اس مرتبہ شمارہ بہت لیت ملا۔ جب تیسرا چکر لگنے پر بھی دکان دار نے کہا کہ نہیں آیا تو جگہ مانے آنکھوں تلے اندر اچھا گیا کہ کہیں شمارہ بند تو نہیں ہو گیا۔ بہر حال 10 اکتوبر کو شمارہ ہاتھ آئی گیا۔ محترم ڈاکر حسین کی رحلت کا افسوس ہوا۔ ادارے کے لیے یقیناً ان کی ذخیرہ ساری خدمات ہیں۔ بہر حال ہر انسان کو موت کا ڈانٹ چھٹتا ہے، بے شک۔ اللہ پاک مرحوم کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے آمین۔ اب آتے ہیں کہانیوں کی طرف۔ حسب معمول آغاز سارے کی دھڑکن، اپنے محبوب مصنف کے قلم سے تحریر کردہ قسط دار کہانی، جی ہاں، انگارے سے کیا۔ ظاہر جاوید مغل صاحب میرے پسندیدہ راہزن ہیں۔ ان کی لکھی ہوئی تحریر دل و دماغ کو مسحور کر دیتی ہے۔ کہانی بہت ہی زبردست جاری ہے۔ موجودہ قسط میں شاہ زب نے اپنی محبت کو بانٹ دانی کے پراسرار چکروں سے محفوظ رکھنے کے لیے پھر جان کی بازی لگادی۔ نو اور دو سو بالا کا کردار حیران کن رہا۔ مندر سے نکلنے کے بعد رابطہ ہو گیا پر اب دیکھئے آگے آگے ہوتا ہے کیا۔ انگارے سے نکلے تو ادارہ گرد کو جالیا۔ شہزی کی آوارہ گردی حسب حال رہی۔ ڈاکٹر صاحب نے کہانی کو بہتر سے بہتر بن کر دیا ہے۔ گوہارا کو می بستے ہوئے پڑھا خوشی ہوئی۔ پتا نہیں آگے کیا رنگ بدلے گی یہ داستان۔ پر ایک دشمن کا خاتمہ ہو گیا، جلوس کم جہاں پاک۔ سرورق کے رنگوں میں پہلا رنگ جناب ذوالقرنین صاحب کا تھا۔ کہانی ہر موز پر رنگ بدلتے ہوئے نظر آئی۔ جدید ٹیکنالوجی کے غلط استعمال سے کتنی ہی زندگیاں اجڑی ہیں۔ الٹ پھیر میں وقاری کہن کے ساتھ بھی ملتی ہوا زندگی درحقیقت الٹ پھیر ہی کا نام ہے۔ اس کا دوری کی شاید لیے عرصے بعد اٹری ہوئی ہے جو کہ دھاکے دار رہی۔ مطلب پرستی موجودہ دور کا بہت بڑا المیہ ہے۔ سفیر نے فرضی محبت کا ناک کرنے ہوئے عطرہ کو پھانس لیا اور ٹیکسٹری کا نقصان پورا کرنے کے لیے اسے کئی بار قید حیات سے آزاد کرنے کی کوشش کی پر جسے اللہ رکھے اسے کون چکے۔ آخر میں شکاری بذات خود شکار بن گیا۔ اسے ہاں ایک اہم بات تو لکھتے بھول ہی گیا سنی چاہتا ہوں۔ ٹائٹل کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ بہر حال دیکھنے میں اچھا تھا۔ بقیہ کہانیاں ابھی زیر مطالعہ ہیں۔ اس سے زیادہ نہیں لکھ سکتا۔ میرا پہلا قسط ہے۔ پلیز اسے بھی کسی کو نہ میں جگہ دیجیے گا۔“

فیصل آباد سے محمد رمضہ کی ”روداد“ اکتوبر 2018ء کا شمارہ 100 روپے کا ملا۔ کوئی بات نہیں۔ اپنے پسندیدہ ڈائجسٹ کے لیے یہ بھی برداشت کر لیں گے۔ چینی تختہ چینی کی لپڈ رشپ ملنے کے بعد کہاں غائب ہو گئی ہو اور نہ زار۔ چھاپے شورش تھرے کے بغیر اس بار شمارہ نہیں آیا۔ مبارک ہو عاشر مرزا، تھپاری قیمت میں اضافے کی رائے ادارے نے مان لی۔ سو پر احباب اور عبد الرزاق بھائی کو پہلی بار شرکت کرنے پر خوش آمدید۔ سحر یہ قادری و حکیم بیک۔ باقی سب کے تبصرے بہترین رہے۔ کاشف زیر انگلی کی آخری سچ زدہ جادوگرہ واقعی۔ اگر تھپڑ کہانی تھی۔ انسان اپنے لیے بہتر مانگتا ہے اور اللہ تعالیٰ اسے بہترین سے نوازتا ہے۔ بس انسان کو سمجھنے میں دیر لگتی ہے۔ ریحان کو بھی عالیہ کے بجائے خدانے ٹھیک کی صورت میں بہترین مسخر نوازا۔ محبت کے کئی رنگ کا ڈائلاگ، کیا درندے صرف جانوروں میں ہوتے ہیں؟ پسند آیا۔ دانی درندے انسانوں میں بھی ہوتے ہیں۔ تجتید نگار میں اپنی ایدہ مزے کمال مہارت سے قابل براہنہ دین کو پہچان لیا۔ سری عورت راہزن رو یا جانور کی مردم شناس کافی پسند آئی۔ سلطان کی موت پر دھک ہوا اور ملک کے حالات اور پولیس پر غصہ آیا۔ عس کا طرہ کی ترقی تصویر میں بیک ایک نفسیاتی سرین تھا جو صرف ایک تصویر کے لیے مل کر تار بالآخر پکڑا گیا۔ سیرینا راضی کی خزانہ ایک باب کی تہی سے محبت کی پراثر کہانی تھی۔ سرور اکرم کی ساریپ میں بھی معاشرے کے حالات پر روشنی ڈالی گئی۔ رانی جیسی لڑکیاں غربت کی وجہ سے گناہوں کی دلدل میں اتر جاتی ہیں۔ شکر ہے عتا راج گئی اور لورین کو اپنی حب الوطنی کی بدولت اعلیٰ جس آفیسر شہزاد کا ساتھ مل گیا۔ فلز اغزل کی جلدی کا فیصلہ، میں واقعی مہوش کا فیصلہ جلالت کا فیصلہ تھا لیکن اس سے زیادہ جلدی کا فیصلہ جید کا تھا۔ کافی اچھی کہانی تھی۔ ارشد بیگ کی گمشدہ، مغربی معاشرے کی اچھی کہانی تھی۔ جینی اوڈیل کویری کی محبت میں گئی۔ سرورق کی کہانی محمد ذوالقرنین خان کی الٹ پھیر کافی پسند آئی۔ باسٹ اور ابھری موت کا افسوس ہوا۔ آخر میں وقار نے اپنے دوستوں اور مین کی موت کا بدلہ لے لیا اور نام بھی اسے لکھی گئی۔ سرورق کی دوسری کہانی آخری چال اس کا قادری کی بہترین کہانی تھی۔ سفیر بہت خود غرض انسان نکلا جو طبعی وکری جان لینا چاہتا تھا۔ لیکن اس کی ساری چالیں بیکار نہیں اور عطرہ کی آخری اور واحد چال کا سیاب رہی۔“

پورے والا سے عبدالجبار رومی انصاری کی غلبت پسندی اس دفعہ جاسوسی سرورق فل ایڈ وچر اور پھر زبردست کیوں نہ ہوتا، یہ حقیقت ہے قریب تر سرورق ڈاکٹر انگلی کی بہترین کاوش تھی۔ اب وہ ہم میں نہیں رہے اللہ تعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ عبدالرزاق کی پہلی جی داری نے دل خوش کر دیا، پھر پوچھتھرے کے ساتھ مبارک ہو۔ عاشر مرزا کی پسند و ناپسند بھی اچھی لگی۔ سویرا محبوب کی پہلی حاضری رنگ لے آئی۔ امید ہے کچھ چینی کی محفل میں آئندہ بھی رنگ بھرتی رہیں گی۔ محسن علی طالب کو محفل میں دیکھ کر بہت خوش ہوئی۔ شہر رمضہ کے ساتھ رہنوں نے بھی عمدہ تبصرہ کیا۔ ہارٹ کچر کی دلدل ریاں تو بہت شورش تھیں، اچھی لگیں۔ عاشر شہزاد کا تبصرہ بھی اچھا رہا۔

انگارے میں چٹا کر طوطا نما پرندوں نے آپس کے دشمنوں دار اراج ایڈ شاہ زیب کچنی کو مصنوی پر اسرار مندر میں قید کر دیا جہاں انور ایڈ میجر کی پیار کہانی کا اختتام ہوا۔ عمدہ کہانی۔ دوسری طرف آوارہ گرد کے شہزی اور گوہارا کو اپنی جان بچانے کے لیے جس کو دھوکے سے مار کر قتل پڑا بعد ازاں منزل پر پہنچ کر بائیس بھی لگی اور گوہارا کو بھی آٹھ چوٹی کے بعد کڑکا دیا۔ پیسے کے لالچ میں سگی اندھے ہو چکے تھے۔ خاص کر لڑکیاں اور پھر ان سب کی آنکھیں کھولے اور برائی کے انداد کے لیے شہزاد اور اس کی انجینی نے مشاہد رانا کو قہر کرنا چاہا تو وہ اٹیک سے چل بسا۔ باقی سب بھی متاثر ہونے والے اپنے اچھے بڑے انجام کو پہنچ گئے۔ سانپ اچھی رہی۔ آخری چال نے عطرہ کو محبت ہار کر سرخو گرد و یاد زندہ کی دفعہ مرتے مرتے بچی تھی۔ سویرا اور فرحین نے بھی اسے سفیر کی زندگی سے نکالنے کی کوشش کی مگر وہ کامیاب نہیں ہو سکیں، عمدہ کہانی۔ اللہ جنت نصیب کرے کاشف زیر کو ان کی کہانی تو قادری کو کون ہی کر سکتی ہے۔ چاہ کر میں ریحان کو ایک زندگی نے عالیہ کی صورت جیت کر ہر ادا یا تھا مگر دوسری طرف ٹھیک سے نفرت نئی سنی مگر آخر میں سب کو پایا تھا۔ عمدہ کہانی۔ پہلے رنگ الٹ پھیر میں تینوں دوستوں نے کرائم کی دنیا میں ہار لیک جینی سے خوب رنگ بچایا۔“

محمد اسود خان کی داؤد خیل میا نوالی سے سوغات ”جائے کتنے برس بیت گئے ڈائجسٹ پڑھتے ہوئے مگر قلم آج ٹھایا ہے۔ امید ہے چینی تختہ چینی میں ہمیں بھی ایک خوب صورت سا کوٹنا تیار کر دیں گے۔ (خوش آمدید) بہت دیر کی مہرباں آتے آتے۔“ (اکتوبر کا شمارہ اور خوب صورت حیدر کے ساتھ پستول والے کے ہاتھ سے بہتا خون عجیب لگا کہ گولی مار دیا ہے یا کھا چکا ہے) (بکی تو آپ کا امتحان ہے) چینی تختہ چینی میں عبد الرزاق براہمان نظر آئے۔ خاصا لمبا خط لکھا آپ نے تو پہلی بار میں، واہ۔ محترمہ عاشر مرزا کے تبصرے پر بھی آئی کہ خاصی معقول لڑکی کو اس نے چیل بھج لیا۔ کہانیوں کی بات ہو جائے تو انگارے ہمیشہ کی طرح سہرہ جادو ہے۔ فنی ہیرو کی طرح شاہ زیب بھی تاجور کی ہر مصیبت پر اس کے پاس پہنچ جاتا ہے لیکن وہ تو شاہ زیب کو لکھا سگی نہیں ڈالتی۔ کاشف زیر صاحب کی چاہ کر پڑی۔ مرحوم صاحب کا نام پڑھ کر آنکھیں پیلے ہی نہیں کہ کہانی پڑھ کر تو بے اختیار رونا آ گیا۔ کمال کا قلم کار تھا جو پڑھنے والوں کو حصار میں رکھتا تھا۔ آئی مس یو کاشف صاحب! کہانیاں میں منظر امام کی محبت کے کئی رنگ پڑی۔ لا جواب ہمیشہ کی طرح۔ اس بار بھی امام صاحب نے کمال کر دیا۔ باقی رسالہ ابھی زیر مطالعہ ہے۔“

کراچی سے احمد جعفری کا محبت نامہ ”میری یہ کہانی بعنوان ولف، بھیڑ یا آپ کی خدمت میں پیش ہے۔ میں آپ کے تینوں مردانے میجرین شروع سے پڑھ رہا ہوں۔ چوتھا میرا محبوب رسالہ ٹھیک عادل زادہ کا سب رنگ ٹھاکے سے مالکان نے کچھ عرصے کے بعد مرحوم کر دیا تھا۔ افسوس ہمارے معاشرے میں ادب پڑھنے کی عادت ختم ہوئی جا رہی ہے۔ جب آپ نے یہ اعلان شائع کیا کہ کچھ عرصے کے لیے آپ اشاعت روک رہے ہیں تو یقین جانے مجھے ہارٹ اٹیک ہوتے ہوئے بچا۔ ہم جیسے بوڑھوں کے پاس رات گزارنے کے لیے ایسے میجرین دوا کا کام کرتے ہیں۔ اللہ آپ کی بہت سلامت رکھے، آمین۔ ایک اور بات، ناصر ملک مسافر کے مصنف کو آمادہ کریں کہ وہ ایک لکھی کہانی لکھیں۔ ان کی کہانیاں اعلیٰ معیار کی ہوتی ہیں اور ہمارے معاشرے کی صحیح عکاس۔ اسچر میں صاحب کی خدمت میں واہ واہ بات لکھی ہوئی جا رہی ہے اس لیے خدا حافظ ناصر۔“ (اس خط کے ساتھ شمل کہانی ہمیں ملی ہے۔ انشاء اللہ پڑھ کر رائے دیں گے۔ بلاشبہ رائٹنگ کی تعریف نہ کرنا سبھی میں شمار ہوگا۔ امت خاطر طرح و میں نتیجہ چھاپی ٹھیک گا)

نارووال سے سید ذیشان حیدر کاظمی کا القات ”محبت میں شدت اسی وقت پیدا ہوتی ہے جب جبر کی گھڑیاں آجائیں۔ کچھ یہی حال اس دفعہ جاسوسی ڈائجسٹ کے لیے محسوس ہوا۔ تاخیر نے طلب کی شدت میں کئی گنا اضافہ کر دیا۔ برداشت کا پیمانہ جب جھلکے کے قریب ہوا تو بالآخر جاسوسی کا دیدار ہو گیا۔ بیاس بھی ان انکھوں کی۔ ٹائٹل بے حد سسٹمی خیز تھا۔ کچھ چینی کی محفل میرے بٹا کافی ٹوٹی ٹوٹی لگ رہی تھی۔ عبد الرزاق نے پہلی ہی اتھری میں محفل کا سب سے خوب صورت کوٹنا حاصل کر لیا۔ کیا کہنے بھی۔ مندر دھکی کی وضاحتیں کچھ جم نہیں پائیں۔ طلعت مسعود بہت خوب صورت اور نیا اختصار کرتے ہیں۔ خالد سچ طاہری بھی دھیرے دھیرے محفل کی جان بننے جا رہے ہیں۔ آتے جاتے رہے گا جناب۔ ساگر کوکر بھیا! بانادانی کو کچھ نہیں کہنا تھی۔ کیا یہی خوب صورت اور جامعہ کردار ہے۔ انگارے میں حدت پیدا ہی اس نے کی ہے۔ آپ کی چاقو سے گود لگی والی بات نے بہت محفوظ کیا۔ عاشر شہزاد کی ہر ایک تجویز دل کو لگی۔ ادارے کو تنجید کی سے اپنی ویب سائٹ بنانے پر غور کرنا چاہیے ورنہ وقت دور نہیں جب کچھ سرورق ادارے کے نام پر تیسری جنگ عظیم شروع کر دیں گے۔ ایمانے زار ارشاد تو شاید ایذا کاپ کے مدد سے میں چٹا تھیں اس لیے غیر حاضر رہیں لیکن اپنے انکل بار عباس کہاں غائب ہیں۔ بچے بھی آؤ کہ تنجید کا کاروبار چلے۔ عرفان راجہ بھی بڑی جلالت میں کچھ چینی کی گھنٹی بجا کر بھاگ گئے۔ سحر یہ قادری، محمد سجاد دل خان کے تبصرے اچھے تھے۔ شاہد ذوالفقار کدھر غائب ہو آپ؟ پرویز احمد لاٹکا نے بھی درشن نہیں کر دئے۔ بتیس خان بھی گم ہو چکے ہیں۔ محفل کی گمشدہ ہستیوں کو تلاش کیا جیوں کا راج کیا جہاں کاشف زیر کا نام دیکھ کر دل و دماغ کی کیفیت عجیب ہی ہو گئی۔ چاہ کر کی ہر ایک نظر اسی مخصوص خوشبو سے گندھی تھی جو ایک عرصے تک ہماری روح معطر کرتی رہی۔ وہی دھیمہ دھیمہ سا آغاز، وہی مقامی لہریں جو اپنی طرف کھینچ لیتیں تو ہائی نہیں دیتی تھیں۔ آئی مس یو کاشف سرا! آپ سے گزارش ہے کہ وقتاً فوقتاً کاشف صاحب کی کوئی نہ کوئی تحریر شائع کر کے شکر یہ کا بھر پور موقع دیں۔ انگارے کی یہ قسط پڑھ کر پڑھت رہی۔ لڑکی کی موت نے بھی دل



ظہر وہ کیا تجھ سے بے حال کر دیا ہے۔ مغل صاحب! آئی کو پوچھی بھی والا۔ سرورق کے رنگوں کی بات کروں تو محمد ذوالقرنین خان کی پہلی کوشش ہی اچھی رہی۔ (پہلی نہیں، دوسری کاوش تھی) بس ان کا انداز تحریر ذرا سہل لگتا ہے۔ امید ہے کہ یہ بھی وقت کے ساتھ ساتھ ختم ہو جائے گی۔ اس قادی کی تحریر پہلے تو ذرا پورنگی لیکن اعتباراً تک انہوں نے کافی جھنجکے دئے ڈالے۔ ان کی جانب سے پرل گروپ کے کسی سے ہنگامے کا انتظار ہے گا۔ منظر امام کی اسٹوری نے کچھ مایوس کیا۔ مجھے ان سے ہمیشہ ہی بہت زیادہ توقعات ہوا کرتی ہیں۔ سرورق کرام نے کہانی کی بہت جلد بازی میں جھنجک کی۔ یہ چٹ سرورق کا ایک زبردست رنگ ثابت ہو سکتا تھا۔ مردم شناس مختصر لیکن تھر تھر سی۔ امیر حسین کا کردار اچھا لگا۔ منظر رضا کی غیر پیشہ ورانہ حرکت پر انہوں نے خزانہ بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر گئی۔ باقی تحریریں بھی اپنی اپنی جگہ خوب صورت اور بھرپور تھیں۔“

کراچی سے سعدیہ قادری کی آمد ”اکتوبر کے جاسوسی کا ناول“ گزشتہ کئی ماہ سے کافی بہتر لگا، ساتھ ہی قیمت بڑھنے کی خبر بھی ملی۔ فہرست میں کاشف زہیر، زویا اعجاز اور اسما قادری کے نام پڑھ کر اطمینان کی سانس لی۔ ادارہ یہ پڑھ کر کئی حالات کا سوچتے ہوئے منہ کا ڈالنے لگا اور گویا جسے بدلنے کے لیے کچھ چینی کا رخ کیا۔ عبدالرزاق نے آتے ہی وکٹری اسٹینڈ پر جگہ بنائی اس کے لیے بہت مبارکباد۔ اگلے صفحے پر اپنے پسندیدہ مصنف کا مراسلہ کچھ کر دل خوشی سے بار بار پڑھا، آپ کے قلم سے موت کے سوا کچھ بھی نہیں تو اسی کے پائے کے کسی شاہکار کا شہرت سے انتظار ہے۔ حسب معمول انگارے سے ابتدا کی جہاں پوری قسط امید کی اور نامیدی کے درمیان ڈھلکی ہوئی تھانے میں ہی گزر گئی۔ اس بار انگارے کے صفحات کچھ کم گئے، یا پھر دلچسپ ہونے کی وجہ سے قسط کے اختتام کا پتا ہی نہ چلا اور تھقیہ اگلے ماہ لکھا دیکھ کر مزہ نہ لایا ہو گیا۔ اب منہ کا ڈالنے کے لیے الٹ پھیر کر پڑھنا شروع کیا، بہت سے کرداروں اور جگہوں کے نام بدل کر پڑھتے تو کہانی کا لطف دو بالا ہو گیا۔ مصنف نے بہت خوبی سے ہر کردار سے انصاف کرتے ہوئے مملکت خدا داد میں نوجوانوں کے ساتھ دروازے جانے والی نا انصافیوں کا ذکر کیا۔ اگر پہلے ہی مناسب پلیٹ فارم فراہم کر دیا جاتا تو قادی کی طرح اس کے دوست بھی معاشرے کے کارآمد فرد بن جاتے اور ان کی زندگیوں کا چراغ ایسے گل نہ ہوتا۔ آخری صفحات پر اسما قادری کی آخری چال بھی خوب رہی۔ مختصر ہونے سوا ساری ایک لوہار کی کے مصداق ایک ہی دار سے سفر کی ساری چالوں کو نام بنادیا۔ اس کے بعد زویا اعجاز کو پڑھنا شروع کیا، ہر بار کی طرح دل کو چھوئے اور آنکھوں کو پریم کرنے والی تحریر کو بار بار پڑھا اور امیر کی حب الوطنی اور فرض شناسی کا پڑھ کر دل پہ کچھ ایسا اثر ہوا کہ پھر کچھ پڑھنے کا دل ہی نہیں لیا۔ اب کاشف زہیر ایک ایسا نام ہے کہ پڑھتے پھرتے انہیں پڑھنا ان کی تحریر کی ناقدری ہوگی۔ سوچیوں کے ششماہی امتحان ختم ہونے کے بعد آرام سے انہیں پڑھوں گی۔ اس ماہ انگارے میں بہت سے نچلے ایسے تھے کہ انہیں ڈائری میں لکھنے کا دل چاہا لیکن یہ خواہش دل میں ہی رہ گئی کیونکہ میں نے اپنی کوئی ڈائری بنائی ہی نہیں، البتہ ڈائجسٹ میں انہیں باقی لائٹ کر لیا۔ زندگی رہی تو پھر کبھی تبصرے کے ساتھ حاضر ہوں گی۔“

شائع ایک سے محمد اسماعیل آج اگر کے خیالات ”اس بار رسالہ لیٹ ملا۔ سرورق ٹھیک ہی تھا۔ ڈاکٹر حسین صاحب کی یادگار۔ اللہ پاک ان کی منزل آخرت آسمان فرمائے۔ فدا کر لوگ روز روز کہاں پیدا ہوتے ہیں۔ یہ تو آج کل لوگ ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ سے قابلیت اور فن لے کر آتے ہیں اور کسی نہ کسی شعبے میں نام پیدا کر جاتے ہیں۔ سلام ڈاکٹر حسین۔ ادارے میں آپ کی باتیں لکھ کر پڑھتی ہیں۔ کاش کہ یہ باتیں ہمارے دل میں اتریں۔ چاہے کمران بھی پڑھی نہیں لیکن رائٹر کا نام بتا رہا ہے کہ شائد انداز تحریر ہوگی۔ کاشف زہیر (موضوع) کی کیا بات ہے۔ میں نے بہت سارے رائٹرز کو پڑھا ہے لیکن کاشف زہیر جس طرح جزئیات کو بیان کرتے اور اپنی شاندار منظر نگاری کرتے تھے وہیسا میں نے کسی رائٹر میں نہیں دیکھا۔ اک ذکاوت خلیق کا رشتہ۔ اللہ ان کی منزل آخرت میں آسمانی دے آئیں۔۔۔ محبت کے کئی رنگ، منظر امام ہمیشہ کی طرح اک بہترین تحریر لے کر آئے۔ دو قی ایک ایسا تعلق ہے جو کہ بہت زیادہ گہرا نہیں ہونا چاہیے۔ اک حد تک ہونا چاہیے۔ دو قی خراب تب ہی ہوتی ہے، جب آپ جد سے آگے ملے جاتے ہیں۔ اچھا آدمی، سلیم انور کی مختصر کہانی لیکن اچھی سی تھی۔ مردم شناس، زویا اعجاز صاحب کی ایک بیاد کی تحریر۔ کچھ لوگوں کے پاس انسان کو پرکھنے کی کسوٹی ہوتی ہے۔ وہ اچھے یا بُرے لوگوں کو دیکھتے ہی پہچان لیتے ہیں۔ امیر حسین ایک محب وطن کردار تھا۔ ایسے ہی کرداروں کی وجہ سے ملک قائم رہتے ہیں۔ سانپ، سرورق کرام کا انداز تحریر بھی بالکل منظر امام کی طرح ہے۔ بہت ہی اہم موضوع پر فکر انگیز تحریر۔ گورٹ گھری ملکہ ہوتی ہے لیکن جب وہ گھر سے باہر نکلتی ہے تو اس پر دم زنیاں بہت سارے مسائل کا سامنا کرنا ہوتا ہے۔ اس تحریر میں مصنف نے بیظامہ سے رہا ہے کہ والدین اپنے بچوں کے تبدیل ہوتے حالات پر نظر رکھیں۔ نہیں ایسا نہ ہو کہ بہت دیر ہو جائے۔ باقی کہانیاں ابھی زیر مطالعہ ہیں۔ سرورق کے رنگ پڑھنا شروع کیے۔ کچھ خاص نہیں تھے۔“

چشمہ بیراج سے ساگر تک گری تو قعات ”ہر اچھا صاحب مند جاسوسی دیکھ کر جی شاد ہوا۔ دعا ہے جاسوسی کی صحت اور معیار اچھا رہے۔ ادارہ حقیقت پر مبنی اچھا لگا۔ چینی لکھ چینی میں عبدالرزاق کی جی داری پہنچی گئی۔ سوہرا کی پہلی شرکت اچھی گئی۔ مراد صاحب جاسوسی سے ہمارا بھی پرانا تعلق ہے۔ کسی کو تا کر تک نہیں کیا ہمارا۔ بچا اچھا لکھتا ہے اس کی یہاں بے بے ہوتی ہے۔ اور جو اچھا نہیں لکھتا اس کے کام پر تنقید ہوتی ہے۔ یہی جاسوسی کی پرانی ریت ہے۔ یہاں کسی کا کسی سے ذاتی عناد نہیں ہے۔ (بالکل بجا فرمایا آپ نے) مراد صاحب کیا ادارے سے آپ کی کوئی تحریر واپس ہوتی ہے یا سنی سناٹی باتوں پر..... جب ہم جیسے دیوانے باقاعدگی سے تبصرے لکھتے ہیں تو وہ بھی ہر ماہ لکھتے ہیں۔ ماضی میں بھی یہی

صورت حال تھی۔ آپ بھی باقاعدگی سے لکھیں پابندی تو نہیں ہے۔ ایف۔ بی موجود کولت کو مشکوک نہ بنائیں۔ یہ وقت کی بین ضرورت ہے۔ ڈاک سے تبصرے وقت پر نہیں لکھتے اس لیے ہم برقی ڈاک سے مستفید ہوتے ہیں۔ آپ کی باتیں بے بنیاد اور غلط ہیں۔ چاہے مکرر عقیدت احترام اور دیکھی دل کے ساتھ پڑھی۔ ہمیشہ کی طرح عمدہ۔ ٹکی و ہدی سیدھے اور غلط رستے کی تیز کرانی کہانی۔ سرکاشف کی موت نے ہماری زندگی میں بہت بڑا جھلکا پیدا کر دیا ہے ان کی نذر

کیوں سارے دل کے تعلق توڑ چلے ہو  
کیوں دل کی مہاریں موز چلے ہو  
جانے والے اتنا تو آ کے بتا دے  
ہمیں کس کی سہارے چھوڑ چلے ہو

اچھا آدمی میں دیر سے خود کو اچھا ثابت کرنے کے لیے بڑی قربانی دی۔ محبت کے ہزار رنگ محبت پانچواں موسم ہے۔ منظر امام ہمیشہ تیز رفتار کہانی لکھتے ہیں۔ کہانی میں سبق پوشیدہ ہوتا ہے۔ عدم کی اپنی غفلت اور اندھے اعتماد کی وجہ سے کھڑی فصل اجڑی۔ ویسے ندیم نصیب کا دھنی لکھا۔ انتقام بھی لے لیا اور نیلا کو بھی تلاش کر لیا۔ واقعی تلاش والے انسان کا ثبات دریافت کر لیتے ہیں۔ تلاش، غیر ضروری تجسس نے اچھے معاملے کو سلجھن دے دی۔ انگارے کا بڑی شہرت سے انتظار تھا۔ پہلوان شہت کی مختصر سی اتھری سے بھی دل کو راحت ملی۔ یہ ساری قسط مندر میں گزری۔ لوسی بھی مگر مٹی۔ مردم شناس فرض شناسی کی عمدہ کہانی تھی۔ معاشرے کی جراحی عمدہ طریقے سے کی۔ زویا اعجاز کا یہ جملہ تو دل میں کھب گیا۔ ”بجلی تو ہمارے ٹھکانوں کی غیرت کی طرح ہے۔ چل جائے تو آنے کا نام نہیں لیتی۔“ سانپ، سرورق کرام کی کہانی اچھے بڑے ٹیک بد معاشرے اور ہوس پرستی کی کہانی۔ یہ سارے کردار جیسے جیسے اور آس پاس سانس لیتے محسوس ہوئے۔ کچھ اس سے ملتے جلتے حقیقی کردار آنکھوں کے سامنے آ گئے۔ جلدی کا فیصلہ... جلدی کے فیصلے واقعی اکثر اوقات غلطی ثابت ہوتے ہیں۔ یہ کہانی اوسط درجہ کی رہی۔ گم شدہ کا خوشگوار انجام اچھا لگا۔ لے بالک اچھی اور سنسنی خیز رہی۔ خزانہ نے یور کیا۔ سرورق کی پہلی کہانی الٹ پھیر پر لکھاری کی گرفت مضبوط نہیں تھی۔ موضوع اچھا تھا مگر بے رابطہ واقعات میں دیکھی نہ ہونے کے برابر تھی۔ سرورق کی دوسری کہانی آخری چال محبت سے شروع ہونے والی کہانی کو انجام دینے کے لیے زبردستی سفر کو پھر دے دینا بنا دیا۔ ورنہ ہی بنانا تھا تو شروع سے کوئی منطق رکھتیں۔ اسما قادری سے ایک شاہکار کی امید تھی۔ ہم ان سے روگ اور پرل گروپ کی کہانی کی توقع رکھتے ہیں۔

کراچی سے محمد اقبال کی آمد ”جاسوسی ڈائجسٹ اس بار جلد ہاتھ لگ گیا جس کی بے انتہا خوشی ہوئی، جس کے اظہار کے لیے ہم نے کمر کس لی خط لکھنے کی۔ نائل پر اپنے فن کی جادوگری سے متاثر کرنے والے بے مثال آرٹسٹ ڈاکٹر حسین اپنی حسین یادیں چھوڑ کر زندگی سے منہ موڑ گئے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام اور ان کے لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے، آئیں۔ ادارے میں آپ کی حساس باتوں نے طبیعت کھڑ کر دی۔ یہ سچ ہے کہ دوسروں پر تنقید کرنے سے بہتر ہے اپنے حصے کی اصلاح کرنی جائے تو معاملات میں کالی حد تک بہتری آسکتی ہے۔ چینی لکھ چینی میں قدم رکھا تو عبدالرزاق آتے ہی چھانے کی کوشش میں کامیاب ہو گئے، مبارک ہو۔ ڈائجسٹ کی قیمت میں اضافے سے قادی کو کوئی خاص فرق نہیں پڑے گا کیونکہ جنہیں مطالعہ کا شوق ہے وہ ضرور اسے قبول کر لیں گے ساتھ ہی اس بات کی بہت زیادہ خوشی ہوئی کہ ہر طرح پر راسخ عالم عظیم صاحب اپنے قلم کی اثر انگیزی سے متاثر کرنے کے لیے عذریب ہمارے درمیان موجود ہوں گے۔ ہماری خواہش ہے کہ موت کے سوا کرام کا بارٹ کو لکھوایا جائے۔ اب آتے ہیں کہانیوں کی طرف۔ حسب روایت سب سے پہلے طاہر جاوید مغل کی انگارے سے پڑھنا شروع کیا۔ ان کی لکھی ہوئی تحریر دل و دماغ کو مسحور کر دیتی ہے۔ کہانی بہت اچھے ٹیپو کے ساتھ آگے بڑھ رہی ہے۔ شاہ زہیر نے تاجرو کو ہاتھوں کے پر اسرار پیکروں سے بچانے کے لیے ایک بار پھر خان کی بازی لگا دی ہے۔ انور مدحو بالا کا کردار کہانی کو آگے بڑھانے کے لیے ڈالا گیا۔ مندر سے لکھنے کے بعد لگتا ہے آسمان سے گر کر گھور میں اگلنے والا معاملہ ہوگا شاہ زہیر کے ساتھ امید ہے کہ انگارے کی اگلی قسط سردیوں میں پڑھنے کا مزہ آجائے گا۔ آوار گرد میں بھی صاحب نے کہانی کو بہتر کرنے کی کوشش کی ہے۔ کوہار کو بھی بنا دیا۔ پتا نہیں آگے کیا رنگ بدلے گی یہ کہانی۔ سرورق کے رنگوں میں جناب ذوالقرنین پہلا رنگ لے کر حاضر ہوئے۔ کہانی ہر موڑ پر رنگ بدلتے ہوئے نظر آئی۔ ٹیکنا لوجی کے غلط استعمال سے کئی ہی زندگیاں اجڑی ہیں۔ اسما قادری کی اتھری اچھی رہی۔ کاشف زہیر انکس کی آخری طبع زاد چاہہ کر دہی اثر انگیز کہانی تھی۔ دیگر کہانیاں ابھی نہیں پڑھ سکا لیکن ایک درخواست ہے کہ امجد رئیس صاحب کی کہانیوں کو اگر ہر ماہ ڈائجسٹ میں جگہ مل جائے تو مزہ آجائے گا۔ الفاظ کی جادوگری میں یہ صاحب بھی کسی سے کم نہیں ہیں۔ ہمارے نیورٹ رائٹرز میں جگہ بنائی ہے امجد رئیس صاحب نے۔“

ان قارئین کے اسمائے گرامی جن کے محبت نامے شامل اشاعت نہ ہو سکے۔

عمران خان، حیدر آباد، حرا بھارہ، کراچی، شہزاد احمد، میر پور خاص، شہینہ الطاف، کوٹری، افضل کریم، کراچی، سعید احمد، لاہور۔



## عروسی عذاب

احمد رحیم

شہر نرج کی بساط پر مہروں کی کسی ایک چال کے ذریعے پورا نقشہ بدل جاتا ہے... اگر سیاہ مہروں کو مات کا سامنا ہو تو گھوڑے کی ایک چال مات کا رخ سفید مہروں کی طرف موڑ دیتی ہے... اور سفید مہروں کے لیے لیتے کے دینے پڑ جاتے ہیں... ایک بساط کے مانند پھیلی دل لہا ہتی داستان... جس کے کرداروں کے نام مہروں کی طرح بدلتے رہے... ہر موڑ پر ایک نئی چال، نئے کردار نئے منصوبے کے ساتھ سامنے آتی تھی... تھہر... رومانس کی انگڑائیاں لیتے لمحات... ایک ایسی دہلیز... جو دلربا تھی... مگر عروسی ناگیاں بن گئی... شادی والے دن وہ دہلیز اکیلی رہ گئی اور دولہا اس یادگار دن نہ اسکا... وہ قاصر تھی سمجھنے سے کہ اس سے محبت کرنے والا کہاں چلا گیا... تداوت نے اسے سب مہمانوں کے سامنے سرنگوں کر دیا... زندگی میں حدیں پار کرنا پڑتی ہیں... مگر اس کی زندگی پر چھائیں بن گئی... قاتل کے لیے... ہر جگہ ہر پل اس کی جان خطرے میں تھی... وہ شعلوں سے بجتی رہی... اور محبت کی چنگاری سے سُلگ اٹھی...

سنسنی خیز ناول کی پیچیدگی..... پہلو بہ پہلو آتش و آب کا کھیل.....

شادی کی رونق دھواں دھواں ہو گئی تھی.....  
نیا کوری۔ چرچ میں تھا بھی۔ ڈریسنگ روم کے آئینے میں اپنے عکس کو گھور رہی تھی۔ حیران تھی یا پریشان مگر وہ نہیں رہی تھی۔ شدتِ اذیت نے اسے من کر دیا تھا۔ دکھ تھا، درد تھا..... لیکن آنکھیں خشک تھیں۔ قیمتی لباس اور میک اپ کے ساتھ عکس ایک مثالی دلہن کے مانند تھا۔ جس نے بھی اسے دیکھا، دیکھتا رہ گیا..... لیکن اب کچھ نہیں تھا۔ مہمان رخصت ہو گئے تھے۔ سناٹا تھا، ماحول سوگوار تھا۔ عین دقت پر دو لہا غائب تھا۔ چھ مہینے کے خواب یک لخت کرچی کرچی ہو گئے تھے۔ منصوبہ بندی، تیاری..... چند سطور نے خاک کر دی تھیں۔ سطور ایک مختصر نوٹ کی شکل میں، رسومات کے آغاز سے محض بیس منٹ پہلے موصول ہوئی تھیں۔ دو لہا جو بیس منٹ پہلے تک نیا کوری کے لیے ایک بہترین شخص تھا۔

”نیا، مجھے سوچنے کے لیے وقت درکار ہے۔ سوری، آئی ایم ویری سوری۔ میں چند روز کے لیے پورٹ لینڈ سے جا رہا ہوں۔ پھر کال کروں گا..... رابرٹ۔“

نیا نے زبردستی نوٹ پھر پڑھا..... وقت درکار ہے..... وقت درکار ہے.....



تھے۔

”یہ کیسے ہو سکتا ہے؟“ لیڈل نے اظہار حیرت کیا۔  
”ظاہر ہے، اسٹیکٹر نے اپنا ہنر، ہونہار شاگرد تک پہنچا دیا تھا۔ اب ہمارے سامنے دوسری جہزیشن کا بومر ہے۔“  
سام نے کہا: ”اسٹیکٹر ایک بے رحم خولی تھا۔ جو دولت کے لیے خوبی کے ساتھ اپنا کام سرانجام دیتا تھا۔ امکان ہے کہ نیا بومر بھی پیسے کے لیے کام کر رہا ہے۔ ہمیں اس کے انداز اور اسٹائل کو بچ کرنا ہوگا۔“

”کیا مطلب؟“ لیڈل بولا۔ ”کیا وہ پھر ہٹ کرے گا؟“

سام نے ہنسنے والے انداز میں اثبات میں سر ہلایا۔  
”بد قسمتی سے میں یہی کہنا چاہ رہا ہوں۔“

اسی وقت ایک پٹرول وین نے دروازے پر دستک دے کر اندر جھانکا۔ ”معاف کیجیے، لیکن سام اور گورڈن کے لیے کال ہے۔“

”میں دیکھتا ہوں۔“ گورڈن نے کرسی چھوڑ دی اور دیوار پر نصب فون کی جانب گیا۔

”فی الحال ہم پچھلے قدم پر ہیں۔“ سام نے لیڈل سے کہا۔ ”کوئی شناخت نہیں ہے نہ کوئی فکر پرش اور نہ کوئی شہادت۔“

”چیف۔“ گورڈن نے قطع کلامی کی۔ ”ایک اور دھماکے کی رپورٹ ہے۔“

سام نے کرسی چھوڑ دی اور دروازے کی طرف حرکت کی۔

”دہات؟“ ”چیف کا چہرہ فکر کا آئینہ دار تھا۔“

”کوئی اور گودام؟“ لیڈل نے سوال کیا۔  
”نہیں۔“ گورڈن نے جواب دیا۔ ”چرچ۔“

☆☆☆

جائے حادثے پر رسائی ممنوع حصار کے ذریعے بند کر دی گئی تھی۔ سام اور گورڈن، چرچ پہنچے تو سڑکوں پر ہجوم تھا۔

”کوئی جانی نقصان؟“ سام نے پولیس اٹچارج سے استفسار کیا۔

”نہیں۔“ جواب آیا۔ ”خالص لک، شادی کی تقریب کے باوجود چرچ خالی تھا۔“

”کس کی شادی تھی؟“

”کوئی ڈاکٹر تھا۔ لیکن وہاں پٹرول کار میں بیٹھی ہے۔ وہ اور پادری دھماکے کے گواہ تھے۔“

”میں اس سے بعد میں بات کروں گا اور پادری سے

رات پونے تین گودام کے ٹائٹ وریج مین نے نوٹ کیا تھا کہ کوئی نقب زن اندر گیا ہے۔ وہ بھی تعینش کے لیے عمارت کے اندر گیا۔ تلاش کے دوران ایک آفس کے اندر اس نے دھماکا خیز ڈیوائس دیکھی۔ اس نے 1:30 پر کال کی۔ گورڈن 1:50 اور میں 2:00am پر وہاں پہنچا۔ ٹائٹ وریج مین کے مطابق عمارت خالی تھی۔ فی الفور عمارت کے گرد حصار قائم کر دیا گیا اور ڈیوائس کو ناکارو کر دیا۔ ٹاپ، ویٹ کنٹینر تک پہنچتے ہی 2:30am پر پہلا دھماکا ہوا۔ ہماری خوش فہمی دور ہو گئی۔ ہم نے عمارت کی تلاش لینے کا فیصلہ کیا۔ تاہم اس سے پہلے ہی پندرہ منٹ بعد دوسرا دھماکا ہوا۔ مارنی کو حصار سے دور ہونا چاہیے تھا۔ وہ دوسرے دھماکے میں مارا گیا۔“ سام نے اٹارنی کو دیکھا جس کا منہ بند تھا۔ ”ڈائنامائٹ پر ڈیپو پون“ کا لیبیل تھا۔ سام نے بات مکمل کی۔

”تم گزشتہ برس ”اسٹیکٹر“ کو میننگ کی بات کر رہے ہو؟“ چیف نے سوال کیا۔

”اس امکان کو رد نہیں کیا جاسکتا۔“ سام نے جواب دیا۔

”لیکن ”اسٹیکٹر“ کا کیس کلوز ہو گیا تھا۔ وہ خود بھی ملک سے فرار ہو گیا تھا۔“

”لیکن چوری شدہ ڈائنامائٹ کافی تعداد میں ابھی تک برآمد نہیں ہوئے۔“

”ہم کون بتا رہا ہے؟“ چیف نے سوال کیا۔

”اس کا شاگرد ہو سکتا ہے۔“ سام نے کہا۔ ”اس کے پاس ماسٹر کی ٹیکنیک بھی ہے اور ماسٹر کی سپلائی بھی۔“

”تم نے تصدیق نہیں کی ہے کہ ڈائنامائٹ اسی چوری شدہ لٹ میں سے ہیں۔“ لیڈل نے کہا۔

”ہمارے پاس کچھ اور شواہد بھی ہیں۔“ سام نے ٹائڈا کو اشارہ کیا۔

ٹائڈا، میز پر موجود رپورٹس کی طرف متوجہ تھا۔ ”ہم نے جو مواد اکٹھا کیا ہے۔“ اس نے بولنا شروع کیا۔ ”اس کی مدد سے ہم ڈیوائس کی ابتدائی شکل تک پہنچ سکتے ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ الیکٹرونک ایکشن فیوز، الیکٹرونک ڈیلیے ایکشن کے باعث اڑتا ہے۔ جواب میں پراسیما ڈیویژن کورڈ کے ذریعے ڈائنامائٹ تک شعلہ یا پتھر لگائی جاتی ہے۔ دھماکا خیز مواد کی انکس کی چوڑائی دواغ تھی۔ جو ہڈل کی شکل میں سبز ٹیپ میں لپیٹی تھیں۔ یہ دیا ہی ڈیلیے سڑکتا تھا جو ”ڈسٹ اسٹیکٹر“ نے گزشتہ برس بومنگ میں استعمال کیے

ہوئی۔ دھواں پارکنگ تک بھر گیا۔ دھیرے دھیرے سفید دھواں چھٹا۔ نینا نے دھندلی نظر پادری سیلون پر ڈالی۔ جس کا سر شائے پر ڈھلکا ہوا تھا۔

☆☆☆

”تم دونوں بہت بڑے ایڈریٹ ہو۔“ ٹارم لیڈل گرج برس رہا تھا۔ پورٹ لینڈ پولیس اسٹیشن کے کانفرنس روم میں پانچ افراد موجود تھے۔ سام نیوارو خاموش تھا۔ ان کا اپنا ایک آڈی مارا گیا تھا۔ سام کے پارٹنر گورڈن نے دفاع کیا۔ ”ہم نے مارنی کو سائٹ پر جانے کی اجازت نہیں دی تھی۔“

”تم لوگ ”بیم سین“ کے انچارج تھے۔“ ڈسٹرکٹ اٹارنی لیڈل نے کہا۔ ”تمہاری ذمے داری تھی ہے۔ مارنی نا تجربہ کار تھا۔“

”اے سے ضابطے کا خیال رکھنا چاہیے تھا۔“ گورڈن نے کہا۔

”شب آپ، گورڈن۔“ سام نے اسے خاموش کیا۔

”میں اپنی یوزیشن واضح کر رہا ہوں۔“

”کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ نزول ہم پر ہی گرتا ہے۔“ سام کرسی میں پیچھے کی جانب گیا اور ڈسٹرکٹ اٹارنی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں۔ ”مسٹر ڈی، اے، کیا چاہتے ہو؟“

”پبلک کانفرنس یا ہمارے ہسٹنس؟“

”کوئی اختلاف نہیں مانگ رہا۔“ چیف کو پر اسٹھ نے مداخلت کی۔ ”اور موجودہ بحث فضول ہے۔“

”انضباطی کارروائی ہوتی چاہیے۔ ایک پولیس آفیسر مارا گیا ہے۔“ ڈی، اے لیڈل نے کہا۔

”کیا میں نہیں جانتا؟“ کوپر اسٹھ نے برہمی کے ساتھ کہا۔ ”بیوہ کو جواب مجھے دینا ہے۔“

”خود بخود رپورٹز نے نہیں۔ یاد رکھو آڈی ہمارا گرا ہے۔ کاپ۔“ کوئی دلیل نہیں۔“

سام نے حیرت سے چیف کو دیکھا۔ یہ ایک نیا تجربہ تھا کہ کوپر اسٹھ کی کی سائڈ لے رہا تھا۔ اس کی شناخت تھی کہ وہ بہت کم بولتا تھا۔

”برنس کی طرف آؤ۔“ چیف نے کہا۔ ”ایک بومر ہاؤن میں ہے اور ہماری معلومات کتنی ہے؟“ چیف نے سام کی طرف دیکھا جو بیہوش ناسک فورس کا ہیڈ تھا۔

”کچھ زیادہ نہیں۔“ سام نے تسلیم کیا۔ ”اس نے ایک فوٹو رکھول کے کاغذات میز پر موجود چار افراد میں تقسیم کیے۔“

گورڈن، لیڈل، کوپر اسٹھ اور اٹارنی ٹائڈا، ٹائڈا، مین اسٹیٹ، کرائم لیب کا انسپکٹر ڈاکیپرٹ تھا۔

”پہلا دھماکا۔۔۔۔۔ رات ڈھائی بجے، دوسرا بلاسٹ

دونوں ایک برس سے ساتھ تھے۔ چھ مہینے سے شادی کی تیاری کر رہے تھے اور تیس منٹ قبل نوٹ آیا کہ رابرٹ کو ابھی سوچنے کے لیے وقت چاہیے؟ یہ کیسا مذاق تھا؟ کسی قسم ظریعی تھی؟ حیرہ دہی کا کون سا انداز تھا؟

”نینا؟ نینا، دروازہ کھولو!“ نینا کی بہن ویٹزی دروازہ پر دستک دیتی تھی۔ ”پلیز مجھے اندر آنے دو۔“

نینا نے سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔ ”مجھے تباہ چھوڑ دو۔“

”تمہیں سمجنی چاہیے۔۔۔۔۔ یہاں کوئی نہیں ہے۔ صرف میں ہوں۔۔۔۔۔“

”پلیز تم بھی چلی جاؤ۔“ نینا نے بمشکل کہا۔

”گھر کیسے جاؤ گی؟“ ”تو کتے کے بعد آواز آئی۔“

”چلی جاؤ گی۔“

”میں جانتی تھی، اس کیسے کو۔۔۔۔۔ تم نے آنکھیں بند کی ہوئی تھیں۔“

نینا خاموش رہی۔ باہر سکوت طاری تھا۔ کچھ دیر بعد ویٹزی کے قدموں کی آواز ابھری، جو دور ہوتی چلی گئی۔

نینا کی کیفیت، رنج و غم کے بعد غصے میں بدل گئی۔ وہ دھیرے سے اٹھی، لیکن کالباہدہ اتار کے پھینک دیا۔ زلفوں کا سنگھار اجاڑ دیا۔۔۔۔۔ میک آپ خراب کیا، زبور۔۔۔۔۔ ہار پھول

نوج کے پھینک دیے اور ڈریسنگ روم سے نکل گئی۔ اس کا رخ باہر کی جانب تھا۔ عمر رسیدہ پادری سیلون کی آواز آئی۔

”نینا، نینا۔۔۔۔۔ ڈیر۔“

وہ چرچ کی سیزھیوں پر مزی۔ مہربان بزرگ کے چہرے پر فکر کی پرچھائیں تھیں۔

”مینی میں کچھ کر سکتا ہوں؟“ ان کے انداز میں شفقت تھی۔

نینا نے نفی میں سر ہلایا۔ ”میں جاؤں گی۔“

”کیوں نہیں، کیوں نہیں۔ میں تمہیں چھوڑ آتا ہوں۔“

سیلون نے ہلرودی سے نینا کے بازو پر ہاتھ رکھا۔ دونوں سیزھیوں سے اتر کر عمارت کے پیلو میں اسٹاف پارکنگ کی طرف بڑھ گئے۔ سیلون نے نینا کو گاڑی میں بٹھایا اور خود ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی، کچھ دیر خاموشی چھائی رہی۔

پھر پادری نے مذہبی انداز میں نینا کو تسلی دینے کی کوشش کی۔ ”پلیز، مجھے گھر چھوڑ دیجیے۔“ وہ بولی۔

پادری سیلون نے اسٹیشن میں چالی لگائی۔ سماعت شکن دھماکا ہوا۔ یوں لگا، چرچ کی عمارت زمین بوس ہو رہی ہے۔ لکڑی اور شیٹے کے ٹکڑوں کی برسات







”ہم دھماکے کے بعد عموماً ہسٹریا پہلا رد عمل ہوتا ہے۔“

”میں ایمر جنسی سیکشن کی نرس ہوں۔“ نینا نے کہا۔

”پھر بھی تمہارے لیے یہ ایک شاک تھا۔“ سام نے

پل بھر کے لیے اسے دیکھا اور فوراً نظر ہٹا لی۔ ”تمہاری فیملی

کو تمہارے ساتھ ہونا چاہیے تھا۔ میرا مطلب ہے، دھماکے

سے پہلے ہی تمہیں سہارے کی ضرورت تھی۔“

”میں نے خود ان کو گھر بھیج دیا تھا۔ میرے خیال میں

تمہائی بہتر تھی۔ جب کوئی جانور زخمی ہو جاتا ہے تو اپنے زخم

چاٹنے کے لیے اسے تمہائی درکار ہوتی ہے۔“

”یہ کسی نرس کا جواب ہے یا فلسفی کا؟“ سام نے پھر

گردن پھیری۔ دونوں کی نگاہ ٹکرائی۔ تاہم ٹکشن دوبارہ ایک

ساعت میں ٹوٹ گیا۔

”نرس کا۔۔۔ زخمی نرس کا جواب ہے۔“ نینا بولی۔

”میں سمجھتا ہوں کہ اس وقت یہ گفتگو تمہارے لیے

مناسب نہیں ہے۔“ روبوٹ کی آواز میں خفیف سا گداز تھا۔

”لیکن شاید تم میرے لیے ایک سوال کا جواب دے سکو۔

دھماکے کا ٹارگٹ کوئی اور بھی ہو سکتا تھا۔۔۔ کیا فادرسلین؟“

نینا نے نفی میں سر ہلایا۔ ”ناممکن۔ وہ نہایت نرم دل

اور نیک انسان ہے۔“

”بارنی میں کوئی اور ٹارگٹ ہو سکتا تھا؟“

”میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔“

”تمہاری بہن ویڈی؟“

”میں نہیں جانتی۔۔۔ مسٹر سام۔۔۔“

”اوکے، ہم مرکزی کھلاڑی کی طرف آتے ہیں جو

اچانک، قطعی غیر متوقع طور پر کچھ رد عمل غیر حاضر ہو گیا۔“

نینا نے سکون کی سانس لی لیکن، رابرٹ کے بارے

میں، میں کیا کہہ سکتی ہوں۔۔۔ اس نے سوچا، جبکہ میں خود

اندھیرے میں ہوں۔ نورس، کیپ الیزبتھ کے قریب تھی۔

نینا کی اندرونی اذیت ابھرنے لگی۔ بہت کم وقت میں اس

نے دو شاک برداشت کیے تھے۔ البرٹ اور ہم بلاسٹ۔

اب گھر کے قریب اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ وہ

اکٹلاری سے بچنے کی کوشش کر رہی تھی۔

☆☆☆

دروازہ نینا کی ماں نے کھولا تھا۔ ”اوہ میری بیاری

نینا۔“ اس نے شکستہ حال نینا کو دیکھ کر ہاتھ پھیلائے۔ نینا بے

اختیار شاخ سے ٹوٹے پتے کے مانند ماں کی بانہوں میں سا

گئی۔ جذباتی کیفیت میں نینا فوراً ٹوٹ نہیں کر سکتی کہ لائیو

بالآخر نینا نے دروازہ کھول کے اس کا ہاتھ پکڑا اور

عروسی لباس سیٹ کے باہر آئی۔ اپنی ہیئت گندائی پر وہ خود

کوفت محسوس کر رہی تھی۔ نینا نے پہلی مرتبہ ڈیٹیلو کے

چہرے پر خفیف سی نرمی محسوس کی۔ سام کی رہنمائی میں وہ اس

کی کار تک گئی۔ کار نیلے رنگ کی نورس تھی۔ سام، نینا کو ہٹھا

کے اپنے ساتھیوں کو بریف کرنے لگا۔ نینا کے نزدیک وہ

برف سے بنا ایک روبوٹ تھا۔ اپنی ٹیم سے مرٹ کے وہ کار

میں بیٹھ گیا۔ آستینیں اوپر چڑھی ہوئی تھیں۔ ٹائی ڈھیلی

تھی۔ شرٹ شکن آلود۔

”اوکے، کس طرف چلتا ہے؟“

”کیپ الیزبتھ۔۔۔ دیکھو تم مصروف ہو۔۔۔“

”میرے سامنے دیکھ رہے ہیں۔ تمہیں چھوڑ کے،

تمہاری ماما سے بات کرنے کے بعد اسپتال میں فادر سے

ملوں گا۔“

”گریٹ، ایک پتھر سے تین پرندے مارو گے۔“

نینا نے تھمرہ کیا۔

”میں کاہلی کے خلاف ہوں۔“

بقیہ سفر خاموشی سے طے ہوا۔ اگرچہ نینا خاموش طبع

نہیں تھی اور نہ ہی تمہائی پسند۔ تاہم وہ سمجھ رہی تھی کہ اس سرد

مزاج مزاح رساں سے بات چیت بے معنی ہے۔ کسی بھی قسم

کی گفتگو سام کے سر پر سے گزر جائے گی۔ کہیں سوہوم

خواہش موجود تھی کہ وہ سام سے بات کرے، تاہم وہ خاموشی

سے گھڑکی سے باہر دیکھتی رہی۔ ذہن میں گزرے وقت کی

فلم چل رہی تھی۔ رابرٹ کے معاملے میں اس نے حماقت کا

مظاہرہ کیا تھا۔ وہ رابرٹ کی ڈریم گرل نہیں تھی۔ خود اس کی

فیملی نینا کو سمجھ نہیں پاتی تھی۔ وہ نینا کی جاب ”نرسنگ“ کے بھی

خلاف تھے۔ لیکن ڈاکٹر رابرٹ سے شادی پر مطمئن تھے۔

تاہم سب کچھ الٹ گیا۔ احساس خفت نے نینا کو روند ڈالا

تھا۔ دھماکے میں مرنا یا بچنا اتنا اہم نہیں تھا۔۔۔ جتنی اہمیت اس

ذلت کی تھی جو اسے اٹھانی پڑی۔ دھماکے کی منطق نینا کے

ذہن کی گرفت سے باہر تھی۔۔۔ اور اب وہ سبز آنکھوں والے

برفالی روبوٹ کے ساتھ سفر کر رہی تھی۔

”تمہاری صحت قابل ستائش ہے۔“ اچانک روبوٹ

بول اٹھا۔

نینا نے چونک کر گردن گھمائی۔ ”ایکسکیوز می؟“

”تم نے غیر معمولی سکون سے صورت حال کا سامنا

کیا۔“

”مجھے نہیں معلوم، اور کیا کیا جاسکتا تھا؟“

لیں۔ یوں لگا، جیسے وہ جھک گئی ہے، بور ہو گئی ہے لیکن وہ سوچ

رہی تھی۔ سب کے بارے میں۔ بہن، ماں، باپ جارح کے

بارے میں، جس نے کم عمر لڑکی سے چوٹی شادی رچائی تھی۔

سنہرے بالوں والی چوٹی بیوی گولڈن ٹرائی کے مانند تھی جس

کے نزدیک نینا کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ اہم نینا کے باپ

جارح کی دولت تھی۔ بڑی بہن سے نینا کے تعلقات میں

غرج جوتی مفقود تھی۔ یہ ایک ابھی ہوئی فیملی تھی۔ تاہم ٹکس کی

کوئی وجہ نہیں تھی۔

”ایسی کوئی بات نہیں ہے۔“ کچھ دیر بعد نینا نے

جواب دیا۔

”آل راءٹ۔“ سام نے نوٹ بک بند کی۔ ”مس

نینا، میرا خیال ہے کہ فی الحال اتنا کافی ہے۔“

”فی الحال؟“

”ہاں، دیگر افراد سے تفتیش کے بعد تم سے غالباً مزید

سوالات کی ضرورت پیش آئے۔“ سام نے کارڈ کا دروازہ

کھولا۔ ”اس دوران میں تمہارے ذہن میں کوئی بھی بات

آئے، مجھے کال کرنا۔“ سام نے اپنا کارڈ آگے بڑھایا۔

”بولیں سوچ پورڈ کے ذریعے میں چوبیس گھنٹے رابطے میں

آ سکتے ہوں۔“

”یعنی میں گھر جا سکتی ہوں؟“

”ہاں۔“ سام کا سرے اتر تو نینا کو اس کی دروازہ قامت

کا اندازہ ہوا۔

”کوئی مسئلہ؟“ سام نے اسے پٹرول کار میں بیٹھے

دیکھ کر سوال کیا۔

”میرے پاس کار ہے، نہ نوٹن۔ کیا تم میری ماں کو

کال کر کے بلا سکتے ہو، وہ مجھے یہاں سے لے جائیں گی۔“

”تمہاری ماں؟“ سام نے اطراف میں ستلاشی نگاہ

دوڑائی۔ ”میں تمہیں چھوڑ آتا ہوں۔“

”میں نے کال کرنے کے لیے کہا تھا۔“ دھڑکی۔

”کوئی بات نہیں۔۔۔ ویسے بھی مجھے جلد یا بدیر وہاں

جانا تھا۔“

”کیوں؟“

”وہ تقریب میں شریک تھیں۔ ان سے بات کرنی

ضروری ہے۔“ سام نے اسے گاڑی سے باہر نکالنے کے

لیے ہاتھ بڑھایا۔ نینا اس کے تیز رفتار فیصلے کے بارے میں

سوچ رہی تھی۔ نینا اندرونی کشش کا شکار تھی۔ اس نے بڑھا

ہوا ہاتھ نہیں تھا تھا۔

”بس نینا؟“

”ہم ساتھ رہتے تھے۔“

”شادی کیوں کنسل ہوئی تھی؟“

نینا نے آخری لحاظ کے نوٹ کے بارے میں بتایا۔

”یعنی یہ اس کا فیصلہ تھا۔ تم وجہ جانتی ہو؟“

نینا نے اچانک ایک کڑوا قہقہہ لگایا۔ ”ڈیٹیلو، میں

زمین ہلا۔۔۔ دینے والے نتیجے پر پکڑی ہوں۔۔۔ وہ یہ کہ

مردوں کا دماغ ایک مسٹری ہے۔“

”اس نے تمہیں کوئی اشارہ یا تنبیہ نہیں کی تھی؟“ سام

نے سوال کیا۔

”جتنی ہی غیر متوقع تھا۔۔۔ جتنا ہم دھماکا۔“

”جتنے جیسے شادی کنسل ہوئی تھی؟“

”تقریباً ڈیڑھ بجے اعلان کر دیا گیا تھا۔“

”ممکن ہے، رابرٹ واقعی کسی مشکل میں پھنس گیا

ہو۔“ سام نے رائے زنی کی۔

”ناممکن۔“ نینا نے تردید کی۔ ”تم اس سے کیوں نہیں

پوچھ لیتے۔“ نینا نے براہ راست سام کی آنکھوں میں جھانکا۔

”میں اپنا ذہن کھلا رکھتا ہوں۔ ہو سکتا ہے دھماکے میں

اس کا ہاتھ ہو؟“

”خدا کے لیے۔۔۔ یہ اس کے بس کی بات نہیں۔۔۔“

وہ ایک ڈاکٹر ہے۔“

”اوکے، میں اس سے بات کروں گا۔ فی الحال

دوسرے امکانات کا جائزہ لیتے ہیں۔ مثلاً ملازمت؟“

”مین میڈیکل سینٹر کے ایمر جنسی سیکشن میں بحیثیت

نرس کام کرتی ہوں۔“

”وہاں کوئی پرابلم، کوئی تنازعہ۔۔۔ کسی کے ساتھ

مسابقت وغیرہ؟“

”نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔“

”کسی جانب سے دھمکی۔ مثلاً۔۔۔ مثلاً کسی مریض کی

جانب سے؟“

نینا ہلکے آہنی۔ ”تم سمجھتے ہو کہ اگر میرا کوئی دشمن ہے

تو میں بے خبر رہوں گی؟“

”ایسا ممکن ہے۔“

”تم بہترین کوشش کر رہے ہو کہ میں کسی دوسرے یا

دماغی خلل میں مبتلا ہو جاؤں۔“

”میں صرف یہ چاہ رہا ہوں کہ تم ماضی میں جھانکوں۔

اپنی ذاتی زندگی کو کھٹکا لو۔ ہر اس ہستی کے بارے میں سوچو

جہاں امکان ہو کہ وہ تمہیں ناپسند کرتا یا کرتی ہے۔“

نینا نے نشست سے ٹیک لگا کے آنکھیں بند کر



# پاکینہ

رفعت سراج، شیریں حیدر کے ناول..... تیزی سے اختتام کی جانب گامزن

حیا بخاری اور دردانہ نوشین خان کی سلسلے وار تحریروں..... انوکھے موڑ پر

فرحین اظفر کی ایک اور شاندار تحریر..... عورت کہانی کی صورت

معروف راسخ سکینہ فرخ سے دل پر ملاقات

عقلمند حق کا خوب صورت عمل ناول..... عام سے خاص تک

صبیحہ شاہ، غزالہ رشید، ام ایمان کی باغریب تحریروں

چولستان کے نخلستان سے ایک

مشتاق لکھاری..... دردانہ نوشین خان

کی کراچی آمد کی دلکش تفصیل

ایمانی عہد کے لازوال موضوع پر اختر شجاعت کی بصیرت افروز کاوش

اس کے حوالے

ثمر کاظمی، کنیز نور علی، افسین نعیم،

عطیہ ہدایت اللہ و دیگر لکھاریوں کے لاجواب افسانے

اس کے ساتھ ساتھ مثبت معلومات و تفریحی عناصر سے پُر مزید مستقل سلسلے صرف آپ کی خوش ذوقی کی نذر

کوئی اہم معلومات حاصل نہ کر سکا۔ نئی بات یہ بھی کہ لائیو کا موجودہ شوہر فلائٹ میں تاخیر کے باعث پارٹی میں موجود نہیں تھا۔ اس کا سابقہ شوہر جارج اپنی چوتھی بیوی کے ساتھ شریک محل تھا۔

”مہزوار سنیں کیا آپ کے شوہر کا کوئی دشمن یا حریف؟“

لائو نے مسکراتے جواب دیا۔ ”ڈیٹلیو، جہاں دولت ہوتی ہے وہاں دشمن یا حریف بھی ہوتے ہیں۔“

”آپ کے ذہن میں کوئی خاص نام؟“ وہ سمجھ گیا تھا کہ نینا کی سگی ماں کے سامنے ہے۔ دوسرا گھر جارج کا تھا جو نینا کا سگا باپ تھا۔ دونوں گھروالوں میں ملاقاتیں ہوتی تھیں۔

”تم ایڈورڈ وارنٹن سے معلوم کر سکتے ہو۔“ وہ بولی۔

”ضرور۔“ سام کھڑا ہو گیا۔ ”میں معلوم کر دوں گا۔“

اس نے سر کی جنبش کے ساتھ باہر کا رخ کیا۔ ڈرائیونگ کے دوران اس کے ذہن میں مختلف سوالات چکر رہے تھے۔

سب سے بڑا سوال ڈاکٹر رابرٹ کے بارے میں تھا۔ اسی کی غیر جانبداری تھی جس نے درجنوں زندگیاں بچائی تھیں۔ کیا یہ خوش قسمتی تھی؟ کیا ڈاکٹر نے کسی قسم کی وارنٹنگ وصول کی تھی؟

کیا وہ خود تارگت تھا؟ کیا یہ اتفاق تھا یا کوئی منصوبہ؟

ملا شوری طور پر خیالات کی رو نینا کو رہی کی طرف بہہ نکلی۔ وہ چہرہ، حسن..... بھولنے والا نہیں تھا۔ سام، بدترین حالات میں، نینا کی جرأت سے بھی متاثر تھا۔ خود رتی کا مظاہرہ کرنے کے بجائے اس نے اپنا سر بلند رکھا تھا۔ سام

تا تجربہ کار، عام آفیسر نہیں تھا۔ طویل کیریئر میں اس نے ہر کیس میں جذبات..... پسند ناپسند کو مذاق پر رکھا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ ایک کامیاب ڈیٹلیو کے لیے یہ عنصر کتنا اہم ثابت ہوتا ہے۔ لیکن یہ لڑکی حیرت انگیز تھی۔ وہ ڈاکٹر رابرٹ سے ملنے کے لیے بے چین تھا۔

☆☆☆

پانچ بجے آخر کار نینا کمرے سے برآمد ہوئی۔ انتظار کی کوئی علامت نظر نہیں آ رہی تھی۔ وہ عین اور فی شرٹ میں ملبوس تھی۔ پرسکون انداز میں اس نے سیزدیاں طے کیں۔

لیونگ روم میں مام تھا تھی۔ سام جا چکا تھا۔ لائیو نے جام ہونٹوں سے لگایا۔ نینا دیکھ رہی تھی کہ جام والے ہاتھ میں معمولی لہزش تھی۔ ”مام، آپ ٹھیک ہو؟“

”اوہ ہاں.....“ لائیو اچوکی۔ شانے اچکائے۔ ”تم کیسے ہو؟“

اپنے سبز ریشمی لباس کو بچانے کے لیے جلد ہی الگ ہو گئی تھی لیکن نینا نے اس کا سوال سن لیا۔

”رابرٹ کی کوئی خبر ملی؟“ لائیو نے سوال کیا۔ ”ڈیٹر پیچھ کر کوئی حل نکالا جاسکتا ہے۔“

”مام میں اس موضوع پر بات نہیں کرنا چاہتی۔ رابرٹ سے نہ کسی اور سے۔“ نینا پیچھے ہٹ گئی۔

”تمہارا غصہ بچا ہے لیکن.....“

”کیا آپ برہم نہیں ہیں؟“ نینا نے کہا۔

”میں ہوں، اس نے ٹھیک نہیں کیا۔“

سام نے کھٹکھار کے اپنی موجودگی کا احساس دلایا۔

”میں ڈیٹلیو سام نیوارو ہوں، پورٹ لینڈ پولیس۔“

اس نے کہا۔ ”آپ سزکوری ہیں؟“

”اب میں سزوارنٹن ہوں۔ ہو کیا رہا ہے؟ پولیس کا کیا کام ہے؟“

”میڈم، چرچ میں ہم بلاسٹ ہوا ہے۔ میں تحقیقات کر رہا ہوں۔“

”تم سنجیدہ ہو؟“ لائیو نے سام کو گھورا۔

”سو فیصد! خوش قسمتی رہی کہ شادی ٹٹنے کی وجہ سے کوئی نقصان نہیں ہوا۔“

دفعہ لائیو کا چہرہ سفید پڑ گیا۔ وہ ایک قدم پیچھے ہٹ گئی۔

”مہزوار سنیں، میں چند سوالات کرنا چاہتا ہوں۔“

سام نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

نینا پہلے ہی بہت کچھ سن چکی تھی۔ وہ وہاں نہیں رہی۔ سیزدیاں طے کر کے اوپر سیدھی اپنے کمرے میں چلی گئی۔

لباس تبدیل کیا اور بیڈ پر بیٹھ کر رونے لگی۔

☆☆☆

لائو اور وارنٹن اپنی بیٹی سے مختلف تھی۔ البتہ دونوں کے بال سیاہ تھے۔ اس نے خود کو سنہال کے رکھا تھا۔ ماں کے بجائے نینا کی بڑی بہن لگتی تھی۔ سام نے لاؤنچ کا جائزہ لیا..... اسے احساس ہوا کہ وہ کسی رئیس کے گھر میں کھڑا ہے۔

وہ لائیو کو بتا چکا تھا کہ یہ پہلا بلاسٹ نہیں تھا۔ لائیو گودام والے، گزشتہ ہفتے کے دھماکے سے آگاہ تھی۔ اس کی رائے تقریباً درست تھی کہ یہ منظم کرائم کا اشارہ ہے۔ تاہم وہ یہ سمجھنے سے قاصر تھی کہ اسے چرچ سے کیسے ملایا جاسکتا ہے۔ سوال جواب کے دوران اس نے لائیو کا اظہار کیا۔ اس کے بیان کے مطابق چرچ کا انتخاب نینا نے کیا تھا۔ سام



”میں ٹھیک ہوں۔“ نینا نے سام کو دیکھا۔ دونوں خاموش تھیں۔ ماں بیٹی کے درمیان ایک انوکھی چٹخ جاگ رہی تھی۔ یہ دونوں کی سمجھ سے پرے تھی۔ یا دونوں نے سمجھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

”وہ کیا کہہ رہا تھا؟“ نینا کا اشارہ سام کی جانب تھا۔  
”کیا کہتا تھا۔ چند سوالات تھے، میں نے جواب دے دیے۔“

”اس نے کچھ بتایا؟ کون ملوث ہو سکتا ہے؟“  
”وہ بتانے والا پولیس میں نہیں ہے۔ اسے پڑھا بھی نہیں جاسکتا۔ صرف اس کا چارم بولتا ہے۔“ لائیڈا نے سرسری انداز میں کہا۔

”اس معاملے میں نینا اختلاف نہیں کر سکتی تھی۔ اس نے سام کے ہاتھ میں جام کی بریلی ڈیلیں کو دیکھا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ آکس کیوبس میں حرارت ہو سکتی ہے لیکن سام نیوارو میں نہیں۔ بہر حال وہ جاب کی تنخواہ لے رہا تھا، پرکشش نظر آنے کی نہیں۔ مختصر گفتگو کے بعد وہ باہر نکل گئی۔ کچھ دیر بعد وہ اپنی ہونڈا کار میں روڈ پر تھی۔ اس کا رخ رابرٹ کے گھر کی جانب تھا۔ وہ اپنا سامان سمیٹ کر گڈ بائی کہنے کی تیاری کر رہی تھی۔ ممکن ہے وہ پورٹ لینڈ سے باہر نہ گیا ہو۔ رابرٹ کی دغا بازی میں کوئی شبہ نہیں تھا۔ اسٹیکرز کو سے گزر رہے تھے نینا کی نگاہ ریزو یو پر پڑی۔ عقب میں کچھ فاصلے پر سیاہ فورڈ موجود تھی۔ چند میل پیچھے، نینا نے ڈیلانو پارک کے قریب بھی فورڈ کو دیکھا تھا۔ عام حالات میں اس کے لیے فورڈ کو نظر انداز نہ کر سکتی۔ نینا نے شک دور کرنے کے لیے ہونڈا، اوٹین و یو ڈرائیو کی طرف موڑی۔ سیاہ فورڈ بھی اس طرف مڑ گئی۔ نینا نے پریشانی محسوس کی۔ تاہم وہ ایک مصروف سڑک پر تھی۔ کوئی بھی اس طرف آسکتا تھا۔ اطمینان کی خاطر وہ قدرے سست سست سڑک پر آگئی۔ یہ ”پینلز ہوائیٹ“ تھا۔ اسے تو فتح تھی کہ فورڈ سے جان چھوٹ جائے گی لیکن یہ خام خیالی تھی۔ فورڈ درحقیقت اس کے تعاقب میں تھی۔ نینا کے ذہن میں خوف نے سرا جھایا۔

اس نے رفتار بڑھا دی۔ فورڈ کی رفتار میں بھی اضافہ ہو گیا۔ بلکہ فورڈ قریب تر ہونے لگی۔ منٹ کے اندر وہ ہونڈا کے پہلو پہ پہلو دوڑ رہی تھی۔ خطرے کا احساس شدت اختیار کر گیا۔ نینا نے فورڈ کی طرف دیکھا لیکن رنگین شیشوں کی وجہ سے وہ کچھ دیر دیکھ نہ سکی۔ کیوں؟ اس کے ذہن میں

سوال اٹھا۔ تم کیوں ایسا کر رہے ہو؟ دفعتاً فورڈ نے سام کو ماری۔ تصادم کے بعد نینا بے قابو کار کو سنبھالنے کے لیے جھد کر رہی تھی۔ سنبھلتے ہی اس نے بریک لگائے۔ فورڈ آگے نکل گئی۔ تاہم اس کی رفتار بھی فوراً کم ہوئی۔ فورڈ دوبارہ ہونڈا کے برابر آگئی۔ فورڈ کی پاور ونڈو کھلی ہوئی تھی۔ نینا نے ڈرائیور کی جھلک دیکھی۔ وہ مرد تھا۔ سیاہ بال اور سیاہ چشمہ۔ نینا کی نظر سامنے اونچائی کی طرف گئی، جہاں سے دوسری کار نمودار ہوئے۔ سیدھی فورڈ پر آ رہی تھی۔ ٹائروں کی چٹخ بلند ہوئی۔ دو واقعات تقریباً ایک ساتھ ہوئے۔ فورڈ، ہونڈا سے ٹکرائی۔ دوسری چیز شیشہ ٹوٹ کے بکھر گیا۔ ہونڈا نے گھوم کر حسرت لگائی اور روڈ سے اتر کے گھاس میں لوٹنے لگی۔ زمین و آسمان گھوم گئے۔ بے قابو کار کو ٹھیس بدلتی ہوئی پہلو کے بل درخت سے ٹکرائی۔ نینا بیدار تھی۔ تاہم اس پر سکتہ طاری تھا۔ شاک کے باعث تکلیف کا احساس معدوم ہو گیا تھا۔ دھیرے دھیرے حواس واپس آ رہے تھے۔ وہ دنگ تھی کہ زندہ کیونکر ہے۔ سینے اور شانے میں دھن اچھرنے لگی۔ بلاشبہ سیٹ بیلٹ نے اسے بچایا تھا۔ اس نے گراہتے ہوئے سیٹ بیلٹ کھولی۔

”جلو..... مس لائیڈا!“  
نینا نے گردن گھمائی۔ ایک عمر رسیدہ شخص ٹوٹی ہوئی کھڑکی میں سے جھانک رہا تھا۔ ”میں ایسی پولیس بلاتا ہوں۔“

”میں ٹھیک ہوں۔“ نینا اس کی مدد سے ڈرائیونگ ڈور کی جانب سے باہر آئی۔ کچھ دیر گھاس پر بیٹی رہی، پھر آہستہ سے کھڑی ہوئی۔ گاڑی بڑی طرح برباد ہو چکی تھی۔ اس نے گاڑی سے نظر ہٹا کر سڑک کی طرف دیکھا۔ ”وہ پاگل تمہیں کراس کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ممکن ہے وہ ٹپے میں ہو..... اس کی رپورٹ کرنی چاہیے۔“

”نہیں، وہ شرابی تھا۔ پاگل.....“ نینا نے سوچا۔  
☆☆☆

”کچھ برآمد ہوا؟“ گورڈن نے برگر کھاتے ہوئے پوچھا۔  
”کچھ بھی نہیں۔“ سام نے ہاتھوں سے چہرہ دھڑکا۔  
”فادر کا کیا حال ہے؟“

”پارٹ ایکٹ نہیں تھا۔ لیکن ڈاکٹر ڈیک ون اور اسے اسپتال میں رکھیں گے..... فادر نے کوئی اہم بات نہیں بتائی۔ چرچ کے اشعار سے بات چیت بھی لاحق رہی۔ البتہ حد تک ہے کہ چرچ کا چوکیدار غائب ہے۔ اس کی بیوی

کے مطابق عمو مادہ چھ بجے سے پہلے گھر پر ہوتا ہے۔ میں نے کوئی کوروا نہ کر دیا ہے۔ فادر کا کہنا ہے کہ چوکیدار چرچ کا مرکزی دروازہ صبح سات بجے کھولتا۔ مطلب اس دوران کوئی اندر جا کے.....“ اچانک سیل فون نے مداخلت کی اور گورڈن کا جملہ ادھورا رہ گیا۔ ”پیپ..... بولتے رہو۔“ گورڈن فون کان سے لگا کے پیپ پر قلم چلا رہا تھا۔ سام کی نگاہ نوٹ پیپ کے کاندھ پر گئی۔ ”ہم پہنچ رہے ہیں۔“ گورڈن نے پیپ اس کی طرف بڑھا کے فون بند کر دیا۔ ”یہاں پر حادثہ ہوا ہے..... موبائل یونٹ کی رپورٹ ہے۔ کار چرچ والی دہکن کی ہے۔“

سام کے کان کھڑے ہوئے۔ ”وہ ٹھیک ہے؟“  
”تقریباً، یونٹ کی رپورٹ نہیں آئی لیکن دہکن کا اصرار ہے کہ یہ حادثہ نہیں، حملہ ہے۔ اس نے خبر ہم تک پہنچانے کے لیے کہا ہے۔“

☆☆☆  
اس کی پہلیاں متاثر نہیں اور شانے پر چوٹ آئی تھی۔ شیشے کے ٹکڑوں کے باعث چہرے پر کٹ لگے تھے۔ ذہن صاف تھا اس نے بے آسانی نیلے رنگ کی ٹورس سے لٹکنے والے آدی کو پہچان لیا۔ روپوٹ نے اس کی طرف آنکھ اٹھا کر کھنکھایا۔ وہ سیدھا تباہ حال ہونڈا کی طرف گیا تھا۔ بی کی چال کے مانند وہ بے آواز، گاڑی کے گرو شکاری تیندو سے کے مانند چکرار رہا تھا۔ اس سے قبل اس نے گاڑی کے قریب کھڑے پولیس مین سے چند منٹ بات کی تھی۔ وہ گرد و پیش سے بے نیاز مکمل ارتکاز کے ساتھ ہونڈا کی طرف متوجہ تھا۔ معاوہ ڈرائیونگ سائڈ کے قریب گھٹنوں کے بل جھکا۔ نگاہ زمین پر تھی پھر اس نے اٹھ کر ٹوٹی پھوٹی کھڑکی سے اندر جھانکا۔

نینا خاموش اور ساکت سام نامی روپوٹ کی حرکات کا مشاہدہ کر رہی تھی۔ وہ اب ڈرائیونگ سائڈ سے اندر بیٹھ رہا تھا۔ وہ آگے پیچھے، ہر طرف جائزہ لے رہا تھا۔ نینا حیران تھی کہ وہ کیا تلاش کر رہا ہے، بالآخر اس کی انہونی سرگزی اختتام پذیر ہوئی۔ وہ گاڑی سے نکلا۔ پولیس مین سے کچھ بات کی۔ پھر رخ بدل کے نینا کی طرف چل پڑا۔ دفعتاً نینا کی رفتار بعض بھی بڑھ گئی۔ کوئی بات بھی اس آدی میں جو اچل کرتی تھی..... بیک وقت نینا کو خوف زدہ بھی کرتی تھی۔ اس کی فزیکل حاضری ہی چھا جانے والی تھی..... مسٹر آداس کا دیکھنے کا انداز۔ اگرچہ اس کی آنکھوں میں قدرتی سبز رنگ کے علاوہ کوئی رنگ یا تاثر نظر نہیں آتا تھا۔ یا پھر اسے اپنے

تاثرات پر مکمل قابو تھا۔ بہت سے مرد نینا سے متاثر ہو کر دوستانہ انداز اختیار کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ لیکن یہ آدی، یوں معلوم ہوتا تھا جیسے نینا اس کے لیے محض ایک ہوی سائڈ کیس ہے..... نینا نے ٹاکرے کے لیے خود کو تیار کیا۔

”تم ٹھیک ہو؟“ سام کا پہلا سوال تھا۔  
نینا کا جواب کچھ اور تھا۔ ”بہت جلدی خیال آگیا؟“  
سام خاموشی سے اس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا اور نینا سبز رنگ میں کوئی تاثر تلاش کرتی رہ گئی۔

”میں تمہیں اسپتال لے چلتا ہوں۔“  
”نہیں، میں ٹھیک ہوں۔“ مسٹر کولڈ اسٹون..... اس نے دل ہی دل میں اس کے لیے نیا خطاب ایجاد کیا۔  
”نہیں اطمینان ضروری ہے، آؤ۔“

”حکم دے رہے ہو؟“  
”یہی سمجھ لو۔“ اس نے کہا۔  
”ڈیٹشٹو، میرا خیال ہے.....“ لیکن وہ پہلے ہی پلٹ چکا تھا۔ نینا اس کی پشت کو گھورتی رہ گئی۔  
”مسٹر؟“

”ہاں، بولو.....“ اس کا رخ ٹورس کی طرف تھا۔  
نینا نے ٹھنڈی سانس بھری اور اس کے پیچھے چل پڑی۔ جب وہ ٹورس کی پینجر سیٹ پر بیٹھ رہی تھی تو پہلو میں تیس انگی۔ شاید روپوٹ کا اندازہ درست ہے، نینا کے ذہن نے کہا۔ وہ بات چیت سے پرہیز کر رہی تھی۔ سکوت کا پردہ سام نے چاک کیا۔ ”تم بتاؤ گی، کیا ہوا تھا؟“  
”میرا بیان پولیس رپورٹ میں ہوگا۔ اس نے قصداً مجھے گمراہی کی۔“

”ہاں، سیاہ فورڈ، مرد ڈرائیور اور مین (Main) لائنس پلیٹ۔ دوسرے گواہ کے مطابق وہ ٹپے میں تھا۔“  
نینا نے فوراً تردید کرتے ہوئے بتایا کہ خود اسے کیسے شک ہوا اور کیونکر اس نے تعاقب کی تصدیق کی۔  
”یہ ممکن ہے کہ جب تم گھر سے نکلی ہو تو وہ وہیں آس پاس تھا؟“

نینا نے محسوس کیا کہ وہ اس کی رائے کو اہمیت دینے کے لیے تیار ہے۔ لیکن اس کے سوال نے اس کا بدن سرد کر دیا۔ ”تمہارا مطلب ہے، وہ میرا پہلے سے مختصر تھا؟“  
”میں امکانات کی بات کر رہا ہوں۔“

آف اس آدی کے امکانات اور سوالات۔ ”تمہارا کیا خیال ہے؟“  
وہ خاموش رہا۔ اس کا سکون اور بے تاثر چہرہ نینا کو



رابرٹ کا نام نشان نہیں تھا۔

”ٹھیک ہے، اندر آ جاؤ۔“ سام نے باہر آ کے اشارہ کیا۔

نینا سوٹ کیس تیار کر رہی تھی اور وہ رہائش گاہ کا جائزہ لے رہا تھا۔ ”یہ بیانو کون بناتا ہے؟“

”رابرٹ۔“ بیڈ روم سے جواب آیا۔ بیانو نیبل پر ایک فریم فوٹو گراف تھا۔ فوٹو میں نینا کی نیلی آنکھوں والے

آدنی کے ساتھ کھڑی مسکرا رہی تھی۔ بلاشبہ وہ رابرٹ کے ساتھ تھی اور رابرٹ ایک پُرکشش آدمی تھا۔ لیکن نینا کو اب

اس کی ضرورت نہیں تھی۔ اچانک فون کی گھنٹی نے دونوں کو چونکا دیا۔ نینا دروازے میں کھڑی تھی۔ سوالیہ نظروں سے

سام کو تک رہی تھی۔ سام نے اثبات میں سر ہلایا۔ ایک سیکنڈ کی ہچکچاہٹ کے بعد نینا نے آگے بڑھ کے فون اٹھایا۔

”ہیلو؟“ دوسری جانب سے کلک مٹی آواز کے ساتھ رابطہ منقطع ہو گیا۔ سام بات سننے کے لیے نینا کے بہت قریب

آ گیا تھا۔ نینا کے سیاہ ریشمی بال سام کے چہرے کو چھو رہے تھے۔ سام کو ادراک ہو گیا تھا کہ رابطہ منقطع کر دیا گیا ہے لیکن

قریب کے باعث ایک اور ہی رابطہ قائم ہو رہا تھا۔ اس نے خود کو نینا کی دیدہ حیراں میں ڈوبتے محسوس کیا۔ یہ مرحلہ

آسان تھا۔ تسکین نظر کے بعد شوق بے پایاں کے لیے۔ بس غلش پنہاں حائل تھی۔ یہ ٹھیک نہیں ہے۔ یہ نہیں ہونا

چاہیے۔ سام ذہن کی آواز پر عمل کرتے ہوئے کچھ پیچھے ہٹا۔ تاہم فاصلہ اب بھی محض تین فٹ تھا اور وہ نسوانی حسن و شباب

کی کشش محسوس کر رہا تھا۔ مزید پیچھے ہٹنا چاہیے، یہ لڑکی خطرناک ہے۔ سام کی سوچ اور منطق متاثر ہو رہی تھی۔ اس نے

نظر جھکانی اور فون کے پیغامات کی جھلمل دیکھی۔ ”تمہاری آنسرنگ مشین نے تین پیغام ریکارڈ کیے ہیں۔“

نینا نے بے خودی کو جھٹکا اور مشین کی طرف دھیان دیا۔ آگے پیچھے تین مرتبہ پپ کی آواز آئی اور ہر مرتبہ ڈائل

فون۔ ”کیوں؟ یہ کیا ہو رہا ہے؟“ اس نے فون نیچے رکھ کے سام کی طرف دیکھا۔

”تقدیق کے لیے تم یہاں ہو۔“ سام نے جواب دیا۔

سوٹ کیس کے لیے نینا بیڈ روم کی طرف بھاگی۔ ”ضروری چیزیں رکھنا۔“ سام نے آواز لگائی۔

”ہاں، ٹھیک کہہ رہے ہو۔“

”کیا؟ محاف کرنا، ماں کے لیے کیسی پریشانی۔ کیا وہ جہیں دیکھ کر خوش نہیں ہوں گی؟“

”وہ ان کا گھر نہیں ہے۔ ماں کے شوہر کا ہے۔ میرا سوتیلا باپ۔ ہمارے درمیان ناقابل عبور فاصلہ ہے اور ہم دونوں کو اس کا احساس ہے۔“

اس وقت سام کو نینا کی بہادری کا احساس ہوا۔ اسے یہ بھی ادراک ہوا کہ وہ کتنی تنہا ہے۔

”میری ماں ایڈورڈ وارنٹن کے سامنے نہیں کھڑی ہو سکتی۔“ نینا نے کہا۔ ”میں جانتی ہوں وہ برنس ٹرپ کے

بہانے میری شادی میں نہیں آیا تھا۔“

”اوکے۔۔۔۔۔ تو پھر ڈیئر اولڈ ڈیڈ؟“ سام کا انداز سوالیہ تھا۔

نینا نے ہولے سے سر ہلکا کے مثبت جواب دیا۔ ”گڈ، میں نہیں چاہتا کہ آج رات تم تنہا ہو۔“

اس کے منہ سے ادا ہی ہوا تھا کہ اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ جملے میں فکر کا عنصر عیاں تھا۔ جاب اور ڈیوٹی کے ساتھ

کچھ اور بھی شامل ہو گیا تھا۔ وہ ایک بہترین آفیسر تھا۔ ٹف ون، بے منت انتہا پر بیان وہ ظاہر کر گیا تھا۔ نینا عالم حیرت

میں لے زبیاں دے پیاں اس کے جملے کا مفہوم پانے کی سعی کر رہی تھی۔ گاڑی میں بیم تاریکی کے باعث وہ سام کا چہرہ

ٹھیک طرح سے دیکھ نہیں پا رہی تھی۔ سام کو بخوبی اندازہ تھا کہ نینا کیا سوچ رہی ہے۔ اس نے سرد آواز میں کہا۔ ”تم

ہمارے لیے واحد کڑی کی حیثیت رکھتی ہو۔ تحقیقات آگے بڑھانے کے لیے تمہاری حفاظت ضروری ہے۔“ اس بار اس

نے ضرورت سے زیادہ سرد مہری کا مظاہرہ کر دیا تھا۔ حالانکہ اس کی ضرورت نہیں تھی۔

”ہاں، ظاہر ہے۔“ نینا نے سامنے دیکھا۔ بعد ازاں وہ آشین دیوڈرا کیونیک مہر بے رہی۔ وہاں پہنچ کر نینا نے

باہر نکلنا چاہا۔

سام کا ہاتھ اس کے بازو پر گیا۔ ”نکو، اندر رہو۔“

”کیا بات ہے؟“

”مجھے چیک کرنے دو۔“ اس نے سڑک کے دونوں جانب دیکھا۔ وہاں موجود گاڑیوں کو جھانا۔۔۔۔۔ افراد کو ٹولا۔

اسے کوئی مشکوک چیز نظر نہیں آئی۔

”اوکے۔“ وہ گاڑی سے اترا، گھوم کے پانچر ڈور کھولا۔ ”ایک سوٹ کیس پیک کرو۔ ہمیں یہاں زیادہ دیر نہیں رکھنا چاہیے۔“

گھر کے اندر پہلے وہ خود گیا، نینا پورچ میں تھی۔

”گوئی کا سوراخ۔۔۔۔۔ گوئی پانچر ڈور کے اندر ہے۔ آج کسی وقت نکال لیں گے۔ تجویز کے بعد کیلپٹر اور گن

کے بارے میں سوچا جائے گا۔ گوئی ڈرائیونگ سائڈ کا شیشہ توڑ کے تمہارے سر کے عقب سے گزرنے لگی تھی۔“

نینا گنگ تھی۔ اس کا گلابی چہرہ سفید پڑ گیا۔ سام کے الفاظ بھی گوئی کے مانند تھے۔ اس کا لہجہ، آواز۔۔۔۔۔ وہ انسان

نہیں ہے۔ وہ مشینی انداز میں کشتی کر رہا تھا۔

”مجھے بتاؤ گی، کون تمہیں مارنا چاہتا ہے؟“

نینا نے نفی میں سر ہلایا۔ ”کوئی غلطی ہے۔“

”اس نے جرج میں دھکا کیا، تمہارا تعاقب کیا اور تمہیں ختم کرنے کی کوشش کی۔۔۔۔۔ کوئی غلطی نہیں ہے۔ نینا

سوچو، ہر پہلو سے سوچو۔۔۔۔۔ کون ہو سکتا ہے؟“

”میں نے بتایا تھا۔ میرا کوئی دشمن نہیں۔ ہو نہیں سکتا۔ میں نے کبھی کسی کو اپنے خلاف جانے کا معمولی جواز بھی فراہم

نہیں کیا۔“ نینا سک اٹھی اور سرد دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔ خاموشی کا طویل وقفہ آیا۔ سام نے نرمی سے کہا۔ ”میں

معذرت خواہ ہوں۔ میں جانتا ہوں ان سانحات کو قبول کرنا تمہارے لیے۔۔۔۔۔“

”نہیں ڈیٹیلو، تم نہیں جانتے۔ میں نے ہمیشہ سب کے ساتھ نبھانے کی کوشش کی ہے اور اب تم کہہ رہے ہو، کوئی

میرا دشمن ہے۔“

سام خاموش رہا اور سکوت توڑنے سے احتراز کیا۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ نینا کی ذہنی کیفیت نازک ہے۔ وقت مزید

سوالات کے لیے مناسب نہیں ہے۔

☆☆☆

سام انتظار گاہ میں ٹھہر رہا تھا۔ ڈاکٹر، انجینئری میں نینا کو چیک کر رہے تھے۔ ضروری چیک آپ کے ساتھ ایکس

رے بھی لیے گئے۔ وہ جب باہر آئی تو ٹھیک تھی۔ لیکن اس حقیقت نے رنگت میں بلندی ملا دی تھی کہ اس کی جان

خطرے میں ہے۔ اس حقیقت سے نگاہیں چرمانے کی گنجائش نہیں تھی۔

دونوں کار میں واپس آئے۔ سام منتظر تھا، کب وہ ہسپتالی کیفیت سے دو چار ہوتی ہے۔ کب آنکھوں سے

اٹک جیتے ہیں۔ تاہم ایسا کچھ نہیں ہوا۔ سام کے نزدیک زیادہ ضبط و صحت کے لیے اچھی علامت نہیں تھی۔

وہ بولا۔ ”تمہیں تمہاں نہیں رہنا چاہیے۔ کیا میں تمہیں ماں کے پاس چھوڑ دوں؟“ نینا نے انکار کر دیا۔ ”وہ پریشان

ہوں گی۔“

پاگل کیے دے رہا تھا۔ بہت موٹی کھال ہے اس کی۔ ایک بار صرف ایک بار تو کوئی تاثر دے۔۔۔۔۔

”میں نے کچھ پوچھا تھا؟“ نینا نے عام سا انداز اختیار کیا۔

”مجھے یقین ہے کہ تمہیں میرا جواب پسند نہیں آئے گا۔“

”تم پسند یا نا پسند کا خیال رکھتے ہو یا کیس کا؟“

”کیس کا۔۔۔۔۔ شاید تمہیں اچھا نہیں لگ رہا لیکن یہ میری جاب ہے اور تمہارے سوال کا جواب ہے کہ ہونڈا کے

فینڈر پر سیاہ پینٹ کا نشان ہے۔ یقیناً اس گاڑی کا رنگ سیاہ تھا۔“

”بہت خوب، یعنی میں ٹکر بلا سکتا نہیں ہوں۔“ نینا نے طنز کیا۔

”ایک اور بات پانچر سائڈ درخت کے ساتھ جام ہو گئی ہے۔ اور کھڑکی کا شیشہ اشار کی شکل میں ٹوٹا ہے۔ گاڑی

لڑھکنے کی صورت میں ایسا نہیں ہوتا۔“ سام نے نشاندہی کی۔ وہ طنز کو نظر انداز کر گیا تھا۔

”کیونکہ شیشہ گاڑی لڑھکنے سے پہلے ہی ٹوٹ چکا تھا۔“ نینا نے کہا۔

”تم کیسے کہہ رہی ہو؟“ سام نے وضاحت طلب کی۔

”مجھے یاد ہے۔ ٹوٹا ہوا ٹکڑا میرے چہرے پر لگا تھا پھر گاڑی سڑک سے اتر گئی۔“

”کیا تمہیں مکمل یقین ہے؟“ سام نے لحظہ بھر کے لیے سڑک سے نظر ہٹا کر نینا کو دیکھا۔

نینا خود کو نہ روک سکی۔ ”اتنا ہی یقین ہے جتنا آنکھوں کی سبز رنگت پر۔“ سام نے سڑک سے نظر ہٹائی۔ نینا نے

آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔ ضدی ہو گئی تھی۔ وہ اس کا مشینی انداز تبدیل کرے گی۔ ”کوئی فرق پڑتا ہے، اس بات

سے؟“

”ہاں، بہت زیادہ۔“ اس نے سڑک کی طرف دیکھا۔ ”تمہاری کار سے جو چیز ملی ہے، وہ کہہ رہی ہے کہ

شیشہ پہلے ٹوٹا تھا۔“

”کیا مطلب ہے؟“ نینا نے تعجب سے سوال کیا۔

”پانچر ڈور درخت کے ساتھ جام ہو گیا تھا اور یہ اسی ڈور میں تھی۔ میرے اندازے کے مطابق اسے وہاں ہونا

چاہیے تھا۔ اسے نظر انداز کر دیا جاتا لیکن مجھے اسی کی تلاش

”کس کی تلاش؟“



”جس نے بھی کال کی تھی، وہ وہاں آئے گا۔“ دوران سفر سام نے کہا۔ ”مجھے چاہیے کہ تمہاری رہائش گاہ پر نظر رکھوں۔ اگر کوئی زبردستی اندر جاتا ہے تو تمہارے بجائے میں وہاں ہوں گا۔“

نینا کچھ دیر اسے دیکھتی رہی۔ ”کیا تمہارے مارے جانے کا امکان نہیں ہے؟“

”مس نینا، یقین کرو میں ہیر ونہیں ہوں۔ میں چانس نہیں لیتا۔“

”لیکن اگر کوئی آیا.....“

”میں تیار رہوں گا۔“ وہ نینا کے اعتماد کے لیے مسکرایا۔ لیکن وہ مطمئن ہونے کے بجائے پہلے سے زیادہ خوف زدہ نظر آئی۔

یہ خوف..... میرے لیے؟ سام نے حیرت سے سوچا، لاشعوری طور پر اس کا حوصلہ بڑھ گیا۔ کمال ہے..... وہ جان گیا کہ آئندہ وہ بڑی بڑی مقناطیسی آنکھوں کے لیے توپ سے لڑ جائے گا۔ وہ یہ جانتا تھا کہ اس قسم کی صورت حال سے بچنا ایک اچھے پولیس مین کے لیے کتنا ضروری ہے۔ تا تجربہ کار آفیسر ایسی صورت حال میں ہیر و پنے کے چکر میں جان سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ یہ اس کے ساتھ بھی ہو سکتا ہے۔

”وعدہ کرو، کوئی چانس نہیں لو گے۔“ نینا بے اختیار کہہ گئی۔ ”تم میری مام نہیں ہو۔“

نینا نے پرس کھول کے چابیاں نکالیں اور ڈیش بورڈ پر اچھال دیں۔ ”ہاں، میں تمہاری مام نہیں ہوں۔“ وہ براہم ہو گئی۔ ”لیکن تم اپنی جاب کر رہے ہو۔ تمہیں زندہ رہنا چاہیے..... کیس حل کرنے کے لیے۔“

وہ ایسے ہی جواب کا مستحق ہے۔ سام نے بھی طنزیہ انداز میں جواب دیا۔ وہ خود نہیں جان سکا، اس نے ایسا کیوں کیا۔ بس وہ یہ جانتا تھا کہ وہ جب بھی نینا کی آنکھوں میں دیکھتا ہے..... یہ خواہش شدت سے پیدا ہوتی کہ وہ دم دیا کے کہیں بھاگ جائے۔ اس سے پہلے کہ وہ آنکھیں اسے شکار کر لیں۔

کچھ دیر بعد وہ نینا کے ڈیڈی کے گھر پہنچ گئے تھے۔ وہ گھر ایڈورڈ وارنٹن کے گھر سے زیادہ عالیشان تھا۔ ڈرائیوے میں روس رانس کھڑی تھی۔ نینا نے سام کو گاڑی کا دروازہ کھولنے کا موقع نہیں دیا اور خود ہی اتر کے آگے بڑھ گئی۔ سام اس کا سوٹ کیس اٹھا کے چلا۔ اس نے وہاں سکیورٹی سسٹم کی موجودگی محسوس کر لی۔ کم از کم آج

رات نینا یہاں محفوظ رہے گی۔

دروازے کی تیل کے جواب میں سنہرے بالوں والی جوان عورت نے دروازہ کھولا، وہ گھریلو سے زیادہ فلمی ہیر ون معلوم ہو رہی تھی، اور لباس..... اندر کسی کمرے سے موسیقی کی آواز بلند ہو رہی تھی۔

”ہیلو ڈینیلا۔“ نینا نے رسمی انداز میں کہا۔

ڈینیلا کی آنکھوں میں ہمدردی تھی۔ میکائیلی انداز کی قطعی حقیقی ہمدردی، جس میں ہلکا سا طنز تھا۔ سام کو برا لگا تھا لیکن اس نے ظاہر نہیں ہونے دیا۔

”اودہ نینا، جو کچھ ہوا..... اس پر مجھے بہت افسوس ہے۔“ ڈینیلا نے کہا۔

”میں رات یہاں رہنا چاہتی ہوں؟“ نینا نے گویا سوال کیا۔

”سام نے ڈینیلا کے تاثرات بدلتے دیکھے۔ اس نے مشتعل نظروں سے سام اور سوٹ کیس کو دیکھا۔ ”مجھے تمہارے ڈیڈی سے بات کرنے دو، وہ واش روم.....“

”نینا کے پاس چوٹس نہیں ہے۔“ سام بے پروائی سے ڈینیلا کے قریب سے گزر کے اندر چلا گیا۔ ”وہ تمہا محفوظ نہیں ہے۔“

ڈینیلا پوری طرح سام کی طرف متوجہ ہو گئی۔ سام نے اس کی تلی آنکھوں میں دیکھی کی خفیف سی چمک دیکھی۔

”میں تمہارا نام نہیں جان سکتی؟“

”سام نیوارو، پورٹ لینڈ پولیس۔“ سام نے ڈینیلا کی آنکھوں میں ابھرنے والی چمک کے معنی سمجھنے میں کوئی وقت محسوس نہیں کی۔ وہ نینا کے باپ کی دولت کے سہارے ہلکی جوانی کے رنگین سپنوں میں مستی بھرنے والی عورت تھی۔ اس کی آنکھوں کی چمک نے یہی اشارہ دیا تھا۔ سام نے کوئی اچھی رائے قائم نہیں کی۔ نینا نے بھی مام کے بجائے اسے ”ڈینیلا“ کے نام سے پکارا تھا۔ ڈینیلا کے اندر ایک عیاش اور فلرٹ عورت بھی ہوئی تھی۔

ڈینیلا نے ذہنی انداز میں سر ہلایا۔ ”تو تم پولیس آفیسر ہو..... چچ میں کیا ہوا تھا؟“

”تحقیقات جاری ہیں۔ ابھی میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔“

اس نے نینا کی طرف رخ کیا۔ ”آج رات تم یہاں محفوظ ہو۔ سکیورٹی سسٹم کا خیال رکھنا۔ میں صبح آؤں گا۔“ اس نے الوداعی انداز میں سر کو جنبش دی۔ ایک لمحے کے لیے دونوں کی نظر ٹکرائی۔ ایک بار پھر اسے حیرت کا سامنا تھا۔ نینا کی آنکھوں میں مقناطیسی کشش تھی..... زور آور کشش۔ سام کو

وہاں سے ہٹنے میں خود سے زور آزمائی کرنی پڑی۔

☆☆☆

وہ پھر سے رابرٹ اور نینا کے مشترکہ گھر کی جانب رواں تھا۔ اوشین ویو ڈرائیو کے کارنر سے پہلے اس نے کار سائڈ اسٹریٹ پر چھوڑ دی اور نینا کی دی ہوئی چابیاں اٹھا کے باہر نکل گیا..... گھر میں داخل ہونے کے بعد اس نے اپنے بارنر گورڈن کے ذریعے علاقے کی پیرونگ کا بندوبست کیا۔ بعد ازاں کھڑکیوں کے پردے برابر کر کے انتظار کرنے لگا۔ نونج رہے تھے۔ ساڑھے نو بجے اٹھ کے اس نے ادھر ادھر چکرانا شروع کیا۔ وہ وقتوں کے ساتھ کمروں، کچن اور لیونگ روم کی بتیاں کھول کے بند کرتا رہا..... آخر میں اس نے تمام اندرونی روشنیاں گل کر دیں اور بیڈ روم میں آ گیا۔ وہ نینا کے ڈریس روم کو کھولنے سے خود کو باز نہ رکھ سکا۔

وہاں اب بھی اس کے متعدد ملبومات موجود تھے۔ اس نے ایک لباس اٹھایا..... نینا کی استعمال شدہ پرنیوم، اس کے وجود کی خوشبو میں مل کر سانس کے راستے سام کے پیچھڑوں میں جاری تھی۔ اس کا دماغ بھٹکتے لگا۔ اس نے لباس واپس پھینکا اور دروازہ بند کر دی۔ نینا کی کرشمہ سازی نظر نے روٹ میں ٹکیریں ڈالنا شروع کر دی تھیں۔ بے رنگ کائنات دل میں رنگین شکاف بڑھنے کو تھا۔ وہ راہ ڈھونڈتا ہوا، بے راہ ہو رہا تھا..... کتنے کیس تھے جب اس کا واسطہ لڑکیوں، عورتوں سے پڑا تھا۔ وہ بہت پہلے سیکھ چکا تھا کہ پولیس اور رومانس کو غلط ملط نہیں ہونا چاہیے۔ یہ کام اناڈیوں کا ہے۔

وہ رخ پھیر کر دوسری سمت چلا گیا۔ اسی وقت اسے آہٹ سنائی دی۔ آواز مکان کے سامنے کی جانب سے آئی تھی۔ اس نے لمحہ ضائع کیے بغیر بیڈ روم کی لائٹ بھی آف کر دی۔ گن ہاتھ میں لے کر وہ دسے قدموں ہال وے میں آ گیا۔ وہاں سے اس نے اسٹریٹ لائٹس کی مدد سے روشنی میں لیونگ روم کو کھنگالا۔ وہاں بھی کوئی حرکت نہیں تھی..... باہر پورچ کی جانب سے مدھم آوازیں آرہی تھیں۔ سام گھٹنوں کے بل بیچے ہو گیا۔ اور گن کا رخ داخلی دروازے کی طرف کر لیا۔ دروازہ کھلا، ایک مردانہ سایہ تھا۔

”پولیس! سام کی آواز میں دھمکی تھی۔ ”حرکت نہ کرنا! ہاتھ اوپر کر۔“

”گولی نہ چلانا۔“ اس نے ہاتھ اوپر کیے۔ سام کھڑا ہوا اور لائٹس آن کر دیں۔ قدموں کی آواز آئی اور دو بادردی افراد اندر گھس آئے۔ ”نیوارو، ہم اس کے پیچھے تھے۔“ ان

عروسین عذاب

میں سے ایک نے کہا۔ سام نے اندر آنے والے کوروشی میں دیکھا اور گن نیچے کر لی۔

”بھول جاؤ۔ یہ ہمارا مطلوبہ آدمی نہیں ہے ڈاکٹر رابرٹ کے چہرے پر ہراس چھایا ہوا تھا۔ سام نے اپنا تعارف کرایا۔

”غالباً تم ڈاکٹر رابرٹ ہو؟“

ڈاکٹر کے حواس بھال ہو رہے تھے۔ ”ہاں، لیکن کیا ہو رہا ہے؟ تم لوگ میرے گھر میں کیا کر رہے ہو؟“

سام نے اندر آنے والے دونوں اہلکاروں کو باہر جانے کا اشارہ کیا۔ ”صبح تک آس پاس رہنا۔“

”ڈاکٹر، تم نے شادی سے پہلے کہاں وقت گزارا؟“

ڈاکٹر کا خوف غصے میں بدل گیا۔ ”پہلے تم یہ بتاؤ کہ غیر قانونی طور پر تم میرے گھر میں کیسے آئے..... سرج وارنٹ کہاں ہے؟“

”اس کی ضرورت نہیں ہے۔ سام نے اُسے چابیاں دکھائیں۔“

”یہ میری نگہبیر کے پاس ہونی چاہئیں؟“

”تمہاری نگہبیر نے مجھے دی ہیں اور میں قانونی طور پر یہاں موجود ہوں اور ایک بار پھر اپنا سوال دہرا رہا ہوں..... کہاں تھے؟“

”مجھے اتفاقاً بوشن جانا پڑ گیا تھا اور مجھے وکیل کی ضرورت ہے۔“ وہ ٹیلی فون کی طرف بڑھا۔

”وکیل کی ضرورت کریمنل کو پڑتی ہے۔“ سام نے کہا۔

”کرائم؟“ ڈاکٹر رابرٹ گھوم گیا۔

”تم جانتے ہو، چرچ میں کیا ہوا؟“

”ہاں، اسی وجہ سے میں جلدی واپس آ گیا۔“ ڈاکٹر نے کہا۔ یہ جاننے کے بعد کہ کوئی نقصان نہیں ہوا۔ اس نے سکون کی سانس لی۔

”ہم کون رکھ سکتا ہے..... کیا ضرورت تھی؟“

”یہی جاننے کی ہم کوشش کر رہے ہیں۔ اگر تقریب منعقد ہو جائی تو بہت جانی نقصان ہوتا..... نینا کے بیان کے مطابق تمہاری وجہ سے شادی ملتوی ہوئی تھی۔ تم نے ایسا کیوں کیا؟“

رابرٹ نے دونوں ہاتھ گود میں رکھ لیے۔ ”میں شادی کے لیے تیار نہیں تھا۔“

”مطلب یہ قطعی ذاتی معاملہ تھا؟“

”اور کیا ہو سکتا ہے؟“ اس نے اچانک سراٹھایا۔ ”اودہ







”غائب؟ کیا تمہیں نہیں معلوم تھا کہ میری جانب کی  
وجہت کیا تھی۔“

”میرے پاس اپنی وجوہات تھیں۔ تمہاری جانب  
میرے لیے صبر آزما ہو گئی تھی۔ تمہاری کھارہی مجھے.....  
قدرتی بات تھی، مجھے کہیں اور دیکھنا پڑا۔“

”کہیں اور؟“ نینا سیات تاثرات کے ساتھ اسے گھور  
رہی تھی۔ ”گو یا تم نے میری جگہ کسی اور کو تلاش کر لیا تھا؟ کون  
ہے وہ؟“

”اس سے کیا فرق پڑتا ہے..... میں اس پر بات نہیں  
کرنا چاہتا۔“ وہ مڑا اور کمرے سے نکل گیا۔ ”تمہاری سوچ  
غیر منطقی ہے۔“

”ہاں میں چھ مہینے پہلے غیر منطقی تھی۔“ نینا چلا اٹھی۔  
اس کے گمان میں نہ تھا کہ رابرٹ کسی اور عورت کے ساتھ  
ملوث تھا اور اسے پتہ ہی نہیں چلا۔ یوں لگا جیسے وہ ایک دم بیمار  
ہو گئی ہو..... وہ بستر پر گر گئی۔ اسے علم ہی نہیں ہوا کہ کب  
آنکھوں نے برسا شروع کر دیا۔ وہ یہ بھی نہ جان سکی، کب  
سام اس کے قریب بستر پر بیٹھ گیا۔ ”وہ اس قابل نہیں ہے کہ  
میں آنسو بہاؤں۔“ نینا نے رابرٹ کے لیے نفرت محسوس  
کی۔ معاً اسے احساس ہوا کہ سام نے نرمی سے اس کا ہاتھ پکڑ  
لیا ہے۔ نینا نے سر اٹھا کے اس کی ہر آنکھوں میں دیکھا۔  
”میں افسردہ نہیں ہوں۔“

”میرا خیال ہے کہ تم ہو۔“ سام نے تردید کی اور نرمی  
سے اس کے ہیکے رخساروں پر انگلیاں پھیریں۔  
”نہیں ہوں، نہیں ہوں۔“ اس نے سسکی لے کر چہرہ  
اس کے ہاتھ پر رکھ دیا۔

دفنٹا اگلے لمحے اسے احساس ہوا کہ وہ سام کے  
بازوؤں کے حلقے میں ہے۔ وہ ہمیشہ کے مانند خاموش تھا۔ وہ  
روایت نہیں تھا۔ بازوؤں کا حلقہ جگ ہو رہا تھا۔ سام کی گرم  
سراپیں اور ہونٹ نینا کی زلفوں پر تھے۔ نینا، سام کی  
دھڑکنوں کو محسوس نہیں بلکہ سن رہی تھی..... وہ وہی کر رہا تھا، جو  
ہسپتال کے ایمرجنسی میں نینا مریضوں کے لیے کرتی رہی تھی۔  
وہ اس کی جانب تھی، یہ سام کی جانب تھی۔ فرق صرف یہ تھا کہ  
ہجوش غیر متوقع تھی اور غیر متوقع انداز کی متقاضی تھی۔ نینا  
کے لیے یہ کتنا راحت افزا اور سکون زد تھا۔ جیسے پھولوں پر  
گھٹا آٹا ہے اور پھولوں میں رن..... گلشن پر شباب۔ یہ حسن  
عطا ہے، شادیت طلب..... یہ پھول نہیں، اس کے لیے دکھتا  
انگارہ ہے۔ سام کے دل نے کہا۔ اس نے شدید کشش کے  
بعد خود کو جتنا سے الگ کیا۔ نینا کی دھڑکنیں بھی بے ترتیب

تھیں۔

”یہ کچھ اور تھا۔“ نینا نے سوچا۔ شاید وہ اسے تسلی  
دے رہا تھا۔ نینا نے نگاہ اٹھا کے اسے دیکھا۔ اس کے  
چہرے پر آہنی پردہ پڑا تھا۔ سبز آنکھوں میں کوئی لہر، کوئی  
دوسرا رنگ نہیں تھا۔ کوئی خواہش، نہ کوئی آرزو..... نہ  
جذبہ..... نہ جلوہ۔ مسکراہٹ بھی نہیں۔ یہ لطف و کرم تھا یا  
جوڑوہم.....

”وہ مجھے مجرم قرار دے رہا تھا۔ مجھے اپنی جانب سے  
محبت ہے۔ وہ بھی ڈاکٹر ہے۔ وہ بھی ہر وقت میرے ساتھ  
نہیں رہ سکتا۔ میں نے کبھی شکایت نہیں کی۔ کسی اور مرد کی  
طرف نہیں دیکھا۔ یہ محبت نہیں تھی۔ وہ مجھ پر قبضہ رکھنا چاہتا  
تھا، کیا تم بھی اپنی بیوی کے ساتھ یہی کرتے ہو؟“

”میرا بیوی نہیں ہے۔“

”مطلب، طلاق؟“

”میں نے شادی نہیں کی۔“ سام نے جواب دیا۔  
نینا سمجھ نہیں سکی کہ اس اطلاع پر اس نے اندرونی خوشی  
کیوں محسوس کی تھی۔ یہ عجیب بات تھی اور اجنبی احساس۔ وہ  
کس طرح سوچنے لگی ہے۔ نینا نے جلدی سے نگاہ ہٹائی۔  
کہیں وہ اس کا ذہن نہ پڑھ لے۔ کچھ دیر خاموشی چھائی  
رہی۔

”کہیں پر بات کرتے ہیں۔“ سام نے کہا۔ ”تم  
میری مدد کر سکتی ہو۔ نئی بات سامنے آئی ہے۔ چرچ کا  
چوکیدار غائب ہے۔ تم اس کے بارے میں کچھ جانتی ہو؟“

”نہیں۔“ نینا نے حیرانی سے کہا۔ ”میں نے اس کا  
نام تک نہیں سنا۔“

”اس کا نام بھی بروگن تھا۔ برسوں صبح اس نے چرچ  
کھولا تھا۔ اس روز وہ آتا جاتا رہا لیکن دھماکے کے بعد سے  
کسی نے اسے نہیں دیکھا۔“

”تم نے ماضی کا صیغہ استعمال کیا ہے۔ اس کا  
مطلب.....“

”سام نے اثبات میں سر ہلایا۔“ اس کی لاش ایک کار  
سے ٹپی ہے۔ جو اس کار بوز کی پارکنگ میں تھی۔ سر میں گولی  
ماری گئی ہے۔ گن بھی کار میں پڑی تھی جس پر انگلیوں کے  
نشانات ہیں۔“

”خودکشی؟“

”ایسا معلوم ہوتا ہے لیکن ضروری نہیں۔“ سام نے  
برسوج انداز اختیار کیا۔ نینا خاموش تھی۔ خبر اس کے لیے  
شاک کے مانند تھی۔

”ہم کرائم لیبل رپورٹ کا انتظار کر رہے ہیں۔ گاڑی  
کی ڈکی سے بم بلاسٹ کے چند لوازمات دستیاب ہوئے  
ہیں۔ اس بات نے موت کو خودکشی کا بھرپور رنگ دیا ہے جس  
کے بعد قاتل ہونا چاہیے کہ یہ خودکشی تھی۔“

”کیا تم قاتل نہیں ہو؟“ نینا نے سوال کیا۔  
”میرا مسئلہ یہ ہے کہ بروگن اسٹے اور یومیگ وغیرہ  
کے بارے میں کوئی معلومات نہیں رکھتا تھا۔ نیز یہ کہ حرکت بھی  
معدوم ہے۔ یہ بھی نہیں علم کہ نشانہ تم تھیں..... کیا کہو گی؟“

نینا نے نفی میں سر ہلایا۔ ”میں اس آدمی کے بارے  
میں کچھ نہیں جانتی۔“

”لیکن وہ تمہیں جانتا ہے۔ کار میں سے ایک سلیپ لی  
ہے جس پر تمہارا پتا درج ہے۔“ سام نے انکشاف کیا۔  
نینا نے عالم خیر میں سام کو دیکھا۔ سام کی آنکھوں کے  
ذریعے اس کے ذہن تک پہنچنا ناممکن تھا۔ نینا ڈر جاتی  
تھی..... سام کتنا گہرا آدمی ہے۔

”کوئی اور کہتا تو میں یقین نہ کرتی۔ یہ کیا اسرار ہے؟“

”اس نے تمہیں روڈ پر ہلاک کرنے کی کوشش کی۔“

سام نے بتایا۔  
”تم کیسے کہہ سکتے ہو کہ یہ اسی کا کام تھا؟“

”کار کی وجہ سے، جس کار میں اس کی باڈی ملی ہے۔“

نینا کا حلق خشک ہو گیا۔ ”سیاہ.....؟“

”ہاں، سیاہ فورڈ۔“ سام نے گویا اس کے حواسوں پر  
دھماکا کیا۔

☆☆☆

مردخانے میں سام نے نینا کا بازو دھما ہوا تھا۔ نینا جو  
کچھ دیکھنے جا رہی تھی، اس ادراک کے باعث اس کا بدن لرز  
اٹھا۔ سام کا ہاتھ بازو سے ہٹ کے اس کی کمر کے گرد آگیا۔  
”تم تیار ہو؟“ اس نے استفسار کیا۔

نینا گنگ تھی۔ اس نے اثبات میں سر ہلایا۔  
طویل بیڈ نما دراز نصف باہر پھینکی گئی۔ شناخت کے  
لیے اتنا ہی کافی تھا۔ بطور ایمرجنسی نرس اس نے خاصے  
ڈراؤڈ نے مناظر دیکھے تھے..... ٹوٹی ہڈیاں، بہتا خون.....  
جھلے بدن پچھلے وغیرہ۔ اس نے دراز میں مردہ بروگن کا  
ادھورا چہرہ دیکھا اور جلد ہی رخ پھیر لیا۔

”میں اسے نہیں جانتی۔“ اس نے سرگوشی کی۔ اچانک  
اسے چکر آیا۔ سام نے سہارا دیا اور اسے مردخانے سے باہر  
لے آیا۔ آفس میں نینا نے گرم چائے پی۔ اس دوران میں  
سام اپنے ساتھی گورڈن سے فون پر بات کر رہا تھا۔ بات ختم

کر کے اس نے نینا کی طرف دیکھتے ہوئے آنکھیں سکیڑیں۔  
”تم ٹھیک ہو؟“

”ہاں۔“ نینا کی گرفت کپ پر سخت ہو گئی۔  
”نہیں، تم آپ سیٹ ہو۔“ تمہیں سنبھلنے کے لیے وقفہ  
درکار ہے۔“ سام نے کہا۔ ”آؤ۔“ اس نے ہاتھ بڑھایا۔  
”لچ ٹائم ہے۔“ کہنے چلتے ہیں۔“

”تم لچ کے بارے میں سوچ رہے ہو؟“

”ہاں، لچ چھوڑنے کی کوئی وجہ نہیں ہے..... یا تم گھر  
جانا چاہتی ہو؟“

”کچھ بھی.....“ وہ اٹھی۔ ”مجھے اس جگہ سے نکالو۔“

☆☆☆

نینا کی بھوک مر گئی تھی جبکہ سام شکم سیری میں مگن  
تھا..... ”تم کیسے کر لیتے ہو؟ لاشیں دیکھ کر لچ کرنے چلے  
آئے؟“

سام نے شانے اچکائے۔ ”ضروری ہے۔ سب  
جانب کا حصہ ہے۔“

”تم نے اپنے کیریئر میں اس سے زیادہ بھیانک  
مناظر دیکھے ہوں گے؟“

”اور تم نے ایمرجنسی میں اپنے حصے کے مناظر دیکھے  
ہوں گے۔“

”ہاں، لیکن مریض عموماً میرے پاس زندہ حالت  
میں آتے ہیں۔“

”ہاں کچھ فرق ہے۔“ سام نے نیپکن سے ہاتھ صاف  
کیے۔

”تم خون خرابا، دھماکے..... خطرات..... کیسے ذیل  
کرتے ہو؟“

”چیلنج۔“ میرے لیے یہ بُرے آدمیوں کے خلاف  
ایک چیلنج ہے۔ مجرموں کا ذہن مختلف ہوتا ہے۔ وہ کاریگر  
ہوتے ہیں۔ ان میں جینیس بھی ہوتے ہیں۔ وہ خطرناک  
ہوتے ہیں لیکن بزدل بھی۔ عموماً چھپ کے دور سے وار  
کرتے ہیں۔ انہیں تلاش کرنے میں مجھے مزہ آتا ہے۔“

”یعنی تم انجوائے کرتے ہو؟“

”غلط کہہ گیا۔“ انجوائے خشک لفظ نہیں ہے، یہ میرے  
لیے پزل کی طرح ہے۔ میں مجرم کے مانند سوچ کر پزل حل  
کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔“

”گو یا تم ایک غیر معمولی آفیسر ہو۔“ نینا نے ہنسنے کہا۔  
وہ بے ساختہ ہنس دیا۔ ”شاید ہاں، شاید مجرم کی طرح  
ڈرپوک۔“



”یہاں ایک ہی گفٹ تھا۔“  
سام نے بے صبری محسوس کی۔ ”ایک گفٹ؟“  
”وہ ایک مہمان نے بروگن کے حوالے کیا تھا۔ گفٹ  
بہت خوب صورتی سے ریپر میں ملفوف تھا۔“  
”بروگن کو وہ کس نے دیا تھا؟“ اس نے اسے کہاں  
رکھا تھا؟“  
”میں نہیں جانتی کس نے دیا تھا۔ لیکن غالباً بروگن نے  
اسے مہمانوں کی اگلی قطار کے قریب یا سینئر اسٹیج پر رکھا تھا۔“  
ہیلن نے جواب دیا۔  
”گفٹ پر کس کا نام لکھا تھا؟“ سام بے قراری چھپانہ  
سکا۔  
”دو لکھا اور ڈیڑ لکھ کا۔“

☆☆☆

یہ پہلی اہم اطلاع ملی ہے، سام ڈرائیو کرتے ہوئے  
سوچ رہا تھا۔ ہم اندر کیسے پہنچایا گیا اور پہنچانے والے کو مار  
دیا گیا۔ تاہم گفٹ پہلے ہی میج کر رہی تھی۔ ہدف کبھی نہیں تھا۔  
نیپٹا یا رابرٹ..... یا پھر دونوں۔ نیپٹا سے کسی قسم کی مدد نہیں ملی  
تھی اور نہ کوئی امکان تھا۔

سام نے ڈاکٹر رابرٹ کی طرف جانے کا فیصلہ کیا۔ دو  
سوالات تو اسے کرنے ہی تھے۔ پہلا یہ کہ دوسری عورت کون  
ہے جس کے لیے اس نے نینا کو دھوکا دیا۔ دوسرا سوال.....  
جانوں کے ضیاع کا خطرہ کیوں مول لیا۔ سام اوشین ویو ڈرائیو  
کے قریب پہنچا تو اسے گڑبڑ کا احساس ہوا۔ سائڈ واک پر  
پبلک جع تھی..... پولیس کارز نظر آ رہی تھیں۔ سام نے گاڑی  
پارک کی اور جگہ بناتا ہوا کرائم سینک تک پہنچا۔ زردیپ پر وہ  
اپنا بیج دکھا کے زردیپ کراس کر گیا۔ ڈک پاٹ وہاں موجود  
تھا۔ ”کیا ہوا؟“ سام نے سوال کرتے ہوئے ڈرائیو سے  
میں بی، ایم، ڈیبلو کی جانب دیکھا۔

”ڈاکٹر رابرٹ کو پکیتی پر گولی ماری گئی ہے۔“  
ایم بی ایفس جینے والی ہے۔ وہ زندہ ہے۔ لیکن موت کے منہ  
میں ہے۔ وہ گاڑی روک کے اتر رہا تھا، جب اسے نشانہ بنایا  
گیا۔ زیادہ دیر نہیں ہوئی ہے۔ بروگن نے گواہی دی ہے کہ  
اس نے ہیز رنگ کی جیب دیکھی تھی۔ وہ کوئی مرد تھا لیکن وہ  
اس کا چہرہ نہیں دیکھ سکا۔ ”ڈک پاٹ نے مختصر احوال بتایا۔“  
”کیا آدمی کے بال سیاہ تھے؟“

”ہاں، کیوں؟“  
”اوہ گاڈ۔“ سام پلٹ کے اپنی کار کی طرف بھاگا۔  
”دوسرا ہدف نینا تھی۔“ عقب میں ڈک پاٹ پکارتا ہی رہا

”سام نے ارادہ ظاہر کیا۔ ڈک پاٹ نہیں چاہتا تھا۔ تاہم  
وہ سام کو روک بھی نہیں سکتا تھا۔ سام گمرے میں داخل ہوا۔  
قادر کے تاثرات کہہ رہے تھے کہ وہ صورت حال سے ناخوش  
ہے۔ وہ بار بار کے سوالات سے تنگ آ چکا تھا۔ تاہم سام کا  
ردیہ دوسروں سے مختلف تھا۔

”معذرت خواہ ہوں، قادر۔ میں آپ کی کیفیت کو سمجھ  
سکتا ہوں لیکن اس بات کا امکان ہے کہ مزید سوالات سامنے  
آئیں۔ پلیز، چند سوالات کی اجازت دیجیے۔ آپ کی کوئی  
بات بھی مددگار ثابت ہو سکتی ہے۔“ سام کرسی پر بیٹھ گیا۔ قادر  
نے رضامندی کا اظہار کیا۔ تھوڑی سی گفتگو لاحقہ حاصل ہی ثابت  
ہوئی۔ سام کرسی سے اٹھا بھی دروازے پر دستک ہوئی.....  
ایک فریبہ بدن عورت نے اندر بھاگا۔ ”معزز سیلون، اندر  
آ سکتی ہوں؟“

عورت کو کچھ کر قادر کے چہرے پر طمانیت کے آثار  
نظر آئے۔ ”ہیلن تمہیں دیکھ کر خوشی ہوئی۔ تمہارے علم میں  
ہے۔“

”ہاں، میں نے ٹی وی پر دیکھا تھا۔ میں نے فوراً  
واپسی کا قصد کیا۔“ تاہم ہیلن یہ نہیں جانتی تھی کہ بروگن اب  
اس دنیا میں نہیں ہے۔ خبر سن کر وہ خاصی ہراساں نظر آنے  
لگی۔ سام نے اپنا تعارف کرایا۔ ہیلن چرچ کی سیکریٹری  
تھی۔ ”میں اپنی بہن کے گھر گئی ہوئی تھی۔ مجھے یقین نہیں  
آ رہا۔ بروگن..... اوہو۔“ اس نے پرس سے ٹشو نکال کے  
آنکھیں خشک کیں۔ ”یقین نہیں آتا۔“

”تم نے اس روز بروگن کو کب دیکھا تھا؟“ سام نے  
سوال کیا۔

”روانہ ہونے سے پہلے اسے میں نے میج دیکھا تھا۔  
چند میل تھے جس کی ادائیگی کے باعث مجھے تاخیر ہو گئی تھی۔“

”اس کے ساتھ تمہاری کوئی بات ہوئی تھی؟“  
”ہاں، بات ہوئی رہتی تھی۔ دوستانہ طبیعت تھی اس  
کی۔ چھٹی پر جانے سے پہلے میں نے اس کو چند کام بتائے  
تھے۔ ہاتھ روم کا سینک لیک تھا..... گفٹ جگہ پر نہیں تھے۔  
گفٹ سے لے کر پلیمبر کا بندوبست کرنے کے لیے میں نے  
اسے کہا تھا۔“

”میڈم آپ شادی کے تحفوں کے بارے میں کچھ کہہ  
رہی تھیں.....“

”کچھ مہمانوں نے تحفے گھر پہنچا دیے تھے۔ بلکہ  
سب نے ایسا ہی کیا تھا۔“  
”اور یہاں؟“

کے استعمال سے ناواقف تھا۔ فوراً وہی تھی جس نے نینا کی کار  
کو ٹکڑی کر دی تھی۔ ڈک سے ملنے والی اشیاء ویسی ہی تھیں جیسی  
نشانیاں چرچ کے دھماکے سے برآمد ہوئیں۔ ہیز ڈک سوال  
اٹھاتا ہے، کیا ہمیں اسٹیکر کے شاگرد کا سامنا ہے..... لاش  
کے ہاتھ پر گن پاؤڈر کی علامات..... مفقود تھیں۔ پاؤڈر  
صاف بھی کیا جا سکتا ہے۔ تاہم اس کی غیر موجودگی سوالیہ  
نشان ہے۔ اہم ترین بات یہ ہے کہ اسٹیکر سے لے کھوپڑی  
میں فریچر کی نشاندہی کی ہے۔

”دہات؟“ سام اور گورڈن بیک وقت بولے۔  
”کوئی سے پہلے، اس کے سر پر ضرب لگی یا لگائی گئی  
تھی۔“

تھوڑے خیر انکشاف کے بعد کچھ دیر کے لیے وہاں خاموشی  
چھا گئی۔

سام نے سکوت کا وقفہ ختم کیا اور کوئی کوئی طبع کیا۔  
”میں چاہتا ہوں کہ تم اور تمہاری بہن بروگن کے ہر شناسا سے  
بات کرے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ بروگن غلط آدمی سے ٹکرا  
گیا تھا۔ جو اب تک اندھیرے میں ہے۔ بروگن کے شناسا  
افراد میں سے کسی نے کوئی بات نوٹ کی ہو یا پوچھ پچھ پر یاد  
آجائے..... یا کسی نے کچھ دیکھا ہو؟“

”ہم ان سے پہلے کام کر لیں گے۔ ہمارا مقصد آپس  
میں تصادم نہیں۔ ہمیں یومبر سے مطلب ہے۔ اسے پکڑنا  
ہے۔ چرچ کے اسٹاف سے دوبارہ بات کرو۔ مجھے قادر اور  
ڈاکٹر رابرٹ سے پھر ملنا پڑے گا۔“

”نینا، بزل کا مر کر ہے۔“ گورڈن نے کہا۔  
”جانتا ہوں، ضرورت سے زیادہ سوالات کر چکا  
ہوں۔ وہ قطعی لاعلم ہے کہ ہوا کیا ہے۔ بتانے کے لیے اس  
کے پاس کچھ نہیں۔ البتہ رابرٹ کو مزید کھنگالنا پڑے گا۔  
ہمارا تعلق بومب ٹاسک فورس سے ہے۔ بصورت دیگر ہم  
آرام سے بیٹھے ہوتے۔ ہوی سائڈ براؤ راست لوٹ ہے  
کیونکہ گودام دھماکے میں ایک پولیس مین مارا گیا تھا۔ اس  
اب شروع ہو جاؤ۔“

☆☆☆  
اسپتال میں ڈک پاٹ سے مل بیٹھ رہی تھی۔ ہوی سائڈ  
کا ڈک پاٹ، سام کو پسند نہیں کرتا تھا۔ رکی کلمات کے بعد  
اس نے کہا۔ ”ہم بروگن کیس پر ہیں اور قادر سے پہلے ہی  
بہت سوال کر چکے ہیں؟..... مزید ضرورت نہیں ہے۔“  
”چرچ دھماکے سے متعلق میں چند سوالات اور کروں

وہ اس کے ہتھے ہوئے چہرے کو لگتی رہ گئی۔ اسے  
احساس ہوا کہ وہ ہیز رنگ نہیں تھے..... انسانی آنکھیں تھیں۔  
ایک ہی نے سام نیوارو کو پتھر پیلے پولیس مین سے جذبات  
سے ہر ایک انسان میں تبدیل کر دیا تھا۔ کشش کھل کر سامنے  
آ گئی تھی۔ میں غلطی نہیں کروں گی، نینا نے عزم کیا۔ یہ ایک  
حادثت ہو گئی کہ رابرٹ کی دغا بازی کے بعد پولیس مین کی  
محبت میں گرفتار ہو جاؤں۔ اس نے زبردستی سام کے چہرے  
سے نظر ہٹائی..... کہیں بھی دیکھو، اس چہرے کو نہ دیکھو.....  
نینا نے اپنے ہاتھوں کو دیکھا۔ ”اگر بروگن نے دھماکا  
کیا تھا تو اب مجھے غم مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔“  
”ہاں شواہد ثبوت بظاہر اسی کی طرف اشارہ کرتے  
ہیں۔ لیکن.....“

”لیکن یہ تمہیں قائل کرنے کے لیے نا کافی ہیں؟“  
”ہاں، میں وضاحت نہیں کر سکتا مگر میرے ذہن میں  
کھٹک ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میں چاہتا ہوں..... تم محتاط  
رہو۔“

نینا نے نظر اٹھائی۔ مسکراہٹ غائب تھی۔ وہی بے تاثر  
چہرہ۔ کوپ واپس آ گیا تھا۔  
”یعنی تمہارے خیال میں معاملہ ختم نہیں ہوا۔“ نینا  
نے کہا۔

”ہاں، میں مطمئن نہیں ہوں اور مجرم چاہتا ہے کہ ہم  
مطمئن ہو جائیں۔“

☆☆☆

تین سچے اسٹیشن میں متعلقہ افراد موجود تھے۔ اب  
تک کی کارکردگی کا جائزہ لیا جا رہا تھا۔ کوئی کے مطابق جی  
بروگن کا تک نیم کوئی نہیں تھا۔ جی بروگن ہی اصلی نام تھا۔ عمر  
پینتالیس سال۔ پیدائش، ساؤتھ پورٹ لینڈ۔ چند سال قبل  
چھوٹی موٹی چور یوں کا ریکارڈ۔ آٹھ برس قبل چرچ سے  
منسلک ہوا۔ کبھی کوئی مسئلہ کھڑا نہیں کیا۔ ملٹری سروس سے کوئی  
تعلق نہیں تھا۔ تعلیم گیارہویں گریڈ سے کم۔ اس کی بیوی کے  
مطابق بروگن لکھنے پڑھنے میں دشواری محسوس کرتا تھا۔ ہم  
بیٹا نا اس کے پس کی بات نہیں تھی۔ اس کی بیوی نینا کو نہیں جانتی  
تھی۔ نیز اس کا کہنا تھا کہ فورڈ میں ملنے والے پرچے کی تحریر  
اس کے شوہر کی نہیں تھی۔ دونوں کی ازدواجی زندگی میں کوئی  
خلل یا رنجش نہیں تھا۔

ٹاکیڈا نے بتایا کہ گن چوری شدہ تھی۔ جسے ایک سال  
پہلے میامی سے چرایا گیا تھا۔ یہ علم نہیں ہو سکا کہ گن بروگن  
تک کیسے پہنچے۔ اس کی بیوی کے بیان کے مطابق وہ اسلحہ



کیا۔ یونٹن لیتے ہوئے سام کی کار کے پیچھے چڑھ گئے۔ اس نے امیر جیسی لائش آن کروں اور رفتار بڑھاتا چلا گیا۔ ڈیٹیلہ نے دل آویز مسکراہٹ کے ساتھ سام کا استقبال کیا۔

”نیتا کہاں ہے؟“

”اوپر۔“

سام سیز جیوں کی طرف بڑھا۔ اسی وقت نیتا نیچے اتر رہی تھی۔ وہ جین شرٹ میں ملبوس تھی۔ لیڈیز پرس شانے پر جھول رہا تھا۔ سام رک گیا۔ نیتا نیچے آگئی۔ اس کی آنکھوں میں حیرت کے ساتھ سوال تھا۔

”کسی نے تمہیں کال کی تھی؟“ سام نے استفسار کیا۔

”کیسی کال..... کس بارے میں؟“

”راہرٹ۔“

خوف کی لہر اٹھی..... نیتا کی آنکھوں میں سوالات تھے لیکن پوچھنے کی ہمت نہیں تھی۔ وہ ساکت کھڑی سام کو تنک رہی تھی۔ ”آؤ میرے ساتھ۔“ سام نے اس کا بازو پکڑا۔ ”اسپتال جانا ہے۔“

”رکو۔“ ڈیٹیلہ کی آواز آئی۔ سام نے مڑ کے دیکھا۔ ڈیٹیلہ، نیتا سے زیادہ دہشت زدہ دکھائی دے رہی تھی۔

”کیوں؟ سام نے غصے سے کہا کہ کچھ غیر فطری سی بات ہے۔“

”کیا معاملہ ہے؟ کیا ہوا راہرٹ کو؟“

”کچھ دیر قبل کسی نے اسے گھر کے باہر گولی مار دی ہے۔ اس کا چپٹا مشکل ہے۔“

ڈیٹیلہ ایک قدم پیچھے ہٹ گئی۔ اس کی خوب صورت آنکھوں میں خوف کے سوا کچھ نہیں تھا۔ سام اب راہرٹ سے نہیں معلوم کر سکتا تھا لیکن ڈیٹیلہ کی آنکھوں نے سام کے ان کبے سوال کا جواب دے دیا۔

☆☆☆

میڈیکل ٹیم چار گھنٹے سے راہرٹ کی جان بچانے کی کوشش کر رہی تھی۔ نیتا، سام کے ساتھ انتظار گاہ میں تھی۔ شام ہو چلی تھی۔ راہرٹ سے اس کا رشتہ ٹوٹ چکا تھا۔ راہرٹ نے جو اس کے ساتھ کیا تھا، اس کے بعد کسی قسم کے جذباتی لگاؤ کی گنجائش نہیں تھی۔ تاہم وہ یہ بھی نہیں چاہتی تھی کہ راہرٹ کا یہ انجام ہو۔ سام کی موجودگی جبر و سکون کا باعث تھی۔ پولیس کے دیگر اہلکار کا آنا جانا لگا ہوا تھا۔ سام، نیتا کا ہاتھ تھامے بیٹھا تھا..... سہارے کا خاموش اشارہ۔

بالآخر نیوروسرجن نے راہرٹ کی موت کی اطلاع دی۔ دونوں کھڑے ہو گئے۔ ”کوشش کا شکریہ۔“ نیتا نے

سرگوشی کی۔

”میں تمہیں گھر چھوڑ دیتا ہوں۔“ سام نے کہا۔ نیتا نے اثبات میں سر ہلایا۔ انہوں نے چپ قدم ہی اٹھائے تھے کہ آواز آئی۔ ”مس نیتا! مجھے کچھ اور سوالات کی ضرورت ہے۔“ نیتا اس کے نام سے لاعلم تھی۔ اتنا جانتی تھی کہ اس کا تعلق پولیس سے ہے۔ اسپتال آمد پر اس نے چند سوالات کے نشے۔ نیتا شروع سے اس آدمی کی معقولیت کے خلاف تھی۔

”ڈک پاٹ، اس وقت نہیں۔“ سام نے کہا۔

”مناسب وقت نہیں ہے۔“

”واردات کے فوراً بعد یہی مناسب وقت ہے۔“

”وہ کچھ نہیں جانتی۔ واردات کے وقت وہ گھر پر تھی۔“

اس کی ماں سے تصدیق کرلو۔“ سام نے خود پر قابو پانے کی کوشش کی۔

”تم مس نیتا کے وکیل ہو؟“

سام کے بجائے نیتا بے قابو ہو گئی۔ ”مقرراری کے وارنٹ لانا تو بات کروں گی..... وہ بھی وکیل کے ساتھ۔ اور ایک مشورہ ہے، مجرم کو پکڑو..... میرے پیچھے آؤ۔“

ڈک پاٹ کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔ تاہم وہ بے بس تھا۔ دونوں آگے بڑھ گئے۔ سام کی گرفت نیتا کو بھاری تھی کہ وہ مشتعل ہے۔ مطلب وہ رو بوٹ نہیں ہے یا پورا رو بوٹ نہیں ہے۔

☆☆☆

”وہ مجھ سے اس طرح سوالات کرتا ہے جیسے میں ہی قاتل ہوں۔ ایڈیٹ۔ آئندہ میں تعاون نہیں کروں گی۔ اس کی اوقات بتاؤں گی۔ سام، وہ یہ سوچ ہی نہیں رہا کہ میں خود خطرے میں ہوں۔“

سام خاموش تھا۔

”تم سن رہے ہو؟“

”ہاں، لیکن میرا دھیان دوسری جانب ہے۔“

”کیا مطلب؟“

”ہمارا قاتل ہو رہا ہے۔“ سام نے گورڈن کا نام لایا۔

”ایک احسان کرو۔ میں نیتا کے ساتھ ہوں۔ میرا خیال ہے، ڈک پاٹ ہمارے پیچھے ہے۔ چیک کر کے مجھے بتاؤ۔“

سام نے اسے اپنی لوکیشن بتائی۔

”وہ پاگل ہے۔“ نیتا نے ڈک پاٹ کے لیے تبصرہ کیا۔

”کار میں خاموشی تھی۔ دفعتاً فون کی گھنٹی بجی۔ سام نے کار فون کا ریسیور اٹھایا۔ گورڈن کا جواب سننے ہوئے اس

نے ریسیور پر دیکھا۔ ”تمہیں یقین ہے؟“

”میرا رخ مغرب کی طرف ہے۔ تمہارے پیچھے جیب چیر دی ہے..... شیور۔“ گورڈن نے جواب دیا۔ ”تم پارل چلنے رہو، میں ہولٹن سے محکم کے چیر دی کے پیچھے آتا ہوں۔“

پانچ منٹ میں ہم اسے گھیریں گے۔“ گورڈن نے جواب دیا۔

”اوکے۔“ سام نے فون بند کر دیا۔ ”مجھ رہی ہو، کیا ہو رہا ہے؟“

”مگر وہ پولیس میں نہیں ہے تو کون ہو سکتا ہے؟“

”معلوم ہو جائے گا جب میں کہوں تو سیٹ سے اتر کے فوراً پرہنا۔ اگر اسے علم ہو گیا کہ اسے گھیرا جا رہا ہے تو وہ جانے کی کوشش کرے گا..... فائرنگ بھی ہو سکتی ہے۔“ سام

نے نیتا کو سمجھایا۔ تعاقب جاری تھا۔ سام عام انداز میں ڈرائیور تک کر رہا تھا۔ سام نے ایک موڑ کاٹا۔ پھر دوسرا اور کا گھریں اسٹریٹ پر آ گیا۔ اتوار کا دن ساڑھے دس بج رہے تھے۔ سام نے فٹ پاتھ کے ساتھ گورڈن کی نیلی ٹویوٹا دیکھ لی۔ وقت اور دن کے حساب سے ٹریفک کم تھا۔ سام ٹویوٹا کے پاس سے گزرتا چلا گیا۔ ذرا سے دھنکے کے بعد ٹویوٹا حرکت میں آئی۔ چیر دی، سام اور گورڈن کی گاڑیوں کے درمیان آگئی۔ ٹریفک لائٹ زرد ہوئی اور سام نے رفتار کم کر دی۔ دو گاڑیاں اس کے عقب میں تھیں۔ اچانک چیر دی کے پیچھے سے، وہ کئی کڑا کے انٹر سیکشن پر نکل گئی۔

سرخ بتی روشن ہوئی۔ سام نے بڑبڑاتے ہوئے اسٹیرنگ گھمایا اور رفتار بڑھاتا چلا گیا۔ انٹر سیکشن پر وہ بمشکل ٹرک سے بچ کر نکلا اور ایک سیڈان کو اوور ٹیک کر کے چیر دی کے عقب میں آ گیا۔ وہ ایک بلاک کے فاصلے پر تھی۔

”چالاک آدمی ہے۔“ سام نے آہستہ سے کہا۔

”وہ دیکھو۔“ نیتا چلائی۔ کار اچانک ہی پارکنگ سے نکل کے ان کے سامنے آئی تھی۔ سام نے ہارن پر ہاتھ رکھا اور زن سے کار کو چھوٹا ہوا گزر گیا۔ ”یہ پاگل پن ہے۔“

نیتا نے رکی ہوئی سانس خارج کی۔

وہ جنوبی ڈرائیور کے ساتھی بیٹھی تھی۔ سام چیر دی کے پیچھے کونے پر مڑا اور آگے پیچھے تینوں گاڑیاں گلی میں داخل ہو گئیں۔ نیتا نے حتیٰ کے ساتھ ڈیش بورڈ پکڑا ہوا تھا۔ گلی سے نکلنے لگتے سام نے بڑیک لگائے اور دائیں بائیں دیکھا۔

چیر دی جیب کبھی نہیں تھی۔ گورڈن، سام کے پیچھے رکھا اور کال کی۔ ”کس طرف؟“

”دائیں سمت ہونا چاہیے، ہم بائیں طرف جاؤ۔ بظاہر

عروس عذاب

دو طرفہ تلاش میں چیر دی کو ہاتھ آنا چاہیے تھا۔ چار بلاک کے بعد سام نے کال کی۔ دونوں نے ناکامی کا اعتراف کیا۔

”لائسنس پلیٹ؟“

”میں اچانک..... ملک نے کام کیا تو APB سے کچھ معلوم ہو سکتا ہے۔“

”میں بعد میں رابطہ کروں گا۔“ جواب سن کے سام نے کہا اور رابطہ منقطع کر دیا اور نیتا کی طرف دیکھا۔ ”مجھے یقین نہیں کہ تمہیں گھر جانا چاہیے۔“ دونوں کی نظریں لاک ہو گئیں۔ نیتا نے اس کی آنکھوں میں جو دیکھا، اس کے بعد نیتا کے خدشات کی تصدیق ہو گئی۔ ”تم کہنا چاہتے ہو کہ وہ میرے تعاقب میں ہے؟“

”اہم سوال ہے کہ کیوں؟ ایک اسرار ہے جو تم دونوں کے گرد تھا اور ہے۔ راہرٹ اب نہیں ہے۔ تم ہو..... کوئی آئیڈیا ہے تمہارے پاس؟“

”نہیں، کوئی غلطی ہے۔ میری سمجھ سے باہر ہے۔“

”غلطی نہیں ہے۔ کوئی اس کوشش میں ہے کہ تمہیں بھی راہرٹ کے پاس پہنچا دیا جائے۔ قاتل مرد بھی ہو سکتا ہے اور عورت بھی۔ میں نے پہلے بھی کہا تھا کہ ضروری نہیں کہ قاتل براہ راست ملوث ہو۔ میرا یقین بڑھتا جا رہا ہے کہ اصل آدمی پس پردہ ہے۔ اس نے کسی پروڈیوسر کو ہار کیا ہوا ہے۔“ سام نے تسکین سے کہا۔

نیتا جواب دینے سے قاصر تھی۔ اس کا بدن لرز رہا تھا۔

”میں سمجھتا ہوں کہ حقائق تسلیم کرنا تمہارے لیے کتنا دشوار ہے۔ آنکھیں بند کرنا مہلک ثابت ہوگا۔“

”مجھے مارنے سے کسی کو کیا ملے گا۔“ نیتا سوچ رہی تھی۔

”میں تو ہر ایک کے لیے بے ضرر ہوں۔“

”ہم بروکن کوڈز سے دائیں ٹھہرا سکتے۔ وہ استعمال ہو گیا۔ وہ معصوم تھا۔ کام لینے والے نے احتیاطاً اسے راستے سے ہٹا دیا۔ ہمیں ہٹکانے کے لیے اس کی موت کو خود کشی کا رنگ دیا گیا۔ وہ جو بھی ہے، بہت مکار ہے۔“ سام کا انداز خالص منطقی تھا۔ اس نے نیتا کو گفٹ کے بارے میں بتایا جو بروکن کے ذریعے جرج کے اندر پہنچایا گیا تھا۔

نیتا کے حواس کم تھے۔

”پلیز نیتا میری مدد کرو۔“ سام نے کہا۔

وہ سسکیاں لینے لگی۔ ”میں کچھ بھی نہیں جانتی۔“

”راہرٹ نے اعتراف کیا تھا کہ اس نے کسی اور کو منتخب کر لیا تھا۔ وہ عورت کون ہو سکتی ہے؟“

نیتا نے خود کو اپنے بازوؤں میں لپیٹ لیا۔ ”نہیں



رہے ہو؟

”میرا خیال ہے کہ رابرٹ اور ڈیٹلا کے تعلقات تھے۔“ سام نے کہا۔

”اور حسد کے باعث شادی کے موقع پر اس نے چرچ کو آڑا دیا؟“

”جی بھی پہلو کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔ ڈیٹلا کے بارے میں مزید پھر بتاؤں گا۔“ سام نے بات ختم کر دی۔

”پچن سے باہر جانے سے پہلے اس نے خود کو پھر پھینکا۔ یہ پھر نیتا سے ملنے کے بعد دو درجنوں ہارورڈ چکا تھا۔“

”میں ایک کپ ہوں۔ میرا کام خدمت اور تحفظ فراہم کرنا ہے، محبت نہیں۔“

☆☆☆

وہ پچن سے باہر آیا۔ نیتا کھڑکی سے باہر تاریکی میں جھانک رہی تھی۔ اسے دیکھتے ہی سام کا کچھ اور ارادہ متزلزل ہو گیا۔ کھڑکی کے پردے ہٹے ہوئے تھے۔ وہ فکرمند ہو گیا۔

اسے تسلیم کرنا پڑا کہ فکرمند ہونے کی لکیر کو کس کر رہا ہے۔ وہ پریشان ہو چکا تھا۔ ”میں بہتر محسوس کروں گا اگر تم کھڑکی سے ہٹ جاؤ۔“ نیتا بولی۔

”کیا تم مجھے ہو، کوئی یہاں تک تعاقب کر سکتا ہے؟“

”نہیں، لیکن کھڑکیوں سے دور رہنا بہتر رہے گا۔“

نیتا کا ڈیٹلا پر اس کے پچن کی۔ سام نے پہلی مرتبہ محسوس کیا کہ اب تک کا کچھ ایک خالی مسکن کے ساتھ تھا۔ زندگی سے

عادی۔ نیتا کی موجودگی نے ویران مسکن میں زندگی کا رنگ اڑھل دیا تھا۔ شاید اس کے دل میں بھی۔ پریشانی میں اضافہ ہو گیا۔ دل تو آخر دل ہے۔ آشفٹ حرازی دل، کیا

کہنا، کیوں میرے دل و دماغ پر طاری ہیں۔ بے تائیاں؟ نیتا کو تو جانا ہے۔ ”جتنی جلد رخصت ہو جائے اچھا ہے۔“

سام نے خود سے کہا۔ اس سے پہلے کہ نیتا، اسے ایک سوچ

تند جولان کی طرح بہا لے جائے، وہ اندیشہ فرما سے لرز رہا تھا۔

”تمہیں بھوک لگ رہی ہوگی؟“ سام نے کہا۔

نیتا نے نفی میں سر ہلایا۔ ”کھانے کا خیال نہیں، ذہن کچھ سوچنے کے قابل ہی نہیں ہوا۔“

”رابرٹ؟“

نیتا نے سر جھکا لیا۔ وہ مجھے کے مانند ساکت اور بے زبان تھی، سام کرسی سے اُتر کر اس کے بالمقابل بیٹھ گیا۔ مجھے

بتاؤ۔ رابرٹ کے بارے میں ہر بات بتاؤ۔“ سام نے نرمی سے کہا۔

دل نے کہا کہ وہ اسے چھوئے۔ اس کا چہرہ ہاتھوں میں لے لے۔ لیکن یہ اچھا خیال نہیں تھا۔ وہ مزکرینہ روم کی طرف گیا۔ وہ جگہ دوست، دشمن۔ دونوں کے لیے

ہموں کی تھی۔ اجازت ہے تیرے۔ اسے کاؤچ پر لیٹن ہوگا اور اسے نیتا کے لیے۔ اوہ، لیکن کوئی صاف چادر؟ اس نے

پریشانی کے عالم میں الماری کو کھینکا۔ ایک بیدار شیت لی تھی۔

”میں کاؤچ لے لوں گی۔“ نیتا نے کہا۔

”یہ بستر کے لیے ہے۔ تم میرے کمرے میں رہو۔“

”نہیں سام۔ یہ زیادتی ہوگی۔“

”کاؤچ ناہوار ہے۔“

”اور زندگی بھی۔“ نیتا نے کہا۔

سام اس کے جواب سے متاثر ہوا۔ وہ کمزوری کا مظاہرہ کرنے کے بجائے خود کو متوجہ کر رہی تھی۔ سمیٹ رہی تھی۔ اس نے کاؤچ کا رخ کیا اور سام نے پچن سے گورڈن کا شہر لایا۔

”جھڑکی دو بیٹے پہلے چوری ہوئی تھی۔ اب تک APB کے ہاتھ نہیں لگی ہے۔ یہ آوی تیرے اور خطرہ کا

”نہیں۔“

”نیتا خیال ہے، یہی بومیر ہے؟“ سام نے سوال کیا۔

”اور شہر بھی۔“ گورڈن نے کہا۔

”گورڈن! دھماکا کہاں فٹ ہو رہا ہے۔ ٹینک وار تو نہیں؟“

”میلی ہینڈر فیل میں ہے۔ لیڈل کے پاس ملی کے خلاف جو گواہ ہیں، گورڈن ان میں سے ایک کا تھا۔“ گورڈن نے کہا۔

”میلی ہینڈر کا مستقبل ابیل اندھیرے میں ہے۔ گورڈن میں دھماکے کا چھج کے ساتھ جڑ نہیں جتا۔“ سام نے کہا۔

”مجھے یقین ہے کہ چھج میں ڈارگٹ، ڈاکٹر رابرٹ اور نیتا تھے۔ کوئی دوا اور دوسرے۔ ایک اور زاویہ بھی ہے۔ وہی

”نہیں۔“

”نہیں۔“

”نہیں۔“

”نہیں۔“

”نہیں۔“

کے بعد یہ مناسب نہیں تھا۔ اسے یقین تھا کہ رابرٹ نے کوڑھ کا دیا تھا۔ تقریباً یقین تھا کہ رابرٹ نیتا کی سوتیلی

باں ڈیٹلا کے ساتھ تعلقات بنا چکا تھا۔ اسٹیزنگ ویکل پر کی گرفت سخت ہو گئی۔ وہ اسے حوصلہ دینا چاہتا تھا لیکن

نہیں تھا، وہ متحجب تھا کہ یہ آپ جاہت بھی بلکے رہی تھی۔ آفسیر کی حیثیت سے ہمدردی ٹھیک تھی۔

احساسات ایک نین خطرے کی لکیر کو کس کر رہے تھے۔ سام کو یہ لکیر کس میں نہیں کرتی تھی۔ کیا وہ اس سے فاصلہ

کر لے۔ فکیشن وہ کر چکا تھا۔ اور فکشن حال دلہن کا تھا۔ اس کی ذمہ داری نہیں تھی۔ باقی کام ڈک پائٹ کا تھا۔

کی تلاش سام اور اس کی جیم کو کرنی تھی۔ مسئلہ یہ تھا کہ وہ آج کی رات نیتا کو جتا نہیں چھوڑ سکتا تھا۔

”آج رات ڈیڈی کے گھر گزارنا ہے۔“

”نہیں سام۔“ قابل بہ آسانی وہاں بھی ہے۔“

”ہوٹل؟“ نیتا کی آواز میں خوف حیاں تھا۔

سام کے نزدیک یہ مزید خطرناک تھا۔ پریشانی گورڈن اور رابرٹ کو صفائی سے نشانہ بنا چکا تھا۔ نیتا کو کھڑکی

میں اسے کوئی دشواری نہیں ہوگی۔ وہ جواب دے بغیر رابرٹ میں روت دن پر چڑھ گیا۔ میں منٹ بعد گاڑی کھینے دوں

درختوں کے درمیان سے گزر رہی تھی۔ یہاں مکانات اور تعداد محدود تھی اور وہ ایک دوسرے سے قاصر تھے۔

اور دیوار کے درختوں کی بہتا تھی۔ دو میڈر روم کے چھج کا کچ کے سامنے سام نے گاڑی

روکی۔ وہ آگاہ تھا کہ کچ اس کی رہائش نہیں ہے کہ کسی مہمان کے

دے دیا جائے یا نیتا کو وہاں رکھا جائے۔ وہ آواز دھمک کر

کی سائڈ کا دروازہ کھولا۔ وہ حیرت سے چوٹی کا کچ

طرف دیکھ رہی تھی۔ ”ہم کہاں ہیں؟“

”محفوظ جگہ پر۔ ہوٹل سے بھر ہے۔ میں رہتا ہوں۔“

یہاں۔“ سام نے جواب دیا۔ ”آج رات کے بعد

دوسرا ہفت روزہ کرنا پڑے گا۔“

”اگر نیتا نے درمیانوں کی تھا تو اس نے ظاہر نہیں ہو۔“

”نہیں۔“

معلوم جسمی تم نے دیکھا کہ ڈیٹلا اور رابرٹ آپس میں بے تکلف ہیں؟“

نیتا کے بدن کا ہر خلیہ جلد ہو گیا۔ ڈیٹلا۔ اس کے

باپ کی بیوی؟ خیالات کی رودھ میں سے پیچھے چلی گئی۔ اس کے

ڈیڈی نے ڈیڈی پر دھوکا دیا تھا۔ وہ اور رابرٹ ڈیڈی کے گھر پر

تھے۔ ڈیٹلا نے بھی نیتا کے ساتھ گرجوٹی کا اظہار نہیں کیا تھا

لیکن اس رات کے بعد وہ نیتا کا خیال رکھنے لگی۔ نیتا اور رابرٹ کے ساتھ وہ ہر سوشل فنکشن میں شریک ہونے لگی۔

ڈیٹلا نے سوتیلی بیٹی کے ساتھ ہم آہنگی اختیار کر لی تھی۔

ڈیٹلا اور رابرٹ۔ ڈیٹلا اور رابرٹ۔ ڈیٹلا اور رابرٹ۔

”میں نہیں چاہتا کہ تم رات وہاں گزارو۔“ وہ ڈیٹلا

”ہے۔“

”تم سمجھ رہے ہو کہ وہ اور رابرٹ۔“

”ہاں اور مجھے اس سے مزید سوالات کرنے پڑیں گے۔“ سام نے کہا۔

”کیا تم سمجھ رہے ہو کہ ڈیٹلا، رابرٹ کے قتل میں ملوث ہے؟“

”ایسا ممکن ہے۔ تم وجہ پوچھو گی تو وجہ حسد ہو سکتی

ہے۔ رابرٹ اس کے لیے نہیں تو وہ اسے کسی اور کے ساتھ بھی

اسے نہیں دیکھ سکتی۔“

”لیکن تم دیکھ چکے ہو رابرٹ کے دل میں میرے

لیے کوئی جگہ نہیں تھی۔ اسے دوسری عورت چاہیے تھی۔“

”لیکن تم اسے چاہتی تھیں؟“ سام نے نرمی سے کہا۔

تاہم اس کی آواز میں غلیظ سا مذاق تھا۔

”سائنس نیتا کی آنکھوں میں پانی آ گیا۔ اس کی تلخ

چاہت الم ناک انجام سے دوچار ہوئی تھی۔ بعد ازاں

رابرٹ زندگی کی بازی بھی ہار گیا۔ نیتا جذباتی بحران سے نکل

چکی تھی۔ تاہم دنوں نے سال بھر ساتھ گزارا تھا۔ نیتا کے

دل کے نہیں خانے میں کوئی نرم گوشہ تھا۔ اس لیے وہ اسپتال

میں چار گھنٹے بیٹھی رہی، رابرٹ کی بے وفائی کے باوجود۔

رابرٹ کی موت اس طرح ہوئی، اس نے نہیں سوچا تھا۔

اگرچہ وہ اس کی موت سے مل کے واقعات کو بھول چکی تھی۔

اسے نئی زندگی کا آغاز کرنا تھا۔ آنسو رنج کے عکاس نہیں

تھے۔ وہ بری طرح تھک چکی تھی۔ ذہن سوچنے کے قابل

نہیں رہا تھا۔

سام خاموشی سے ڈرائیو کر رہا تھا۔ وہ رابرٹ کے

بارے میں منفی تبصرہ کرتا چاہتا تھا لیکن اس کے غیر متوقع انجام



معلوم ہے کہ تم نے دیکھا کہ ڈیٹا اور رابرٹ آپس میں بے تکلف ہیں؟“

نیا کے بدن کا ہر خلیہ جامد ہو گیا۔ ڈیٹا..... اس کے باپ کی بیوی؟ خیالات کی روچھ میٹھے پیچھے چلی گئی۔ اس کے ڈیڑی نے ڈنر پر دھوکا دیا تھا۔ وہ اور رابرٹ ڈیڑی کے گھر پر تھے۔ ڈیٹا نے بھی نیا کے ساتھ کربوٹی کا اظہار نہیں کیا تھا لیکن اس رات کے بعد وہ نیا کا خیال رکھنے لگی۔ نیا اور رابرٹ کے ساتھ وہ ہر سوشل فنکشن میں شریک ہوتے لگی۔ ڈیٹا نے سوشلی مین کے ساتھ ہم آنکلی اختیار کر لی تھی۔

ڈیٹا اور رابرٹ..... ڈیٹا اور رابرٹ..... میں نہیں چاہتا کہ تم رات وہاں گزارو..... وجہ ڈیٹا ہے۔“

”تم سمجھ رہے ہو کہ وہ اور رابرٹ.....“

”ہاں اور مجھے اس سے مزید سوالات کرنے پڑیں گے۔“ سام نے کہا۔

”کیا تم سمجھ رہے ہو کہ ڈیٹا اور رابرٹ کے ٹکڑے میں ملوث ہے؟“

”ایسا ممکن ہے۔ تم وجہ پوچھو گی تو وجہ حد ہو سکتی ہے۔ رابرٹ اس کے لیے نہیں تو وہ اسے کسی اور کے ساتھ بھی اسے نہیں دیکھ سکتی۔“

”لیکن تم دیکھ چکے ہو رابرٹ کے دل میں میرے لیے کوئی جگہ نہیں تھی..... اسے دوسری عورت چاہیے تھی.....“

”لیکن تم اسے چاہتی تھیں؟“ سام نے نرمی سے کہا۔ تاہم اس کی آواز میں شکیف سناؤ تھا۔

بے ساختہ نیا کی آنکھوں میں باہی آ گیا۔ اس کی سچ چاہت اہم ناک انجام سے دو چار ہوئی تھی۔ بعد ازاں رابرٹ زندگی کی بازی بھی ہار گیا۔ نیا تھوڑی سی جھانک سے نکل چکی تھی۔ تاہم دونوں نے سال بھر ساتھ گزارا تھا۔ نیا کے دل کے نہاں خانے میں کوئی نرم گوشہ تھا اسی لیے وہ اسپتال میں چار گھنٹے بیٹھی رہی، رابرٹ کی بے وفائی کے باوجود۔ رابرٹ کی موت اس طرح ہوئی، اس نے نہیں سوچا تھا۔ اگرچہ وہ اس کی موت سے نکل کے واقعات کو بھول چکی تھی۔ اسے نئی زندگی کا آغاز کرنا تھا۔ آنسو رنج کے عکاس نہیں تھے۔ وہ بری طرح تھک چکی تھی۔ ذہن سوچنے کے قابل نہیں رہا تھا۔

سام خاموشی سے ڈرائیو کر رہا تھا۔ وہ رابرٹ کے بارے میں مٹی جبرہ کرنا چاہتا تھا لیکن اس کے غیر متوقع انجام

کے بعد یہ مناسب نہیں تھا۔ اسے یقین تھا کہ رابرٹ نے نیا کو دھوکا دیا تھا۔ تقریباً یقین تھا کہ رابرٹ نیا کی سوتیلی ماں ڈیٹا کے ساتھ تعلقات بنا چکا تھا۔ اسٹیرنگ ویل پر اس کی گرفت سخت ہو گئی۔ وہ اسے حوصلہ دینا چاہتا تھا لیکن نہیں تھا۔ وہ متعجب تھا کہ جب آپ چاہت بھی بکوریے سے رہی تھی۔ آئیہر کی حیثیت سے ہمدردی ٹھیک تھی لیکن احساسات ایک ایسے خطرے کی کیکر کو کراس کر رہے تھے۔ سام کو یہ کیکر کراس نہیں کرنی تھی۔ کیا وہ اس سے فاصلہ اختیار کر لے۔ فکٹیش وہ کر چکا تھا..... اور شکستہ حال لیکن کا تحفظ اس کی ذمہ داری نہیں تھی۔ باقی کام ڈک پاٹ کا تھا۔ یوم کی تلاش سام اور اس کی ٹیم کو کرنی تھی۔ مسئلہ یہ تھا کہ وہ کم از کم آج کی رات نیا کو تھپانیں چھوڑ سکتا تھا۔

”آج رات ڈیڑی کے گھر گزارنا تمہارے لیے خدوش ہے۔“ سام نے کہا۔ ”قابل یہ آسانی وہاں بھی سکتا ہے۔“

”ہولن؟“ نیا کی آواز میں خوف غماں تھا۔ سام کے نزدیک یہ مزید خطرناک تھا۔ پروفیشنل بروگن اور رابرٹ کو مصالحت سے نشانہ بنا چکا تھا۔ نیا کو کھو جانے میں اسے کوئی دشواری نہیں ہوگی۔ وہ جواب دیے بغیر شال میں روٹ وٹن پر مڑ گیا۔ بیس منٹ بعد گاڑی گھنے دو دروازوں کے درمیان سے گزر رہی تھی۔ یہاں مکانات کی آواز دھند دھند تھی اور وہ ایک دوسرے سے فاصلے پر تھے۔ صوبہ اور دو دروازے درختوں کی بہتات تھی۔

دو بیڑوں کے مختصر کالج کے سامنے سام نے گاڑی روکی۔ وہ آگاہ تھا کہ کالج ایس رہائش نہیں ہے کہ کسی مہمان کو مدعو کیا جائے یا نیا کو وہاں رکھا جائے۔ وہ اترا اور گھوم کر نیا کی سائیکل کا دروازہ کھولا..... وہ جیت سے چوٹی کالج کی طرف دیکھ رہی تھی۔ ”ہم کہاں ہیں؟“

”محموظ جگہ پر۔ ہولن سے بہتر ہے۔ میں رہتا ہوں یہاں۔“ سام نے جواب دیا۔ ”آج رات کے بعد کوئی دوسرا بندوبست کرنا پڑے گا۔“

اگر نیا نے درد محسوس کیا تھا تو اس نے ظاہر نہیں ہونے دیا یا پھر تھکن اور خوف کے باعث وہ توجہ دے کے قابل نہیں تھی۔ اس نے سام کے ساتھ اندر قدم رکھا۔ سام نے سوچا آن کیے۔ گویا ایک بے پروا کھوارے کا گوشے عافیت تھا۔ سام نے دروازہ بند کر دیا۔ نیا خوابیدہ کی کھڑکی تھی۔

”تم ٹھیک ہو؟“

”ہاں۔“ نیا کا انداز غیر یقینی تھا۔ ایک دم سام کے

دل نے کہا کہ وہ اسے چھوئے..... اس کا چہرہ ہاتھوں میں لے لے..... لیکن یہ اچھا خیال نہیں تھا۔ وہ مڑ کر بیڑوم کی طرف گیا۔ وہ جگہ دوست، دشمن..... دونوں کے لیے ناموزوں تھی۔ اجازت ہے ترتیب..... اسے کاؤچ پر لیٹا ہوگا اور بستر بنیائے لیے۔ اودہ، لیکن کوئی صاف چادر؟ اس نے پریشانی کے عالم میں الماری کو کھنگالا۔ ایک بیڈ شیٹ مل ہی گئی۔

”میں کاؤچ لے لوں گی۔“ نیا نے کہا۔

”بیڈ کے لیے ہے۔ تم میرے کمرے میں رہو۔“

”نہیں سام۔ بیڈ یادنی ہوگی۔“

”کاؤچ ناہوار ہے۔“

”اور زبردگی بھی۔“ نیا نے کہا۔

سام اس کے جواب سے متاثر ہوا۔ وہ کمزوری کا مظاہرہ کرنے کے بجائے خود کو بیچ کر رہی تھی..... سمیٹ رہی تھی۔ اس نے کاؤچ کا رخ کیا اور سام نے بچن سے گورڈن کا سر ہٹا دیا۔

”تھوڑی دو پینٹے پہلے چوری ہوئی تھی۔ اب تک APB کے ہاتھ نہیں لگی ہے..... یہ آدمی تیز ہے اور خطرناک بھی۔“

”کیا خیال ہے، یہاں بومر ہے؟“ سام نے سوال کیا۔

”اور شو تھی۔“ گورڈن نے کہا۔

”گودام دھماکا کہاں فٹ ہو رہا ہے۔“ گینک دار تو نہیں؟“

”مٹی ہنر و جمل میں ہے۔ لیڈل کے پاس بی کے خلاف جو گواہ ہیں، گودام ان میں سے ایک کا تھا۔“ گورڈن نے کہا۔

”مٹی ہنر و کا مستقبل اندھیرے میں ہے..... گودام میں دھماکے کا چرچ کے ساتھ جوڑ نہیں جگا۔“ سام نے کہا۔

”مجھے یقین ہے کہ چرچ میں ٹارگٹ، ڈاکٹر رابرٹ اور نیا تھے..... یعنی دو لکھا اور دو لکھ..... ایک اور زاویہ بھی ہے۔ وہی قدیم کرام آف پشین تم نے ڈیٹا کا انٹرویو کیا؟“

”ہاں دھماکے کے بعد..... کیا قند ہے۔“

”قند تو ہے..... کچھ اور محسوس کیا؟“ سام نے سوال کیا۔

”نہیں..... کیوں؟“

”میں چاہتا ہوں کہ ہوی سائیکل کے ٹوکوں کو آج رات سوالات کے لیے وہاں بھیج دو۔“

”میں ڈک پاٹ تک پیغام پہنچا دوں گا۔ تم کیا سمجھ

رہے ہو؟“

”میرا خیال ہے کہ رابرٹ اور ڈیٹا کے تعلقات تھے۔“ سام نے کہا۔

”اور حسد کے باعث شادی کے موقع پر اس نے چرچ کو ڈوبادیا؟“

”کسی بھی پہلو کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔ ڈیٹا کے بارے میں مزید پھر بتاؤں گا۔“ سام نے بات ختم کر دی۔

”بچن سے باہر جانے سے پہلے اس نے خود کو پھر پھر دیکھا۔“

”میں ایک کوپ ہوں۔ میرا کام خدمت اور تحفظ فراہم کرنا ہے، محبت نہیں۔“

☆☆☆

وہ بچن سے باہر آیا۔ نیا کھڑکی سے باہر تارکی میں جھانک رہی تھی۔ اسے دیکھتے ہی سام کا کچھ اور ارادہ متزلزل ہو گیا۔ کھڑکی کے پرے سے ہوتے تھے۔ وہ گھر مند ہو گیا۔ اسے تسلیم کرنا پڑا کہ گھر خطرے کی کیکر کو کراس کر رہا ہے۔ وہ پریشان ہو چکا تھا۔ ”میں بہتر محسوس کروں گا اگر تم کھڑکی سے جٹ جاؤ۔“ نیا بٹلی۔

”کیا تم سمجھتے ہو کہ یہاں تک تھا قب کر سکتا ہے؟“

”نہیں، لیکن کھڑکیوں سے دور رہنا بہتر ہے گا۔“

نیا کاؤچ پر آ کے بیٹھی۔ سام نے پہلی مرتبہ محسوس کیا کہ اب تک کالج ایک خالی مسکن کے مانند تھا۔ زندگی سے عاری۔ نیا کی موجودی نے دیران مسکن میں زندگی کا رنگ انڈیل دیا تھا..... شاید اس کے دل میں بھی۔ پریشانی میں اضافہ ہو گیا۔ دل تو آخر دل ہے..... آشفٹ حرائق ول، کیا کہنا، کیوں میرے دل دوبارہ پر طاری ہیں۔ بے تائیاں؟

نیا کو تو جانا ہے۔ ”جتنی جلد رخصت ہو جائے اچھا ہے۔“ سام نے خود سے کہا۔ اس سے پہلے کہ نیا، اسے ایک موقع دے کر نیا کی طرح بھاگ جائے، وہ اندیشہ فرما سے لرز رہا تھا۔

”تمہیں بھوک لگ رہی ہوگی؟“ سام نے کہا۔

نیا نے ٹی میں سر ہٹا دیا۔ ”کھانے کا خیال نہیں، ذہن کچھ سوچنے کے قابل ہی نہیں ہوا۔“

”رابرٹ؟“

نیا نے سر جھکا لیا۔ وہ جیسے کے مانند سارکت اور بے زبان تھی، سام کرسی لے کر اس کے بالفاظ بیٹھ گیا۔ ”مجھے بتاؤ..... رابرٹ کے بارے میں ہر بات بتاؤ۔“ سام نے نرمی سے کہا۔



نیتا چند ساعت خاموش رہی پھر دھیرے دھیرے بتانا شروع کیا۔ بچہ مر جیلا نکلتا اسپتال میں ہی ہوئی تھی..... وہ ایک اچھا ڈاکٹر تھا۔ وہ پانچس سال کا تھا اور نیتا کو حیرت ہوئی تھی کہ وہ فریڈرادی شدہ تھا اسے اپنی پسند کی لڑکی نہیں ملی تھی۔

”اس عمر میں اسے انتخاب کے معاملے میں معیار کچھ کھلا رکھنا چاہیے تھا۔“ ماہم نے خیال آرائی کی، نیتا نے چونک کر کنوارے آفیسر کی طرف دیکھا۔



ساتھ..... لیکن خواب کے باندہ

☆☆☆

سام صبح سات بجے بیدار ہو گیا تھا۔ فوراً ہی فون کی گھنٹی نے متوجہ کر لیا۔ "ہیلو۔"

"سام مجھے وضاحت دے گا کہ۔" کوہ پر اسٹیج کی آواز آئی۔ "میرے ذرائع کے مطابق غینا تمہارے پاس ہے۔ اسے واپس لاؤ۔"

"چیف مجھے بتا دینا چاہیے تھا۔ وہ خطرے میں ہے اس لیے مجھے مداخلت کرنی پڑی۔"

"مجھے پتہ نہ تھا کہ تم اس کے ساتھ ٹوٹ ہو گئے ہو۔ کہاں ہے وہ؟"

سام اسی سوال سے ڈر رہا تھا۔ "وہ یہاں۔۔۔ میرے کیمپ پر۔"

"اوہ گاڈ، تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ ایک گھنٹے میں پینچر ڈک پاٹ کو غینا سے سوالات کر سکتے ہیں۔"

"چیف، وہ۔۔۔" ایک گھنٹہ سام "چیف نے فون رکھ دیا۔"

☆☆☆

پولیس اسٹیشن میں تین سراخ رساں غینا کے مخالف سمت میں بیٹھے تھے۔ ظاہر ہے کہ ڈک پاٹ بھی شامل تھا۔ سام موجود تھا لیکن وہ خاموشی سے کھڑکی کے پاس کھڑا تھا۔

اس کی موجودگی غینا کے لیے ہمت افزا تھی۔ نیا، ڈک پاٹ کے خلاف تھی۔ سام نے حیرت محسوس کی جب غینا نے آغاز میں ہی جارحیت کا راستہ اپنایا۔۔۔ وہ اور سام دونوں جانتے تھے کہ وہ محصور ہے اور ڈک پاٹ کچھ نہیں کر سکتا۔ غینا کے اشتعال کن، تاثر دہن جوابات نے ڈک کا پارا چڑھا دیا۔ نیا جوابات سے زیادہ سوالات کر رہی تھی۔ جوابات۔۔۔ زیادہ تر جوابات۔۔۔ "میں نہیں جانتی" پر مشتمل تھے۔ بالآخر ڈک پاٹ نے خراب چال چلی۔ جو سام پہلے ہی بتا چکا تھا۔

"رابرٹ کی وجہ سے تمہیں خاصی تکی، جذباتی تکلیف ہوئی ہوگی اور تمہیں بدلہ لینے کا خیال بھی آیا ہوگا؟" غینا کے ہونٹوں پر طنز مسکراہٹ نظر آئی۔ "ہاں۔"

ڈک پاٹ کے چہرے پر چمک نظر آئی۔ "میرے تم نے کیا کیا؟"

"کچھ نہیں۔"

"کسی اور سے کروایا؟"

"آفسر تمہارا ذہن اچھا کام کرتا ہے۔"

"کیا نام ہے اس کا؟" ڈک کے چہرے پر قاتلانہ

آثار تھے اور سام کے چہرے پر تشویش تھی۔

"وہ کہیں ہے۔" غینا نے کہا۔

"دہات؟" تینوں سراخ رساں ایک زبان بولے۔

"ہاں، اس کا نام 'ڈک پاٹ' ہے۔"

ڈک پاٹ اچھل پڑا۔ دونوں ہاتھ زور سے میز پر مارے۔ "ہوش میں ہو۔ ہتا ہے اس رویے کا انجام کیا ہو گا؟"

"ایک مشورہ دیا تھا۔ تم نے نہیں مانا۔ اب تمیں گواہوں کی موجودگی میں ایک بے گناہ لڑکی کو دم کی دے رہے ہو۔" غینا نے سام کی طرف دیکھا۔ "ایک بات اور۔۔۔"

تم نے زندگی میں جتنا کہا ہے، میرا باپ اس کمائی سے زیادہ مہنگا ویل کر سکتا ہے۔ جو تمہاری رودی اتر دے گا۔ چلتی ہوں۔ آئندہ بلایا تو دیکھ کے ساتھ آؤں گی۔"

☆☆☆

سام کے چہرے نے اشارہ کیا۔ کرائم لیپ سے ٹاکیڈا تھا۔ کوڈ اعلان کر رہا تھا کہ یہ ایرجنٹ پیغام ہے۔ سام کمرے سے نکل گیا اور اپنی ڈیسک سے کال کی۔ "کیلا کی آواز میں بیجان لہریاں تھیں۔" سام خوش ہو جاؤ۔۔۔ اہم اشارہ ملا ہے۔" ٹاکیڈا نے جذباتی انداز میں کہا۔

"اوہ، کس خوش ہونے لگا ہوں۔"

"گودام دھماکے کی ڈیوائس کے جو چہرے ملے تھے، ان میں سے ایک پر محدود انگلیوں کے نشانات ہیں جو ہمیں بوہر تک پہنچا سکتے ہیں۔ میں نے پرنٹ NCIC (نیشنل کرائم انفارمیشن سینٹر) کو روانہ کر دیے ہیں۔ چند روز صرف ہوں گے۔ میں پراسید ہوں۔"

"واقعی تم نے خوش کروایا۔" سام نے کہا۔

"ایک اور بات۔" ٹاکیڈا نے کہا۔ "حرج کے لیے کے مطابق ڈیوائس تجھے کی شکل میں تھی۔ جلد چوکیدار نے اندر پہنچا ہوا تھا۔ وہ بعد میں مارا گیا۔ میرے اہلکار کے مطابق دھماکا خوف کھلنے پر ہونا چاہیے تھا لیکن کسی وجہ سے وہ وقت سے پہلے ہی چمٹ گیا۔ شاید شارٹ سرکٹ۔"

"مگر، اچھا جارہے ہو۔" سام نے تہنہ کیا اور فون بند کر دیا۔ کیس آگے بڑھانے کے لیے کم از کم ایک ٹیکسٹ کیا تھا۔ وہ واپس چل پڑا۔ کون نیا کو مارنا چاہتا ہے؟ کیا یہ شخص ڈیٹیل کا حسد تھا۔ اگر ایسا تھا تو کیا وہ اس حد تک جاسکتی تھی۔

جسکی جس کہ رہی تھی سام کوئی شک نہ کر رہا ہے۔ وہ کمرے میں داخل ہوا تو ڈک اپنے ساتھیوں کے ہمراہ موجود تھا لیکن غینا غائب تھی۔ "غینا کہاں گئی؟"

ڈک نے شانے اچکائے۔ "وہ ہمارے سوالات سے اس کے چل گئی۔"

"تم نے جانے دیا؟"

"اس پر کوئی چارچ نہیں تھا۔" ڈک نے جواب دیا۔

سام گھبراہٹ ظاہر کیے بغیر وہاں سے نکل گیا۔ سڑک کے دونوں طرف نیا کا کوئی نشان نظر نہیں آیا۔ یہ معلوم قاتل گھات میں تھا۔ "مجھے قاتل سے پہلے نیا تک پہنچنا ہوگا۔"

سام نے خود سے کہا۔ کارفون سے اس نے غینا کے باپ کے ممبر فون کیا۔ ٹاکا کی پر لینڈ یا وارنٹ کا نمبر ملایا۔ آخر میں رابرٹ کے ممبر کا نمبر ملایا۔۔۔ لا حاصل، آخر کار اس نے

لائسنس کے ممبر جانے کا فیصلہ کیا۔ بدتر حالات میں غینا کو اس کی ضرورت ہوگی۔ ایک جگہ رہی تھی۔ غینا کا نیا پارٹنر، جو ٹیکس اسٹریٹ پر تھا۔ سام بھی وہاں نہیں گیا تھا۔ ڈرائیونگ کے دوران وہ متواتر سوچ رہا تھا۔۔۔ اس ٹنگلو کے بارے میں جو کہ دیر پہلے لائسنس کے ساتھ ہوئی تھی۔ اس کے بعد اسے یقین ہو گیا تھا کہ غینا نے رابرٹ سے شادی کا عندیہ مانا کی خوشی کے لیے دیا تھا۔ اور وہ ایک فیصلہ بھی بڑبادی کی نذر ہو گیا۔ جب وہ غینا کے پارٹنر کے سامنے رگ رہا تھا تو

غصے میں تھا۔ غصہ غینا کی سبکی ماں لائسنس کے لیے تھا اور باپ جارح کے لیے۔۔۔ شادی پر شادی کرنا چلا آتا تھا جس کی موجودہ بیرونی بیوی ڈیٹیل تھی جس کی ترحیات کچھ اور تھیں۔

مزید یہ کہ وہ اپنی سوتیلی بیٹی کے ہونے والے شوہر رابرٹ سے نفرت استوار کر چکی تھی۔ تصدیق ڈک پاٹ نے غینا کے ساتھ سیشن میں کر دی تھی۔ کم دیش دو سب ہی ش کی غینا کی عزت نفس سے بھل رہے تھے۔ کوئی غینا کا ہم خیال نہیں تھا۔

سام نے پارٹنر کے دروازے کو پینٹ ڈالا۔ ایک بار، وہ بار، جواب نثار دے غینا تم کہاں ہو؟ وہ پلٹا، رک اور ڈور تاب پر ہاتھ ڈالا۔ ڈور لاک ٹھیک تھا۔ سام نے دھکا دیا۔

"غینا؟" وہ تار تقریباً ڈھکی گرفت سے باہر تھا۔ جسے سام پک چھوئے بغیر گھوڑا ہاتھ چاندی جیسا ہال سا پارک تار ڈور فریم کے مرکز میں عمودی سمت میں بچے سے اوپر چلا گیا تھا۔ ڈور کھلتے ہی تار فعال ہو گیا تھا۔ سام نے حتی الامکان چھری کا مظاہرہ کیا۔ جسم سیکڑ کے پہلو کے مل تار کے قریب سے اندر ہال دے میں بھی جست لگائی۔ دھماکے کی قوت نے دروازہ اکھاڑ دیا۔ تو ابائی کی لہریں چوٹی دیواروں پر

اثر انداز ہوئیں۔ دھواں پھیلنا۔ ٹکڑی اور پلاسٹر کے ٹکڑے سام کے اوپر برسے۔ وہ دونوں ہاتھ کان پر رکھے پینٹ کے ٹپ پر تھا۔

عروس عذاب

☆☆☆

اپارٹمنٹ میں زمین بوس نہیں ہوا تھا۔ تقریباً نصف حصہ برباد ہو گیا تھا۔ اگر سام دروازے سے سیدھا گزر جاتا۔۔۔ اس صورت میں موت یقینی تھی۔ وہ لوگ باہر زرد فیتے کی دوسری جانب کھڑے تھے۔ پارٹنر سے سام کو اسپتال جانے کا مشورہ دیا جو اس نے مسترد کر دیا۔ متعلقہ افراد مشرہ اپارٹمنٹ کے اندر سلامتی لے رہے تھے۔ سام نے جلد ہی جان لیا کہ اندر کیا دریافت ہوا ہے۔ تمام نشانیاں گواہ دھماکے اور چرچ میں پائی گئیں۔ یومنگ کا یہ انداز اسپیکر کی نشاندہی کر رہا تھا۔ لیکن اسپیکر انک میں نہیں تھا۔ سام سوچ رہا تھا کہ اسپیکر او ایس آگیا ہے یا واقعی کوئی اور اس کی جگہ لے چکا ہے۔ دونوں میں سے ایک ہے لیکن کہاں؟ پچھلے سوال تھا کہ غینا مارگٹ کیوں ہے؟ سام کا حلیہ خاصا خراب ہو گیا تھا۔ سر میں ہلٹے چھوٹ رہے تھے۔ رخسار پر دھم تھا اور بائیں کان سے ہشکل سنائی دے رہا تھا۔ غینا جہاں بھی ہے خطرے میں ہے۔ اپارٹمنٹ میں ہم۔۔۔ غینا کے لیے نصب کیا گیا تھا۔ وہ خیالات میں غلط فہمی کی طرف جارہا تھا۔ دفعہ اس کی نگاہ جہم کی طرف گئی۔ اس نے غینا کو کچھ لیا۔ لاسٹلے کے باوجود غینا کے چہرے پر چھائی زردی نظر آ رہی تھی۔ وہ شاک میں تھی۔ خوف زدہ تھی۔ "غینا، اس نے بے تابی سے جہم میں قدم بڑھائے۔ غینا نے بھی اسے دیکھ لیا تھا۔ وہ دیوانہ وار اس کی طرف آئی۔ دونوں ایک دوسرے سے بے تکلیف ہوئے۔ غینا کا بدن لرز رہا تھا۔ سام نے بھیڑ کا انداز کہا۔ "میں تمہیں محفوظ جگہ پر لے جاتا ہوں۔ غینا بے آسانی سمجھ گئی تھی کہ اس کی جگہ سام مرتے مرتے بچا ہے۔ غینا کی چکوں پر ستارے چمک رہے تھے۔ گاڑی میں بیٹھ کر سام نے گورن کو پکارا۔ "تم یہاں کے انچارج ہو۔"

☆☆☆

غینا اس کی ابتر حالت پر رنجیدہ تھی۔۔۔ نظریہ رسد کے زخم پر تھی۔ "تم ڈیجی ہو۔" اس نے سر کوئی کی۔

"خاص نہیں، ایک کان سے کم سنائی دے رہا ہے۔ میں نے دیکھ لیا تھا۔ خون کے فرق سے بخ گیا۔ ڈیوینٹر میں پانچ سینکڑی مہلت تھی۔ دروازہ کھلنے پر پانچ سینکڑ میں اسے پھٹا تھا۔۔۔ قیاس ہے کہ یہ لفظی سے ہوا۔" سام نے کہا۔

"تم میری خاطر وہاں گئے تھے غینا نے کرب سے سوچا۔" تم اقرار کیوں نہیں کرتے؟"

سام خاموش رہا۔ غینا کے سینے میں ہوک سے اٹھی۔ انکار یا شک کی کوئی گھٹیا نہیں تھی کہ غینا مارگٹ تھی۔ اس







”ممکن ہے کوئی تیسری پارٹی ہو۔“

”خفیک ہے تو معلوم کرو۔ میں مزید دھماکوں کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ جی میرے گواہوں کو براہیں کرنا چاہتا ہے۔ یہ کیس میرے لیے اچھا ہے۔“ لیلڈل نے کمری چھوڑ دی۔ اچانک کمرے کا دروازہ کھلا۔ ٹاکیڈا کا بچان زدہ چہرہ دکھائی دیا۔ ”ٹاکیڈا قابل یقین NCIC کی رپورٹ مل گئی ہے۔“

”ممکن۔“ سام نے شیٹ ٹاکیڈا کے ہاتھ سے لے لی۔

☆☆☆

نینا پرانی بوٹ کے ساتھ جھیل میں تھی۔ دو پہر ڈھل رہی تھی۔ نینا نے آسمان کی طرف پرندوں کی جانب دیکھا۔ کوئی اسے آواز دے رہا تھا۔ نینا نے چونک کر گردن کھائی۔ کنارے پر سام کھڑا تھا۔ نینا اس کی جلد واپسی پر حیرت زدہ تھی۔ دھڑکن میں اضافہ ہو گیا۔ اس نے بوٹ کھائی۔ قریب پہنچ کر نینا نے اس کے تاثرات پڑھنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہی۔ ٹیلی رات کی کوئی علامت نظر نہیں آئی۔ یہ آدمی اسے پاگل کر دے گا۔

سام اسے سہارا دے کر ساحل پر لایا۔

”تبی دریافت سامنے آئی ہے۔“ اس نے اطلاع فراہم کی۔

”کیا کہنا چاہ رہے ہو؟“

”ہمارے خیال میں ہم بومرنگ بھیج گئے ہیں۔ میں چاہتا ہوں تم یہ تصاویر دیکھو۔“ کاؤچ پر جھکے۔ نینا نے تصاویر دیکھنا شروع کیں۔ سام نینا سے ایک فنٹ کے فاصلے پر خاموش بیٹھا تھا۔ اس کی نگاہوں میں توقعات کا عکس تھا۔ نینا احتیاطاً اوروں سے ایک کے بعد دوسری تصویر دیکھ رہی تھی۔ آخری فوٹو دیکھ کر اس نے نفی میں سر ہلایا۔

سام نے مایوسی محسوس کی۔ ”جہیں یقین ہے؟“

”ہاں۔“ سب میرے لیے اچھی ہیں۔“ نینا نے جواب دیا۔ وہ دیکھ رہی تھی کہ سام کے تاثرات میں مایوسی غالب تھی۔ سام نے کتاب کا چوتھا ورق پلٹا۔ ”اے دیکھو۔ پہلے کالم میں نیچے کی طرف تیسرا شاٹ۔ اسے بھی دیکھو۔“

نینا کی منٹ تک تصویر کو گھورتی رہی۔ ”نہیں، میں اسے نہیں جانتی۔“ اس کی آواز میں بھی بدولی در آئی۔ سام نے فزرسٹ ہو کر پشت لگا لی۔

”کیا ممکن ہے؟“ وہ بولا۔

نینا ابھی تک فوٹو کو دیکھ رہی تھی۔ تصویر کی نیلی آنکھیں نینا کے ذہن میں چھ رہی تھیں۔ آنکھوں میں حیوانی چمک تھی۔ نینا جھجھکی لے کر رہ گئی۔ ”کون ہے یہ آدمی؟“ وہ بولی۔

”اس کا نام اسپیکٹر ہے۔ دستہ اسپیکٹر۔ قد پانچ فٹ میارہ اونچ 180 پونڈ، عمر چھالیس برس۔ چند برس قبل یہ ملک سے غائب ہو گیا تھا۔ یہ تین کی طرح ہے۔ بڑی رقم کے لیے کچھ بھی کر سکتا ہے۔ دھماکا خیز مواد کا اسپیشلسٹ ہے۔ دہشت گرد تنظیموں، جرائم پیشہ تنظیموں وغیرہ کے لیے کام کرتا ہے۔“ سام نے فکر پریش کے بارے میں بتایا اور اس کا طریقہ واردات بتایا۔ ”مجھے یقین ہے کہ وہ ہمیں ختم کرنا چاہتا ہے لیکن کیوں؟ جبکہ تم اسے نہیں جانتیں۔“

”میں اس کے نام سے بھی ناواقف ہوں۔“

سام کھڑا ہو کے ہلکے لگا۔ ”کسی اور نے اسپیکٹر کی خدشات حاصل کی ہیں۔“

”وہ کیا؟“

”نہیں، اس کا پوری تعریف لیٹسٹ لیا جا چکا ہے۔“ سام نے کہا۔

نینا نے ایک بار پھر تصویر کو دیکھا۔ مہربان احساس تھا کہ اس نے اس چہرے میں یہ نیلی آنکھیں دیکھی ہیں۔ ”اس کے بارے میں کچھ اور بتاؤ۔“

سام کا ڈیوچ پر اس کے قریب بیٹھ گیا۔ پیدائش سے لے کر اب تک اس نے اسپیکٹر کے بارے میں بتایا جس میں آری کی ملازمت کا ذکر بھی تھا۔ ”اس نے گریڈ اور پائاما میں کام کیا تھا اور ان فنٹ ہونے کے باعث ریٹائر ہو گیا۔ اس کی ایک اگلی ضابط ہو گئی تھی اور۔“

”تو تم کہہ رہے ہو کہ اس کے ایک ہاتھ میں چار انگلیاں تھیں؟“

”ہاں۔“

”کون سا ہاتھ؟“

”بایاں۔“ سام کی آنکھوں میں امید کی چمک ابھری۔

نینا سارکٹ بیٹھی یادداشت پر زور دے رہی تھی۔

”بائیں ہاتھ کی درمیانی انگلی کی؟“ اس نے آہستہ سے سوال کیا۔

”ہاں۔“ سام نے کہا۔ ”کوئی پور نہیں تھی۔ انگلی جو

سے غائب تھی۔ تم نے اسے دیکھا تھا؟“ سام نے نینا کی آنکھوں میں جھانکا۔ ”کہاں؟ کیسے؟“ اس کی آواز میں تناؤ تھا۔

”چند ہفتے قبل ابھرنی روم میں۔ اس نے گھوڑ چدھائے ہوئے تھے اور ان کو اتارنا نہیں چاہتا تھا لیکن مجھے جنس دیکھنی تھی۔ مجھے حیرت ہوئی تھی۔ میں نے استفسار کیا تو اس نے کسی مشنری کا حوالہ دیا تھا جس کے باعث اسے انگلی سے محروم ہونا پڑا۔“

”ابھرنی روم میں کیوں آیا تھا؟“

”وہ سائیکل سے گھرا گیا تھا اور بازو پر کٹ آنے کے باعث ٹانگے گتے گتے تھے۔ میں اپنا کام کر کے کچھ دیر کے لیے شکرے سے گئی۔ واپسی پر وہ غائب تھا۔ میں نے خیال کیا کہ وہ ادائیگی سے بچنا چاہتا تھا لیکن بعد ازاں معلوم ہوا کہ اس نے کیش ادائیگی کر دی تھی۔“

”جہیں نام یاد ہے؟“ سام نے سوال کیا۔

”نہیں۔ نام یاد رکھنا تیسری کمزوری ہے۔“

”اس کے بارے میں ہر بات وضاحت سے بتاؤ۔“

سام نے کہا۔

نینا نے جو کچھ بتایا، اس میں نیلی آنکھیں اور قدی اسپیکٹر اسے مشابہ تھا۔

”بڑا مسئلہ نہیں ہے۔“ سام بولا۔ ”بال ڈائی کیے جا سکتے ہیں اور چہرے کے لیے پلاسٹک سرجری۔“

”لیکن اسے مجھے ختم کرنے کی کیا ضرورت ہے؟“

”تم نے اسے دیکھا ہے۔ تم اسے پہچان سکتی ہو۔“

سام نے جواب دیا۔

”کہتے سے افراد نے اسے دیکھا ہو گا۔“ نینا نے اعتراض کیا۔

”تم واحد ہو جس نے اس کی کئی ہوئی انگلی دیکھی تھی اور وہ رستے اتارنا نہیں چاہتا تھا۔“

”ہاں لیکن رستے پر پیغام کا حصہ تھے۔“

”پیغام؟ کیا پیغام؟“

”جیسی آستھیوں والی جینکٹ اور خٹکل کے پٹن، رستے، چٹلون اور اطراف میں پٹیاں۔ جیسے الجیڈ پٹر آپرٹر یا ٹکٹل ہوپ (bellhop)۔“

”جینکٹ پر کسی لوگو کی کڑھائی تھی۔ کوئی معروف نمائندہ یا ہون؟“

”نہیں۔“ نینا نے کہا۔ ”لیکن اتنی ہی بات کے لیے میں اس کے لیے خطرہ کی گھنٹی بجاتی ہوں؟“

”وہ فی شاخت کے ساتھ آپریٹ کر رہا ہے۔ فی شاخت کوئی نہیں جانتا۔ البتہ ان کی غیر موجودی اس کے لیے مسئلہ ہے۔ جسے تم دیکھ چکی ہو۔ تم کوشش کرو تو اسے پہچان سکتی ہو۔ فرض کرو ہم حوام کے لیے اعلان کر دیتے ہیں کہ مدد کے لیے آگے آئیں۔ پولیس کو ایک آدمی کی تلاش ہے جس کے بائیں ہاتھ کی درمیانی انگلی نہیں ہے۔ اس صورت میں کیا تم سامنے نہیں آؤ گی؟“

”ہاں، میں کوشش کروں گی۔“

”ہاں۔ اسے اسی بات کا خطرہ ہے۔ تم کافی کچھ سمجھ گئی ہو۔ اب نئے سرے سے غور کرو کہ کوئی کتہ تمہارے ذہن سے اوجھل تو نہیں ہو رہا؟“

نینا نے کتاب کو دیکھتے ہوئے توجہ مرکوز کی۔ معاش کی یادداشت میں ایک شرارہ لپکا اور اس کا تمام بدن برف کی طرح سرور پڑ گیا۔

”ڈاکٹر!“ اس نے خوف زدہ آواز میں کہا۔ ”ڈاکٹر نے اسے ٹریٹ کیا تھا، میں مدد کر رہی تھی۔“

”کون ڈاکٹر؟“ بے اختیار سام کا ہاتھ اس کے بازو پر چلا گیا۔

”راہرٹ۔ وہ راہرٹ تھا۔“ دونوں ایک ایک دوسرے کو گھور رہے تھے۔ پھر بے پزل کے گلے کیجا ہو رہے تھے۔ ایک ہی کمرے میں راہرٹ اور نینا نے اس وحشی کو دیکھا تھا۔ اور راہرٹ اب اس دنیا میں نہیں تھا۔ سام نے نینا کا ہاتھ پکڑا۔ ”اٹھو ہمیں جانا ہو گا۔“ دونوں مرد برو کھڑے تھے۔ سام کی قربت اور اس کو نظر انداز کرنا نینا کے لیے ممکن نہیں تھا۔

”آج، ابھی؟“ نینا نے سوال کیا۔

”ہاں، ضروری کام ہے۔ تمہارے بھیر ممکن نہیں۔“

نینا نے اس کی آنکھوں میں چاہت کا چٹکناہل کے نیچے دیکھا۔ سام نے فی الفور رخ پھیر لیا۔ نینا کھم کے پھر اس کے سامنے آگئی۔ ”نظر ہٹا رہے ہو؟“

”نہیں۔“ سام نے کہا۔

”کل رات ہمارے درمیان کیا ہوا تھا؟“

”کیا مطلب ہے؟“ سام نے تجاہل عارفانہ سے کام لیا۔

”مجھے ابھی تک یقین نہیں آیا، کیا مجھ سے غلطی ہوئی یا پھر تم سے۔“

”یام دونوں ہی۔“

سام نے گہری سانس لی۔ ”رات جو ہوا، نہیں ہونا چاہیے تھا۔ غلطی تھی۔“



”میں لطفی نہیں سمجھتی۔“

”نیٹا تفتیشی انسٹر کے لیے رومان میں جانے سے دونوں کے لیے خطرناک بڑھ جاتے ہیں۔“  
”ہوسکتا ہے لیکن میں تفتیشی انسٹر نہیں ہوں۔ میں مجبور ہوئی ہوں۔ میں کیا کروں۔۔۔۔۔ سام میں۔۔۔۔۔ میں۔۔۔۔۔ نیٹا نے رخ پھیر لیا۔

”میں حامل دل سے واقف ہوں۔ لیکن میں تمہارے لیے فٹ نہیں ہوں۔“  
”کیونکہ تم پولیس آفیسر ہو، کیا تم واقعی سمجھتے ہو کہ میں تمہیں صرف ایک کپ تصور کرتی ہوں؟“  
”کیا ایسا نہیں ہے؟“  
”نہیں۔“ نیٹا نے ہاتھ سام کے رخسار پر رکھا۔ وہ اعزازی اندر کھسکا یا لیکن جگہ سے نہیں ہٹا۔ ”سام تم ڈیوٹی سے زیادہ میرا خیال رکھتے ہو۔۔۔۔۔“

”یہ میری جانب ہے۔“  
”کیا نہیں لیکن ہے کہ تم صرف جانب تمہارے ہو؟“  
وہ خاموش تھا۔ جواب دینے سے بچتا رہا تھا۔ نیٹا نے سوال دہرایا۔

”نہیں۔“ سام نے تسلیم کیا۔ ”یہ جانب سے زیادہ ہے۔ تم میری ذمہ داری سے بڑھ کر ہو۔“  
نیٹا کے چہرے پر وہ نفسی مسکراہٹ ابھری۔ نظروں کی حفاظت بھی گویا سے نگاہ کے مانند۔ نیٹا کے علم میں تھا کہ یہ جواب آتا ہی تھا۔ گزری رات کی بدھوشی نے تقدیر کردی تھی۔ رپورٹ میں سے انسان باہر آ گیا تھا۔

☆ ☆ ☆  
نیٹا کپیڈر پر ابھرنے والے اسٹیک کو مٹوری تھی۔ وہ ایک کھنے سے کام کر رہے تھے۔ ملاسٹک سرجری کی وجہ سے متعدد بار چہرے کی ساخت تبدیل کرنی پڑی۔ بال کالے کر دیے تھے۔ نیٹا بے بسی محسوس کر رہی تھی۔ ”میں نے اسے ایک بار دیکھا تھا اور ظاہر ہے کہ شعوری طور پر چہرے پر غور نہیں کیا تھا۔ ایمانداری کی بات ہے کہ میرے خیال میں یہ اسٹیک اصل کے مطابق نہیں ہے۔ اگر میں نے سب سے سب سے پہلی اسس کا اصل چہرہ دیکھا ہوتا تو شاید اسٹیک بہتر شکل میں سامنے آتا۔“ نیٹا نے کہا۔

”پرنٹ آؤٹ نکالو۔“ سام نے کپیڈر آپریٹر کو ہدایت دی۔  
”سوری میں زیادہ مددگار ثابت نہیں ہوں۔“ نیٹا نے شرمندگی سے کہا۔

”پریشان مت ہو۔ تم نے اپنی بہترین کوشش کی ہے۔“ سام نے تسلی دی۔ ”اب ہم دوسری طرف مچنے لگے۔“  
”کہاں؟“  
”ہسپتال۔“

☆ ☆ ☆  
گورڈن وہاں پہلے سے موجود تھا۔ حوشر کام کی شکاوت چہرے سے محال کی۔ گورڈن نے اپنی چھان بین کے بارے میں بتایا۔ گورڈن نے ایک شیٹ سام کے حوالے کی۔ اسٹیکز، آئینے کی کوپاچ، بے شام انیمیشن روم میں آتا تھا۔ نام کی جگہ لائسنس لی تھا تھا۔ پتا اور جنگ کی تفصیل۔ حادثے کی تفصیل۔ شیٹ کے زیریں حصے میں رابرٹ اور نیٹا کے دستخط تھے۔

”نام اور پتہ چیک کر لیا؟“  
”ہاں، وہ دونوں چھل گئے۔“ گورڈن نے جواب دیا۔  
”وہ مارا۔۔۔۔۔ لیکن ہمارا مطلوبہ شخص ہے۔“ سام نے پرجوش آواز میں کہا۔

”لیکن پتہ مشکل ہے۔“ گورڈن نے کہا۔ ”کوئی اشارہ، کوئی ٹریل نہیں ہے۔“  
”تم وردی کو بھول رہے ہو۔“ سام نے کہا۔ ”یہ کہیں ہوش کا پوینڈام ہے۔۔۔۔۔ وہ بہت مکار ہے۔ اسے ملازمت کی ضرورت تھی۔ پوینڈام دیتی ہے۔“ سام بھی گورڈن کے مانند ہکا بوا تھا۔ نیٹا اسے چھوٹا چارہ ہی تھی لیکن گورڈن کی موجودگی میں نہیں۔

☆ ☆ ☆  
”میں تمام ہوش اور ان کے تئیں بوئیں (بیرے) یا دربان) کو چیک کرنا ہو گا اور ہمیں آرام کی بھی ضرورت ہے۔“ سام نے جوابی لے لی۔  
”بالکل۔“ نیٹا نے ہاں میں ہاں ملائی۔ ”نہیں دھتے کے کام نہیں کیا جاسکتا۔“

سام، گورڈن سے زیادہ تھک چکا تھا۔ ”تم اسے مٹ لے جاؤ۔“ گورڈن نے نیٹا سے کہا۔  
نیٹا اٹھ گئی۔ ”سام آؤ میں تمہیں مٹھڑو دیتی ہوں۔“ اس نے نرمی سے کہا۔

☆ ☆ ☆  
اسٹیکز ڈی وی پر پولیس اسٹیک پر گھبراہٹ رہا تھا۔ وہاں اسے جوک۔ اس کا موجودہ حلیہ اسٹیک سے لطفی مختلف تھا۔ اسٹیکز کو سام زیادہ سے توقع نہیں تھی۔ سام ایک قابل قدر قریب قریب تھا۔ البتہ وہ اس راہ پر آ گیا تھا کہ اسٹیکز زندہ ہے

اور وہ اس آچکا ہے۔ چرچ والی ٹی وی نے اسٹیک بھانے میں مدد دی ہوگی۔ اسٹیکز کے نزدیک اسٹیک کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ اسے نیٹا کی لڑکی سے غرض تھی۔ اگرچہ نیٹا بھی کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ لیکن اسٹیکز اسٹیک لینے کا کائل نہیں تھا۔ فی وی بند کر کے وہ بیڈ روم میں آ گیا۔ جہاں ایک حسین عورت بھر خواب تھی، میرٹین ڈوف سے وہ تین مٹے چل اسٹاپ لائٹ کلب میں ملتا تھا۔ وہ دولت کی بھوکی تھی اور کلب میں اپنی جوانی اور خوب صورتی کو بے درجہ کیش کر رہی تھی۔ اس کی خواہش تھی جوانی کے مانند نہ زور تھی۔ اسٹیکز انے اسے دونوں چیزیں فراہم کیں۔ وہ بدست تھی۔۔۔۔۔ سوال جواب کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ سوال نہ کرنے کی تیسری خوبی اسٹیکز کو خاص طور پر پسند تھی۔ میرٹین کے بال سنہرے، بدن سنہرا۔۔۔۔۔ شاید خون بھی سنہرا تھا۔

☆ ☆ ☆  
دو گھنٹے بعد سنہرے بالوں والی عورت گرے سوٹ میں آئی وی کے ساتھ قید خانے کے اسٹیکٹو کے سامنے تھی۔ ”میں فریک اور ڈیرن کی اتارنی ہوں۔“ اس نے تعارف کرایا۔ ”فرم کی جانب سے میں ملی بین فورڈ سے ملنے آئی ہوں۔“ کچھ دیر بعد وہ ملی کے سامنے تھی۔ چند لمحے ملی نے اسے ہاتھ پر مارا اور کہا پوچھا۔ ”میں نے فی وی پر خبر دینی تھی۔ یہ کیا ہو رہا ہے؟“

”وہ کہتا ہے یہ سب غیر اہم ہے۔ وہ اپنے وعدے کے مطابق تمہارا کام کر رہا ہے۔“  
ملی نے پریڈن گاڑی کی جانب دیکھا۔ وہ کچھ فاصلے پر کھڑا تھا۔  
”وہ یقین دہانی چاہتا ہے کہ مٹے سے پہلے تم ادا ہوگی تیار ہو گے۔“

”ادا ہوگی کا مسئلہ نہیں ہے لیکن کام ہونے کے بعد۔“  
کوڈت کی تاریخ تیزی سے قریب آ رہی ہے۔  
سنہری گڑیا مسکرائی۔ ”کام ہو جائے گا۔ اس نے گارنٹی دی ہے۔“

☆ ☆ ☆  
سام بیدار ہوا تو کافی اور دوا کی مہک آ رہی تھی۔ ساتھ ہی کوٹنگ اسٹیشن انگیز۔۔۔۔۔ وہ کمرے میں آ گیا تھا لیکن گھر میں کوئی اور بھی تھا۔ رات وہ بستر پر گرتے ہی سو گیا تھا۔ آخری احساس تھا کہ نیٹا بھی بیڈ روم میں تھی۔ بیٹوں بعد وہ مسکراتا ہوا بستر سے اٹھا اور شاور کے لیے قدم بڑھائے۔ عورت کی موجودگی نے گھر کے ماحول کو بدل دیا تھا۔ درو

عروہ سام عذاب دیا اور اور اجازتیں کو بدل دیا تھا۔ وہ لباس بدل کے بچن میں گیا۔ نیٹا کو کچھ قدم لڑکھوڑائے۔

وہ پلٹ کر مسکرائی۔ ”گڈ مارنگ۔“ نیٹا نے دونوں بازو سام کی گردن میں جامل کر دیے۔ کوئی بھی ہو، آئینہ میں جوئیں تھی۔ گھر میں ایک عورت ہو، وہ بھی جیانی تھی۔ جو گھر کا اور اس کا خیال رکھے۔ مکان کو گھر میں تبدیل کر دے۔ سام کے دل میں دھڑکنیں خود بخود لگیں۔ اس نے دونوں ہاتھ نیٹا کے شانوں پر رکھ دیے اور ایک قدم پیچھے ہٹا۔ ”نیٹا کچھ بات کرنی ہے۔“ وہ بولا۔

”کیس کے بارے میں؟“  
”نہیں، میرا مطلب ہے۔ ہم دونوں کے بارے میں۔“

ایک دم نیٹا کے چہرے سے رنگین مسکراہٹ غائب ہو گئی۔ وہ چلی اور بچن کے سلیب سے ٹک لگا کے کھڑی ہو گئی۔ اس وقت سام نے خود سے نفرت محسوس کی۔ ”رات ٹھیک نہیں ہوا۔“

”رات کچھ نہیں ہوا تھا۔ میں تمہیں گھر تک لائی اور بیڈ تک پہنچایا۔“

”ملی میں سمجھتا تھا وہاں نیٹا، میں اتارنے جان تھا کہ ایک ٹریس بھی کا کچھ سے گزر جاتی تو میں ملی نہ جاتا۔ اگر میں اپنی پلٹیں تک نہیں اٹھا سکتا۔ پھر میں کیونکر تمہاری حفاظت کر سکتا ہوں۔“

”اوہ، سلام۔“ نیٹا نے بڑھ کر دونوں ہاتھوں سے سام کا چہرہ سہلایا۔ ”گزشتہ رات میں تمہارا خیال رکھنا چاہتی تھی۔ یہ کام کر کے میں نے بہت مسرت حاصل کی۔“

”تمہاری حفاظت میری ذمہ داری ہے۔“ سام نے کہا۔  
”میں اتنی بے بس نہیں۔ کبھی کبھی میں بھی تمہارا خیال رکھ سکتی ہوں۔ تم بارہ بیٹے۔۔۔۔۔ چوتھیں کھنے کیوں اور کیسے پولیس رول ادا کر سکتے ہو۔“

”نیٹا شاید تم ٹھیک ہو لیکن جیسے میرا کیرئیر گزرا ہے۔۔۔۔۔ مجھے ڈر لگتا ہے۔۔۔۔۔ میں عادی ہو گیا ہوں۔ تمہاری وجہ سے میرا ارکان ختم ہونے لگا ہے۔ میں نے تمہاری حفاظت کی ذمہ داری کسی اور کے سپرد کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔“

”مجھے کسی پر بھروسہ نہیں۔ میں تم پر اعتماد کرتی ہوں۔“  
”نیٹا پلیز سمجھو، میرا اس کے ساتھ پہلے بھی تصادم ہو



عروس عذاب

”تم اسے بچانے کے لیے مجھے استعمال کر رہے ہو؟“

”میرے لیے تمہاری اہمیت کھس اس لیے نہیں ہے کہ میں اسے بچانا چاہتا ہوں۔“ سام نے دونوں ہاتھ نینا کے شانوں پر رکھ دیے۔ ”اور یہ بات تم بھی جانتی ہو۔“

”واقعی میں جانتی ہوں؟“ نینا نے سوال کیا۔

جواب میں سام نے چہرہ جھکا دیا۔ نینا کا بدن از خود لرز اٹھا۔ دروازے پر دستک ہوئی اور وہ دونوں غبار آلود کھوں سے نکل آئے۔ گورڈن بوکھلا یا ہوا اور دروازے میں کھڑا تھا۔

”اوہ..... میں برگر لینے جا رہا تھا۔ سوچا تم سے بھی معلوم کر لوں؟“

”ہم ہوں میں کچھ لے لیں گے۔“ سام نے کہا۔

☆☆☆☆

”کیا میں ایک کال کر سکتی ہوں؟“

”کے؟“ سام نے سوال کیا۔ ”کیوں؟“

”میرے گھر والوں کو طم ہونا چاہیے کہ میں ٹھیک ہوں۔“

”ٹھیک ہے۔“ سام نے سوچ کے جواب دیا۔

”لیکن یہ بہت تھکاؤ ہے تم کہاں ہو؟“

”ہیلو، دس از عینہ، میں بہن یا بہنوئی سے بات کروں گی۔“

”سودی، مسٹر اینڈ مسز پورڈ گھر میں نہیں ہیں۔ اگر آپ کہیں تو دواؤں پر کال ہیک کرادوں۔“ ملازمہ نے کہا۔

”میں بعد میں خود کروں گی۔“ نینا نے کہا۔ ”وہ کب تک آئیں گے؟“

”وہ گرانٹ تھیمز میں ہیں۔ لیگل اینڈ بینیفٹ کے لیے۔ میرا خیال ہے کہ ساڑھے دس بجے واپس ہوگی۔ انہیں کافی اور ڈپرٹ کا شوق ہے۔ آدھی رات ہو جائے گی۔“

”اوہ نو..... میں کل فون کروں گی۔“

”گھر خالی ہے؟“ سام نے کہا۔

”میرا خیال تھا کہ وہ چیک کی لاغرم کی طرف گئے ہوں گے لیکن وہ تھیمز گئے ہیں۔“

”تمہارا بہنوئی وکیل ہے؟“ سام نے پرسوج انداز میں سوال کیا۔

”وہ بچ بچا چاہتا ہے۔ حالانکہ اس کی عمر ابھی تیس برس ہے۔“

”جسٹس کیا ہوا؟“ نینا نے سام کی پرسش پر ششانی دیکھی۔

”وہ کون سے تھیمز گئے ہیں؟“

”گرانٹ تھیمز..... امدادی پروگرام ہے۔ میرا

گرامن تھیمز کا نمبر پروگرام کی کامیابی کے لیے سرگرم تھا۔ آج کی رات نینا کا فون تھا اور متوجھی۔ پانچ سو۔ بنیادی طور پر پروگرام کوکل لیگل اینڈ بینیفٹ کے لیے تھا۔ تمام وکلاء جازے کے لطف اندوز ہونے کے لیے ادا جی کر چکے تھے۔

”میرے لیے یہ باعث حیرت تھا۔“ سام نے غصہ سے کہا۔

”یوں معلوم ہوتا ہے کہ ایک الیکٹرو سوجو نہیں ہے۔“

”گھر اس نے تھیمز کو بتایا۔“

”کون؟“

”وہ جسے دو دن قبل اسٹیشن کے ذریعے ہار کیا تھا۔“

”اسٹیشن اس کا تعلق میری سائنس ہوتی ہے۔“ تھیمز نے تھیمز

”کیا۔“ چنانچہ تھیمز کا بندوبست رکھنا چاہیے۔ کم از کم شروع میں۔ تیار کر دو۔ یہ دکلا ہیں۔ دماغ رکھتے ہیں۔ کوئی جھیل نہیں ہونا چاہیے۔“

☆☆☆☆

نینا، پریسٹر کے ساتھ واپس پولیس ہیڈ کوارٹر میں تھی۔ سام نے دسی انداز میں سرکوشش دی۔ نینا نے بھی اسی انداز میں جواب دیا۔ وہاں دو دھندلے ہوش بھی موجود تھے۔ ”ہم چاہتے ہیں کہ تم کچھ اور یونیفارم دیکھ لو۔“ ان میں گائیڈ (گائیڈ) وہ جو پیش میں نشست کے لیے رہنمائی کرتے ہیں۔ میرے اور اسٹیشن پر ڈی وریاں ہیں۔ تمام ہزرنگ کے شیڈز ہیں۔ نینا نے جائزہ لیا اور انکار میں سر ہلایا۔

”وہ کونے والے یونیفارم دیکھو، اس میں سبزی پٹیاں ہیں۔ اس میں سبز پٹیاں ہیں۔“ شولڈر کے ساتھ۔

”اوہ، کسٹمس ایڈری وٹن۔“ سٹیشن اڈا اور۔ پریسٹر تم کچھ کھاؤ اور آرام کرو۔“ سام نے کہا۔ ”میں نینا کو ہوں لے جاؤں گا۔ تم ایک گھنٹے بعد پہنچ جانا۔“ چند منٹ میں وہاں سام اور نینا تیار ہو گئے۔ دونوں خاموش تھے۔

”امید ہے کہ ہوش میں تھیں کوئی پریشانی نہیں ہوگی ہوگی۔“

نینا نے کہا۔ ”میرے لیے یہ قید کے مانند ہے۔“

میری چاب ہے۔ میری لائف ہے۔ میں ایک کپ کے ساتھ ہوں میں نہیں رہ سکتی۔ اس نے مجھے فون تک نہیں کرنے دیا۔“

”اوہ نینا..... میں نے اسے منع کیا تھا۔“

نینا نے گہری سانس لی۔ ”سام، مجھے میری زندگی واپس دے دو۔“

”یہاں تمہاری ضرورت ہے۔ اسی طرح وہ بل سے نکلے گا۔“

سے لاسٹلے پر ہے۔“

”چیک آؤٹ میریٹ۔“ لیزل نے بے چینی سے کہا۔ ”ہر ہول چیک کر دو۔ مجھے یہ آدنی چاہیے۔ گورڈن بچنے کا؟“

”کسی وقت سہ پہر میں۔“ گورڈن نے جواب دیا۔

لیزل نے غصہ دیکھی۔ پورے چوبیس گھنٹے ہیں۔ کچھ سامنے آئے تو کال کرنا۔

”میں سرور ہائی لنس۔“ گورڈن نے زیر لب کہا۔

”میں اور میری بھئی آج رات گرانٹ تھیمز میں ہوں گے۔ پچھ میرے پاس ہوگا۔“

☆☆☆☆

آفسیریون پریسٹر مضبوط جسم کا مالک تھا اور اپنے کام سے کام رکھتا تھا۔ ہول میں نینا کے ساتھ تھیں گھنٹے گزر گئے تھے۔ اس دوران اس نے کسی سوال کے جواب میں فقط نہیں اور ”کو“ کے الفاظ استعمال کیے تھے۔ نینا کو لگا کہ وہ کوئی ہے۔ پریسٹر سواٹر حرکت میں تھا اور جیتے کے ماتر چوکس۔ کبھی ڈور لاک چیک کرتا۔ کبھی کھڑکی کی طرف جاتا۔ نینا نے میز پر وکروہ تاول اٹھا یا جو اس نے ہول کی گفٹ شاپ سے لیا تھا۔ ہول میں اس کا دل نہیں لگ رہا تھا۔ وہ سادہ دل تھی، خاموش تھیں۔

”تم کی سال سے پولیس میں ہو؟“

”ہیں، بیس۔“

”تمہیں خوف نہیں آتا؟“

”تو نہیں۔“

پریسٹر نے نینا کو نظر انداز کر کے کھڑکی سے جھانکا۔ نینا نے پھر کوشش کی۔ جواب میں پریسٹر نے اسے ایڑوں سے

☆☆☆☆

میں بے چینی جاری تھی۔ وہ کوئی سراغ حاصل نہیں کر سکے تھے۔ اسے تھیمز ہوگی کی کہ اسٹیشن کا بڈف کون ہے۔ بہت کچھ اس امر پر اٹھار کرتا تھا کہ اسے کس نے لایا کیا ہے۔ سائیکل سوار کا ٹھیکلی انٹرو پو کیا گیا تھا۔ اس کے مطابق غیر اہم حادثہ کا گھر میں اسٹیشن پر ہی ہوا تھا۔ پریسٹر نے تھیمز کے قریب۔ سام کی ٹیم نے علاقے کا ایک ایک کونا دیکھ لیا تھا۔

نینا آگے کو کوئی پتہ چان پایا تھا۔

”کیا تم تمام دریاں نینا کو دکھا چکے ہو؟“ چیف نے سام سے سوال کیا۔

”چندہ کی ہیں۔ ان کو حاصل کر رہے۔“

☆☆☆☆

چکا ہے۔ وہ اب تک جان گیا ہوگا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ ایک دوسرے کی مدد کے لیے ہمیں سمجھداری کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔ ڈیوٹی کے دوران محبت مروا دیتی ہے۔“

”تم نہ کرو۔ لیکن مجھے کیوں مجبور کر رہے ہو۔ میں کوئی مسئلہ نہیں کھڑا کروں گی۔“

☆☆☆☆

آٹھ آدنی ایک قطار میں شیشے کی دیوار کے دوسری جانب کھڑے تھے۔ شیشہ یک طرفہ تھا۔ نینا دک کر قدم بہ قدم ان کے چہروں اور دروہوں کو ٹھول رہی تھی۔ کچھ دیر بعد اس نے کھس ہوئی آواز میں اپنی ناک کا اعتراف کیا۔

”اس فضول مشق سے کیا حاصل ہوا؟“ لیزل نے سام پر طنز کیا۔

”ایک کوشش میں کامیابی نہیں ملتی۔ ہم آگے بڑھ رہے ہیں۔“ سام نے کہا۔

”پولیس رپورٹ کے مطابق بائیکل سے تصادم میں کا گھر میں اسٹیشن پر ہوا تھا۔“ گورڈن نے بتایا۔ ”دو تانے چڑھانے کے لیے اسے وردی کی ضرورت ہے۔ وردی کے ساتھ دو تانوں پر کوئی توجہ نہیں دیتا۔“

”کا گھر میں؟“ لیزل کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔

”پا پھر ہول کے فردیک۔“ سام بولا۔ ”کیا برسوں گورڈن بطور مہمان اسٹیشن کے کاروباری سیمینار میں شریک نہیں ہو رہا؟“ سام نے کہا۔

”تمہارے خیال میں اسٹیشن کا ڈرگٹ گورڈن ہے؟“

”ممکن ہے۔ ہول کو چیک کرنا پڑے گا۔“ ڈبل

چیک۔ خاص طور پر گورڈن کا۔“

”ہول کے پیرے؟“

”تقدو قامت اور عمر کے پیش نظر انہیں دیکھنے کی ضرورت نہیں۔ صرف ایک نمبر 3 ہے جس پر شہر کیا جاسکتا ہے لیکن اس کی دس انگلیاں سلامت ہیں۔ نینا کو وردی دیکھ کر شاید کچھ یاد آجائے۔ نینا شیشے کی دیوار میں سے نمبر 3 کو دیکھ رہی تھی۔ وہ ہول پا پھر کی وردی میں تھا۔ سرخ جیکٹ، سیاہ پتلون۔

”یہ ہول پا پھر کی وردی ہے؟“

”ہاں۔“ گورڈن نے جواب دیا۔ ”کیوں؟“

”اسٹیشن جی روم میں وہ اس وردی میں نہیں تھا۔ اس کی جیکٹ کا رنگ بڑھا۔ فورسٹ گرین۔“

گورڈن نے ٹی میں سر ہلایا۔ ”ہالٹ! ان سرخ وردی..... میریٹ گرین، لیکن میریٹ خائے کے مقام



مطلب ہے لیگل ایڈ۔

”لغت ہے مجھ پر..... نیا جم کے بیٹھو۔“ سام نے منظر تک پوٹن لیا۔

”کیا کر رہے ہو؟“

”مکس انٹ چیئر۔ لیگل ایڈ ٹینٹ۔ وہاں کیسے افراد ہوں گے؟“

”ظاہر ہے دکا کی کثیر تعداد ہاں آئے گی۔“ نینا نے جواب دیا۔

”ٹھیک۔ اور محترم ڈی اسے نام لیڈل بھی وہاں ہوں گے۔ میں دکا کو زیادہ پسند نہیں کرتا لیکن ان کی لاشیں اٹھانا بھی پاگل پن ہے۔“

”میں نہیں سمجھی..... کیا چیئر ہارٹ ہے؟ لیکن دکا تو بلیک اینڈ وائٹ یونیفارم میں ہوں گے؟“

”سوچو وہاں اندازاً سیکڑوں دکا ہوں گے۔“

”نشتوں تک رہنمائی کے لیے ایک گاڑی نہیں ہوگی۔ جتنے ہوں گے، یونیفارم میں ہوں گے اور میری یادداشت دھوکا نہیں دے رہی تو گاڑی کا یونیفارم بڑے۔“

”سام نے پارکنگ تلاش کرنے میں وقت ضائع نہیں کیا۔ آٹھ بج کے کبھی منٹ ہو رہے تھے۔ وہ دونوں گاڑی سے نکلے تو دربان نے اعتراض کیا۔“

”سام نے بیچ لہرائے ”پولیس“ کہا اور آگے بڑھ گیا۔ لائی سنس ان کی۔ وہ بڑبڑاتے گئے۔ سماعت نے دھن کی آواز اٹھائی۔ سام نے ہال کا دروازہ کھول دیا۔ گاڑی نے احتجاج کیا۔“

”نیا چیک کرو؟“ سام نے کہا۔

”وہ چار تھے۔“ ”کیا چیک کرو؟“ ایک نے سوال کیا۔

”سبز چیٹ، سیاہ پٹیاں، جینس کے ٹین..... لیکن کوئی بھی دروازہ قامت نہیں تھا۔ نینا نے ڈرائیونگ کی تصدیق کر دی۔“

”سام نے اپنا بیچ دکھایا۔“

”تم چار ہو صرف؟“ اس نے سوال کیا۔

”نہیں، ایک غیر حاضر ہے۔“ جواب ملا۔

”کیا اس کے ایک ہاتھ کی انگلی غائب ہے؟“

”کیسے معلوم ہوگا..... ہم دستانہ پیٹے ہیں۔“

”میں اہم..... دکھا گیا ہے۔“ سام نے وقت لے کر مشکل فیصلہ سنایا۔ وہ رسک لینے کا تحمل نہیں ہو سکتا تھا۔

”گاڑی کے چہرے جتنے ہو گئے۔“

”نیا باہر جاؤ..... گاڑی میں انتظار کرو۔“

”لیکن تم آگے.....“ اس آٹھ میں سام سیم تار کی میں آگے نکل چکا تھا۔ سام آگے پہنچا اور سیم تار سے بائیس دونوں

لے لیا۔ اس کے چہرے پر حیرت کے ساتھ غصہ نظر آیا۔ نینا دیکھ رہی تھی۔ سو سیکڑا بھی کھلا گئے۔ دھن ختم ہو کر خاموش ہوئے۔

”خواتین و حضرات!“ سام نے رواں آواز میں کہا۔

”دھن کی پرسکون رہیں۔ میرا تعلق پورٹ لینڈ پولیس سے ہے۔“

”جنگل ڈیو تو نقصان ہوگا۔ ڈپلن کے ساتھ ہال خالی کریں۔“

”ہمارے پاس بمب تھریٹ ہے۔ پھر کہہ رہا ہوں۔ فوراً لیکن سکون سے ہال خالی کریں۔“

”نی الفور اٹھا شروع ہو گیا۔ نینا کو بھی پیچھے ہٹنا پڑا۔“

”اسے سام نظر نہیں آ رہا تھا۔ تاہم اس کی آواز سماعت سے مگر رہی تھی۔ وہ ستر اتر لٹم و سٹیک کی ہدایت کر رہا تھا۔ نینا نے سوچا کہ وہ سب سے آخر میں باہر آئے گا اور اگر اس کا اندازہ درست ہے تو شاید وہ باہر نہ آ سکے۔ سام بھی یہ فیصلہ نہ کر سکا کہ

پانچواں گاڑی غائب نہ ہوتا۔ دھوکا ہوا تو سام کیسے گمان ہوتا تو بھی سام کیسے گا۔ خوف کی کڑی نے نینا کے گرد جال بننا شروع کر دیا۔“

”جوں جوں افراد باہر نکل رہے تھے، ڈپلن تو تھا چار ہا تھا۔ دھشت کا دائرہ پھیل رہا تھا۔ سابقہ دھوکوں کی آگے سے

بھگدڑ مچادی۔ کوئی عورت نیچے گر گئی۔ افراد ایک دوسرے پر گرے جا رہے تھے۔ آفراتفری مچی تھی۔“

☆ ☆ ☆

نینا نے باہر پہنچنے والوں کو کھوجنا شروع کیا۔ دھن نے ویڈی اور اس کے شوہر کو دیکھ کر کھکی کی سانس لی لیکن سام کہاں ہے؟

”معاذ میں سام کو دیکھ لیا۔ وہ مگر سیدہ آؤنی کو سہارا دے کر باہر آ رہا تھا۔ سام نے اسے لپٹ پوسٹ کے

سہارے بنایا۔ نینا قریب ہی پہنچی تھی۔ ”اسے دیکھو۔“ سام واہس پلٹ گیا۔ اس میں سیدہ ایک عورت کے ساتھ آیا اور

اسے نینا کے قریب لٹا دیا۔ ”ایک اور انداز ہے۔“ اس نے نینا سے کہا۔

”نیو اور!“ کوئی چٹائی۔ سام نے گردن بھائی۔

”کیا خرافات ہے۔ ہم کل آئی تھی؟ لیڈل برا فروغ نظر آ رہا تھا۔“

”نہیں، کیڈز لے ہیں۔“ سام اندر جانے کا۔

”لوگ متاثر ہوئے ہیں۔ ہمیں جوابدہ ہونا پڑے گا۔“ لیڈل نے قہقہے سے کہا۔

”سام لابی میں غائب ہو چکا تھا۔ لیڈل زیر اشتعال چھا۔“

”میں نہیں دیکھوں گا۔“ یہ لیڈل کا آخری فقرہ تھا۔ جب دھوکے نے اسے ہلا کر رکھ دیا۔ نینا پیچھے کی طرف

گرہی۔ اکثر وکیل اور افراد زمین پس ہو گئے تھے۔ دھواں اٹھ رہا تھا۔ شاگ کی کیفیت تھی۔ چیئر ایک جانب جھک گیا تھا۔ سنا پھما گیا۔

”کچھ دیر بعد نینا نے نسوانی کراہی۔ اس کے بعد دوسری۔ پھر تیسری.....“

”نینا کے اندر کی ابھری تڑپ بیدار ہوئی۔ وہ اپنی کہنوں کی خراشوں کو بھول کے سٹارٹین کی طرف متوجہ ہوئی۔ آہیں، سسکیاں، کراہیں.....“

”نینا کا سر بھی دکھ رہا تھا۔ اس نے سام کو باہر آتے نہیں دیکھا تھا۔ تاہم خود کو

سنبھال کر دوشوں کی دیکھ بھال میں لگ گئی۔ لیکن سام کا تصور دل و دماغ پر طاری رہا۔ اگر وہ بیٹھ گیا ہے تو اسے بھی مدد کی ضرورت ہوگی۔ نینا کا ذہن آدھو نہیں تھا کہ وہ سام کے

بارے میں کوئی اور بات سوچ سکے۔ دور سے آئی ہوئی ایسی پولیس کی آواز سنتے ہی وہ چیئر کی طرف لپکی۔ اسے یاد تھا کہ دھوکے سے پہلے وہ لابی میں تھا۔ ”سام!“ وہ پہنچی اور آگے بڑھی رہی۔ ”سام!“

”نینا؟“ اس نے مذہم آواز میں لیکن آواز عمارت کے اندر نہیں تھی۔ نینا نے رخ بدلا اور تیزی سے بھاگی ایگریٹ سے

باہر نکل پڑا۔ اسے سام کا ہوا دکھائی دیا۔ وہ بے ساختہ اس کے ساتھ لپٹ گئی۔ گرفت میں خوف تھا۔ آسودگی تھی، ذہنی اور شدت۔ متضاد کیفیات تھیں۔ سام کا رویہ بھی

کیساں تھا۔

”تم اندر کیا کر رہی تھیں، جہیں باہر ہونا چاہیے تھا؟“

اس نے اعتراض کیا۔

”میں شہری تلاش میں واہس آئی تھی۔“

”آئندہ میری ہدایات کے مطابق عمل کرنا۔“ سام نے نرمی سے نینا کو گلے کیا۔ اس وقت نینا نے اس کے کان

کے قریب خون دیکھا۔ ”جہیں ڈاکٹر کی ضرورت ہے۔“

”بہت سے افراد کو ڈاکٹر کی ضرورت ہے۔ میں انتظار کروں گا۔ تم ٹھیک ہو؟“

”ہاں، اور میں دوسروں کی مدد کروں گی۔ یہ میرا میدان ہے۔“ وہ مسکرائی اور دونوں گھوم کے سامنے کی طرف

چلے گئے۔ جہاں ہمارا کمرہ بھی ہوئی تھی۔

”تمہاری کہنیاں؟“ سام نے اشارہ کیا۔

”میں انتظار کروں گی۔“

☆ ☆ ☆

وہ جائے حادثہ سے دوسرے میں کھڑا صحت ملاصت کر رہا تھا، بیٹھے ویلٹن اور آجاری نام لیڈل دونوں بیٹھے تھے۔ ایسیکٹرا، لپس پوسٹ کے ساتھ لیڈل کو دیکھ رہا

عدو سس عذاب تھا۔ اس کے ساتھ جو عورت تھی، بھینا اس کی بیوی تھی۔ صورت حال ایسی تھی کہ وہ بھینا کو ہوا کے لیڈل کو کھانے نہیں لگا سکتا تھا۔ سام نیو اور بھی نظر آ رہا تھا۔ جو پہلے ہی سس حالت میں ہوگا۔ ایسیکٹرا اور پولیس پہنچنا شروع ہوئی تھی۔

”ذلت آمیز بات یہ تھی کہ ایسیکٹرا کی سادہ رہا دوسری تھی۔ بی نے سنا جار لاکھ ڈالرز میں معاملہ طے کیا تھا، رقم بھی گئی۔ ایسیکٹرا کے لیے بہترین موقع تھا۔ درجنوں اموات کی صورت میں یہ

انداز لگانا ممکن نہیں تھا کہ اصل ہارٹ کون تھا۔ تاہم اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ گزربھی ہوئی۔ دس پندرہ منٹ اور گزر جاتے تو کام مکمل تھا۔ چرچ میں بھی چند منٹ کے فرق سے اہداف پھٹ گئے تھے۔ رابرٹ کو اس نے بعد میں گھر پر

لٹا دیا۔ معاہدے میں اسے ایک حسین خدمت گار کی جھلک نظر آئی۔ وہ نینا تھی۔ کیا نینا نے رنگ میں بھگ ڈالا ہے؟ اور کوئی دھماکا کیسے فہم سے ہلا رہی تھی۔ نینا پہلے ہی

اس کے نشانے پر گئی اور اس کی بارش لگی تھی۔ اگرچہ پولیس اسٹینج

نا کارو تھا لیکن وہ رسک لینے کا غامدی نہیں تھا۔ اس کی باریک بینی کی وجہ سے ہی اس کی مارکیٹ بنی تھی۔ وہ بھلا تا ہوا وہاں سے ہٹ گیا۔ اس ریلین کاٹنے کو صاف کرنا ضروری ہو گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

گورڈن کے پاس آکر سر اور ہانک تھا۔ اس کی فہم بھی ضروری لوازمات سے نہیں تھی۔ کوہر اسے بھی کھینچ گیا تھا۔

تاہم اس کی موجودگی علامت تھی۔ بلاشبہ نسوی ڈاکٹر کا رول سام کی جھولی میں تھا۔ سام سے ہدایات لے کر گورڈن نیم کے ساتھ تباہ حال چیئر کے اندر داخل ہو گیا۔ حفظ بقا قدم کے

طور پر ہم ڈیپوزل ٹرک کی موجودگی لازم تھی۔ اندر تار کی تھی۔ گورڈن کی فہم ہیسیس استعمال کر رہی تھی۔

”سٹارٹین کی تین اقسام تھیں۔ اول نمبر پر وہ تھے جو پہلے نکلنے میں کامیاب ہو گئے تھے اور تقریباً ٹھیک حالت

میں تھے۔ انہیں روانہ کر دیا گیا۔ دوسرے نمبر پر وہ تھے جنہیں ابتدائی طبی امداد کے بعد فارغ کیا گیا۔ تیسرے نمبر پر

پڑی تھی۔ ان کو ایسیکٹرا کے ذریعے اسپتال روانہ کیا گیا۔ لیڈل کا رویہ معذرت خواہانہ تھا۔ آہستہ آہستہ میدان صاف ہوتا گیا وہاں صرف ایک ایسیکٹرا نظر آ رہی تھی۔

”اچانک سام نے نینا کی غیر موجودگی محسوس کی۔ اس نے دوسرے

اُدھر نگاہ دوڑائی۔ پھر ایک پولیس اہلکار سے چلے جانا کے انتظار کیا۔ اتفاقاً وہ پہچان گیا۔ نینا نہیں منٹ مکمل ایک

ایسیکٹرا نہیں نظر آئی تھی۔ سام نے اس کا ٹکڑیہ ادا کیا اور

جاسوسی ڈائجسٹ 50

نومبر 2018ء

51

جاسوسی ڈائجسٹ 51

نومبر 2018ء



نے کہا۔  
 ”ایک کے سر پر ضرب آئی ہے۔ وہ ہوش و بے ہوش کی ملی جلی کیفیت میں ہے۔ دوسرا اسپیکٹر کی آنکھوں کے رنگ کے بارے میں پڑھیں نہیں ہے۔“  
 ”پانچویں گائیڈ جس کو انجینیئر نے ہار کر دیا تھا؟“ بینا نے سوال کیا۔  
 ”انجینیئر کو دیکھیں گے لیکن میرا نہیں خیال کہ کوئی مدد مل سکے گی۔“

اس کا مطلب میں ابھی تک ہدف ہوں اور تم میری حفاظت..... لیکن تمہیں میں کون ہدف تھا؟“  
 ”وہ ایک الگ قصہ ہے..... تم اور رابرٹ مخص اس لیے مصیبت میں پڑ گئے کہ تم دونوں نے اسے اسپتال میں شریٹ کیا تھا۔“ سام نے جواب دیا۔  
 ”اب کیا پروگرام ہے؟“  
 ”میری رائے ہے کہ تم ڈیڈی کے گھر میں رہو۔ وہاں سیکورٹی سسٹم بھی ہے..... یا پھر ہوٹل میں پریسٹر کے ساتھ۔“

بینا نے توقف کے بعد جواب دیا۔ ”میں، تم مجھے گھر چھوڑ دو۔“ بینا نے فیصلہ سنایا۔

☆ ☆ ☆  
 ”یعنی یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ محترم ڈسٹرکٹ اتھارٹی لیڈل کو نشانہ بنایا گیا تھا۔“ سام نے کہا۔  
 چیف نے کانفرنس ٹیبل کی دوسری جانب سام اور گورڈن کی طرف دیکھا۔  
 ”کوئی شک؟“

”میں سر۔“ گورڈن نے کہا۔ ”ہم نے مہمانانہ گرامی کی فہرست کا بغور جائزہ لیا ہے۔ ہم تیسری قطار میں رکھا گیا تھا..... تیسری قطار کی ریزرویشن کی پینے نکل ہو چکی تھی۔ ہال کے سیکشن اور قطاریں ہم نے چیک کی ہیں۔ لیڈل اور مریز تیسری قطار کے مرکز میں تھے، ان کی موت یقینی تھی۔“

”تیسری قطار میں اور کون تھا؟“  
 ”سج ڈیٹلن چھوڑت کے فاصلے پر تھا۔ وہ ڈرگ بھی جاتا تو اس کا شدید زخمی ہونا یقینی تھا۔ اسی قطار میں کیلیفورنیا کا ایک لاء پروڈیوسر ڈیٹلن کے چھوڑے اور دو قاتلوں کے طلب علم تھے۔ مزید یہ کہ پانچویں کی لیب رپورٹ کے مطابق ڈاکٹار کاٹ کاٹا سائیکل سائیکل سائیکل جیسا تھا۔“  
 ”اسپیکٹر۔“ چیف نے ہلکے ہوئے انداز میں کہا۔ سب

ساتھ خود سے سوال کیا۔ کام اور سام میں ابھی ہوئی شب سرائی ہوئی صبح کی طرف گامزن تھی۔ چھ بجے تک جھوم جھٹ چکا تھا۔ بیٹا نہ حال تھی۔ ابھر چکی اسٹاف، کافی بریک کے لیے تیار تھا۔ اور نینا بھی۔ جب ایک آواز نے اس کے قدم جکڑ لیے۔ وہ مریز، سام انتظار گاہ میں کھڑا تھا۔ وہ نینا سے زیادہ تھکا مائدہ دکھائی دے رہا تھا۔ شیو بڑھی ہوئی تھی، آنکھوں میں سرخی..... بیکلی نظر پڑتے ہی نینا کی برہمی یک لوت بخارات بن کے اڑ گئی۔ وہ کافی بھول کے اس کی طرف چل دی۔ وہ خاموش تھا۔ ابھی ہوئی نظروں سے اسے نک رہا تھا۔ نینا نے اپنا نہ حال وجود اس کے بازوؤں کے حوالے کر دیا۔ ”گھر چلیں؟“ سام نے کہا۔

”ہاں۔“ وہ مسکرائی۔ وہ باہر نکلے گاڑی میں بیٹھے اور کابج کی طرف روانہ ہو گئے۔ منزل پر پہنچنے کے بعد میں گھر، مسٹی نہ خارا..... شوق نہ بے تابی، بس سکون اور آسودگی، طمانند خیال..... دونوں آنا فنا تیندکی دادی میں اتر گئے۔ سام پہلے بیدار ہوا۔ چند منٹ صحت کو گھورتا رہا پھر اٹھ کر بیڈ سائڈ پر بیٹھ گیا۔ نگاہ خواہیدہ نینا پر تھی۔ اٹھارہ برس سے وہ ایڈی سے چوٹی تک پولیس میں تھا۔ الف سے بے تک۔ نینا پر مشورہ ندی کے مانند اس کی دنیا میں آئی تھی اور آج اس پر گزرتا چھوڑ کے رکھ دیا تھا۔ مزید نگاہیں، میل و جھٹ سے متعلق تھی۔ اٹھارہ برس..... ندون سہانے، نہ رنگین شب۔ بے کیف جوانی..... کچھ کھو گئی شام کے ساتھ اور گزشتہ ایام کے ساتھ۔ وہ خواہیدہ نینا کو آرام سے دیکھ سکتا تھا لیکن کھلی آنکھوں سے ڈرتا تھا۔ سام نے لاشعوری طور پر اس کی زانوں میں انگلیاں پھیرنی شروع کر دیں۔ کچھ دیر میں نینا کسمکائی۔ وہ غمور دکھاہوں سے سام کو کٹک رہی تھی۔ ”کیا وقت ہو گیا؟“ اس نے سرگوشی کی۔

”تین بج رہے ہیں۔“ سام نے جواب دیا۔  
 ”اوہو، ہم اب تک سو رہے؟“  
 ”ہاں، ہمیں ضرورت بھی تھی۔ پریسٹر باہر گھرائی کر رہا ہے۔ دونوں ایک دوسرے کو نکلتے رہے۔ نینا نے احتیاط کے ساتھ بائیں پھیلا لی۔ سام اب بھی خائف تھا مگر سام نے جھپٹا کر ڈال دیے۔

☆ ☆ ☆  
 ”بومر اب تک ہزاروں میل دور نکل گیا ہوگا۔“ نینا نے اٹھ کر خیال کیا۔  
 ”میرا روی نہیں، وہ کوئی عام مجرم نہیں ہے۔“  
 ”تمہیں کے دیگر گائیڈز اسے پہچان سکتے ہیں۔“ نینا

”کیونکہ میں ”گواہ“ ہوں؟“  
 سام نے اس کی متناہیسی آنکھوں میں دیکھا۔ زنجیلی میں اس نے کبھی اتنی بے بسی محسوس نہیں کی تھی۔ اس لڑکی نے اس کے گھرے اور اصولوں کو شکستہ کر دیا تھا، توڑ دیا تھا۔  
 ”میں نہیں مجھے باخبر رکھنا چاہیے۔“ سام نے کہا۔  
 ”تمہاری زندگی خطرے میں ہے۔ جب تک اسپیکٹر گرفت میں نہیں آتا تمہاری حفاظت میری ذمے داری ہے۔“  
 وہ یوں پیچھے ہٹی جیسے گرفت لگا۔ اس کی پسپائی جسمانی سے زیادہ جذباتی تھی۔ سام نے اذیت محسوس کی لیکن یہ تکلیف اس نے خود منتخب کی تھی..... وہ تڑپ کے رہ گیا۔  
 ”تمہیں ہوٹل واپس جانا چاہیے۔“ وہ بولا۔  
 ”میں نہیں جاسکتی۔ یہاں میری ضرورت ہے۔“ نینا نے انکار کیا۔

”تمہاری زندگی بہت اہم ہے۔“  
 ”یہاں کا حال دیکھ رہے ہو۔“ نینا نے کہا۔  
 ”نینا مجھے اپنی ذمے داری پوری کرنے دو۔ تمہاری حفاظت میری جاب کا حصہ ہے۔“  
 دونوں ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ ”میری بھی ایک جاب ہے۔“ نینا نے سپاٹ لگے میں کہا اور ہزاروں کی طرف مڑی۔  
 ”نینا۔“  
 ”تم اپنی جاب کرو، مجھے اپنی کرنے دو۔“ نینا نے کہا۔

”میں ایک آدمی متعین کر رہا ہوں۔ تم کب فارغ ہوگی؟“  
 ”جو کرنا ہے کرو، میں میں تک نہیں ہوں۔“  
 ”میں صبح چوبیس آؤں گا۔“

☆ ☆ ☆  
 نینا نے اگلے سات گھنٹے اعلیٰ امنی انتہار میں گزارے۔ سام کے ساتھ گفتگو نے اس کے جذبات کو مجروح کیا تھا ساتھ ہی وہ فیسے میں آگئی تھی۔ کئی گھنٹے بعد جب کام کا دواؤ کم ہوا، وہ پھر سام کے بارے میں سوچنے لگی۔ میری حفاظت ”جواب“ کا حصہ ہے۔ بس یہی میری اوقات ہے؟ اس کا ذہن سوال و جواب کے بے بنیاد چکر رہا تھا۔ بلاشبہ اس نے کئی بار روپوت کے اندر چھپے ہوئے سام کو دریافت کیا تھا۔ لیکن ہر مرتبہ اس کا دریافت شدہ سام پھر اپنے خول میں گھس جاتا تھا..... واپس ڈیوٹی پر چلا جاتا تھا۔  
 ”سام، مجھے کیا کرنا چاہیے؟“ اس نے افسردگی کے

اپنی گاڑی کی طرف بڑھا۔ وہ کوئی چانس نہیں لے سکتا تھا۔ اس نے اسپتال کی ایمرجنسی میں فون کیا۔ لائن مصروف تھی۔ اس نے پریشانی کے عالم میں گاڑی اسٹارٹ کی اور اسپتال کا رخ کیا۔ تیس منٹ بعد وہ ایمرجنسی ڈیپارٹمنٹ میں داخل ہو رہا تھا۔ وہاں خاموشی گہرا تھی اور سرگرمی نظر آرہی تھی۔ انتظار گاہ بھری ہوئی تھی۔ سام راستہ بنا تا ہوا فرسنگ ڈیسک تک پہنچا۔ وہاں ایک ہی عرس تھی۔ سام نے تعارف کرا کے بینا کے بارے میں سوال کیا۔ جواب ملا کہ آج اس کی ڈیوٹی نہیں ہے۔ سام نے اسے بتایا کہ یہ سرگرمی کیوں ہے اور نینا ایمرجنسی کی وجہ سے ایسیو لینس کے ساتھ آئی ہے۔

”میں دیکھتی ہوں۔“ نرس نے انٹرکام کا بین دبا کے مکالمہ شروع کیا۔ دس منٹ گزر گئے، نینا کی شکل نظر نہیں آئی۔ سام بے صبر ہو چلا تھا۔ جھوم بڑھتا جا رہا تھا..... تل دھرنے کی جگہ تک نہیں گئی۔ پورٹرز اور ڈی وی سیراز پہنچ گئے تھے۔ زخمی افراد کے اہل خانہ ہسپتال کا شکار تھے۔ سام اندرونی سمت کو بڑھ رہا تھا۔ دونوں طرف کمرے تھے۔ وہ دیکھتا جا رہا تھا..... ڈاکٹرز، نرس، مرلیس، لیکن نینا کبھی نظر نہیں آئی۔ وہ اگلے قدموں واپس ہوا اور فریادوں کے سامنے رکا۔ بند دروازے کی دوسری جانب مختلف قسم کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں۔ بحران کی شدت عیاں تھی۔ اسے مداخلت نہیں کرنی چاہیے تھی۔ لیکن نینا کی موجودگی کی تصدیق کے لیے اس نے دروازہ کھولا۔ میز پر ایک آدمی ابتر حالت میں پڑا تھا۔ طبی عملے کے چھ افراد پورے انتہار کے ساتھ اس کی حالت سنبھالنے کے لیے کوشاں تھے۔ عام آدمی کے لیے خاصا خوفناک منظر تھا۔ سام اندر نہیں گیا۔

”سام۔“  
 نینا ملحقہ کمرے سے نکل کر اس کی طرف آرہی تھی۔ اس نے سام کا بازو قلم لیا۔ ”تم یہاں کیا کر رہے ہو؟“  
 ”تم وہاں سے چلی گئی تھیں۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم کہاں ہو؟“  
 ”یہاں میری ضرورت تھی..... میں ایسیو لینس میں آئی تھی۔“  
 ”نینا..... تمہیں مجھے بتانا چاہیے تھا..... تم سن رہی ہو؟“  
 ”ہاں لیکن مجھے یقین نہیں آ رہا، تم خوف زدہ لگ رہے ہو؟“  
 ”خوف زدہ نہیں..... میں میرا مطلب..... اوکے، میں پریشان تھا۔“



ہی گزشتہ شب بستر سے دور رہے تھے۔ اس وقت نئے دن کے شام کے پانچ بج رہے تھے۔ ”یہ ابھی خبر نہیں ہے کہ وہ واپس نمودار ہو گیا ہے۔“

”لیکن اس کی قسمت اس مزید روشنی ہوئی ہے۔ چوف بچے آرہے ہیں۔ وہ پریشان ہوگا۔ اس کی ساتھ بھی داؤ پر لگی ہے۔“ سام نے کہا۔

”جیتا کہاں ہے؟“ چوف نے سام کو گھور کر دیکھا۔

”اپنے ڈیڑی کے گھر پر۔“ سام نے اطمینان سے کہا۔

”تم خبر کسے پہنچ گئے تھے؟“

”ہم سے چوک ہوئی تھی۔ لیڈل شروع سے خطرے میں تھا۔ جلی کا وکیل لیڈل پر زور ڈالتا تھا کہ وہ گلی کے بجائے جلی پارکین کی طرف آئے۔ لیڈل تیار نہیں تھا کیونکہ اس کے پاس جلی کے خلاف گواہ اور کافی مواد تھا اور کیریئر کے لیے

کیس بھی اس کے لیے اہم تھا۔ یہ اتفاق تھا کہ بالوں کے دوران جیتا نے بتایا کہ اس کی بہن اور بہنوئی تھیں جارہے ہیں۔

میں نے سوال کیا تو ظہر ہوا کہ اس کا بہنوئی بھی وکیل ہے اور تھیں میں اجتماع کی نویت بھی معلوم ہوئی پھر بھی مجھے لیڈل کا خیال نہیں آیا۔ میں یہ سوچ کر گیا کہ شاید نیا دہاں موجود ہمارے

مطلوبہ وروی پوٹ کو بچانے لے گی۔ وہ پانچ تھے اور ایک غائب تھا۔ چار گونیتا نے مسٹر وکر دیا۔ میں نے رسک لے کر

بم کا اعلان کر دیا۔ پانچاں جس انجینی سے آیا تھا وہاں اس نے جعلی معلومات فراہم کی تھیں۔ انجینی کو پرافٹ سے

مطلب ہوتا ہے۔ انجینی سے کچھ منے کی توقع بھی نہیں تھی۔ انجینی کا ایک خود گھبرا گیا تھا۔“

”تم کہنا چاہ رہے ہو کہ انجینئر کو بلی سبزو نے ہار گیا ہے؟“

”ہاں، اب مجھے کوئی شک نہیں رہا۔ وکلا کی غامبی تعداد متاثر ہوئی۔ بیشتر ہلاک ہو جاتے ہیں لیڈل کے۔ کورٹ کی کارروائی کی جیتنے کے لیے متعل ہو جاتی اور جلی کے وکلا اس کے لیے جلی پارکین (Plea bargain) خرید کر دیتے۔ لیکن اس کی تاریخ سر پر بھی اور لیڈل راستے کا پتھر

کون جلی سے ملتا رہا ہے۔ غالب امکان ہے کہ ہم درمیانی ٹک حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔“

چوف خاموش تھا۔ کچھ دیر بعد وہ بولا۔ ”ٹھیک ہے۔“

☆ ☆ ☆

سام اور کوئی تقریباً پینتالیس منٹ سے مصروف کار تھے۔ نظریں لی دی اسکرین پر تھیں۔ سنہریے بالوں والی

کی عمر تیس سال سے کم تھی۔ وہ کسی شوگرل کے مانند تھی۔ ”فریڈ“ کوئی نے وڈیویشن سے کہا۔ فریم جلد ہو گیا۔ وہ

مکمل طور پر نمایاں تھی۔ لباس اور بریف کیس کے باعث وہ وکیل دکھائی دے رہی تھی۔ تاہم وہ خامیاں اس کے پیشے کی

تزوید کر رہی تھیں۔ فریم میں سیٹل چٹکی کھارہ تھی۔ وہ سلیسی اسپانیک، میڈلجی جس میں منے کا نازک فیتہ لٹک

تھی۔ لباس بھی سیٹل کی طرح کا ہوتا تو وہ وکیل ڈانسر کا روپ دھار لیتی۔ ساتھ ہی چہرے کا میک اپ چارہ تھا کہ وہ وکیل

نہیں ہے۔ اس کا پیشہ کچھ اور تھا جس کی عادت کے باعث اس نے میک اپ کے بغیر آنے کی زحمت نہیں کی۔ جی کہ مصنوعی

پلیس اور آئی شیڈ بھی نمایاں تھا۔ سام اور کوئی نے بھی خبر نظروں کا تیار کیا۔

وڈیو لاک میں اس کا نام میریلین ڈکوف لکھا تھا۔ آنے کا مقصد جلی سبزو سے ملاقات۔ کلاسٹ۔ اٹارنی

افیتز۔ لاء فرم کی جگہ ”فرک اینڈ ڈیرن“ تھیں۔ سام نے گورڈن کو کون ملایا۔ تیس منٹ میں مطلوبہ حالت ہو گئیں

کہ فرم میں اس نام کا کوئی ملازم نہیں تھا۔ لڑکوں میں بھی میریلین ڈکوف نامی کوئی پرکار نہیں تھی۔

☆ ☆ ☆

اپنی کٹر نصف ہلاک کی دوری پر ایک اپارٹمنٹ سے پولیس کو میریلین کے اپارٹمنٹ سے کھٹا دیکھ رہا تھا۔ اس مرتبہ

اس کی قسمت اچھی رہی۔ سام کے پہنچنے سے دس منٹ پہلے اس نے اپارٹمنٹ چھوڑا تھا۔ اس تین کے ساتھ کہ چھپے کوئی

سراخ نہ رہ جائے۔ وہ اور میریلین ایک گھٹا قبل اپارٹمنٹ میں تھے۔ سام اچھا جا رہا تھا۔ لیکن اپنی کٹر بہت زیادہ محتاط

تھا۔ حیلز کے ناکام دھماکے کے بعد اس نے میریلین کا اپارٹمنٹ تھیل کرنے میں تیزی دکھائی تھی۔ بد قسمتی سے

میریلین کی اقداریت ختم ہوئی جاری تھی۔ پولیس ٹیم میں پانچ افراد تھے۔ تین سادہ لباس میں تھے۔ اپنی کٹر کی توجہ کا مرکز سام تھا۔ وہ اپنی ناکامی کا ذمے دار بجا طور پر سام کو گردانتا

تھا۔ سام نے اسے بھاری رقم سے محروم کیا تھا۔ سام اس کے لیے اچھی نہیں تھا۔ کئی برس پہلے بھی اسے سام کی وجہ سے

جریمت کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ ”دیکھو گا۔“ وہ بڑبڑایا۔ اس کے ذہن میں جیا

منصوبہ سر اٹھا رہا تھا جس کی تکمیل کے لیے آخری بار اسے میریلین کی ضرورت پیش آئے گی۔ آخری بار۔

☆ ☆ ☆

پولیس نے ڈیٹلا سے تھیل کی تھی۔ جس کے بعد رابرٹ کے ساتھ اس کے تعلقات ظاہر ہو گئے تھے۔ جیتا

کے ڈیڑی جاری کی گھبراہٹ اور ڈیٹلا نے شرمساری کے بجائے بے خیالی کا مظاہرہ کیا۔ تازہ الفاظ بھی استعمال کئے۔

دوسری طرف جیتا، ڈیٹلا کی بے وفائی پر سخت تنفر تھی۔ گھٹیا عورت نے شوہر اور سوتیلی بیٹی دونوں کو دغا دیا تھا۔ کیا ڈیڑی ایک اور طلاق کی تیاری کر رہے ہیں۔ ڈیٹلا تھیں اور آواز منٹش عورت کو کیا فرق پڑے گا۔ اٹے مفت میں کئی ملین ڈالر ملے

”تمہارے لیے ہے، اسپتال سے۔“

جیتا نے مایوسی سے کال مٹی۔ رنگ سپرد اور مصفرت کے ساتھ کئی بنگالی صورت حال کے لیے پراسید تھا کہ وہ آئے گی۔

”نامت شفٹ؟ اوکے، آجائیں گی۔“ اس نے سوچا کہ گھر کا ماحول مکدر ہے۔ اسپتال جانا بہتر رہے گا۔

”امید ہے کیا رہے ملاقات ہوگی۔“

”گیارہ بجے؟“ جیتا نے آنکھیں سکیڑیں۔ ”نامت شفٹ بارہ بجے شروع ہوتی ہے؟“

”اسٹاف کم ہے، اگر تم ایڈجسٹ کرلو۔“

”ٹھیک ہے، کیا دیکھو۔“

☆ ☆ ☆

میریلین نے فون رکھ دیا۔ ”وہ پہنچ جائے گی۔“

”تم خوب جاری ہو۔“ اپنی کٹر نے کہا۔ ”اسے شک تو نہیں ہوا؟“

”کیسے ہو سکتا ہے۔“ میریلین نے تھیلی نظروں سے اٹھائی اور کہا۔

”کیا جانتی ہو؟“ اپنی کٹر نے پیش کی۔

”تم جانتے ہو۔“ وہ ہونٹوں پر زبان پھیر کر لگی۔

”اوہ ہاں۔“ ابھی تین گھنٹے باقی تھے۔ اپنی کٹر نے سوچا۔

”تمہیں اندازہ ہوا میں کتنی تیش بہا ہوں؟“

”تمہاری قیمت کا اندازہ میں نے پہلی نظر میں لگا لیا تھا۔“

☆ ☆ ☆

سازھے دس بجے سام نے کالج میں قدم رکھا۔ پہلی چیز خاموشی تھی۔ سکوت۔ ستانے نے اس کا استقبال کیا۔ وہ گھر

میں نہیں، مکان میں داخل ہو رہا تھا۔ اس مکان میں۔ خالی مکان میں۔ جہاں کب کس طرح، اس نے درجہ جودی

تھی۔ جسم رہ گیا تھا۔ خالی مکان کے مانند۔ اس نے کالج روشن کیا۔ اسے وہ گھر جھٹکا آیا تھا۔ جواب اپنی معلوم ہو رہا تھا۔

وہ فون کو گھور رہا تھا، شام کلش میں گزرتی تھی۔ اسے نینا کو کال کر کے دہناتا تھا جسے جانتے ہوئے وہ اب تک ڈرتا

آیا تھا۔ خود کو فریب دینا سب سے سستی تھا۔ میریلین کے خالی اپارٹمنٹ کی تلاش کیے ہوئے شدت سے اسے اپنی ویرانی

قلب اور خالی مکان کا خیال آیا تھا۔ وہ سنسان خواب گاہ میں کھڑا سوچ رہا تھا۔ بیوی نہ تھی۔ نہ بچہ۔ نہ کبھی؟



## چٹکے

ایک دولت مند شخص دیوالیہ ہو گیا تھا۔ ایک بھٹے کے بعد اس کی بیوی چل بسی۔

اس کا دیرینہ دوست اس سے اظہارِ انصاف کرنے آیا اور بولا۔ ”مجھے تمہارے کاروبار اور تمہاری بیوی کا من کر بہت انصاف ہوا۔“

دولت مند شخص نے جواب دیا۔ ”کاروبار میں نفع نقصان تو لگا رہتا ہے مگر یہ بچ ہے کہ ہر نئے وقت کے بعد اچھا وقت بھی آتا ہے۔“

## دارث

ایک دن لیاقت علی خان کام میں مشغول تھے، کھانے کا وقت ہو گیا۔ کھانا میز پر لگ گیا۔ ملازم یا دروہائی کے لیے آکھڑا ہوا۔ لیکن وہ کام میں لگے، جب کافی دیر ہو گئی تو ترمیم صاحبہ خود پتیلیں لیاقت علی خان نے ان کے داخل ہوتے ہی کھڑے ہو کر کھلے سے کہا کام بند کر دیجیے پہلے تو سن ہی آیا تھا اب دارث بھی آگیا اور سٹرائے ہوئے کھانے کی طرف چل دیے۔

دارتھ کراچی سے طارق علی صدیقی کا تعارف

یائیں پھر دائیں جانب کاٹا۔ کئی جگہ ٹریک میں تصادم ہوتے ہوتے بچا۔ پھر پورے کوشش کے باوجود گورڈن ناکام ہو گیا۔ کئی آخری ٹیکنیکس تبدیل کیے۔ فنی سڑکوں کو کھٹکلا۔ اسپیکٹر فائبر تھا۔ سام کے لیے خود کو قابو کرنا دشوار ہو رہا تھا۔ اس نے نینا کو کھود یا تھا۔

”سوری سام۔ گاڑ، آئی ایم سوری۔“ گورڈن نے کہا۔ وہ سام کے ڈپریشن کو محسوس کر رہا تھا۔ دونوں کچھ کہے بغیر ایک دوسرے کو کھڑے تھے۔ پھر وہ دونوں پر بھاری تھا۔ سام کی نظر دھندلا گئی۔ پٹرول گاڑی کی روئیننگ ناکامی کا اعلان کر رہی تھی۔ بالآخر بارہ بجے کے گنگ بنگ گورڈن نے کار سائڈ پر لگا دی۔ دونوں خاموش تھے۔

گورڈن نے کہا۔ ”اب بھی موقع ہے۔“ سام نے دونوں ہاتھ سے سر قدام لیا۔ موقع..... اسپیکٹر اس جاس میل کے دائرے میں ہو سکتا ہے یا پھر آس پاس ہی کسی جگہ میں۔ کھونے کے بعد اسے ٹھیک ٹھیک اندازہ ہوا کہ اس نے کیا کھودا۔ دنیا سے وہ بالکل ہونگی۔ سڑک میں لڑائی..... بیڑم کا نہایت کھڑکی..... یکدم سام کی نظر گورڈن کے کارفون پر جم

ہے۔ وہ پرسکون انداز میں بات کر رہا تھا۔ اس نے نینا کو شیلڈ بنایا ہوا تھا۔ سن نینا کے سر پر تھی۔ نینا نے سام کی طرف دیکھا۔ سام فائر کرنے کا خطرہ محسوس نہیں کر سکتا تھا۔ سام کا اشتعال اور بے بسی دیکھ کر نینا دہائی ہو گئی۔ وہ ٹھیک کہتا تھا کہ مجھے اطلاع دیے بغیر کہیں مت جانا۔ وہ کیسے یہاں پہنچ گیا؟

”ایک طرف ہو جاؤ اور دوسری کا مغز بکھر جائے گا۔“ اسپیکٹر کی خراجت بلند ہوئی۔

سام کے ہاتھوں میں کن جھن ایک کھلو تھی۔ وہ ایک طرف ہو گیا۔ نینا کے لیے سام کو دھنسنے کے چند لمحے میسر تھے۔ سام کی آنکھوں میں خوف، یاس، بے بسی سب کچھ تھا۔ نینا کا دل کٹ کے رہ گیا۔ اسپیکٹر اپنے فرار کے لیے سام کی گاڑی استعمال کی۔ سام کو اپنی ہی تیرگی لگ رہی تھی۔

”تم مجھے مار کیوں نہیں دیتے؟“ نینا نے قاتل سے سوال کیا۔

”میرا اپنا انداز ہے۔ انجام یادگار ہونا چاہیے۔ تم اپنی اپنی جگہ جاؤ گی۔“ نینا کو احساس ہوا کہ وہ ایک عفریت کے ساتھ ہے۔

☆☆☆

سام اندر حاد جھگڑا رہا تھا۔ سینے میں آگ لگی ہوئی تھی۔ اس کی نظر اپنی گاڑی کی عقبی لائٹ پر جمی جو جلد ہی غائب ہو گئی۔ وہ گھوما۔ سڑ سے ایک اور گاڑی کی ہیڈ لائٹس نمودار ہو گئیں۔ ”گورڈن“ وہ چلا یا۔ رکتے رکتے وہ دروازہ کھول کے اندر بچھ گیا۔ ”گو..... گو.....“ وہ ڈی رندے کے مانند باڈا۔ گورڈن نے حیرت سے اسے دیکھا۔ تاہم رفتار بڑھاتا چلا گیا۔

”وہ نینا کو میری گاڑی میں لے گیا ہے۔“ سام کے اشارے پر گورڈن کار بھگا رہا تھا۔ چند منٹ میں وہ اسپیکٹر کے پیچھے تھے۔ فاصلہ دو بلاک کے قریب تھا..... اسپیکٹر نے غائب تازا لیا۔ یکدم اس کی گاڑی کی رفتار تیز ہو گئی۔ فنی انداز کا تعاقب شروع ہو گیا۔ سڑ آنے پر گاڑیاں پھسل رہی تھیں..... تازوں کی چرچاہٹ..... اسپیکٹر کو گھیرنے کے لیے سام نے کارفون کے ذریعے تمام دستیاب پٹرول گاڑز طلب کر لی تھیں۔

”یہ آدمی پاگل ہے۔“ گورڈن نے گاڑی ایک ڈک سے بچا کے نکالی۔

”اسے کھوات۔“ سام مضطرب تھا۔

”میں کوشش کر رہا ہوں۔“ گورڈن نے اسپیکٹر تک

امریکا میں محفوظ ترین ناؤن کھجا جاتا تھا۔ اب یہاں دھماکے ہو رہے تھے۔ اسے یاد تھا کہ وہ بھی ناکٹ ہے۔ وہ پھر سام کو بتانے لگا۔ نینا کی تھی۔ اس سربہ جہ حرکت غیر شعوری طور پر ہوئی تھی۔ مگر میں ہونے والی بدحالی کے باعث وہ کال لٹنے پر نکل پڑی تھی۔ کچھ دیر وہ سیٹ پر بیٹھی اعصاب سنبھالتی رہی۔ وہ گاڑی سے اتری شیفٹ کا ٹائم بارہ بجے تھا۔ جب ایسا سنا اور ورائی نہیں ہوتی تھی لیکن ایک گھنٹہ قبل وہاں کوئی نہیں تھا۔ نینا نے تیزی سے قدم بڑھائے۔ ایلیوٹر بارہ گز کے فاصلے پر ہو گئی جب ایک کار کے عقب سے سایہ نمودار ہوا..... کسی نے اس کا بازو پکڑا اور گن اس پر رکھ دی۔ چند الفاظ سننے اس کی چیخ کا گلا کھٹ دیا۔ ”آواز لگی تو گولی کھوڑی کے اندر ہو گی۔“ اسے ایلیوٹر کے مخالف سمت کھینچا جا رہا تھا۔ بازو پر گرفت شدید گئی۔ نینا نے پکڑنے والی کی جھٹک دیکھی۔ اسپیکٹر!؟ اور کون ہو سکتا ہے۔

میں یہاں صوفی کی کوئی دیکھنے والا نہیں ہے۔ وہ لوگ کانوں میں دھول بھاری تھی۔ دہشت نے بھی حواس معطل کیے ہوئے تھے۔ لہذا وہ شروع میں باہر سڑک کے کنارے ناؤن کی چیخ سن سکی لیکن شکاری نے آواز سن لی تھی۔ وہ جم گیا۔ نینا بھی سنا..... تازوں کی سسکیاں گہرا رنج و غیب پر تھیں۔ اسپیکٹر نے وحشیانہ انداز میں نینا کو پارکڑ کار کی آڑ میں کھینچا۔ ”میں میرا واحد اور آخری موقع ہے۔“ نینا کے ذہن نے فیصلہ کیا۔ اس نے دفعتاً ہی جان سے محروم شروع کر دی۔ قاتل نے تو اسے ختم کرنا ہی ہے۔ خاتمہ کی ویران کوٹے میں ہوا یہاں کھلی جگہ پر وہ دھلائی چلا رہی تھی۔ ہاتھ کے ناخنوں کو پٹی کے بٹنوں کی طرح استعمال کر رہی تھی..... بھل رہی تھی۔ اسپیکٹر نے نینا کی ٹھوڑی پر شدید ضرب لگائی۔ وہ بچ کر گری ڈرو کی خوفناک لہر نے آنکھوں میں سیاہی پھری۔ اسپیکٹر نے بازو پکڑ کے اسے اٹھایا۔ ریمپ پر آنے والی گاڑی کے باعث آٹو بیک گیٹ کھل گیا۔ نینا کی بحال ہوئی ہوئی پینا کی آنے والی کار کی ہیڈ لائٹس نے پھر بیکار کر دی۔

ایک اشتعال بھری آواز آئی۔ ”پلناست۔“ سام..... وہ سام کی آواز تھی۔ ”اسپیکٹر، اسے چھوڑ دو۔“ وہ چیخا۔ اسپیکٹر اس کی پھر نینا کے سر پر جم گئی۔

”میں کہہ رہا ہوں، اسے چھوڑ دو۔“ سام نے دونوں ہاتھوں سے گن قدام رکھی تھی۔ ”وہ تمہارے کسی کام کی نہیں۔“

”میرے کسی کام کی نہیں..... لیکن تمہارے لیے یہ لڑکی اہم ہے۔ رہا پھر، میرا انکس خیال کسی نے میرا چہرہ دیکھا

جیتا ہے اس کی آنکھیں کھول دی تھیں کہ زندگی کے کچھ اور امکانات اور ذرا ویسے بھی ہوتے ہیں۔ قیمت غم بصر ہے۔ تاب نہیں..... ساز و رنگ جاس کے قاتلے کچھ اور بھی ہیں۔ وہ بزدل نہیں تھا..... لیکن تھا..... جس اب نہیں۔ سام نے فون اٹھایا۔ نینا کے ڈیڑی کے گھر کا نمبر ڈائل کیا۔ کچھ دیر بعد فون ڈبیلانے اٹھایا۔ سام نے پتھر سے فون کرنے کی سعادت کی اور نینا کے بارے میں استفسار کیا۔ جواب ملا وہ گھر پر نہیں ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے..... سام نے سوچا۔ فنی غیر متوقع جواب تھا۔

”وہ اسپتال گئی ہے۔“ ڈیڑی نے دوسرے سوال کا موقع نہیں دیا۔ ”وہاں سے کال آئی تھی۔“

”میرا چنسی روم؟“

”میرا خیال ہے۔“ ڈیڑی نے کہا۔ سام نے فکر یہ کے بعد فون بند کر دیا۔ اس نے بے گلی محسوس کی اور اسپتال فون کیا اور تعارف کر کے نینا کے بارے میں پوچھا۔ جواب ملا کہ آج رات جگہ ایک بھٹے تک اس کی ڈیوٹی نہیں ہے۔ سام نے آگاہ کیا کہ نینا کے گھر والوں کے مطابق اسے فون کر کے بلایا گیا ہے۔

”میں پھر وائرس بات کر کے بتاتی ہوں۔“ دوران انتظار سام کی پتیلیاں گرم ہو گئیں۔ اس کی چھٹی جس گڑبڑ کا اشارہ کر رہی تھی کچھ دیر بعد فون اٹھانے والی نے اظہارِ فنی کیا اور سام نے فکر یہ کہہ کر فون بند کر دیا۔ اس نے چند لمحے سوچا۔ کسی نے اسے فون کر کے محفوظ جادو باری سے باہر نکالا ہے۔ اسپیکٹر اسے سو کاوی نہیں ہو سکتا۔ گھڑی میں پونے گیارہ بج رہے تھے۔ وہ دوڑتا ہوا باہر گاڑی کی طرف لپکا۔ ایک ایک تک میں برق کو دہری تھی۔ کار کی رفتار بڑھتی گئی۔ ایک ہاتھ اسپیکٹر تک پر تھا۔ دوسرے سے وہ گورڈن سے بات کر رہا تھا۔ سام نے اسے بتایا کہ وہ کہاں جا رہا ہے اور اسپیکٹر کہاں ہوگا۔ اس نے بتایا کہ نینا کو بوس کال کے ذریعے باہر نکالا گیا ہے۔

”سام.....“

”ہاں، کھلو وقت کم ہے۔“ سام کے ہنرے پیچھے ہوئے تھے۔ غم شہ تھا کہ اسے دیر ہو گئی ہے۔

☆☆☆

اسپتال کا بارنٹ گہرا رنج سسٹان پڑا تھا۔ نینا کے لیے کوئی نئی بات نہیں تھی۔ آٹو بیک گیٹ کے ذریعے وہ اندر چلی گئی۔ وہ بار یہاں رات میں دیر سے آئی تھی، پورٹ لینڈ کو



مٹی۔ ایک چانس۔۔۔۔۔ اس نے فون اٹھا کے نمبر ملایا۔  
 ”کسے کر رہے ہو؟“  
 ”اسپیکٹر!۔۔۔۔۔ سام نے جواب دیا۔  
 ”واہ!؟“

”میں نے اپنی کار فون کا نمبر ملایا ہے۔“ پانچ رنگ کے بعد اسپیکٹر نے کال وصول کی۔  
 ”ایلیو، پورٹ لینڈ بم اسکوڈ موجود نہیں ہے۔“ اسپیکٹر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”سام بات کر رہا ہوں، وہ ٹھیک ہے؟“  
 ”وہ کون۔۔۔۔۔ آہ، خوب صورت لینڈی۔ تم خود بات کر لو۔“ اسپیکٹر نے فراخ دلی سے کہا۔ وہ فون کے بعد دنیا کی لڑیہ آواز آئی۔ ”سام؟“  
 ”تم بھرتے ہو؟“  
 ”نہیں، ہاں۔۔۔۔۔ ٹھیک ہوں۔“  
 ”کس طرف جاری ہو؟“

”بس اتنا کافی ہے۔ خدا حافظ۔“ اسپیکٹر نے فون لے لیا۔

”کو۔۔۔۔۔ رک جاؤ۔“ سام چلایا۔  
 ”بہت فکر ہے کیا نرس کی۔۔۔۔۔ آخری بات کہو۔“  
 ”اسپیکٹر، اودھ کرتا ہوں اگر اسے کچھ ہو۔ تو موت کی چھک مانگا پھرے گا۔ موت نہیں ملے گی۔“ سام پچھکارا۔

اس کی سانس پھول رہی تھی۔  
 ”پولیس آفیسر بات کر رہا ہے یا عاشق۔“ اسپیکٹر نے جس کرفون بند کر دیا۔  
 سام نے بار بار کوشش کی لیکن فائل نے ریسیور ہک سے الگ کر دیا تھا۔

گورڈن، سام کی جذباتیت پر متحیر تھا لیکن خاموش رہا۔  
 ”وہ زندہ ہے لیکن دونوں کہاں ہو سکتے ہیں۔ ایک گھنٹا گزر گیا ہے۔“

”زندہ رکھنے کا مقصد؟“ گورڈن نے سرگوشی کی۔ سام نے پارٹر کو دیکھا۔ گورڈن کا دماغ زیادہ کام کر رہا تھا۔ سام نے سر ہٹھڑا رکھنے کی کوشش کرتے ہوئے خیالات کو سرکڑ دیا۔  
 کیمیز میں پہلی بار وہ خوف کا شکار تھا۔ ہرگز نہ تاملتے تھے اپنے کے اسکاٹات کو کھدو کر رہا تھا۔

”کسی وجہ کے تحت اس نے دنیا کو زندہ رکھا ہے۔“ گورڈن نے کہا۔ ”شاید ٹریپ ہوئے کی صورت میں وہ اسے بطور ایشورنس استعمال کرنے کا۔“

”نہیں، وہ آزاد ہے۔ بچائے مدد کے وہ بوجھ بن جائے گی۔ ایسی صورت حال میں برطانوی بحریہ کی رفتار کم کر دیجے ہیں۔ نئی آنکھیں پیدا ہو جاتی ہیں۔“

سام نے اختلاف کیا۔ وہ میری ذمہ داری ہے۔۔۔۔۔ دوسو چار تھا۔ میرے لیے یہ نقصان ناقابل تلافی ہوگا۔ مجھے پُر سکون انداز میں سوچنا چاہیے۔ اس نے پھر فون پر نظر ڈالی۔ یادداشت میں سرسراہٹ ہوئی۔ گھنگھو کے دوران معمولی وقت آیا تھا۔ جب فون پر پس منظر میں سیٹی کی آواز آئی تھی۔ نہیں سیٹی نہیں۔۔۔۔۔ وہ ذوقی ابھری آواز تھی۔ سائزن۔ سام نے پھر فون اٹھایا اور 911 ڈائل کیا۔ تعارف کرا کے اس نے ایمرجینسی آپریٹر سے سوال کیا۔ ”نورٹ لینڈ ایریا میں گزشتہ تین منٹ میں کتنی ایمرجینسی گاڑیاں کہاں کہاں آئی ہیں؟“

”گاڑی کی قسم ہے۔“

”ہر ایک۔۔۔۔۔ ایمرجینسی، فائر فائر، پولیس۔۔۔۔۔“  
 کچھ دیر بعد آواز آئی۔ ”11:55 پر ایک ایمرجینسی 2203 گزرتی اسٹریٹ کی طرف روانہ ہوئی۔ 12:10 پر پولیس کار، بریڈالام کے جواب میں 751 بیک فورڈ اسٹریٹ اور 12:13 پر اسکوڈ کار بلدیائی کی اطلاع پر۔“

”جوتی مل کے چلتے ہیں۔۔۔۔۔ فائر فائر کوئی نہیں۔“  
 ”اوکے، ٹھیک ہے۔“ سام نے گھوڑا کھارٹھ میں سے نقشہ نکالا۔ اس نے تیزی سے تین مقامات پر دائرہ بنایا۔ گورڈن سوالیہ نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

”جب میں فون پر بات کر رہا تھا۔ اس وقت پس منظر میں سائزن کی آواز تھی۔ کسی وہ اس وقت ان تینوں مقامات پر کسی ایمرجینسی وین کے قریب تھا۔“

گورڈن نے نقشے پر نظر ڈالی۔ ”دو تینوں بلاکس کو گورڈن نے پڑے گا۔ جوڑے میں سوئی ڈھونڈنے کے مترادف ہے۔“

”اور کوئی چانس نہیں ہے۔“ ”میں جوتی مل سے شروع کرتے ہیں۔ گو۔“

”پٹرولنگ جاری ہے۔ ہمیں ہیڈ کوارٹر جا کے انتظار کرنا چاہیے۔“

”کیا میں ڈرائیو کروں۔“ سام آٹھرنے لگا۔  
 ”سام۔۔۔۔۔“

”میں کیا کر رہا ہوں۔“ سام نے معاذیہ کا دامن چھوڑ دیا۔ پھر اس نے سرد آہ بھینچی اور سچے کر لیا۔ ”میرا جرم ہے۔ میری غلطی سے وہ مرنے والی ہے۔ دونوں میرے سامنے تھے اور میں اسے بچانے کے لیے بھوکھ نہیں کر سکا۔“

گورڈن نے گہری سانس لی۔ ”وہ تمہارے لیے اتنی اہم ہے؟“

”اسپیکٹر جان کیا ہے۔ مجھ سے بدلہ لینے۔۔۔۔۔ تڑپانے کے لیے اس نے دنیا کو زندہ رکھا ہے۔ اس وقت اس کا پلہ بھاری ہے۔ ہمیں اسے تلاش کرنا ہے۔“

گورڈن کا فون بجنے لگا۔ اس نے جواب دیا۔  
 ”جیک شین ایجنڈہ۔۔۔۔۔ اوکے۔“

”شاید کچھ حاصل ہو جائے۔“ اس نے سام کی طرف دیکھا۔

”کیا ہے وہاں؟“  
 ”پارٹمنٹ ہے، پونٹ D-338 کی اطلاع ہے۔  
 انہوں نے باڈی اور پائنت کی ہے۔“

سام کی رگوں میں خون جم گیا۔ سانس لینا دشوار تھا۔  
 ”کس کی باڈی؟“  
 ”میرٹین ڈکوف۔“

☆ ☆ ☆  
 جتنا بھاری کرسی پر سے پارٹر دنگر بیٹھی تھی۔ اس کے ہاتھ پاؤں کسی کے ساتھ بندھے تھے۔ اسپیکٹر انول باکس کے ساتھ بیٹھا گھٹنا پر ہاتھ۔ ایک طرف دنگر تین دائرے بڑا تھا۔  
 مولرنگ آئرن اور دو درجن ڈانکاٹ اٹھائے۔  
 ”سام کا خوب استقبال ہوگا اگر وہ آج آئے۔“

”وہ اتنا آج نہیں ہے کہ تمہارے دام میں پھنس جائے۔“ جیتا نے غصے سے کہا۔

”نرس، یہ عام حرکت نہیں ہے۔ جو بھی اسے ناکارہ بنانے کی کوشش کرے گا، تمہارے ساتھ ہی فنا ہو جائے گا۔“  
 اسپیکٹر نے سفید اور سرخ تار کو سولہ کیا۔ منٹس اور سیکنڈز۔  
 ڈیکچلرل ہنر۔ سرخ اور سفید تار ملا کے اس نے پیچیدہ حرکت تقریباً مکمل کر لی تھی۔ ڈیوینیز اور کوسا ہے؟ سرخ نہ سفید۔

کون سا تار کاٹنا ہے؟ غلطی کی اور دھماکے ہوئے۔ پورا کواڈام اڑھائے گا۔۔۔۔۔ اگر اس نے بہادری کا مظاہرہ کیا اور حرکت کی اصلیت جاننے کی کوشش کی تو وقت ہاتھ سے نکلے گا اور اسے اپنی جان بچانے کے لیے بھاگنا پڑے گا۔ یوں وہ زندگی بھر احساسِ جرم میں مبتلا رہے گا۔ دونوں صورتوں میں سام بھگتے گا۔ جی میری ہوگی۔“

”خوش نہیں ہے تمہاری۔“ جیتا کی آواز کھوکھلی تھی۔  
 ”وقت کم ہے۔“ وہ بولا۔ اس نے رنگ برنگے تاروں کو اچھا بھا۔ ڈانکاٹ اٹھائے۔ غلطی کے کئی بڈل بنائے۔ تاروں کے سروں کو بلا سنگل پھینک کے ساتھ شنگ کر دیا۔ جیتا سوچ

کر رہی تھی۔ کتنا وقت ہے۔ اس نے فرش پر ہاتھ کے ساتھ ریڈیو ٹرانسمیٹر بھی دیکھا جس کا سوچ آف تھا۔  
 ”سام دور رہو۔۔۔۔۔ پلیز دور رہو۔۔۔۔۔ زندہ رہو۔“ اس نے دعا کی۔  
 اسپیکٹر نے کھڑے ہوئے گھڑی دیکھی۔ ”ایک گھنٹہ اور پھر میں کال کر دوں گا۔“ اس کے ہونٹوں پر زہریلی مسکراہٹ تھی۔  
 ”لیڈی، صبح تین بجے۔“ اچھا وقت ہوگا، دنیا چھوڑنے کے لیے۔ کیا خیال ہے؟“

☆ ☆ ☆  
 لاش نیم برہت چوٹی فرش پر پڑی تھی۔ سر میں ایک گولی ماری گئی تھی۔ ڈک پائنت بھی موجود تھا۔ اسے اطلاع پونے کیا رہے تھے۔

”کوئی آواز؟“ گورڈن نے سوال کیا۔ ڈک نے فون میں سر ہلایا۔  
 ”خون چوٹی فرش سے رسی کر نچلے پارٹمنٹ میں ظاہر ہوا۔ اور کرائے دار نے عمارت کے مالک کو فون کر دیا۔“ ڈک نے بتایا۔ ”آئی ڈی کے مطابق یہ وہی ہے جو فائل میں ملی سٹریڈ سے ملی تھی اس لیے میں نے تمہیں فون کر دیا۔“

سام نے کمرے کا جائزہ لیا۔ یوں معلوم ہو رہا تھا کہ وہ ابھی پوری طرح سہیل نہیں ہوئی تھی۔ ڈک نے تصدیق کر دی کہ وہ ایک دن ٹل شفٹ ہوئی تھی۔  
 ”کوئی ملاقاتی آیا تھا؟“ گورڈن نے سوال کیا۔  
 ”پڑوسی کرائے دار نے مراد آواز دی تھی۔۔۔۔۔ تاہم وہ اسے دیکھ نہیں سکا۔“

”اسپیکٹر!۔۔۔۔۔ سام کے ذہن نے کہا لیکن وہاں لاہیر کا کلیہ تلاش کرنا قبیح اوقات کے سوا کچھ نہ تھا۔ انہیں پٹرول کارڈ پر ہتھیار کرنا تھا جو اس کی تلاش میں سرگرداں تھیں۔ سام نے دروازے کا درجہ کیا اور رک گیا۔ ڈک کچھ کہہ رہا تھا۔ ”والٹ میں کچھ نہیں تھا۔ چابیاں، چند پٹر۔۔۔۔۔“

”کسے مل؟“ سام نے استفسار کیا۔  
 ”بجلی فون اور پانی کے ٹبل۔۔۔۔۔ برائے قیامت کے۔“

سام نے فون پل دیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔ پہلی نظر میں اسے مایوسی ہوئی۔ دو صفحات طویل فاصلے کی کالز پر مشتمل تھے۔ ٹریک ڈاؤن کرنے میں کئی گھنٹے صرف ہو جاتے اور اسے اندازہ تھا کہ ہاتھ کچھ نہیں آتا۔ پل واپس کرتے ہوئے اس کی نظر زہریلی نمبر پر پڑی۔ شرم کے تین اعداد بتا رہے تھے کہ گھبر سا ڈھ پورٹ لینڈ تھا۔ کسی نے ایک پتے قبل رات 10:17 پر کال کی تھی۔ مجھے اس نمبر کی لوکیشن درکار

عروس عذاب  
 رہی تھی۔ کتنا وقت ہے۔ اس نے فرش پر ہاتھ کے ساتھ ریڈیو ٹرانسمیٹر بھی دیکھا جس کا سوچ آف تھا۔  
 ”سام دور رہو۔۔۔۔۔ پلیز دور رہو۔۔۔۔۔ زندہ رہو۔“ اس نے دعا کی۔  
 اسپیکٹر نے کھڑے ہوئے گھڑی دیکھی۔ ”ایک گھنٹہ اور پھر میں کال کر دوں گا۔“ اس کے ہونٹوں پر زہریلی مسکراہٹ تھی۔  
 ”لیڈی، صبح تین بجے۔“ اچھا وقت ہوگا، دنیا چھوڑنے کے لیے۔ کیا خیال ہے؟“

☆ ☆ ☆  
 لاش نیم برہت چوٹی فرش پر پڑی تھی۔ سر میں ایک گولی ماری گئی تھی۔ ڈک پائنت بھی موجود تھا۔ اسے اطلاع پونے کیا رہے تھے۔

”کوئی آواز؟“ گورڈن نے سوال کیا۔ ڈک نے فون میں سر ہلایا۔  
 ”خون چوٹی فرش سے رسی کر نچلے پارٹمنٹ میں ظاہر ہوا۔ اور کرائے دار نے عمارت کے مالک کو فون کر دیا۔“ ڈک نے بتایا۔ ”آئی ڈی کے مطابق یہ وہی ہے جو فائل میں ملی سٹریڈ سے ملی تھی اس لیے میں نے تمہیں فون کر دیا۔“

سام نے کمرے کا جائزہ لیا۔ یوں معلوم ہو رہا تھا کہ وہ ابھی پوری طرح سہیل نہیں ہوئی تھی۔ ڈک نے تصدیق کر دی کہ وہ ایک دن ٹل شفٹ ہوئی تھی۔  
 ”کوئی ملاقاتی آیا تھا؟“ گورڈن نے سوال کیا۔  
 ”پڑوسی کرائے دار نے مراد آواز دی تھی۔۔۔۔۔ تاہم وہ اسے دیکھ نہیں سکا۔“

”اسپیکٹر!۔۔۔۔۔ سام کے ذہن نے کہا لیکن وہاں لاہیر کا کلیہ تلاش کرنا قبیح اوقات کے سوا کچھ نہ تھا۔ انہیں پٹرول کارڈ پر ہتھیار کرنا تھا جو اس کی تلاش میں سرگرداں تھیں۔ سام نے دروازے کا درجہ کیا اور رک گیا۔ ڈک کچھ کہہ رہا تھا۔ ”والٹ میں کچھ نہیں تھا۔ چابیاں، چند پٹر۔۔۔۔۔“

”کسے مل؟“ سام نے استفسار کیا۔  
 ”بجلی فون اور پانی کے ٹبل۔۔۔۔۔ برائے قیامت کے۔“

سام نے فون پل دیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔ پہلی نظر میں اسے مایوسی ہوئی۔ دو صفحات طویل فاصلے کی کالز پر مشتمل تھے۔ ٹریک ڈاؤن کرنے میں کئی گھنٹے صرف ہو جاتے اور اسے اندازہ تھا کہ ہاتھ کچھ نہیں آتا۔ پل واپس کرتے ہوئے اس کی نظر زہریلی نمبر پر پڑی۔ شرم کے تین اعداد بتا رہے تھے کہ گھبر سا ڈھ پورٹ لینڈ تھا۔ کسی نے ایک پتے قبل رات 10:17 پر کال کی تھی۔ مجھے اس نمبر کی لوکیشن درکار



ہے۔ "سام کے ذہن میں امید کی کرن جھلکتی۔  
 "میں آپ سڑ سے بات کرتا ہوں۔ تاہم امید نہیں  
 ہے۔" گوردون نے کہا۔  
 "ہم۔۔۔ ہم۔۔۔ کوشش کرتے ہیں۔" سام نے  
 کہا۔  
 کچھ دیر میں معلومات حاصل ہو گئیں کہ کال کلیڈر روڈ  
 اور ہارڈوک کے قریب بے فون سے کی گئی تھی۔ سام نے خود  
 سپرداگر سے بات کی۔ "وہاں کوئی پر ایک گیس اسٹیشن  
 ہے؟"  
 "نہ ملے، ممکن ہے۔" فین سے نہیں کہہ سکتی۔" جواب  
 ملا۔  
 سام نے بات ختم کر کے نقشہ نکالا۔ وہ گوردون کے  
 ساتھ اس کی کار میں تھا۔ اس نے نقشے پر نشان لگایا۔ "میں  
 طرف زیادہ تر تحقیقات ہیں اور دس بجے کے بعد کال۔"  
 "چسپ۔"  
 "کوئی دوست، رشتے دار ہو سکتا ہے۔"  
 "نہیں، آپ کیلکٹر ہے۔" سام کی آواز میں یحجان تھا۔  
 "دیکھو ایک فورڈ اسٹریٹ بھی اسی طرف ہے۔ سام نے  
 روڈوک اور کلیڈر روڈ کے گرد دائرہ بنایا۔ دائرہ تین پلاس کا  
 حاطہ کر رہا تھا۔ "وہ یہاں ہے۔" ٹھکو۔۔۔"  
 تیس منٹ میں وہ منزل پر تھے۔ وہاں واقعتاً گیس  
 اسٹیشن بھی تھا۔ جگہ سنسان تھی۔ حلقی علاقہ بند تھا۔ عمارتیں  
 ایک تھیں۔ ہارڈوک سے وہ کچھ دور دوڑ کر سڑ سے۔ چند سو گز  
 اور سام نے تدم روشنی کی جھلک دیکھی۔ روشنی بلڈنگ کی چھوٹی  
 کھڑکی سے آ رہی تھی۔ گوردون نے ہیلڈ لائٹس آف کر دیں۔  
 وہ پاناٹکس گودام ہے۔"  
 "لیکن یہ گھر کی طرح دکھائی دے رہا ہے۔" گوردون  
 نے کہا۔ سام کچھ کیمے بغیر گاڑی سے اتر گیا۔ بھوکے گردش بڑھ  
 گئی۔  
 "سام؟" گوردون نے سرگوشی کی۔ "سام؟"  
 سام تار کی کافکا اٹھاتے ہوئے آگے بڑھ رہا تھا۔  
 جو کوئی بھی تھا، وہ سام کو نہیں دیکھ سکتا تھا۔ سام نے عمارت  
 کے گرد چکر لگایا۔ کوئی راہ نہیں تھی۔ حلقی دروازہ بھی لاک تھا۔  
 رڈون، سام سے ملا۔ "ایک آپ راستے میں ہے۔" اس نے  
 راج دی۔ "مجھے اندر جانا ہے۔" سام نے کہا۔  
 "ہم نہیں جانتے اندر کیا ہے۔"  
 اچانک گوردون کا کار فون بول اٹھا۔ دونوں لپکے۔  
 "نور۔"

”وہ کلینو میڈارو۔“ پولیس آفیسر نے کہا۔ ”تمہارے لیے ارجنٹ کال ہے۔ میں لائن تھرو کر رہی ہوں۔“ معصومی دھنکے کے بعد آواز آئی۔

”سام، میں نے تمہارے لیے ایک پُرکشش دعوت کا اہتمام کیا ہے۔“

”اسپیکٹر!..... وہ صحیح سلامت ہے؟“

”فی الحال وہ بہترین حالت میں ہے۔“

”کیا چاہتے ہو؟“ سام نے سوال کیا۔

”کچھ نہیں۔“ حرم آ جاؤ۔ تیس میرے لیے پریشانی کا باعث ہے۔ مجھے کہیں اور جانا ہے۔ تم اسے منجاولو۔“

”کہاں ہے وہ؟“

”ساؤتھ ویسٹ لینڈ..... ایٹلینس مگوام۔“

روٹوں چونک اٹھے۔ فیصلہ کن لمبے سر پر تھے۔ وہ بے خبر تھا کہ سام باہر ہی موجود ہے۔

☆☆☆☆

اسپیکٹر نے بات سمجھ کر۔ سسٹر کے عینا کو دیکھا۔ ”تمہارا بوب آ رہا ہے۔ اس کی دھمکی نے مجھے ڈرا دیا تھا۔ میں جا رہا ہوں۔“

”اس نے سام کو فریب کرنے کے لیے مجھے چارہ بنایا ہے۔“ مگوام میں ہنسی تھی۔ لیکن عینا کے کان کے چھپچھپنے کا شور بھلا۔ اسپیکٹر ایڈیوٹر ٹرانسمیٹر اٹھانے کے لیے جھک رہا تھا۔ ہم فعل کرنے کے لیے ریڈیو یو ایس کا سوچ کر آ کر رہا تھا۔ کائنات ڈاؤن کا آغاز ہو جاتا۔ عینا کا دل قفس کے بند بچی کی مانند بھڑبھڑا رہا تھا۔ اسپیکٹر ڈیوائس نے کر آ کے بڑھا۔

”سام سے میری جانب سے روت کر لیتا۔ میں رقص دیکھنے کے لیے یہاں نہیں ہوں میرا مطلب ہے، موت کا رقص۔“ اس نے بیٹل اوپر کی طرف کیچھا۔ دروازہ بالائی سمت میں مستحکم چلا گیا۔ ایک سخت ٹراٹرا ساکت و جد کھڑا رہ گیا۔ وہ گاڑی کی پہلے لائسنس کی تیز میں نہیں تھا کیا تھا۔ ”اسپیکٹر! اچھا وہ اٹھالو۔“ تاریکی میں اس سے سام نے حکم دیا۔

سام، تم نے مجھے ڈھونڈ لیا۔ خوف اور خوشی نے ایک عینا کے ذہن میں جگہ بنائی۔ تاہم خوف، مسرت پر آ گیا۔ اسپیکٹر چند سیکنڈ کے لیے ہچکچایا پھر آہستگی سے نے ہاتھ بلند کیے۔

”سام۔“ عینا چلائی۔ ”یہاں ہم ہے۔“ ٹرانسمیٹر اس حتم میں ہے۔

”اسے پیچھے رکھ دو..... میں فائر کر دوں گا۔“ سام نے

کہا۔ ”کیوں نہیں۔“ اسپیکٹر ادھر سے سختیوں کے بل  
آیا اور فراسٹر فرش پر رکھ دیا۔ ”ہم رکھتے ہی ملک کی واضح  
آواز سنا دی۔“

نیتا کے ذہن میں دھماکا ہوا۔۔۔۔۔ مائی گاؤ۔ اسپیکٹر نے  
کرپش کے عقب میں دائیں جانب جست لگائی۔ سام کے  
جسم کا پر علیہ چونکا تھا۔ ملک سنتے ہی اس نے بے دریغ دو گانے  
کے۔ اسپیکٹر ارشدی کی زد سے نکل گیا تھا لیکن دو گولیاں جسم میں  
ساتھ لے کر گریں۔ اس نے رینگنے کی ناکام کوشش کی اور چت ہو  
گیا۔ حلق سے غرغراہٹ کی آواز آئی۔۔۔۔۔ آخری چند سانسوں  
میں اس نے لعنت ملامت کی اور ہنسا۔ ”تم سب مرو گے۔“

☆☆☆

”نہیں۔“ نیتا چیخ اٹھی۔ ”دور ہو۔ ہم یہ میری کرسی  
کے ساتھ۔“

سام نے اٹھ کھڑی ہوئی دھمیں تاروں کو دیکھا۔۔۔۔۔ اور  
انٹارکٹک کی اٹھارہ اٹھس کرسی کے چاروں طرف۔ تین  
تک کرسی کے نیچے۔

”دس منٹ ہیں۔“ نیتا نے کہا۔ ”بلک ٹو منٹ۔“ دونوں  
کی نظریں ملیں۔ نیتا نے اس کی آنکھوں میں دھت تاپے  
دیکھے۔ جو نورانی مدھم ہو گئی۔ وہ سختیوں کے بل کیسی گے  
تک جبکہ گیا۔

”میں نہیں یہاں سے نکالوں گا۔۔۔۔۔ وعدہ ہے۔“

”وقت نہیں ہے۔“

”بہت ہے۔“ اس نے صورت حال کا جائزہ لیا اور  
خجندہ ہو گیا۔ گورڈن کو آواز دی۔

”میں یہیں ہوں۔ ٹول باکس بھی ہے۔ کیا کرتا ہے؟“

سام نے احتیاط سے ٹاکر ایک طرف رکھا جو تاروں  
کا اٹھارہ تھا۔

”یہ سادہ سٹواری سیریز کا سرکٹ معلوم ہوتا ہے۔ مجھے  
غریب کے لیے وقت چاہیے۔ کتنا وقت ہے؟“

”آٹھ منٹ اور چالیس سیکنڈ۔“ گورڈن نے ہراس کو  
بھایا۔ ”اتنا وقت بھی نہیں ہے کہ ہم ڈیپوزل ٹرک بلایا  
آئے۔“

”اچانک سائرن کی آواز بلند ہوتا شروع ہوئی۔ دو  
لیس کارز بے ڈور کے قریب آ گئی تھیں۔ ”بیک اپ بھی گیا  
ہے۔“

”انہیں فاصلے پر رکھو۔“ سام نے کہا۔ گورڈن ہاتھ لہرا  
کے چلتا یا۔ ”دور ہو۔ یہاں ہم ہے۔“ اسپیکٹر طلب کر دیا۔

☆ ☆ ☆

سام کے کان اور پیشانی کے درمیان رنگہا رنگہا بھر کے ترپ رہی تھی۔ اٹھتے ہوئے تنگ ترین کی گئی تھی۔ جسے سمجھانے کے لیے کھڑا دوڑ رہا تھا۔ اگرچہ وہ لب بست تھا لیکن نیٹاس کے تاثرات پر ازیت پڑ کر رہی تھی۔ وہ دیکھ رہی تھی کہ اس کی پیشانی پر پسینے کا پہلا قطرہ نمودار ہو چکا تھا۔

گورڈن وائس سامچی کے پاس آ گیا تھا۔ ”کہیں اور کچھ نہیں ہے۔ جو کچھ ہے تمہارے ہاتھوں میں ہے۔ یہی پورے کورام کے لیے کافی ہے۔“

”سلامتی مت لو، سب کو باہر نکال دو۔“

”سب باہر ہیں۔“ گورڈن نے کہا۔

”یہ بہت آسان ہے۔“ سام نے آہستہ سے کہا۔ ”وہ جانتا تھا، میں یہ تار کاٹوں۔ اس نے بلق کی کوشش کی۔ سوچنا بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے اس نے سنوڈر سے کد کیا ہے۔ لیکن ہے بالکل مختلف سوچ نہیں اور رکھا ہو.....“ ”میگیٹک ریڈ“ یا پھر ”کاسل رائن“ ڈیوائس۔ اگر میں اسے کاٹتا ہوں تو دمکا ہو سکتا ہے۔“

”سام پانچ منٹ ہیں۔“

”جاتا ہوں، جاتا ہوں۔“ فیئشن سے اس کی آواز بدل گئی۔ لیکن سرکٹ سے کھینچے جانے لڑش سے جاری تھے۔ ایک مٹی کی اونٹنیوں دھواں بن جائیں گے۔ سائرنگ کی آوازیں بتا رہی تھیں کہ باہر پٹرول کارڈز میں اضافہ ہو گیا تھا۔ مختلف آوازیں بھی سنائی دے رہی تھیں لیکن اندر مکمل سنانا تھا۔ سام نے نظر اٹھا کے عیناً کد کیا۔ ”تم خبیث ہو؟“

فیئشن نے تناؤ کے عالم میں سر ہلایا۔ وہ جان گئی کہ سام شاید کوشش کا شکار ہے۔ وقت نکلا جا رہا تھا اور سام آگاہ تھا۔ یہی آنکیز کا پلان تھا۔ نو پراس۔ مہلک انتخاب۔ کون سا تار کاٹو گے..... یا نہیں کاٹو گے۔ کیا وہ زندگی کا تجرا کھیلے یا نادرل ہو مکمل کے طور پر گورڈن سے نکل جائے..... فیئشن کو موت کی گود میں چھوڑ دے۔





## پہنڈا

سليم انور

کبھی کبھی سستی... کاہلی... غیر معمولی جُستی کے مقابلے میں بڑی کارآمد ثابت ہوتی ہے... مجرم نے بھی اپنی دافست میں مہارت و فنکاری کا ثبوت دیا تھا... مگر یہی فنکاری اس کے لیے پہنڈا بن گئی...

ایک عورت کے قتل میں ملوث تین قاتل مرزہ مطلوب تھے

موت کے اسباب جاننے کے لیے ایک افسر اور دو کرائم سین انویسٹی گٹر مجتہد اکٹھا کرنے میں مصروف تھے۔ الوکی شل کا بیٹا ہوا کسی کا ایک چھوٹا جسم لاش کے نزدیک ہی پڑا تھا۔ ہارے کو یوں محسوس ہوا جیسے الو کے بجھے کی آنکھیں اسے گھور رہی ہیں۔

ہارے کے جوئیئر پارنٹر سرائے میں بریٹن نے ایک اچھتی نگاہ اپنی گلائی کی گھڑی پر ڈالی اور ہارے کو اپنی طرف آنے کا اشارہ کیا۔

تحقیقاتی ٹیم کے ممبروں میں سب سے آخر میں چپنے والا فرسراخ رساں جیس ہارے تھا۔ اس نے جانے واردات کا جائزہ لیا شروع کیا جو ایک مصفا فانی مکان کا لیوگ دوم تھا۔ ایک عورت کی بے جان لاش کمرے میں موجود چھوٹی میز کے برابر میں پڑی ہوئی تھی۔ چھوٹی میز بھی الٹی پڑی تھی۔ شتولہ کے منبر سے بال اور سیاہ لباس خون آلود تھے۔ فرش پر کچے ہوئے زردی مائل بھوسے رنگ کے قالین پر بھی خون کا دھبہ نمایاں نظر آ رہا تھا۔

”بہت اہم۔“ سام نے توجہ سرخ اور سفید دائر کی جانب سے ہٹائی۔ میکانیون پر گورڈن کی آواز آئی۔ ”دس سیکنڈ۔“

بھاگنے کے لیے دس سیکنڈ۔ سام ہینڈا رہا۔ کٹر دباؤت دائر پر سے ہٹا کے سیاہ پر رکھ دیا اور قینا کی آنکھوں میں دیکھا۔ معمولی دباؤ اور سیاہ تارکٹ جاٹا۔ کچھ اور سوچنے کی گنجائش ہی نہیں تھی۔ دونوں ایک دوسرے کو گھور رہے تھے۔

”آئی کو یو۔“ سام نے کہا۔

”آئی کو یو۔“ آکسو تھے یا سادوں کی برکھاٹ۔ اسی حالت میں سام نے دباؤ والا اور... تارکٹ کیا۔ دونوں سکتے کے عالم میں ایک دوسرے کو گھور رہے تھے۔ یہی موت کے پوچھ تلے مظلوع تھے۔ گورڈن کی آواز آئی۔ ”جذباتی آواز۔“

”سام کا ڈنٹ ڈانٹن ازا اور۔“

سام نے پھر تلی سے قینا کے ہنڈھن کاٹے۔ سب سے پٹ پٹیس اس کا بدن کن ہو گیا تھا۔ وہ کھڑی کس ہو رہی تھی۔ ضرورت بھی نہیں تھی۔ سام نے اسے گود میں بھر لیا اور باہر کی طرف چل دیا۔ وہاں لکھنوی دھیمکو کی روشنیاں گردش کر رہی تھیں۔ اسکا ڈکار ڈا، ایو پیو پیو۔

مختل فاصلے پر سام نے اسے گود سے اتار دیا۔ وہاں موجود افراد نے غیر اذال دیا۔ چیف کو براستھہ اور لیٹل بھی موجود تھے۔ قینا لکھنوی کے سام کی ہاتھوں میں گری۔ دونوں ارد گرد سے بے نیاز ایک دوسرے سے لپٹے ہوئے تھے۔ قینا نے سر اٹھایا۔ ”تم نہیں گئے۔ تم جا سکتے تھے۔“

”نہیں میں نہیں جا سکتا تھا۔“

”نہیں جا سکتی تھی کہ تم نکل جاؤ۔“

”میں چاہتا تھا کہ تمہارے ساتھ رہوں۔“ دونوں آنکھیں دونوں پر مرکوز تھیں۔ میڈیا بھی کچھ گیا تھا۔ اسپیکر کی لاش اٹھائی گئی تھی۔ گورڈن ٹیم کے ساتھ اندر مصروف کار تھا۔ سڑک پر سب تھے لیکن ان دونوں کے لیے وہاں کوئی نہیں تھا۔

☆☆☆

گرمی سے خاندان، انجمن ناز۔ سم کدہ آباد تھا۔ بزم راز دناؤ پھر سے کئی تھی۔ اعزاز بدل چکے تھے۔ ارمان چل رہے تھے۔ دکن وسی تھی۔ مگر اب اکیلی نہیں دھلنا بھی ساتھ تھا۔ قادر سلیمون موجود تھے۔ فرق شرکا کا تھا۔ خاصی بڑی تعداد شریک محفل تھی۔ احباب کے علاوہ پولیس فورس کے افراد کافی تعداد میں تھے۔ چیف کو پر اور ڈسٹرکٹ انٹارنی لیٹل بھی خوشی کے لمحوں میں امرات تھے۔

قینا نے اس کی آنکھوں میں دیکھ لیا تھا کہ وہ کیا کرے گا۔

”ذو حالی منٹ۔“ گورڈن کی بھرائی ہوئی آواز آئی۔

”باہر جاؤ۔“ سام نے آکر ڈر دیا۔

”سام۔“

”تمہارے بچوں کو باپ کی ضرورت ہے۔ گیٹ آؤٹ۔“ سام نے کٹڑاٹھا یا اور سفید تار پر رکھا۔

”تم صرف اندازہ لگا رہے ہو۔ داغلیس ورک۔“

”گیٹ آؤٹ۔“ سام کی پیشانی پر پینٹا موتی کی طرح چمک رہا تھا۔ گورڈن بھاری قدموں سے اٹھا۔

”دوست، میں باہر اسکاچ کی بوتل کے ساتھ منتظر ہوں۔“ گورڈن نکل گیا۔

سام کیوں یہاں ہے۔ اسے کیا مجبور کر رہے تھے۔ کیا ضرورت ہے مرنے کی۔ ”سام۔“ قینا نے سرگوشی کی۔ وہ بہر او گیا۔ بلا کارکڑ تھا۔ دائر کٹر زندگی اور موت کے درمیان جھول رہا تھا۔

”سام پٹے جاؤ۔“ قینا نے التجا کی۔ آنسو رخساروں پر پھل گئے۔

”قینا یہ میری جانب ہے۔“

”مرتا تمہاری جانب نہیں ہے۔“

”ہم کس مرنے گئے؟“

”ٹھیک کہہ رہے ہو۔“ ہم نہیں صرف ”میں“ مروں گی۔ اگر تم فوراً نکل جاؤ۔“

”میں نہیں جاؤں گا۔ سمجھ رہی ہو؟ نہیں جاؤں گا۔“

دونوں کی نگاہ گرمائی۔ لکھنوی نہیں لگا۔ وہ سمجھ گئی کہ سام نے فیصلہ کر لیا ہے کہ اس کے ساتھ بیگے گا۔ اسی کے ساتھ مرنے گا۔ وہ پولیس آفیسر کے بجائے اس آدمی کو دیکھ رہی تھی جو اس سے محبت کرتا تھا۔ وہ آدمی جس سے وہ محبت کرتی تھی۔ دیوانے کو دیکھ رہی تھی۔ پروانے کو دیکھ رہی تھی۔ عاشق کا حوصلہ، نظریہ کا فیصلہ، آہ۔ وہ قہر کی گھائی میں ساتھ اتر کے زندہ رہتا چاہتا تھا۔ سارا جیون، اس ایک لمحے پر قربان۔ آنسو آٹھار کی طرح بہہ رہے تھے۔

”ایک منٹ ہے۔ میں یہ دائر کاٹ رہا ہوں۔ اگر میں غلط ہوا۔“

”رکنا۔“ دقتا قینا چیخ اٹھی۔

”سما؟“

”اسپیکٹر اسے ان دونوں کو ملایا تھا اور سب شپ لپیٹ دی تھی۔ وہ کچھ بولا بھی تھا۔ کیا یہ اہم بات ہے؟“



ایک بھتی نے ملازمت کے لیے اخبار میں اشتہار دیا۔ اشتہار دیکھ کر ایک فارغ تحصیل بھئی اندرونی کے لیے دفتر پہنچ گیا جب اس کا نمبر آیا تو مالک نے اس کی درخواست دیکھ کر کہا۔

”تم اس سے پہلے بارہ جنگ ملازمت کر چکے ہو۔“  
امیدوار نے کہا۔ ”جی ہاں، آپ اس سے اندازہ لگا  
سکتے ہیں کہ فطرت میں میری کس قدر مالک ہے۔“

مقام

ایک دس سالہ بچے نے اپنی والدہ سے پوچھا۔  
 "موسیٰ الریاضی کیا کوئی معلوم ہوا کہ ان کے پاس بچہ پیدا ہونے والا ہے۔"

ماں کے جواب دینے سے پہلے اس کے پانچ سالہ  
بھائی بول اُٹھے۔  
”کیا وہ بڑھ نہیں سکتی تھی۔ یہ بات تو تمام  
انسانوں کو معلوم ہے۔“

محمد منشا، چار پور بھٹیاں

کال لینڈ لائن سے کی تھی یا سیل فون سے؟“  
 ”سیل فون سے۔“ بریڈن نے بتایا۔ ”میں قریب ترین ٹاور سے کال ٹریک کر لیں گے۔ لیکن وہی ٹاور سامی کارکن کے گھر، مقتول کے گھر اور پورے علاقے کو گھورتا ہے۔ لہذا وہ سامی کارکن اپنے گھر پر نہیں بلکہ یہاں بھی ہو سکتا ہے جب اس نے اپنی ماں کو فون کیا تھا۔“  
 ”کیا باغبان نے بارڈر میگز فرمیٹر سینٹر سے کوئی خریداری کی تھی؟“

”اس نے وہاں سے سلور میڈر کھادو کے پیاس پونڈ کے دو بیگ اور ایک درجن گل داؤدی کے پودے خریدے تھے۔ جس سپاہی کو میں نے اس کے گھر بھیجا تھا، اس نے خریداری کی رسید چیک کی ہے جس پر نوٹس کر چھٹیس منٹ کی مہرگی ہوئی تھی۔ اگر باجبان نے غلط دکھائی ہوگی تو دس بجے تک یہاں پہنچ کر آیا ہوگا۔ جو یہ سراسر اس پر رشخ نے جواب دیا۔ کھادو کی مقدار کو نوٹس زیادہ تھا۔“

”اس نے سنا ہی کے اس سوال کے جواب میں کہا تھا کہ کھاؤ ہمیشہ ہی باکائی رات ہی ہے۔“

”اور تیسرا حشر فرد؟“  
 ”اس پر ذونے نے بتایا کہ مقتولہ نے اپنے ساتھی کا درکن  
 کو کل جی ملا جوت سے ٹکڑا کر اٹھا۔ ہم نے چوٹی کے شیجر کو گھر  
 پر لوٹ کر کے اس سے اس بات کی تصدیق کر لی ہے۔“  
 ”کیا اس پر ذونے نے کسی پر شہجے کا اظہار کیا ہے؟“  
 ”میرا رخ رساں ہمارے نے پوچھا۔“

”کیا وہ اس میں ملوث ہو سکتی ہے؟“  
 ”جہم نے اس بات کی تصدیق بھی کر لی ہے۔ وہ وہی ہے  
 سے جلاتا رہے۔ وہ ایک اچھی خاتون ہے۔ وہ ٹوہ میں رہے  
 اور تاک جھانک کرنے والی عورت ہے۔ اس کے پاس جائے  
 واردات سے عدم موجودگی کا ٹھکانا ثابت ہے۔ اس کے علاوہ  
 وہ بہت تعداد دے سکتی ہے۔ اس کے اندر اس کی طاقت نہیں کہ  
 وہ کسی کی کھوپڑی کو چھانے۔“ مجوزہ سرخ رساں نے بتایا۔  
 ”ان تینوں مشہور دلوں کے پاس جائے واردات سے  
 عدم موجودگی کے ثبوت؟“

مختار کا شوہر برابر پڑوسی کے گھر میں بی بی کی پرستش  
 بال کا گھر گھر ہوا تھا۔ اس کے ہمراہ چار دوست اور بھی تھے۔  
 وہ اپنے باپ کے ساتھ میل سے بھی لطف اندوز ہو رہے  
 تھے وہ جب گھر واپس پہنچا تو اپنی بیوی کی لاش دیکھ کر اس  
 نے ہنس و نال پر غصہ کر دیا۔“

”اور باغی خان؟“  
 ”وہ جو بلی علاقے کے ایک بارڈر پٹر فرسٹر سینٹر میں  
 سے اسی وقت باہر نکلا تھا۔ اور سچوالہ کا سامنی کارکن اپنے گھر  
 میں اپنی ماں کے ساتھ فون پر گفتگو کر رہا تھا۔“  
 ”اپنی ماں کے ساتھ؟ واقعی؟“  
 جو نیمبر سرائے رساں پر ریڈنگ کے شانے اچکا دیا۔

ان کے درمیان ہونے والی بات چیت کا وقت کم تھا۔ ”سراسر رومان پارے سننے پوچھنا۔“

”اس نے اور اس کی ماں نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ بیٹے نے لگ بھگ پورے دس بچے فون کیا تھا۔ بیٹے کو کہا ہے کہ ان کی گفتگو سناؤ۔ دس بچے تک جاری رہی تھی لیکن اس کی ماں کا کہنا ہے ان کے درمیان بات چیت سوا دو بجے سے پہلے ختم ہو گئی تھی۔ ہم صبح اس فون کال کا ریکارڈ حاصل کر رہے ہیں۔“

سراخ رساں ہارے نے قدرے توقف کیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اس کا اچھا سوال کس قدر اہمیت کا حامل ہو سکتا ہے۔

”کیا گھر میں زبردستی داخل ہونے کے کوئی اور کھلکا  
 دینے ہیں؟“ سراسر رساں ہارے نے پوچھا۔  
 ”نہیں، گنگا یوں ہے کہ جیسے مقتول نے قاتل کو اپنا  
 رضامندی سے اندر آنے دیا تھا۔ البتہ وہ واپس نہایتی سرسری  
 سے گیا ہوگا۔“  
 ”وہ کیا ہوگا؟“

تین ممکنہ طرہوں کی نشا عہدی کی ہے۔ وہ تمام کے تمام روزگار  
ایک مثقل کا شوہر، دوسرا کا باغبان اور تیسرا مثقل کا ایک  
سابقہ سہیلی کا رکن جو سڑک پر آگے ہی رہتا ہے۔“  
”دخل و مثقلات کرنے والی اس پڑوسی نے آج  
رات ان تینوں میں سے کسی کو وہاں مثقلاتے ہوئے دیکھ  
تھا۔“

”ختمیوں“ جو تیسرا سراغ رساں نے جواب دیا۔  
 ”کوئی اور گواہ؟“  
 ”کوئی نہیں۔“  
 ”اگلیوں کے نشانات؟“ سراغ رساں ہار لے کر  
 پوچھا۔

”الوکی شکل کے نیل کلاک کو صاف کر دیا گیا تھا۔ اس پر کوئی انگلیں کے نشانات نہیں پائے گئے۔ اس پر جو خون ہے وہ موجود نہیں، وہ اس بات کا ثبوت ہیں کہ قاتل نے اس سے اپنی انگلیوں کے نشانات نہ رگڑ کر صاف کر دیے تھے۔ البتہ اس کے علاوہ ہر جگہ فکر پر پیش موجود ہیں۔ ہم ان نشانات کو شناختی میٹ کل کریں گے۔“ جو نیئر سارخ رساں نے بتایا۔

”کسی اور چیز پر سے انگلیوں کے نشانات رگڑ کر صاف نہیں کیے۔ گئے؟ جیسے کوئی نہیں رکھنے والی میز، نوٹیاں دروازوں کے ہینڈل وغیرہ؟“

”قتل کا کوئی جواز؟“

”خیر میں نے بتایا۔“ (مقبولہ نے اپنے شوہر کو طلاق دینے اور دیوار پائے کی دھمکی دی تھی۔)

”اور باقی دونوں مشتہر افراد کا کیا مقصد ہو سکتا ہے؟“

”وخل و متقلبات کرنے والی پروں سے آج  
مقتول اور غبارِ خاک میں تھکا کر رہے سنا تھا۔  
وہ دونوں پلندہ آواز سے نگوار انداز میں ایک دوسرے سے  
جھگڑ رہے تھے۔ بھینسا اس کا غصہ عموماً کیا ہوگا اور اس نے فطرت  
میں کیا حرکت کرنا شروع کیا۔“

”ہائی وے دو سو گیارہ پر مانگرو پورڈیوں سے پھر اوا  
ایک ٹریکٹر خرید کر پلٹ گیا ہے۔ رش کے ان اوقات میں اس  
نے پوری ہائی وے ٹریک بلاک کر دی ہے۔ شمال کی جانب  
جانے والی ہر شے بلاک ہو گئی ہے۔ بشمول سائیکل تمام  
سڑکوں کے۔ میرے فلیشر آن رکھنے اور مسلسل سائرن بجانے  
کے باوجود مجھے یہاں تک پہنچنے میں اتنی دیر ہو گئی۔“ سراغ

سراغ رساں بریڈن نے اثبات میں سر ہلادیا اور مردہ عورت کی جانب اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ ”یہ عورت انتظار کی رحمت سے بہت دور پہنچ چکی ہے۔“

عورت کی موت کا سبب وہ کاری ضرب تھی جو اس کے سر پر لگا کر مٹی تھی۔ آگے نقل الوکی شکل کا بنا ہوا کاسی کا وہ بھاری اور ٹھوس ٹیبل کا کاک تھا جو مٹولہ کے سر سے چند انچ کے فاصلے پر چڑھا ہوا تھا۔ اس جسمے کی آنکھیں اب بھی ہارنے لگی تھیں۔

اسی ہونی کا زہر کی سطح کے ایک حصے کا رنگ پیکا نظر آ رہا تھا جو اس بات کو ظاہر کر رہا تھا کہ وہ شیل کلاک بطور آلہ قتل استعمال ہونے سے قبل کہاں رکھا ہوا تھا۔

”مفتو لڑکی کوئی جملی؟“ ہارے نے پوچھا۔

”ایک غم زدہ شوہر ہے جو جن شے میں موجود ہے۔“

”کوئی اولاد نہیں ہے۔“ ہار لے کے جو شیر پارٹنر سراخ  
رساں بریڈلین نے بتایا۔

”اس کی موت کس وقت واقع ہوئی تھی؟“  
 ”رات دس بجے کے لگ بھگ۔“

”ہاں..... لگتا ہے کہ یہی وقت ہوگا۔“ ہارلے نے کہا۔  
 ”تو خا ہوا یہ ٹھیک لگا کہ اس بج پر چارمنٹ پر درک گیا  
 تھا۔“ جوئیہ سر اسروساں ریڈن نے بتایا۔ ”ہم نے اس بات  
 کی تصدیق کر لی ہے کہ اس کے وقت میں کوئی پیرا جیمیری نہیں  
 کی گئی ہے۔ اس کے سامنے کا شیڈ بج گیا ہے لیکن کلاک سیل  
 ٹائم ہے۔ ہمیں اس کی کٹائی کی سطح پر خون کے دھبے پائے  
 گئے ہیں۔ لیکن اس کلاک کے باقی کسی حصے یا انداز کی جانب  
 کوئی نشان نہیں ہے۔“

”کیا گورنر نے اس بات پر اتفاق کیا ہے؟“  
 ”یعنی طور پر۔ ابھی لاش کے اعضائیں وہ سختی آتا  
 شروع نہیں ہوئی ہے جو مرنے کے بعد آنے لگتی ہے۔ لہذا  
 مرنے کے وقت کا اندازہ وہ سبجے کے گک جھگ درست لگتا  
 ہے۔“ ”مرنے والے کہاں



زندگی کی حفاظت اپنی جان بچانے کے نہیں کی جاسکتی... جان کی حفاظت ہی میں زندگی مخفی ہے... وہ مال دار تھا... شائد ار شخصیت کا مالک تھا... بر دل عزیز تھا... جوان عورتیں ہی نہیں بوڑھی خواتین بھی اس کی شیدا بن گئیں... دلوں میں ہستی والی ہستی اچانک ہی ان سب سے روٹھ گئی... اس کا قتل ہو گیا... ستر افسانہ شہم پوری محنت کر رہی تھی مگر قاتل کا سراغ نہیں مل رہا تھا... کیس رفتہ رفتہ پیچیدہ ہونا چاہتا تھا...

راز گوراز میں نہ رکھتے دلوں کا دل شکن ماجرا.....

## راز

تویر ریاض



کی سلیبی رنگ کی قمیص پر مڑی رنگ میں چمک رہے تھے۔  
”کسی نے بڑی بڑی دھج سے اس پر چاقو کے وار کئے ہیں۔“ گھنٹس برگ نے لاش کے برابر اکڑوں بیٹھے ہوئے کہا۔ ”میرا خیال ہے کہ اسے دس سے بارہ دھم آئے ہیں۔“  
”ہاں۔“ ریزو نے لاش پر جھٹکتے ہوئے کہا۔ ”تم اذکم آتے تو ہوں گے۔“  
دونوں سراغ ساس اس وسیع و عریض چھ کمروں کے

سرا جٹ جوئے ریزو نے اپنے قدموں کے پاس پڑی ہوئی خون میں لٹ پٹ لاش کی طرف دیکھا پھر اس کی نظر لپے اختیار اپنے سامنے سراغ ساس مارک گھنٹس برگ کی طرف گئیں۔ اس کے بعد وہ دوبارہ لاش کی طرف متوجہ ہوا جو ان دونوں کے درمیان زمین پر پڑی ہوئی تھی۔ مقتول کے جسم پر بڑی شدت کے ساتھ پے در پے کئی وار کئے گئے تھے۔ اس کا اندازہ ریزو کو لاش کے سینے پر متعدد دھم دیکھ کر ہوا جو اس

کومت کے گھاٹ کس طرح اتار سکتا تھا۔“  
برینڈن نے پٹرول کار میں بیٹھے ہوئے اس شخص کو گور سے دیکھا جو ہتھکڑیاں پہنے ہوئے تھا۔  
”سو تم نے میرے شوہر کے سوا باقی تمام افراد کو بری الذمہ قرار دے دیا تھا اور شوہر وہ شخص تھا جس کے پاس جائے واردات سے عدم موجودگی کا سب سے بہترین جواز موجود تھا۔“

”اور اس نے ایک غلطی کی تھی۔“ ہارلے نے کہا۔  
”اس نے خود ہی اپنی جانب اشارہ کر دیا تھا۔ یہ ہماری کامیابی کی نوید تھی۔“  
پھر سراغ رساں ہارلے نے اپنی بات جاری رکھی۔  
”وہ صرف شوہر ہی ہو سکتا تھا جس نے آگ لگ کر اسے اپنی خون آلود انگلیوں کے نشانات کو صاف کر دیا تھا اور گھر میں موجود باقی کسی چیز پر سے اپنی انگلیوں کے نشانات مٹانے کی زحمت کو ادا نہیں کی۔“  
”اس لیے کہ اگر ہمیں اس کے اپنے گھر میں اس کی انگلیوں کے نشانات دیکھنے کو مل رہے تھے تو یہ اسے مشکوک ثابت نہیں کرتے۔“  
”بالکل درست۔ لیکن وہ اپنی خون آلود انگلیوں کے نشانات ٹھیک ٹھاک پر چھوڑ نہیں سکتا تھا۔“  
”اور وہ دوستوں کے ہمراہ چار گھنٹے تک ٹی وی پر فٹ بال کا ٹیم دیکھتا۔“ سراغ رساں برینڈن نے کہا۔  
”وہ اس وقت اپنے برابر کے مکان میں بیٹھ کر دیکھ رہا تھا۔ وہ ہاتھ دھو کر بیٹھ جانے کے بجائے وہاں سے کھٹک کر اپنے گھر آگیا ہو گا اور کل کرنے کے بعد واپس اسی طرح چپکے سے دوستوں کے ساتھ شامل ہو گیا ہو گا۔ یقیناً جسے تم نے بتایا کہ بیچ بے حد دلچسپ رہا تھا تو اس کے دوستوں کو اس کے بیچ دیر کے لیے کھٹک جانے کا احساس تک نہیں ہوا ہو گا اور ایسا ہی ہوا تھا۔ اس کا بھانڈا پھوڑنے والا کیڑا کڑا مکھن تھا دینے والا وقت نہیں تھا۔ یہ کیوں ٹھیک ٹھاک پر خون کے دھبوں کا موجود ہونا لیکن خون آلود انگلیوں کے نشانات موجود نہ ہونے میں تھا۔ ظاہر ہو رہا تھا کہ فکر پرش کو جان بوجھ کر مٹایا گیا تھا تاکہ قاتل کی شناخت نہ ہونے پائے۔ اور اس کی یہی غلطی اس کے لیے پھندا بن گئی۔“

”تو پھر اس کیس کو ختم ہی سمجھا جائے۔“ سراغ رساں برینڈن نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے کہا۔ ”اب اسے جیل کی ہوا کھانا پڑے گی۔“

”اور ٹی وی پر فٹ بال ٹیم کب شروع ہوا تھا اور کب تک جاری رہا تھا؟“  
”شام سات بجے شروع ہوا تھا اور ساڑھے دس بجے ختم ہوا تھا۔“ سراغ رساں برینڈن نے بتایا۔ ”مقتول کا شوہر مکمل ختم ہونے کے بعد کے شو کو دیکھنے کے لیے وہیں رکا رہا تھا۔ مزید بیس منٹ اور لگائیں۔“  
”دو فٹ بال کا خاصا دلدادہ لگتا ہے۔“  
”وہ ٹیم ہی بڑا دلچسپ تھا۔“

سراغ رساں ہارلے نے تمام شواہد پر ایک بار پوری توجہ سے غور کیا پھر بولا۔ ”اوکے، آؤ چل کر قاتل کو خراست میں لیتے ہیں۔“

☆☆☆☆

قاتل ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پہنے پولیس پٹرول کار... کی عقبی نشست پر بیٹھا ہوا تھا۔ جب سراغ رساں ہارلے نے اسے حراست میں لے کر سختی سے پوچھ گچھ کی تو اس نے دو منٹ بعد ہی اقرار جرم کر لیا اور سب کچھ اگل دیا۔  
سراغ رساں ہارلے اور اس کا جو فیئر سراغ رساں برینڈن تازہ ہوا غوری کے لیے باہر مٹی فضا میں نکل آئے تھے۔ وہ کچھ دیر سناٹا چاہتے تھے کیونکہ دفتری کاغذات کی تیاری میں کھنٹوں صرف ہوتے تھے۔  
”جی نہیں کیسے پتا چلا کہ قاتل وہی ہے۔“ برینڈن نے پوچھا۔

”اس سے ایک غلطی سرزد ہوئی تھی۔ باقی دونوں مشتہ افراد کو یہ آسانی خارج کرنا پڑا تھا۔“  
”خارج کرنا آسان ہو گیا تھا؟ باغیان کی رسید پر خریداری کے وقت کی مہر لوٹ کر چھتیس منٹ کی تھی۔“  
”ہاں، لیکن جیسا تم نے کہا تھا کہ اسے یہاں دس بجے تک پہنچنے کے لیے بجلی سے کام لینا پڑا ہو گا۔“ ہارلے نے بتایا۔ ”شمال سے آنے والی ٹریفک کے ہائی وے پر جام ہونے کی وجہ سے میں فلیشر آن رکھنے اور سائرن بجانے کے باوجود تقریباً دیکھتا ہوا یہاں پہنچا تھا۔ اس لیے اس کے جواب کی جانب سے یہاں تک آدھے گھنٹے میں پہنچنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔“

”اور تمہیں کیسے پتا چلا کہ مقتول کے ساتھ ساتھی کارکن نے اپنے سیل فون سے اپنی ماں کو یہاں سے نہیں بلکہ اپنے گھر سے فون کیا تھا؟“ سراغ رساں برینڈن نے جاننا چاہا۔  
”سیدھی سی بات ہے۔ میں نے یہی اعادہ لگایا کہ جب وہ اپنی ماں سے فون پر باتیں کر رہا تھا تو اس دوران کسی



اپارٹمنٹ کے کچن میں لاش کے پاس موجود تھے۔ ان کے عقب میں داخلی دروازے پر باوردی آفیسر گاڑ کے فریڈکس انجام دے رہا تھا۔ اسی وقت سرائی رسالہ انجیل براؤن ہاتھ میں نوٹ بک بکڑے اندر داخل ہوئی۔

”میں نے مقتول کے بارے میں معلومات حاصل کر لی ہیں۔ کیا تم سننے کے لیے تیار ہو؟“ اس نے دونوں سرائی رسالوں کو باری باری دیکھتے ہوئے کہا۔

”ہاں اگلی۔“ ریزو نے کہا۔ اس کی آنکھیں ابھی تک لاش کا جائزہ لے رہی تھیں۔

”مقتول کا نام تینجین کارن ویل تھا۔ غریب تیس سالہ، طلاق یافتہ۔ وہ اس عمارت میں گزشتہ آٹھ سال سے کرائے دار کے طور پر رہ رہا تھا۔ ہنگامی صورت میں رابطہ کرنے کے لیے اس کے بھائی کا نام فہرست میں موجود ہے جو ڈیکٹر ہائٹس میں رہتا ہے۔“

ریزو اپنے بائیں جانب دیکھتا ہوا آہستہ سے کھڑا ہوا۔ ”یہ بروکلین کے انتہائی تنگ ترین اپارٹمنٹ میں سے ایک ہے۔ یہ بتاؤ کہ کارن ویل اپنی گزراوقات کے لیے کیا کام کرتا تھا؟“

”اس کی شہر میں کئی لاڈلیریاں تھیں جہاں تمام شوقین مزاج لوگ اپنے کپڑے دھواتے تھے۔“ اس نے سرسری انداز میں لاش کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”اس نے خوب دولت کمائی لیکن لگتا ہے کہ قسمت اس سے روٹھ گئی۔“

”گمنم برگ بھی اپنے قدموں پر کھڑا ہو گیا اور اپنے دوست سے کہنے لگے۔ ”ہاں، لگتا ہے کہ یہ واقعہ آج دن میں ہی وقت میں آیا۔ شاید صبح میں۔ یہاں کی حلاشی نہیں لی گئی تھی۔ کوئی توڑ پھوڑ نظر آرہی ہے۔ غالباً یہ ڈیکشن کی دوا دقت میں گئی۔“

”ٹھیک ہے اگلی۔“ ریزو نے کہا۔ ”مارک اور میں نے یہاں کا جائزہ لے لیا ہے۔ اب ہم اس جگہ کی مکمل حلاشی لیں گے۔ اس وقت یہاں کتنے سرائی رسالے موجود ہیں؟“

”میرے علاوہ آرٹ، ٹیک اور سو۔“ ان کے ساتھ ہی رہو۔ وہ اس مشق سے واقف ہیں۔ اگر سیکورٹی ویڈیو مل جائے تو انہیں اکٹھا کرلو۔ عمارت کے چوکیدار سے بات کرو۔ اس کے علاوہ اگر کوئی پڑوسی کچھ بتانا چاہے تو اس سے بھی معلومات حاصل کرو۔ ہم اس عمارت اور ارد گرد کے بلاک کی مکمل حلاشی لینا چاہتے ہیں۔ ہمیں اس چاقو کی حلاشی ہے جس سے مقتول پر حملہ کیا گیا۔ یقیناً وہ ایک بڑا چاقو ہوگا جس کا پھل کم از کم آٹھ انچ لمبا ہو سکتا ہے اور اس کا

ہینڈل لکڑی کا سیاہ رنگ کا ہے۔“ انجیل مسکراتے ہوئے بولی۔ ”تمہارے دماغ میں خیال کیسے آیا؟“

جوتے نے کاؤنٹر کے کونے پر رکھے ہوئے لکڑی کے پلاک کی طرف اشارہ کیا جس میں چاقو چھریاں رکھی جا چکی تھیں۔ ”وہ چاقو اپنی جگہ پر نہیں ہے اور نہ ہی سبک، ڈش واشر یا برتنوں کی کسی دراز میں دکھائی دیا۔ لگتا ہے کہ قاتل اسے استعمال کرنے کے بعد اپنے ساتھ ہی لے گیا اور باہر کی جگہ پھینک دیا۔“

”ٹھیک ہے جوئے۔ مجھے جو کچھ معلوم ہوا ہے وہ میں بتا دیتی ہوں۔“ انجیل نے اپنی نوٹ بک سے ایک صفحہ پھاڑتے ہوئے کہا۔ ”اس کاغذ پر اس کے بھائی کا فون نمبر ہے۔ پولیس اسٹیشن نے فون کر دیا ہے۔ منیڈیکل ایکزامن ڈیپارٹمنٹ نے بھی یہاں ٹیکہ لگایا۔ یہ کہہ دو باہر چلی گئی۔“

”اب تک ہم کیا معلوم کر پائے؟“ گمنم برگ نے کہا۔ ”ابھی کوئی نشانی نہیں لی جس سے ظاہر ہو کہ قاتل زبردستی اس عمارت میں داخل ہوا تھا کیونکہ وہ بان ڈیوٹی پر ہوتا ہے۔ یہ اپارٹمنٹ پانچویں منزل پر ہے۔ اس لیے لکڑی کے راستے کی کے آنے کا کوئی امکان نہیں۔ لگتا ہے کہ قاتل اپنے ساتھ کوئی ہتھیار لے کر نہیں آیا تھا بلکہ اس نے کچن میں رکھا ہوا چاقو استعمال کیا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ گنم پہلے سے سوچا ہوا منصوبہ نہیں تھا۔“

ریزو نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ”ممکن ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہم ایک ایسے شخص کو کوہنڈرے رہے ہیں جسے مقتول پہلے سے جانتا تھا۔ وہ اس عمارت کا رہائشی بھی ہو سکتا ہے۔“

”یا کوئی ناراض محبوبہ؟“ ”جس وحشیانہ انداز میں حملے کیے گئے، اس سے تو یہی لگتا ہے کہ قاتل کوئی طاقتور مرد تھا۔“

”گمنم ایسا تو نہیں کہ مقتول ہم جنس پرست تھا اور اس نے قاتل کی خواہش پوری کرنے سے انکار کر دیا ہو؟“

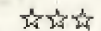
”نہیں، میں نے اس کے بیڈ روم کی دیواروں پر عربی عبارتوں کی پینٹنگ دیکھی ہیں۔ اس کے علاوہ ایک تصویر میں وہ ساحل سمندر پر ایک لڑکی کے ساتھ نظر آ رہا ہے جو دیکھنے میں سودی اشارہ لگتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ قاتل اس کا کوئی رقیب ہو؟“

گمنم برگ نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔ ”ٹھیک ہے۔“

”ہاں، ہم خرب و جوار کے لوگوں سے بھی پوچھ چکے کریں گے لیکن میرا خیال ہے کہ قاتل کوئی جانا پہچانا شخص تھا جسے مقتول نے کبھی سویرے اندر آنے دیا۔ خون کے سیال ہونے کی کیفیت سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اسے سرے ہونے کا زیادہ تر نہیں ہوئی۔“ جوئے نے اپنی گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔ ”ابھی تک یہ سب کچھ کر دیا مٹ ہوئے ہیں۔“

”مجھے یہاں کی مکمل حلاشی لینا ہے۔ چائے دتوہ کا معائنہ کرنے والے کب آئیں گے؟“ ”مہربان جلد۔“

”ٹھیک ہے۔ ان کے آنے سے پہلے ہم اپنا کام کر بیٹے ہیں۔“



دونوں سرائی رسالے اپارٹمنٹ کے انٹرویو روم میں بیٹھے مختلف امکانات پر غور کر رہے تھے۔ ”ہو سکتا ہے کہ یہ قاتل کسی دوسری اشتعال کا نتیجہ ہو۔“ گمنم برگ نے کہا۔ ”لگتا ہے کہ قاتل اور مقتول کے درمیان کسی بات پر تنازع ہوا تھا۔ قاتل نے مقتول پر چاقو اٹھایا اور مقتول کو پھینکنے کا موقع دینے بغیر بے در پے کئی وار کر دیے۔ میڈیکل ایکزامن کی رپورٹ بھی یہی ہے کہ مقتول پر آٹھ انچ لمبے پھل والے چاقو سے لگا جا رہا ہے۔“

”ہاں، مقتول کی گھڑی اور تین سو ڈالر اس کی ڈریس پر موجود تھے۔ اس کا مطلب ہے کہ قاتل چوری کی نیت سے نہیں آیا تھا۔ دربان کا کہنا ہے کہ ماسوائے چند کرائے داروں کے کوئی انجینی صبح کے وقت عمارت میں داخل نہیں ہوا۔ چائے دتوہ کا معائنہ کرنے والی ہم کا کہنا ہے کہ عقیقہ تہ خانے کے دروازے میں ڈش لاک، بغیر کمانی کی لکڑی جو کھانے سے کھلی یا بند ہوئی ہے اور ایک چٹنی گلی ہوئی ہے اور یہ دونوں خود کوڑھ طریقے سے لاک ہو جاتے ہیں لیکن جب اس دروازے کو چیک کیا گیا تو آٹھ لاک لگا ہوا تھا لیکن لکڑی کھلی ہوئی تھی۔“

”گو یا قاتل نے عمارت میں داخل ہونے اور وہاں جانے کے لیے یہ دروازہ استعمال کیا؟“ ”ہاں۔“ ریزو نے اتفاق کرتے ہوئے کہا۔

گمنم برگ نے لمبے بھر غور کرنے کے بعد کہا۔ ”یہ دروازہ صرف سنے کرائے دار کے آنے یا پرانے کرائے دار کے جانے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ وہاں کوئی سکیورٹی کیمرا نصب نہیں ہے۔ تہ خانے سے سامان لانے اور لے جانے والی لفٹ کی رسائی ہر منزل تک ہے۔“

”اس کے علاوہ یہاں بھی ہیں۔“ ”غالباً اس کا زردی میں مقتول کو ہی ہدف بنایا گیا تھا؟“

”ہو سکتا ہے۔ کوئی ایسا شخص جسے مقتول پہلے سے جانتا تھا۔ عمارت میں داخل ہوا اس کے اپارٹمنٹ تک پہنچا اور مقتول نے اسے اندر آنے دیا۔“

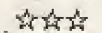
”لیکن وہ ہتھیار کے بغیر آیا تھا؟“ گمنم برگ نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔ ”وہ کس انداز سے آیا تھا۔ اگر اسے قاتل نہیں کرنا تھا تو پھر وہ لابی کے راستے کیوں نہیں آیا؟“

”مجھے نہیں معلوم لیکن اگر کارن ویل اس آدمی کو جانتا تھا تو آنے والے کو یہ بھی معلوم ہوگا کہ چاقو کہاں رکھے ہوئے ہیں۔“

وہ چند لمبے خاموش بیٹھے رہے پھر ریزو بولا۔ ”لگتا ہے کہ اگر قسمت نے ساتھ دیا تو تو یہ ہم معاً جلد حل کر پائیں گے۔“

”بہتر قسمت ہی ہمارا ساتھ دیتی ہے۔“ گمنم برگ نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

”میرا خیال ہے کہ میں کھانا کھا لیتا چاہیے۔“ ”ٹھیک ہے۔ پھر ہم مقتول کے بھائی سے بات کر کے آگے کا لائحہ عمل طے کریں گے۔ کرائم سین کے ریسرچر نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ وہ کل دوپہر تک فارنکس کے بارے میں تفصیلات فراہم کر دے گا۔“



ہیری کارن ویل اپنے دفتر میں اداں اور غزوہ میٹھا ہوا تھا۔ اس نے جواب دینے سے پہلے ایک سرود آہ بھری۔ ”تم سمجھ رہے ہو کہ میرا بھائی ہم جنس پرست تھا۔ ایسی بات نہیں ہے بلکہ وہ حقیقت وہ عورتوں میں بہت مقبول تھا اور اسی وجہ سے اس کی ازدواجی زندگی متاثر ہوئی۔ وہ زندگی سے پیار کرنے والا شخص تھا اور ہر دن کو آخری لمحہ گزر رہا تھا۔“

ریزو نے تھوڑی دیر توقف کرنے کے بعد کہا۔ ”لگتا ہے کہ اس کی آمدنی خاصی مقبول تھی۔ اس کے اپارٹمنٹ کا کرایہ بھی بعض لوگوں کی مورچ کی دو گنی قسط کے برابر ہے۔“ ”ہاں، وہ خاصا خوش حال تھا۔ اس کی کاروباری سوجھ بوجھ بہت اچھی تھی۔ اس کے علاوہ خاصی مقبول سرمایہ کاری بھی کر رہی تھی۔“

”کیا تم اس کے کسی دشمن کو جانتے ہو؟“ ”نہیں، میرے علم میں ایسا کوئی شخص نہیں ہے۔“



”کسی کاروباری دوست یا حریف کے ساتھ اس کا کوئی تنازعہ نہیں تھا؟“

”میرا بھائی تھا کام کرتا تھا۔ اس کا کوئی پارٹنر نہیں تھا اور مدعی اس نے بھی کسی کو اپنے ساتھ شریک کرنا چاہا، کئی سال پہلے اس نے مجھے اپنی کمپنی میں کام کرنے کی پیشکش کی تھی لیکن میرے خیال میں اس نے بھائی ہونے کی وجہ سے رسماً ایسا کیا ہوگا۔ ویسے بھی میری وکالت بہت اچھی چل رہی ہے اور میں اپنے آپ کو بہت اچھا وکیل سمجھتا ہوں۔“ اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”میں بھی بین کی طرح اچھا بزنس مین نہیں ہو سکتا۔“

”گنس برگ نے اپنی نوٹ بک پر سے نظریں اٹھاتے ہوئے کہا۔ ”اس کی سابقہ بیوی کے بارے میں کیا ہو گئے؟ کیا ان دونوں کے درمیان کوئی تنازعہ تھا؟“

”جیہاں، ان کی طلاق کو دس سال ہو چکے ہیں۔ وہ کسی دوسرے مرد کے ساتھ رہ رہی ہے۔ اور بین کے وکیل کی حیثیت سے میں بتا سکتا ہوں کہ اس نے طلاق کے بعد اپنی بیوی کو بڑی فیاضی سے گزلی ہے، رقم ادا کی تھی۔“

”اب تمہارے بھائی کی موت کے بعد وہ کیا کرے گی؟ اس کی انشورنس پالیسی یا وراثت میں اس کا کوئی حصہ جتا ہے؟“

کارن ویل نے کچھ سوچنے کے بعد کہا۔ ”نہیں، میں نے اس کی طلاق اور وصیت کے کاغذات تیار کیے تھے۔ ان کی ایک بیٹی بھی ہے۔ طلاق کے معاہدے کے تحت بین کی سابقہ بیوی کو اپنا بانی بچی ساتھ لے جانے کی اجازت دی گئی تھی۔ اس کے عوض این انشورنس پالیسی سے دستبردار ہو گئی۔ میری بیٹی پتھر اب انیس سال کی ہے اور بین کے زیادہ تر اثاثوں کی وہی وارث ہو گئی۔ وصیت کے مطابق بین کا کاروبار بین کے ساری نقد رقم ایک ٹرسٹ میں جمع کرادوا گیا اور میری بیٹی پچیس سال کی عمر کو پہنچنے کے بعد اس کی حق دار ہو گی جبکہ این کو ٹرسٹ کے فنڈ سے دو سال تک گزراہ الاؤنس ملتا رہے گا۔ اس طرح اگر دیکھا جائے تو بین کے زندہ رہنے میں اس کا فائدہ تھا۔“

ریزو نے کرسی کی پشت سے قلم لگاتے ہوئے کہا۔

”مسٹر کارن ویل۔ ہمارے پاس یہ شبہ کرنے کی معقول وجہ موجود ہے کہ قاتل کوئی ایسا شخص ہے جسے تمہارا بھائی جانتا تھا۔ اس کی سابقہ بیوی اور تمہارے علاوہ اس کا کوئی قریبی رشتہ دار ہے۔“

”تمہارے کزن ہیں اور ایک بچا رہوڈ آئی لینڈ میں

رہتے ہیں۔ اس وقت ان کی عمر کیا نوے سال ہے۔“

”کیا تمہارے بھائی نے کچھ لوگوں کو بھی ملازم رکھا تھا؟“

”ہاں، کمپنی کی ہر شاخ میں ایک مگر اب ہے جو روزمرہ کام دیکھتا ہے لیکن زیادہ تر کام وہ خود کاربڑھتے رہتا ہے۔ ملازمین کی بڑی تعداد ریٹائرڈ لوگوں یا گھریلو خواتین پر مشتمل ہے۔ یہ لائڈ ریڈیاں، ریڈیو، پارک سلوپ، ٹریسنگ کاہر ویسٹ ویج جیسے علاقوں میں واقع ہیں اور جیسا کہ میں نے ان میں زیادہ تر کام خود کاربڑھتے رہے ہوتے۔“

”کیا وہ اپنے کاروبار کو چلانے کے لیے کسی انتظامی کمپنی کو استعمال کرتا تھا؟“

”میرے پاس اس بارے میں تمام کاغذات موجود ہیں۔ میں تمہیں ان کی نقول دے دوں گا۔“

”شک ہے۔ اس کے علاوہ میں اس کی وصیت کا ایک نقل اور اس کی سابقہ بیوی، بیٹی اور کزن کے فون نمبر کم چائیں۔“

”وہ بھی مل جائیں گے۔“

”ایک اور بات۔“ ریزو نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ”تم تمہارے خیال میں کوئی شخص اس قاتل کا مرتکب ہو سکتا ہے۔ تم اس کا کوئی رقیب، کوئی پائل دوست یا کوئی سابق یا موجود ملازم وغیرہ؟“

”نہیں، مجھے انیسویں سے آئیسویں مجھے بالکل بھی اندازہ نہیں کہ میرے بھائی کو کون قتل کر سکتا ہے۔“

ریزو نے مٹی فون رکھا اور کرسی پر گھس کر برگ کا مخاطب کرتے ہوئے بولا۔ ”اگر اس کی سابق بیوی پر بین کو قتل کرنے کا شبہ تھا تو وہ اب ختم ہو گیا ہے۔ اس کی بیوی نے کچھ بتایا، اس کی تصدیق ہو گئی ہے۔ شیک کمپنی کا کہنا ہے کہ جس وقت بین کا قتل ہوا، وہ بحری سفر کے ذریعے اپنا سفر کی دورہ مکمل کر کے فلوریڈا واپس آ رہی تھی اور اس کا بوائے فرینڈ بھی اس کے ساتھ تھا۔“

”گنس برگ نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔ ”ہمیں

پام بیچ کارڈن پولیس کو فون کر کے اس کی گرفتاری کا کہہ دینا چاہیے۔ کیونکہ اس قاتل میں اس کی بیوی کا قاتل ہے۔ اس نے کسی کرائے کے قاتل کی خدمات حاصل کیں اور خود بحری سفر پر روانہ ہو گئی تاکہ کوئی اس پر شبہ نہ کر سکے۔“

”بین کے بھائی کی زبانی تم سن چکے ہو کہ بین کے زندہ رہنے میں اس کی سابقہ بیوی کا فائدہ تھا۔ وہ اگر سو سال بھی

زندہ رہتا تو این کو گزراہ الاؤنس ملتا رہتا لیکن اب دو سال بعد وہ اس سے محروم ہو جائے گی پھر وہ اسے قتل کرنے کی حاجت کیوں کرتی؟“

”اور اس نقد رقم کے بارے میں کیا ہو گئے؟“ گنس برگ نے پوچھا۔ ”جس کے بارے میں اس کی بیوی نے ہمیں بتایا ہے کہ وہ رقم کارن ویل نے اپنے مکان میں کسی جگہ چھپا رکھی تھی۔“

ان سراغ رساؤں سے گفتگو کے دوران سابق مسز کارن ویل نے بین کی ایک پرانی حرکت کا انکشاف کیا۔ ”کسی زمانے میں وہ نقد رقم کا بین دین کیا کرتا تھا۔ وہ اکثر فونوں سے میرا ہواڈیا لے کر گھر آتا اور اسے چھپا دیتا۔ اس طرح اس نے ہزاروں غیر ظاہر شدہ ڈالر گھر کے مختلف حصوں میں رکھے ہوئے تھے۔ جب مجھے طلاق ہوئی تو بین اور اس کے بھائی نے صرف اس کی ظاہر شدہ آمدنی میں سے میرا گزراہ الاؤنس مقرر کیا۔ انہوں نے مجھے زیادہ کم کر دیا کہ میں نے کوئی مزید مطالبہ کیا تو مجھ پر بھی پولیس چوری کا الزام لگ سکتا ہے۔ گوکہ میں بے قصور ہوں۔ اس کے باوجود میں نے خاموشی اختیار کر لی۔“

وہ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولی۔ ”کیا تمہیں اس کے بار بار ٹرسٹ سے وہ ہزاروں ڈالر نہیں ملے، اگر نہیں تو پھر یہ ذہنی کا کیس ہے تاہم شیک تمہارے کسی آفیسر نے ہاتھ کی صفائی نہ دکھائی ہو۔ میں نے سنا ہے کہ کبھی بھی ایسا بھی ہوتا ہے۔“

”گنس برگ نے اسے ٹوکتے ہوئے کہا۔ ”نہیں خاتون، تم غلط سوچ رہی ہو۔ کوئی پولیس والا ایسی حرکت نہیں کر سکتا۔“

ریزو نے کچھ دیر سوچنے کے بعد کہا۔ ”میں ایک بار پھر بار ٹرسٹ جا کر دہاں کا جائزہ لینا چاہیے۔ اگر وہ اب بھی ناجائز رقم چھپایا کرتا تھا تو اس نے اس کے لیے کوئی بہتر بندوبست کیا ہوگا مثلاً کوئی خفیہ سیف یا ایسی ہی کوئی اور چیز۔“

”ہاں جوئے۔“ گنس برگ نے اس سے اتفاق کرتے ہوئے کہا۔ ”ممکن ہے کہ اس نے اپنی کتابوں کی الباری میں کوئی خفیہ خانہ بنا رکھا ہو۔“

اسی وقت انجیلا براؤن کمرے میں داخل ہوئی اور جوئے کے برابر والی کرسی پر بیٹھ گئی۔ اس نے باری باری دونوں سراغ رساؤں کی طرف دیکھا اور کچھ کاغذات کی نقول ریزو کی میز پر رکھ دیں۔

”یہ پڑھیں گے حاصل کردہ معلومات ہیں۔ ان سے پتا چلتا ہے کہ کارن ویل اپنے علاقے میں بہت مقبول

تھا۔ عورتیں اسے پسند کرتی تھیں اور مرد اس جیسا بننا چاہتے تھے۔“

ریزو منہ بتاتے ہوئے بولا۔ ”کیا اس میں کوئی کام کی بات ہے؟“

”نہیں، دراصل کسی نے کچھ نہیں دیکھا اور کوئی بھی اس بارے میں کچھ بتانے سے قاصر ہے۔“

”کیا تمہاری نظر میں کوئی ایسا شخص ہے جس سے میں بات کرنے کی ضرورت ہے؟“ ریزو نے پوچھا۔

”اس منزل پر دوڑ کر اسے اور خواتین ہیں۔ ان میں سے ایک ہال کی دوسری جانب اور دوسری برابر میں رہتی ہے۔ ایک خاتون اتنی برس اور دوسری پچھتر سال کی ہے۔ اس دوسری عورت نے مجھے بتایا کہ وہ بھی مجرموں کی سہاگنی ہوا کرتی تھی اور اسے ہتھیار چلانا آتے ہیں۔ وہ دونوں خواتین جن کو بہت چاہتی تھیں۔ یہاں تک کہ وہ اس کے لیے کھانا بناتیں، کیک تیار کرتیں اور اس کی ہر طرح خاطر مدارات کرتیں۔ اس کے عوض وہ کام سے واپس آتے ہوئے ان کے پاس رک کر ایک کپ کافی پیتا اور ان کی شہریت و ریافت کرتا لیکن ان تینوں کو کبھی ایک ساتھ نہیں دیکھا گیا۔ وہ ایک وقت میں کسی ایک کے ساتھ ہی نظر آتا۔ یہاں تک کہ وہ ڈنر پر بھی ان کے ساتھ الگ الگ جاتا۔“

”اس میں کیا حکمت تھی؟“ گنس برگ نے پوچھا۔

انجیلا نے اپنا بازو اوپر اٹھاتے ہوئے کہا۔ ”تم عورت کی نفسیات نہیں جانتے، وہ کسی دوسری عورت کا وجود برداشت نہیں کر سکتی۔ میرا خیال ہے کہ ان دونوں عورتوں کی بچی خواہش ہو گی کہ وہ بین کی ہم عمر یا اس سے چند سال چھوٹی ہوں۔“

”کیا تم سمجھتی ہو کہ ان انٹرویوز سے کچھ فائدہ ہوا؟“

ریزو نے پوچھا۔

وہ کندھے اچکاتے ہوئے بولی۔ ”میں نے صرف ابتدائی گفتگو کی ہے۔ اس عمارت میں کبھی دو عورتیں کارن ویل کی عادات اور اس کے آنے جانے کے اوقات سے واقف تھیں۔ اس لیے میں سمجھتی ہوں کہ ان سے ملنا سودمند رہا۔ تمہیں پہلے ریٹ سے بات کرنی چاہیے۔“

ریزو کے فون کی گھنٹی بجی۔ اس نے فون اٹھایا۔ ”ہیلو! میں ریزو ویل رہا ہوں۔“ دوسری طرف سے جو کچھ کہا گیا اسے سن کر اس کے چہرے پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔ اس نے کہا۔ ”شکریہ دیکھیں اگر یہ سراغ کار آمد ہوا تو میری طرف سے ڈنر پکا۔“

جاسوسی ڈائجسٹ 71 نومبر 2018ء

جاسوسی ڈائجسٹ 70 نومبر 2018ء

https://reading.caret.fun.net for more digests and novels



”کیا کہہ رہا تھا؟“ محسن برگ نے پوچھا۔  
 ”مگر افسوس سے۔ رحمن کا قانون تھا۔ وہیں ایک سرائے ملا  
 ہے۔ وہ ہمیں ٹیکس کر رہے ہیں۔ مقتول کے بچن میں  
 رنج و غصہ خطر کے قریب رکھے ہوئے چاقوؤں کے ہلاک کے  
 ارد گرد کاؤنٹر پر لکھنوں کے نشانات لگے ہیں۔ یہ نشانات ایک  
 سابق مجرم مورے شوہر کے ہیں جو نو سال کی سزا پوری کرنے  
 کے بعد جیلوں پر رہا ہوا اور اس نے کامیابی سے یہ مدت بھی  
 پوری کر لی ہے۔ اب وہ ایک پرندے کے مانند آزاد ہے۔  
 ان دنوں اس کی رہائش کناری میں ہے۔“  
 ”اس کا بھرماتہ رکھارڈ کیسا ہے؟“ محسن برگ نے  
 پوچھا۔

والا تھا۔ تم اتنی جلدی کیسے آگئے؟“  
 ”اندر جل کر بات کرتے ہیں۔ میرا نام ریزو اور یہ میرا  
 ساتھی کنس برگ ہے۔“  
 وہ انہیں ایک چھوٹے سے لیوگ روم میں لے گیا اور  
 انہیں کرسیوں پر بیٹھنے کا اشارہ کیا، وہ خود ایک کاؤچ پر  
 برائمان ہو گیا۔  
 ریزو نے گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے کہا۔ ”تم نے یہ  
 کیسے اندازہ لگا لیا کہ ہم یہاں آئیں گے اور اس سے پہلے شاید  
 تمہیں اپنے سابق ہیرو ل آفسر کوفون کرنے کی ضرورت پیش  
 آجائے؟“

نے رات بھر گزاری اور صبح نو بجے کے قریب چلی گئی۔ پھر  
میں نے لباس تبدیل کیا اور کام پر چلا گیا۔ میری ذیولٹی صبح  
سکھانے کے تمام اٹھ بجے تک ہوتی ہے۔  
”کیا تمہاری گرل فرینڈ اس کی تصدیق کرے گی؟“  
”ہاں، تم ابھی اس سے فون کر کے پوچھ سکتے ہو تاکہ  
بعد میں یہ نہ کہہ سکو کہ میں نے اسے سکھایا تھا۔ میں اس کا نمبر  
ذکر کرتا ہوں، تم اس سے بات کر لو۔“  
ریڈز مسکراتے ہوئے بولا۔ ”رہنے دو دوسرے، یہ ہمارا  
پہلا کیس نہیں ہے، اگر تم نے جانے دو سے اپنی غیر موجودگی  
تائید کرنا چاہی تو وہ تمہیں پہلے ہی کر چکے ہوں۔“

لحہ بھر سوچنے کے بعد ریزو بولا۔ ”ٹھیک ہے سورے۔ کمار اسے بات کراؤ۔“

☆☆☆

دو دن بعد ریزو اور گنسر برگ، اسکوفا کمانڈر لیفٹیننٹ ونس ڈی ائینو کے کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اس کی آنکھوں سے سردی چھڑی جھلک رہی تھی اور وہ مطمئن نہیں دکھائی دے رہا تھا۔ ”اس کل کے حوالے سے اخبارات کا کچھ بچ ہوتا جا رہا ہے اور وہ پولیس پر کتہ چینی کر رہے ہیں اور مجھے روزانہ فون کا لازموصل ہو رہی ہیں۔ اس معاملے میں تیزی سے دیکھانے کی ضرورت ہے۔“

جاسوسی ڈائجسٹ ﴿ 73 ﴾ نومبر 2018ء



کلیئر ہیں۔“

”اور وہ مزایا قیدی؟“

”مخمس برگ بولا۔“ اس کے بارے میں یقین سے نہیں کہا جاسکتا۔ شاید وہ بھی کلیئر ہو جائے۔ اس نے جانے دو کہ سے اپنی عدم موجودگی کا ثبوت دے دیا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ اس وقت وہ اپنی کرل فرینڈ کے ساتھ اپنے اپارٹمنٹ میں تھا۔“

”کیا نام ہے اس کی کرل فرینڈ کا؟ شاید کلارا۔ کیا وہ ٹھیک کہہ رہی ہے؟“

”ٹیلی فون پر ہونے والی گفتگو سے تو یہی اندازہ ہوتا ہے۔“

”اتو میو نے انہیں گھورتے ہوئے کہا۔“ کیا تم نے اس سے بالمشافہا قاتل نہیں کی۔“

”ابھی نہیں، ہم اس سے ضرور ملیں گے۔“ ریزو نے کہا۔ ”پہلے ہم کارن ویل کی دونوں پڑوسوں سے ملنا چاہ رہے ہیں۔“

”ٹھیک ہے۔ تم آج ہی ان دونوں عورتوں اور اس بد معاش کی کرل فرینڈ سے مل لو۔“

☆☆☆

ریٹا سورا کی عمر چوتھریس تھی لیکن دیکھنے میں وہ پچاس کے قریب لگتی تھی۔ گوکہ سچ کا وقت تھا لیکن وہ مخمس تراش کے پیٹ سوٹ میں بیٹھ گئی۔ اس کی انگوٹھوں اور کلاہوں میں جیولری چمک رہی تھی اور معمولی سیٹ چہرے پر میک اپ کیا گیا تھا۔ ریزو کو یوں لگا جیسے وقت کچھ پیچھے چلا گیا ہے۔ اس نے آرام سے لیوینگ روم پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ ”ابھی جگہ ہے مسز ریٹا۔“

”میں مسز نہیں سن ہوں۔ تم مجھے ریٹا کہہ سکتے ہو۔ میں بھی تم دونوں کو جوئے اور مارک کہہ کر مخاطب کروں گی اور اگر نہیں اس پر کوئی اعتراض ہے تو تم اسی وقت میرے کمرے جا سکتے ہو۔“ پھر وہ مسکراتے ہوئے بولی۔ ”لیکن میں چاہوں گی کہ تم کچھ دیر کو کیونکہ تم دیکھنے میں اتنے بڑے نہیں اور دوسرے پولیس والوں سے مختلف ہو۔“

”ٹھیک ہے ریٹا۔ جیسا تم کہو۔“ ریزو نے کہا۔ ”تمہیں معلوم ہے کہ ہم یہاں کیوں آئے ہیں؟“

”ہاں، یہ معلوم کرنے کے لیے کہ بے چارے ٹین کو کس نے مارا۔“ اس نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ”اتنے اچھے علاقے میں یہ وارنٹ نہیں ہونی چاہیے تھی۔“ اس نے سرد آہ بھرتے ہوئے کہا۔ ”بھی بھی سوچتی ہوں کہ میں ہی مخمس

ہوں۔“

”وہ کیوں؟“

”دیکھو، میں تم سے کچھ نہیں چھپاؤں گی۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ مجھے جیسی عورت اتنی بھگی جگہ پر روکتی ہے۔ کیا تم نے بھی نوئی چائنگ کو کا نام سنا ہے؟“

”ہاں، کسی زمانے میں وہ کافی مشہور تھا۔ غالباً وہ بوڑھے لوگوں کو شوق کے ذریعے متحرک دلاتا تھا۔“

”ہم دونوں ایک طویل عرصے تک ساتھ رہے لیکن اس نے شادی نہیں کی۔ جب اینڈریا ڈور یا سمندر میں ڈوبا تو وہ بھی اس پر سوار تھا۔ اس کی تمام دولت میرے جیسے میں آئی۔ کیونکہ اس کا کوئی قریبی رشتہ دار نہیں تھا اور نہ ہی اس نے کوئی وصیت کی تھی۔ اس کے علاوہ مجھے مشل سیکورٹی سے بھی ماہانہ رقم ملتی ہے۔ اسی لیے میری گزربسرا اچھی طرح ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد بھی میری کئی مردوں سے دوستی رہی۔“

”اور وہ مخمس ہونے والی بات؟“ بنس برگ نے پوچھا۔

”رینا نے ہلکا سا قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ ”میں نے جس مرد کے ساتھ وقت گزارا وہ کچھ عرصے بعد مر گیا۔ گولی مار دی تھی، چاقو وارد کیا یا اسے کوئی حادثہ پیش آگیا اور اب اس بے چارے کی قبر کی سرمت واقع ہو گئی۔ وہ مجھے ایک یا دو مرتبہ ڈنر پر لے گیا تھا کہ کسی نے اسے بھی مار ڈالا۔“ وہ اپنا سر ہلاتے ہوئے بولی۔ ”دراستی میں مخمس ہوں۔“

”تم دونوں میں کس نوعیت کا تعلق تھا؟“ ریزو نے پوچھا۔

”ٹین کو میری جوانی کے تھے سننے میں مزہ آتا تھا۔ اس کے عوض وہ مجھے مٹھی دیا کرتا۔ وہ میرا بہت احترام کرتا تھا۔“ وہ مسکراتے ہوئے بولی۔ ”میں جانتی ہوں کہ پولیس کے سوچنے کا انداز کیا ہے۔ لہذا تم ایسی بات ذہن سے نکال دو۔ میں بوڑھی ہو چکی ہوں۔ اگر ٹین مجھے چالیس سال پہلے لے جاتا تو معاملہ مختلف ہوتا۔ وہ خوش شکل، دولت مند اور شاہ خرچ تھا اور مجھے ایسے ہی مرداواھے لگتے تھے۔“

”کیا تم کسی ایسے آدمی کے بارے میں جانتی ہو جو اس کے پیچھے لگا ہوا تھا؟“

”نہیں، وہ اپنے بارے میں کم اور میرے بارے میں زیادہ باتیں کرتا تھا۔“ رینا مسکراتے ہوئے بولی۔ ”مجھے مردوں کی یہ غول بھی پسند ہے۔“

”اس کی سادہ بیوی نے ہمیں بتایا ہے کہ ٹین نے بہت بڑی رقم اپنے گھر میں چھپا رکھی تھی جو آٹھ لکھ میں بھی

غائب نہیں کی گئی۔ کیا کبھی اس نے تمہارے سامنے اس کا ذکر کیا؟“

”ہاں، ٹین نے مجھے اس بارے میں بتایا تھا۔ مجھے اس پر کوئی حیرت نہیں ہوئی اگر اس نے روزمرہ اخراجات کے لیے چالیس پچاس ہزار ڈالر گھر میں رکھے ہوتے تھے۔ وہ ہر جگہ نقد ادائیگی کیا کرتا اور پرانے زمانے کے بد معاشوں کی طرح اپنی جیب میں نوٹوں کی موٹی گڈی رکھتا تھا۔“

”کیا تم نے بھی کسی اور کے سامنے اس رقم کا تذکرہ کیا؟“

”نہیں، ٹین نے بھی مجھے سختی سے منع کر رکھا تھا اور یہ کوئی پھلدار نہیں تھا۔ میں اس کی بہت سی باتیں جانتی تھی۔“

اس نے لمحہ بھر توقف کیا پھر بولی۔ ”لیکن اب مجھے خیال آ رہا ہے کہ شاید میں نے کیرن کو یہ بات بتائی تھی۔“

”کیرن؟“ ریزو نے پوچھا۔ ”کون کیرن؟“

”ٹین کی زندگی میں آنے والی دوسری بوڑھی عورت کیرن دیناگ۔ وہ سامنے والے اپارٹمنٹ میں رہتی ہے۔ میں بتا چکی ہوں کہ ٹین اور میرے درمیان ایک خاص تعلق تھا۔ میں اسے پرانے دنوں کی کہانیاں سناتی اور وہ بھی کبھی میرے پاس بیٹھ کر باتیں کرتا یا مجھے ڈنر پر لے جاتا۔ جبکہ کیرن بھی کبھی ٹین اس پر فریفت ہو گیا ہے۔ وہ اس کے لیے کک اور بسٹ بناتی، اس کی انہیں کے بن چائیں اور اس کے لیے مزے مزے کے کھانے بناتی جو وہ ساتھ بیٹھ کر کھاتے لہذا میں نے بھی اسے رقم کے بارے میں بتایا تاکہ اسے معلوم ہو جائے کہ میں اس پر زیادہ بھروسہ کرتا ہے۔“

رینا نے باری باری دونوں کو دیکھا اور مسکراتے ہوئے بولی۔ ”دیکھو جوئے۔ میں بوڑھی ضرور ہو گئی ہوں لیکن اب بھی کہنے پن سے باز نہیں آتی۔“ پھر قہقہہ لگاتے ہوئے بولی۔ ”شاید یہ میرے خون میں شامل ہے، کیا تم لوگ کچھ پینا چنند کرو گے؟“

☆☆☆

ایک ایسی سالہ کیرن دیناگ پینا فونچ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے اپنے سامنے پیچھے ہوئے سراغ رسالوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ”استہلالی شرم کی بات ہے۔ ٹین بہت ہی پیارا شخص تھا۔“

”ہم بھی کبھی سن رہے ہیں۔“ ریزو نے کہا۔ ”ہمیں تمہارے دکھ کا اندازہ ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ تم اور مسز کلارن دین بہت قریب تھے۔“

”ہاں، میں نے یہی بات اس خاتون سراغ رسالوں کو

بھی بتائی تھی۔ وہ میرے لیے پیچھے جیسا تھا۔“ اس کے چہرے پر چھائی اداسی اور گری ہو گئی۔ ”لیکن میں اسے اپنا بیٹا ہی سمجھتی تھی کیونکہ میری اپنی کوئی اولاد نہیں ہے۔“

”کیا اس نے تم سے کبھی اپنے کسی مسئلے کے بارے میں کچھ کہا؟“ ٹین نے کہا۔ ”اسے پریشان کر رہا ہوں؟“

”نہیں، ابھی نہیں۔ پر کوئی اسے چاہتا تھا۔“

”ہمیں معلوم ہوا ہے کہ وہ تو بڑا بہت عورتوں کا رسیا تھا۔ ممکن ہے کہ اس کے کسی شادی شدہ یا کسی ایسی عورت سے تعلقات ہوں جس کا بوائے فرینڈ بھی ہو اور اس کے رقیب نے۔“

وہ ٹی میں سر ہلاتے ہوئے بولی۔ ”میں برسوں سے اسے اور اس کی تمام کرل فرینڈز کو جانتی تھی۔ وہ عیاں نہیں تھا اور ایک وقت میں ایک ہی عورت سے تعلقات رکھتا تھا۔ ان میں سے کوئی بھی شادی شدہ نہیں تھی۔ اگر ایسی کوئی بات ہوتی مجھے ضرور معلوم ہوتا۔ جیسا کہ میں پہلے بتا چکی ہوں کہ وہ میرے لیے بیٹوں جیسا تھا۔“

”ہمارے پاس یہ یقین کرنے کی محفول وچہ موجود ہے کہ اس نے اپنے گھر میں بہت بڑی رقم رکھی ہوگی۔“ ریزو نے کہا۔ ”اور مسز ریٹا کا کہنا ہے کہ اس نے ہمیں اس رقم کے بارے میں بتایا تھا۔ کیا تمہیں یہ بات یاد ہے؟“

کیرن نے لمحہ بھر سوچنے کے بعد کہا۔ ”ہاں مجھے یاد ہے لیکن تم اس عورت کی ہر بات پر یقین نہیں کر سکتے۔ وہ کہانیاں گھڑنے میں ماہر ہے۔ میں اور ٹین اکثر اس کی خرتوں پر ہنسا کرتے تھے۔“

”لیکن یہ سچ ہے۔ کیا اس نے تمہیں رقم کے بارے میں نہیں بتایا تھا؟“

”ہاں، لیکن میں نے کبھی ٹین سے اس کا تذکرہ نہیں کیا۔ اس سے اسے شرمندگی ہوتی۔ وہ بہت ہی شاکستہ انسان تھا۔“

”کیا تم نے کبھی کسی اور سے اس رقم کا تذکرہ کیا؟“

اس نے لمحہ بھر سوچنے کے بعد جواب دیا۔ ”نہیں، یہ کوئی عمل منفرد نہیں ہونی کہ میں کسی اچھی کو اس رقم کے بارے میں بتاؤں۔ میں نے کسی کو یہ بات نہیں بتائی۔“

”تمہیں اس کا پورا یقین ہے؟“ ریزو نے اس سے انگوٹھ کے لیے کہا۔

”ہاں، میں یقین سے کہہ سکتی ہوں۔ میں نے صرف اپنی ٹھیک کلا راکو یہ بات بتائی تھی۔“

ریزو اور مخمس برگ نے ایک دوسرے کی طرف



English

POWER OF  
11  
HERBS  
FOR  
HEALTHY MOUTH



دانتوں کی Problems  
کا Herbal Solution



A Gentle Process of  
Sarwana & Sohrehim  
Pakistan

English toothpaste @SnScore

پہلے بھی کام کے سلسلے میں اس کے یہاں آچکا تھا۔ اس لیے اسے معلوم تھا کہ وہ گھر پر کس وقت ملے گا۔

”وہ کارن ویل کی موجودی میں ہی کیوں آتا چاہ رہا تھا۔ اگر اسے ریم چوری کرنا تھی تو وہ بہ آسانی خالی گھر میں بھی نقب لگا سکتا تھا؟ اس لئے نہ چھا۔“

”اس کی پڑوسن کو معلوم نہیں تھا کہ کارن ویل نے ریم کہاں چھپائی ہے۔ کسی سیف میں یا دیوار کے کسی خفیہ خانے میں۔ شور کے لیے گھر میں اس کی موجودی ضروری تھی کیونکہ صرف وہی بتا سکتا تھا کہ اس نے ریم کہاں چھپائی ہے اور اگر ضرورت پڑی تو اس سے سیف کا تالا کھولنے کے لیے بھی کہا جاسکتا تھا۔ اس کے علاوہ شور کو اپنی گرل فرینڈ کلارا سے یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ وہ دونوں پورے عورتیں کارن ویل کی غیر موجودی میں بھی ہال پر نظر رکھتی ہیں۔ لہذا وہ اس کے دروازے کا تالا کھولنے کا خطرہ سہل نہیں لے سکتا تھا۔“

”گویا شور اسے قتل کرنے کے ارادے سے کیا تھا؟“

”ہاں، اس کی مجبوری تھی کیونکہ کارن ویل اسے جانتا تھا کہ وہ کارن ویل کی نشاندہی پر گرفتار ہو سکتا تھا۔ اس لیے جیل جانے سے بچنے کے لیے کچھ بھی کر سکتا تھا اور اس نے ایسا ہی کیا۔“

”لہذا خوف فرج دیکھنے کے یہاں اس کے گھر کیا اور کارن ویل نے اس کے لیے دروازہ کھول دیا۔ وہ بغاہر فرج کی طرف بڑھا لیکن اس کی نظر برابر میں رکھے ہوئے چاقوؤں اور چھریوں پر پڑی۔ اس نے دستاں نہیں بہن رکھے تھے۔ اس لیے نادانستی میں انہیوں کے نشان وہاں چھوڑ دیے۔ خاتمہ ایک روز قبل شام سات بجے صفائی کر کے کئی گھی اور جب ہم صبح دس بجے وہاں پہنچے تو اس کی انہیوں کے نشانات وہاں موجود تھے۔ ممکن ہے کہ چاقو کاؤنٹر پر ہی پڑا ہوا ہو اور اسے اٹھاتے وقت شور کا ہاتھ کاؤنٹر پر لگ گیا ہو۔ اس کے بعد اس نے کارن ویل کو مجبور کیا کہ وہ ریم اس کے حوالے کر دے اور پھر اسے قتل کر دیا۔“

”تمہارا خیال ہے کہ اسے جیل دروازے کا تالا کھولنے میں کوئی مشکل پیش نہیں آئی ہوگی؟“

”وہ عادی بخرم ہے اور اس کے لیے یہ کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ اس نے تالا کھولنے کے بعد اچھی طرح صاف کر دیا تھا تا کہ اس کی انہیوں کے نشانات نہ رہیں لیکن اپارٹمنٹ میں اس سے بے پروائی ہوئی اور ہمیں اس کی انہیوں کے نشانات مل گئے لیکن اس نے یہ کہہ کر جانے وقوعہ سے اپنی غیر

دیکھا۔ کلارا کے ہم پردوں کے کان کھڑے ہو گئے۔

☆☆☆

”میری تم نے اپنے بیان میں کہا ہے کہ تم مسٹر کارن ویل کے قتل سے ایک دن پہلے شام کے وقت اس کے اپارٹمنٹ میں گئی تھیں؟“

”نوجوان عورت نے اشارات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

”ہاں، ہم باؤس میڈ آفس سے چیک کر سکتے ہو۔ ان کے پاس میرا پورہ ریکارڈ ہے جس میں کام کی نوعیت، وقت، تاریخ، مقام اور میں نے کتنی دیر میں وہ کام مکمل کیا، اس کی تفصیل موجود ہے۔“

”تمس برگ نے اس عورت کو مخاطب کر کے کہا۔“ اور تم نے یقیناً اس روز جگن کاؤنٹرنگی صاف کیا ہوگا؟“

”بالکل وہ ریفریجریٹر کے برابر میں ہے اور سارا کام اسی پر ہوتا ہے اس لیے اس کی صفائی ضروری ہے۔ میں نے اسے ٹاپ جیل سے دھویا پھر اس پر پالش لگائی۔ مسٹر کارن ویل نے مجھے اس کا اضافی معاوضہ دیا۔ انہیں گریڈیٹ کی چمک بہت پسند تھی۔“

ریزو نے اپنے ہاتھ میں پکڑے ہوئے پرنسٹن پاپائرس کے ریفریجریٹر پر نظر ڈالی۔ سوہنے شور نے آخری بار کارن ویل کے فرج کی سردیوں اس کے قتل سے چند دن پہلے کی تھی۔“

”میری، کیا یہ ممکن ہے کہ کاؤنٹر ٹاپ پر انہیوں کے نشانات چند دن تک رہ سکیں؟“

وہ عورت منہ ہاتے ہوئے بولی۔ ”بالکل نہیں۔ میں نے گزشتہ دو ہفتوں کے دوران تین مرتبہ اس اپارٹمنٹ کی صفائی کی تھی۔ میں زیادہ تو نہیں جانتی لیکن انہیوں کے نشانات کے بارے میں بہت کچھ معلوم ہے۔ آج کل ہر گھر میں اسٹیل کے برتن اور خوب صورت کاؤنٹر ہوتے ہیں اور ان پر انہیوں کے نشانات واضح طور پر نظر آتے ہیں۔ میں نے اس کاؤنٹر کی اچھی طرح صفائی اور پالش کی تھی۔ اس لیے وہاں انہیوں کے نشانات نظر آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔“

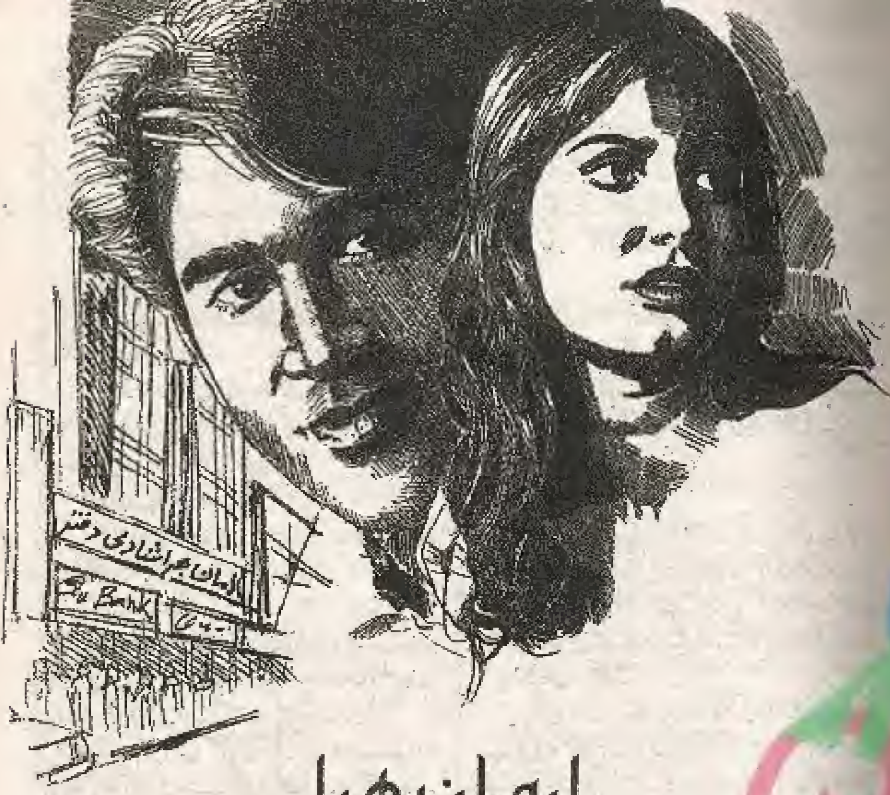
☆☆☆

ریزو اور تھمس برگ، معاون ڈسٹرکٹ انٹاری جو جیٹا اساتر کے ہمراہ انٹرویو کے دفتر میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اساتر نے کہا۔ ”اب ہم ترتیب سے تمام باتوں کا جائزہ لیتے ہیں۔ جو سے شروع ہو جائے۔“

جوس نے اپنی لوٹ کھولی اور پڑھنا شروع کیا۔

”مقتول مورے شور کو ایک منٹیک کے طور پر جانتا تھا اور شور





## ارمان بھرا

منظر امام

شادی کا ارمان ہر دل میں بسا ہوتا ہے... کوئی بھی اس سے دستبردار ہونا پسند نہیں کرتا... وہ بھی پیمان محبت اور وجدان دل کی کشش کو محسوس کر رہا تھا... اور اپنے اس جذبہ کو کبھی صورت قربان نہیں کرنا چاہتا تھا... مگر ہر بار کوئی نہ کوئی بہانہ اس کے ارمانوں پر اس ڈال جاتا تھا...

گفتہ انداز میں دل و فکر کو منظر کر دینے والی سونات

لڑکی والے میرے گھر آ رہے تھے۔ میں نے اپنی شادی کے لیے کسی اخبار میں اشتہار تو لگایا دیا... پھر بھی مجھے کی ایک خاتون نے میرا رشتہ لگوادیا تھا۔ وہ میرے پڑوس میں رہتی تھیں اور میری ہمدردی تھیں۔

وہ مجھے دیکھا کرتیں کہ میں اکیلا رہتا ہوں اور کھانا ہوش سے نہ کراتا ہوں۔ تو ان کو مجھ سے ہمدردی ہی ہو گئی۔

اس سازش میں شریک تھی؟" اسالو نے پوچھا۔  
"نہیں، اس پر شک کرنے کی کوئی بنیاد نہیں ہے۔ ہم نے چیک کر لیا ہے۔ وہ پڑوسی گھس، مہذب اور خوش حال عورت ہے۔"

"اوکے" انھوں نے کہا۔ "میں تم دونوں کی کوششوں کو سراہتا ہوں۔ اب تم صرف اس عورت کو گرفتار کرو جبکہ اس گورنر کو پکڑنے کے لیے میں باوردی پولیس والوں کو بھیجوں گا۔ میں نہیں چاہتا کہ تم دونوں کو کوئی نقصان پہنچے۔"

"تمہاری بڑی مہربانی باس" کریزو نے کہا۔  
انھوں نے مسکراتے ہوئے بولا۔ "پہلے مجھے اپنی بات پوری کرنے دو۔ میں انجیلا کو وارنٹ لینے کے لیے عدالت بھیج رہا ہوں۔ اس کے آنے تک تم کافی اور وارنٹ سے دل بھلاؤ۔"

☆☆☆

تین دن بعد کریزو اس بوڑھی عورت ریٹا موراکے پاس بیٹھا اسے کس کی تفصیل بتا رہا تھا۔ "میں اور مارک تمہارے احسان مند ہیں۔ تم نے ہمیں اس حقیقت سے آگاہ کیا کہ کارن ویل کے پاس فقیر رقم کی موجودگی انہیں ہے۔ اسے بنیاد بنا کر ہم کیرن کی بیٹی کلارا تک پہنچے جس کے اپارٹمنٹ سے وہ رقم برآمد ہوئی۔ یہاں سے ہزار ہا روپے ڈالر چھوٹے ٹونوں کی شکل میں۔"

"اور میں اپنے دوست سے بھی محروم ہو گئی۔" ریٹا نے افسوس کرتے ہوئے کہا۔

"اگر تم بتاؤ تو ہم بھی اس رقم کے بارے میں نہ جان پاتے۔"

ریٹا نے بیویں اچکاتے ہوئے کہا۔ "تمہیں یہ خیال نہیں آیا کہ میں بین کی موت کی ذمہ دار ہوں کیونکہ میں نے کیرن کو اس رقم کے بارے میں بتایا تھا۔"

"نہیں بالکل نہیں۔ ایک نہ ایک دن وہ اسے خود بتا دیتا۔"

"بے چارہ بین، اسی لیے کہتے ہیں کہ اپنا اندر کسی کو نہ دے، ہر حال میں اسے بہت یاد کروں گی۔"

کریزو نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ تھام لیا اور بولا۔ "ہم اس کی تو پوری نہیں کر سکتے لیکن ہم دونوں میں سے جس کو بھی وقت ملا، وہ تمہاری جوانی کے قصے سننے ضرور آئے گا۔ ہم تمہارے احسان کا بدلہ اسی طرح اتار سکتے ہیں۔"

ریٹا کی آنکھیں نم ہو گئیں۔ وہ اس کا ہاتھ جمتے ہوئے بولی۔ "مجھے یقین ہے کہ تم اپنی بات پر قائم رہو گے۔"

موجودگی... ظاہر کرنے کی کوشش کی کہ وہ اس وقت اپنے اپارٹمنٹ میں گرل فرینڈ کلارا کے ساتھ تھا۔  
"پھر تم اس تک کس طرح پہنچے؟"

"ہمیں کلارا کے ذریعے اس تک پہنچنے کا راستہ ملا۔ اس بوڑھی عورت کیرن نے اپنی بیٹی کلارا کو رقم کے بارے میں بتا دیا۔ اس نے یہ بات اپنے ہوائے فرینڈ مورے کو بتائی تو اس کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ میں اسے جانتا ہوں، اس نے کیا ہو گا کہ مجھے اس کے گھر میں داخل ہونے کا طریقہ معلوم ہے۔"

"اور کچھ؟"

"ہم نے کلارا کے معاملے میں تھوڑی سی چھان بین کی ہے کہ وہ کوئی بوٹی پارکر کی طرح اپنے ہوائے فرینڈ کے جرائم میں شریک نہیں لیکن اسے نظر انداز بھی نہیں کیا جاسکتا۔ ان دونوں کے اکاؤنٹ میں چند سو ڈالر موجود ہیں۔ اگر ہم ان کے اپارٹمنٹ کی تلاشی کریں تو میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ ہمیں وہاں سے بھاری رقم ملے گی۔"

"اس کے علاوہ" گنس برگ نے کہا شروع کیا۔  
"جب ہماری شہر سے بات ہوئی تو اس نے گھڑی اور انگوٹھیاں مانگی ہوئی تھیں۔ جب آپ کسی شخص پر چاقو سے بارہ وار کرتے ہیں تو لازماً اس کے خون کے پھینے آپ پر آئیں گے۔ ممکن ہے کہ اس نے اپنے پڑوسے گنس بیک دیے ہوں لیکن یہ دونوں چیزیں اس کے پاس موجود ہیں۔ اگر انہیں قفسے میں لے کر لیبارٹری بھیجا جائے تو ان پر کارن ویل کے خون کے نشانات نظر آجائیں گے۔"

اسالو نے کرسی کی پشت سے ٹپک لگاتے ہوئے کہا۔  
"لگتا ہے کہ ہم ابھی تک اگر گنس ہی چھینے ہوئے ہیں؟"

"جلد بازی میں معاملہ بگڑ سکتا ہے۔" گنس برگ بولا۔  
"ہمیں احتیاط سے ان پر ہاتھ ڈالنا ہو گا۔"

اسالو نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ "ٹھیک ہے۔ ہم پہلے کلارا سے شروع کرتے ہیں۔ اسے ڈراؤ کہ وہ بھی اس کل میں شریک جرم ہے اور اسے عفریقہ کی سزا ہو سکتی ہے پھر دیکھو کہ اس کا رویہ کیا کہتا ہے۔"

"اس سے ہمیں یہ فائدہ ہو گا کہ وہ اپنی گواہی سے سکر جائے گی اور شوکر کا چھوٹ محل جائے گا۔" کریزو بولا۔

"ٹھیک ہے۔" انھوں نے کہا۔ "ہم ان دونوں کو ایک ساتھ اٹھا لیتے ہیں۔ انہیں پولیس اسٹیشن لے جا کر ایک دوسرے کی جھگڑا دکھاؤ اور اس کے بعد مختلف کمروں میں دھکیل دو۔ دیکھتے ہیں کہ پہلے کون زبان کھولتا ہے۔"

"کیرن کے بارے میں کیا کہتے ہو کریزو؟ کیا وہ بھی



## قابل شرم

نئی نوٹی دلہن کو اپنے شوہر سے محبت تو بہت تھی لیکن اسے یہ بات کچھ زیادہ اچھی نہیں معلوم ہوتی تھی کہ ہر جگہ اسے سرکار میاں کی دہائی کہا جائے۔

ایک روز اس نے شوہر کے دفتر میں اپارٹمنٹ کے کرائے کے لیے نوٹ کیا۔ اتفاق سے شوہر موجود نہیں تھا۔ فون دفتر کے پوزے پر سٹنڈنٹ نے وصول کیا۔

پوری بات سن کر اس نے کہا: ”اگر میرا خیال غلط نہیں ہے تو مجھے سرکار میاں کی دہائی سے گفتگو کا شرف حاصل ہو رہا ہے۔“

نئی نوٹی دلہن نے جھڑک کر کہا: ”میرا نام افروزہ ہے۔“ اور نوٹ رکھ دیا۔

سرکار میاں دفتر واپس آئے تو اسے میز پر ہر سٹنڈنٹ کے ہاتھ کا پرچہ رکھا ہوا ملا۔ لکھا تھا۔

”کسی افروزہ نے تمہیں اپارٹمنٹ کا کرایہ ادا کرنے کے لیے فون کیا تھا، کتنی شرم کی بات ہے تم کو جنہیں اچھا آدمی سمجھتا تھا۔“

## بھائی بند

ہم یہ تو نہیں کہتے کہ کسی پولیس والے ایسے ہوتے ہیں لیکن کسی بھی ایسی دیکھا ہے کہ کسی پولیس والے کی کسی دوسرے پولیس والے سے شکایت کی جائے تو وہ سوکھا سا منہ بنا کر کہتا ہے: ”یہ تو اپنا ہی بھائی ہے، میرے بھائی۔“

میاں نوشاہی نے شاہی چھوڑ کر ایک چھوٹا سا دفتر قائم کر لیا۔ جہاں رات دن تاش ہوتے اور سکرپٹ بے سکرپٹ لپی جاتی۔ بھوک لگی تو میاں نوشاہی کو ناشتے دان یاد آتا۔ ناشتے دان کو کھولتے تو پتا چلتا کہ ایک کتا ان کا آدھے سے زیادہ کھا تاڑا چکا ہے۔

کئی روز تک مسلسل یہ ہوتا رہا اور میاں نوشاہی کو بھوکا رہنا پڑا تو وہ بھگے بھگے پولیس اسٹیشن گئے، اپنی زرداد اور کتے کا حلیہ بتایا۔

رپورٹ درج کرنے والے نے میز پر قلم رکھ دیا۔ ”مجھے افسوس ہے میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا۔“

اس نے کہا: ”تم جس کتے کا ذکر کر رہے ہو، وہ پولیس کا سراغ رساں کتا معلوم ہوتا ہے۔ اپنا ہی بھائی بند ہے میرے بھائی!“

ڈسک سے ابراہیم حسین کی حاضر دعا

بہت خوش گوار ماحول میں باتیں شروع ہو گئیں۔ سب میری باتوں سے بہت متاثر ہوئے تھے۔

میں نے ان کے لیے بھی ناشتے وغیرہ کا انتظام کر رکھا تھا۔ ناشتے سے فارغ ہونے کے بعد چائے پینے کے دوران لڑکی کے والد نے پوچھا: ”عامر میاں! تم اس فلیٹ میں اکیلے رہتے ہو؟“

”نہیں جناب، میں دو چار دنوں کے لیے اکیلا رہتا ہوں، پھر ہمیشہ آجاتی ہیں۔“

”باشا! اللہ تعالیٰ ہمیشہ آپ کی ہماری؟“

”چار ہیں جناب۔ چاروں شادی شدہ۔ ان چاروں کے بچے ہیں۔“

”بہت خوب اور بھائی؟“

”نہیں بھائی ہیں، سب کا آنا جانا گھر چلتا ہے۔“

”بہت اچھی بات ہے، ان کے علاوہ۔“

”ان کے علاوہ دو خالائیں اور دو چھوٹیاں ہیں۔ ان کے بچے ہیں۔ ان کا بھی آنا جانا گھر چلتا ہے۔ یہ سمجھیں کہ میرا یہ فلیٹ باشا! اللہ مہمانوں سے بھرا ہوتا ہے۔“

کچھ دیر کی خاموشی ہو گئی۔

اس خاموشی کے بعد لڑکی کے والد نے کہا: ”عامر صاحب! ویسے تو آپ بہت اچھے ہیں لیکن ہم یہ رشتہ نہیں کر سکتے۔ میری بیٹی بہت نازک مزاج ہے۔ وہ اتنے رشتے داروں کو برداشت نہیں کر سکتی گی۔ اسے تمہارے کی عادت ہے۔ سواری عامر میاں۔“

”ہیں، وہ لوگ بھی چلے گئے اور میں اپنا سر پٹیاں نہ کیا۔“

”کچھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا کروں؟“

اس مہربان پڑوسن سے پھر ملاقات ہوئی۔ میں نے جب ان کو یہ واقعہ سنایا تو وہ بھی اپنا سر پٹیاں نہ کیا۔

”چلو، مایوس نہ ہو۔ میں تمہارے لیے ایک اور رشتہ بھیج رہی ہوں۔“

”ان سے کیا کہوں؟“

”ان سے کہنا کہ رشتے دار تو بہت سے ہیں لیکن کوئی آتا جاتا نہیں ہے۔ اس طرح بات بن جائے گی۔ سچی اکیلی کے اکیلے اور خاندان والے بھی ہیں۔“

”میرا خیال ہے کہ اب میں خود ہی کوشش کر لوں گا۔“

میں نے کہا: ”آپ کہاں تک زحمت کریں گی۔“

اس کے بعد میں نے سنجیدہ ہو کر خود ہی کوششیں شروع کر دیں۔ ایک ہی طریقہ سامنے تھا کہ کسی شادی دفتر سے رجوع کیا جائے۔ ان کے اشتہارات تو بہت دلکش قسم کے ہوا

”نہیں جناب، میں اکیلا آدمی ہوں۔ میرے ساتھ کون رہے گا؟“

”اکیلے سے کیا مراد۔ کوئی رشتے دار وغیرہ تو ہوگا؟“

”نہیں جناب۔ کوئی نہیں۔ والدین کا بہت پہلے انتقال ہو چکا ہے۔ بھائی بہن بھی کوئی نہیں ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ دور کا کوئی رشتے دار ہو لیکن میں ان کے بارے میں نہیں جانتا۔“

کچھ دیر کی خاموشی چھا گئی۔ جیسے سب کے سب سوچ میں پڑ گئے ہوں۔ پھر لڑکی کے والد نے کہا: ”عامر صاحب! آپ ہر طرح سے موزوں انسان ہیں۔ مہذب، بڑے لکھے۔ آپ کی جاب بھی بہت اچھی ہے۔“

”لیکن کیا جناب۔“

”لیکن یہ کہ آپ اکیلے انسان ہیں۔“ اس نے کہا۔

”جبکہ ہماری خاندانی روایات یہ ہیں کہ ہم لڑکی اسی کو دیتے ہیں جس کا خاندان موجود ہے۔ بھرا پڑا گھر ہونا چاہیے۔“

رشتے ایک دوسرے سے بندھے ہوئے ہوں۔ صاف کرنا، ہم یہ رشتہ نہیں کر سکتے۔“

”ہیں۔ میں نے تو یہ سنا تھا کہ لڑکی والے اسے ترجیح دیتے ہیں جو اکیلا ہو۔ تاکہ ان کی لڑکی سسرال کے بھٹنٹ سے آزاد اور زندگی گزار سکے اور یہاں اپنی بات کی جارہی تھی۔“

بہر حال وہ رشتہ نہیں ہوسکا۔

میں بہت بددل ہوں۔ کچھ دنوں کے بعد پھر وہی بڑوں خاتون مل گئیں۔ وہ بہت افسوس کر رہی تھیں۔ ”اب مجھے کیا معلوم تھا کہ ان کی سوچ ایسی ہوگی۔ بہر حال تم فکر مت کرو۔ اس بار جن لوگوں کو میں تمہارے پاس بھیج رہی ہوں، ان کو یہ مت بتانا کہ تم اکیلے ہو۔ یہی کہنا کہ بہت بڑا خاندان ہے۔ سارے رشتے دار ہیں۔“

”لوگ کیسے ہیں؟“ میں نے پوچھا۔

”بہت اچھے۔“ اس نے بتایا۔ ”پڑوسی کسی بیٹی ہے۔ لڑکی نے بھی کسی بیچکیت میں ماسٹر کر رکھا ہے۔“

”نہیں، یہ تو اچھی بات ہے۔“ میں خوش ہو گیا۔

”بچھ دیئے گا۔“

وہ دوسرا رشتہ بھی تین دن کے بعد آ گیا تھا۔

یہ لوگ پہلے والوں سے زیادہ معقول دکھائی دے تھے۔ اس دفعہ بھی تقریباً اتنے ہی لوگ تھے جتنے لوگ پہلی بار آئے تھے۔

ایک دن انہوں نے خود ہی بات کی۔ ”عامر! کیا آپ کی شادی نہیں ہوئی ہے؟“

”نہیں۔“ میں نے جواب دیا۔ ”اکیلا آدمی ہوں اس لیے رشتے کی بات چلانے والا کوئی نہیں ہے۔ بس زندگی کی طرح گزر رہی ہے۔“

”آپ کی جاب تو ہوگی؟“

”جی ہاں، بہت اچھی جاب ہے۔“ میں نے بتایا۔

”اچھی بیکری ہے۔ آنے جانے کی سہولت ہے۔ سب کچھ ہے، بس یہ کہ رہ گئی ہے۔“

اس وقت انہوں نے کچھ نہیں کہا لیکن چار پانچ دنوں کے بعد میرے پاس چلی آئیں۔ ”عامر صاحب! آپ کے لیے ایک رشتہ تلاش کر لیا ہے۔“

”کمال ہے، اتنی جلدی؟“

”لڑکی والے بہت دنوں سے میرے پیچھے پڑے ہوئے تھے۔“ انہوں نے بتایا۔

”آپ کا بہت شکریہ۔“

”ارے نہیں، اس میں شکر یہ کہ کوئی بات نہیں ہے۔“

یہ تو میرا فرض تھا۔ تم میرے پڑوسی ہو خیال رکھنا تو ضروری ہے۔ ہاں کل وہ لڑکی والے نہیں دیکھنے آ رہے ہیں۔“

میرے بدن میں سستی سی پھیل گئی۔ خدا نے یہ دن بھی دکھایا تھا کہ لڑکی والے مجھے دیکھنے آ رہے تھے۔ ورنہ میری خشک زندگی میں اس قسم کا تو کوئی امکان ہی نہیں تھا۔

میں نے دوسرے دن بازار سے ناشتے وغیرہ کا سامان لا کر پوری ڈانگنگ ٹیبل سجادی۔ مہمانوں کے آنے کے بعد چائے بھی بنا لیتا۔ دیر ہی کیا لگتی ہے؟

مجھے ابھی تک یہ نہیں معلوم تھا کہ لڑکی ہے کسی؟ اس کی تعلیم کیا ہے۔ اس کا خاندانی بیک گراؤں کیا ہے۔

یہ سب معلوم کرنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ مجھے ان خاتون پر پورا بھروسہ تھا۔ جنہوں نے میرا رشتہ لگا یا تھا۔

کچھ سوچ کر ہی لگا یا ہوگا۔

دوسری شام ٹھیک پانچ بجے لڑکی والے آ گئے۔

آنے والوں میں لڑکی کے والد اس کے ایک خالو اور دو بھائی تھے۔ لوگ دیکھنے سے ہی اچھے معلوم ہو رہے تھے۔

مہذب لوگ اپنے انداز سے ہی پہچان لیے جاتے ہیں۔ میں نے بڑی خوش دلی سے ان کا استقبال کیا۔

ہمارے درمیان کچھ دیر اور دھڑک رہی تھی۔ کوئی اور نہیں رہتا؟“



کرتے ہیں۔

ایک شادی دفتر کا اشتہار نظر سے گزرا۔ ”ارمان بھرا شادی دفتر“ نام بھی بہت چھانٹ کر رکھا تھا اور پتا بھی آسان اس لیے تھا کہ وہ ہمارے علاقے سے کچھ قریب ہی تھا۔ میں ارمان بھرے دل کے ساتھ ارمان بھرا شادی دفتر پہنچ گیا۔

یہ ایک چھوٹا سا دفتر تھا۔ شادی دفتر چلانے والی ایک خاتون تھیں۔ سب سے پہلی بات انہوں نے یہ کی۔ ”دیکھیں جناب! ہمارے دفتر کا یہ اصول ہے کہ ہم نہیں پہلے لے لیتے ہیں۔“

”اور یہ فیس کتنی ہوتی ہے؟“ میں نے پوچھا۔

”پہلی شادی والے کے لیے پانچ ہزار۔ دوسری شادی والے کے لیے دس ہزار۔“

”مختصر۔ میری یہ شادی پہلی ہی ہوگی۔“ میں نے بتایا۔

”بھر آپ پانچ ہزار دے دیں اور اپنے سارے کوائف لکھ دیں۔ یعنی آپ کا فیملی بیک گراؤ ڈھکیا ہے۔“

خاندان میں کون کون ہے۔ جاب کیا ہے۔ سہری کا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

میں نے ان کا دیا ہوا فارم بھر کر ان کے حوالے کر دیا۔

اس کے ساتھ ہی پانچ ہزار روپے بھی دے دیے۔

میں نے اپنے بارے میں سب کچھ بتا دیا تھا کیونکہ ان لوگوں سے کچھ چھپانا مناسب نہیں تھا۔ رشتہ ہو جانے کے بعد خرافات وہ کی کوئی پراہم بھی ہو سکتی تھی۔

”ٹھیک ہے جناب۔“ اس نے فارم کو پڑھتے ہوئے کہا۔ ”میں چار دن کے بعد آپ کو بتا دوں گی۔“

میرے یہ تین چار دن بہت بے قراری میں گزر گئے۔ ٹھیک چوتھے دن ان کا فون آ گیا۔ ”سہارک ہو جناب، ایک رشتہ آپ کی مرضی کے مطابق ہو گیا ہے۔“

”واہ، یہ تو اچھی بات ہوئی، کیسے لوگ ہیں۔“

”بہت اچھے، لڑکی پڑھی لکھی ہے۔ گھر میں صرف ماں ہے۔ باپ کا انتقال ہو چکا ہے۔ دو بھائی ہیں۔ دونوں شادی شدہ۔“

”آپ نے ان کو بتا دیا تھا کہ میں کہاں رہتا ہوں اور اکیلا انسان ہوں۔“

”یہ سب تو آپ کے فارم میں ہی لکھا ہوا ہے۔“

”تو پھر، میرا مطلب ہے کہ اس کے گھر کب جانا ہے؟“

”گھر جانے سے پہلے میں یہ چاہتی ہوں کہ آپ دونوں ایک دوسرے سے مل کر ایک دوسرے کو سمجھ لیں۔“ اس نے کہا۔

”تو بھائی، میں کب دفتر آ جاؤں؟“ میں نے پوچھا۔

”میرا خیال ہے کہ آپ دونوں کی پرسکون ہوئی میں مل لیں تو زیادہ بہتر ہوگا۔“

”کیوں نہیں۔ یہ تو اور بھی اچھی بات ہوگی۔“ میں نے کہا۔ ”کوئی ایک اچھا اور صاف سترارہ ستوران ہے۔ کیا وہ موصوفہاں آئیں گی؟“

”کیوں نہیں، تو کل شام پانچ بجے میں ان کو بھیج دیتی ہوں۔“

آنے والا کل میرے لیے ایک بہت بڑی تبدیلی کے کر آنے والا تھا۔ میں کی لڑکی سے ملنے والا تھا، اس لڑکی سے جس سے میرا رشتہ بھی ہو سکتا تھا بلکہ اس کے آنے کا بھی قصد تھا۔

ایسے معاملات کے لیے خاندان والوں کی یا رشتے داروں کا ہونا بہت ضروری ہے۔ اکیلے انسان پر کوئی بھروسہ نہیں کرتا۔ لیکن یہاں ایک میرج بیورو میرے کام آ رہا تھا۔ میں کوئی میں جا کر بیٹھ گیا۔ اس ملاقات کے لیے میں نے اپنا سب سے اچھا سوٹ نکالا تھا۔ میری دھڑکنیں بے ترتیب ہوئی جا رہی تھیں۔

ٹھیک پانچ بج کر دس منٹ پر وہی میرج بیورو والی یعنی ”ارمان بھرا شادی دفتر“ کی مالک ہوئی میں داخل ہوئی۔ اس نے میری طرف دیکھ کر ہاتھ بلایا اور میرے سامنے آ کر بیٹھ گئی۔ لڑکی شاید آتی ہی ہوگی۔ میں نے اس سے پوچھا کہ ”وہ مختصر نہیں آئیں؟“

”کون مختصر؟“

”وہی۔۔۔ جن کے لیے آپ نے مجھے بلایا ہے۔“

”اب میں کیا کہوں؟“ اس نے اپنی گردن جھکا لی۔ ”وہ لڑکی میں ہی تو ہوں۔“

میرا دل چاہا کہ میں۔۔۔ بلکہ میرا دل کچھ نہیں چاہا۔ سب ٹھیک تھا۔ پھر اس کا اپنا کاروبار تھا۔ ہم دونوں مل کر اس کا روبرو کوترقی دے سکتے تھے۔ اور یہی ہو رہا ہے۔

تماری شادی کو پانچ سال ہو چکے ہیں اور ہم نے اپنے شادی دفتر کی مختلف مشروں میں براہمچر کھول رکھی ہیں۔ کبھی ضرورت ہے تو بلا بھجک بھجک لے آئے گا اور ہم نام یاد رکھے گا۔ ”ارمان بھرا شادی دفتر۔“

اسے اپنے پیچھے گاڑی کے ہارن کی آواز سنائی دی۔ وہ شفیق الرحمن صاحب تھے اور انہیں یعقوب کی خدمات درکار تھیں۔ بڑے عہدوں پر فائز صاحب حیثیت افراد چھریوں کو انسان نہیں سمجھتے تھے۔

یعقوب نے جھکے کے ساتھ منہ پھیرا اور قریبی گلی میں ٹھکس کیا۔ اس کے کام کے اوقات صبح نو بجے سے تین بجے تک تھے لیکن افسروں کی عیاشیوں اور وقت گزاری کی بدولت اسے گھر جانے کی اجازت پانچ بجے ملتی تھی۔ اس

ایک کینہ پرورش شخص کا قصہ۔۔۔ جس کے ہر فعل سے بددیانتی جھلکتی تھی۔۔۔

شریک سفر مہربان ہو تو زندگی پرسکون۔۔۔ پر مطمئن گزرتی ہے۔۔۔ اگر نادان ہو تو پھر سفر دشوار تر ہوتا چلا جاتا ہے۔۔۔ ایک اذیت پرست شہر کی ازدواجی زندگی کے اوراق۔۔۔ وہ بزدل تھا۔۔۔ پیمانہ وفا دہنا اس کی سرشت میں شامل نہ تھا۔۔۔ اس کی درندگی و دہشت نے بیوی کو خوفزدہ بنا دیا تھا۔۔۔ اس کا ہر لمحہ موت کے خوف سے لرزیدہ تھا۔۔۔

حساب کتاب

عمران مشرانی

جاسوسی ڈائجسٹ 82 نومبر 2018ء





وقت ساڑھے پانچ بجتے والے تھے اور وہ بالکل بھی کام کے  
مؤذ میں نہیں تھا لیکن قسمت کی قسم ظریفی کہ بند نصیب کی  
طرح وہ کی بھی آگے سے بندھی۔ چند لمحے شش و پنج میں جھکا  
رہنے کے بعد وہ ابھیں سڑک کی طرف آگیا۔ ابھی وہ گلی کے  
تیز چل رہے تھے کہ پچھلے پچھلے پچھلے پچھلے پچھلے  
میں سے شفیق الرحمن نے عسلی لگا ہوں سے اس کی طرف  
دیکھا پھر حسانہ لہجے میں اسے پیچھے سامان کے ساتھ پیچھے  
کے لیے کہا۔ انا کارنا تم کو نہیں تھا اس لیے وہ خاموشی کے  
ساتھ سمت سونا کر بیٹھ گیا۔ شفیق الرحمن نے گاڑی آگے بڑھا  
دی پھر اس سے مخاطب ہوتے ہوئے بولے۔

”پرسوں میری بیٹی کی شادی ہے۔ اس کی ماں کی طبیعت ناساز ہے اس لیے مجھے اکیلے خریداری کے لیے بازار آنا پڑا۔ مجھ سے غلطی ہوئی کہ میں نے تجھیں لاکھ کے زبردست قتل از وقت خرید لیے۔ اب انہیں گاڑی میں چھوڑ کر باہر جانا میرے لیے ممکن نہیں۔ اسی لیے میں نے تمہیں آواز دے دی۔ واپس جاتے ہوئے تمہیں گھر کے قریب آتا رہوں گا۔“

ہاتھوں لاکھ کی خلیفہ رقم کے متعلق سننے کے بعد یعقوب  
 کہنے کی کیفیت طاری ہوئی۔ اس کے دل میں منفی خیالات  
 گردش کرنے لگے۔ وہ زیورات لے کر فرار ہو سکتا تھا۔ ان  
 کے عوض شیخ صاحب سے پانچ دس لاکھ کی رقم وصول کرنا  
 مشکل نہیں تھا لیکن بعد از فراخیزہ رہائش کا انتظام کرنا ضرور  
 ایک مشکل مرحلہ تھا۔ شہر سے باہر جانے کے لیے وقت و کار  
 تھا۔ وہ اپنے دوستوں کے گھروں میں بھی نہیں چھپ سکتا  
 تھا۔ پولیس سب سے پہلے اس کے حلقہ احباب میں  
 تلاش کرنے کی کوشش کرتی۔ مہسٹل کار پوریشن میں کام  
 کرنے والے نعیم صاحب کی کوئی دو سال سے خالی پڑی  
 تھی۔ وہ ریٹائرمنٹ کے بعد اہل خانہ کے ساتھ بیرون ملک  
 شفٹ ہو گئے تھے۔ ان کی کوئی پوشیدگی کے لیے مناسب  
 تھی۔ شیخ صاحب نے گاڑی دستخ و عربیہ مال کے  
 پارکنگ ایریا میں کھڑی کر دی اور گاڑی سے نیچے اترنے  
 کے بعد شیخ اوپر چڑھا کر اگلے دروازے کو لاک کر دیا پھر  
 یعقوب سے مخاطب ہو کر بولے۔

”میاں تمہیں کچھ دیر کے لیے باہر انتظار کرنا ہوگا۔  
میں جلد واپس آنے کی کوشش کروں گا اگر کچھ دیر ہو گئی تو  
پریشان نہ ہونا۔“

یعقوب نے نہ سمجھنے والے انداز میں ان کی طرف

دیکھا۔ وہ سخت لہجے میں بولے۔ "اگر تم گاڑی سے نیچے اترنے کی زحمت کو ادا کرو تو میں پچھلے دروازے کو لاک کر دوں۔ گاڑی میں بیٹھی زبردستی رکھے ہوئے ہیں۔ ان کے ساتھ تمہیں اکیلا چھوڑنا ممکن نہیں۔"

یعقوب دروازہ کھول کر بچے اتر آیا۔ اس کی  
چوڑی پر پانی بھر گیا تھا۔ تاہم اب بھی وہ گاڑی کا شیشہ  
توڑ کر زیورات حاصل کرنے کی کوشش کر سکتا تھا۔ شیشے  
صاحب نے چھپچھپے دروازے کو لاک کیا اور عمارت کے  
اندر چلے گئے۔ انا کے جانے کے بعد یعقوب نے محتاط  
لگا ہوں سے اطراف کا جائزہ لیا۔ کار پارکنگ ہال کے  
وسیع دھریض علاقے کی حدود بندی کر کے قائم کی گئی تھی۔  
قسمت کی قسم ظریفی چوکیدار کا کینین گاڑی کے بالکل  
سامنے بنا ہوا تھا اور وہ کھڑکی میں سے اس کی طرف دیکھ  
رہا تھا۔ پارکنگ ایریا کے اوپر مسابھان نہیں تھا اسے

انتظار کرنا تھا۔ اس کے دل میں بڑھتی ہوئی نفرت کے جوا لاکھی نے الجھنا شروع کر دیا اور اسے اپنی حیثیت اس کے جیسی محسوس ہونے لگی جسے اس کا مالک مسلمان کی عزت کے لیے دھوپ میں باعہہ گیا ہو۔ شیخ الرحمن کی اجازت اور جھگڑنے کے بعد ہوئی۔ انہوں نے انہوں میں سے بکڑے ہوئے تھے۔ وہ انہوں نے گاڑی کے کچھلے حصے میں منتقل کر دیے۔ اب وہاں یعقوب کے بیٹھے تھے لیے جگہ باقی نہیں رہی تھی۔ انہوں نے معنی خیز انداز میں یعقوب کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”گاڑی سامان سے مٹی ہے، اچھے فسوس ہے کہ  
میں تمہیں گھر تک نہیں چھوڑ سکتا۔ یہ سو روپے کلوں۔ روکشا پکڑ  
چلے جانا۔“ انہوں نے لوٹ یعقوب کے ہاتھوں میں تھا  
یا دور گاڑی کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گئے۔ یعقوب نے  
پر بار انہیں چند گالیاں دیں اور اپنا کپڑا سے باہر کی  
طرف بڑھنے لگا۔ اسے اپنے پیچھے گاڑی اسٹارٹ ہونے کی  
آواز سنائی دی پھر یوں گیس میں شفیق الرحمن کی دوی اس  
کے پاس سے گزری۔ انہوں نے ہاتھ اٹھا کر اسے الوداع  
کیا۔ ہر چند کہ یعقوب ان کے چہرے کی ہلکی جھلک دیکھ  
یہ تھا۔ تاہم وہ جب تک اس کے دل و دماغ پر نقش ہو کر رہ  
گئی۔ ان کے چہرے پر شدید تکلیف کے تاثرات تھے۔  
سم کا تمام خون چہرے پر جمع ہونے لگا تھا۔ کچھ آگے جا کر  
یہوں نے گاڑی کو ایک سائڈ پر روک دیا۔ یعقوب نے حیرت  
معمول کے ساتھ آگے بڑھنا چاہا تب شفیق الرحمن کی دروازہ

پھری آواز اسے سنائی دی۔

”مجھے دل میں درد و غم ہوا ہے۔ سہرا بانی کر کے  
جہیز کا ذکر، وہ پیش بورڈ کے نیچے ٹیلیٹ لگی ہوئی ہیں، وہ  
مجھے نکال دو۔“ یعقوب کے قدم چھان تھے وہیں جم کر رہ  
گئے۔ ایک دفعہ پھر اس کے دماغ میں سوچوں کا ٹٹا بانا  
گروش کرنے لگا اور وہ چھری کے ساتھ گاڑی کی طرف  
آگیا۔ شفیق الرحمن سینے کو دونوں ہاتھوں میں تھامے  
بڑی تیز رفتاری سے سر پر رکھے ادھ کھولے پڑے تھے۔ یعقوب نے  
گاڑی کا دروازہ کھولا اور زہرات والے بریف کیس کو  
ہاتھوں میں تھام کر سیٹ پر بیٹھ گیا پھر ویش بورڈ کے نیچے سے  
ہوئے درواز میں گولیاں ڈھونڈنے لگا۔ وہ سامنے پڑی  
تھیں۔ اس نے ڈیپا کو جب میں رکھا اور شفیق الرحمن کی  
طرف دیکھا۔ ان کی ناک سے خون نکلنے لگا تھا۔ آنکھیں  
پر چڑھ گئی تھیں۔ تاہم وہ سانس لے رہے تھے۔ اس نے  
میں سیدھا کیا اور پشت کو سیٹ کے ساتھ لگا دیا پھر بریف  
کیس کو کھولنے کی کوشش کرنے لگا۔ وہ لاک تھا۔ اس کی  
بالی شفیق الرحمن کی جیب میں ہوئی چاہیے تھی۔ شفیق الرحمن  
نے کچھ ہونے کی کوشش کی لیکن بے انتہا تکلیف کی وجہ سے  
نہیں کھسکا کر رہ گئے۔ یعقوب نے ان کی جیبوں کی تلاشی  
کی۔ کوٹ کی اندرونی جیب میں سے اسے چابی مل گئی۔ اس  
نے بریف کیس کو کھولا۔ انہی وہ زہرات کا جائزہ بھی نہیں  
لیے پایا تھا کہ شفیق الرحمن کے جسم میں جہیز چھری کی کیفیت  
دور ہوئی۔ آنکھیں مزید اوپر چڑھ گئیں۔ ناک کے علاوہ  
بہت سے بھی خون بہنے لگا پھر ان کی گردن دائیں جانب  
ہلک گئی۔ یعقوب نے طویل سانس لیتے ہوئے ان کے  
دل کی دھڑکن چیک کی۔ وہ ساکت تھی۔ اس نے بریف  
کیس کو لاک کیا اور اسے ہاتھ میں تھامے گاڑی سے نیچے اتر  
یا۔ چوکیدار کا کمر اٹھایا پڑا تھا۔ وہ اطراف کا جائزہ لیتے  
دے پارانیک ایریا سے باہر آگیا۔ وہاں قطار در قطار  
لیاں مڑی تھیں۔ وہ ایک جیسی گاڑی کا دروازہ کھول کر اندر بیچہ  
لیا پھر اسے اپنے گھر کا ایڈریس سمجھانے لگا۔ جیسی ڈرائیور  
نے اثبات میں سر ہلایا اور جیسی کو آگے بڑھا دیا۔ یعقوب  
نے بے ترتیب سانسوں کو درست کیا اور چابی لگا کر بریف  
کیس کو کھول دیا۔ بریف کیس کے اندر سونے کا قیمتی سیٹ  
ٹھکا ہوا تھا۔ اس کی سائنس قابل دیدنی۔ ہار کے کونوں میں  
ہونے چھونے ہیرے بڑے ہوئے تھے۔ اس نے چور  
اہوں سے ڈرائیور کی طرف دیکھتے ہوئے بریف کیس کو  
کر دیا اور سونے کے شفیق صاحب کی لاش پر رافت ہوئے

## جسٹاپ کتاپ

سے اس شہر کو چھوڑ کر دور چلے جانا چاہیے۔ ریلوے اسٹیشن اس کے گھر کے پاس تھا اور ٹرین اسے شہر سے دور لے جاسکتی تھی۔ ہر چند کہ عابدہ کو ساتھ لے جانا ضروری نہیں تھا لیکن بعد از تفتیش وہ اس کے رشتے داروں کے متعلق پولیس کو گاہ کر سکتی تھی۔ ملکی اس کے مکان کے پاس پہنچ کر رگ مٹی۔ اس نے گریہ ادا کیا اور دو واڑہ کھول کر گھر میں داخل ہو گیا۔ محسن کے درمیان..... بھیجی ہوئی چار پائی پر عابدہ چادر اوڑھے..... لیٹی تھی۔ اس نے دوپٹا سر پر باندھ رکھا تھا۔ یہ دو واڑہ معمول تھا۔ وہ یعقوب کے بھائیہ تشدد سے بچنے کے لیے اکثر بیمار رہنے کا ڈراما کرتی تھی۔ پانچ سالہ ازدواجی زندگی کے دوران یعقوب کا محبوب مشغلہ عابدہ کو وجہ بے وجہ پینا بن کر رہ گیا تھا۔ یہ تمام دن صاحبوں کی جھڑکیاں اور ذہنی تشدد کا قہر لال ثابت ہوتا تھا۔ مگر آج یعقوب کے پاس مار پیٹ کا وقت نہیں تھا۔ اس کے ہاتھ میں بندھی پرانی ٹھڑی ساڑھے چھ بجے کا اعلان کر رہی تھی۔ سیر ایکسپریس سات بجے روانہ ہوتی تھی۔ اس کے پاس آدھے گھنٹے کا مختصر وقت تھا۔ اس نے بیدردی کے ساتھ عابدہ کے جسم سے لپٹی ہوئی چادر کو دور پھینکا۔ وہ بڑبڑا کر ہتھ پٹھی اور خوف زدہ لگا ہوں ہے اس کی طرف دیکھنے لگی۔ اس کی عمر پچیس سے تیس کے درمیان تھی۔ چہرہ قبول صورت اور جسمانی اعضا قیامت ڈھاتے ہوئے تھے۔ تاہم ازدواجی زندگی متاثر ہونے کی وجہ سے چہرے پر مردنی چھائی ہوئی تھی۔ یعقوب نے جھپٹکے کے ساتھ اس کے ہاتھ پر بندھے ہوئے دوپٹے کو اتار اور غرا دے ہوئے بولا۔

”فورا سے بیشتر مختصر سامان بیک کرو۔ ہمیں ابھی اسی وقت شہر کو چھوڑنا ہے۔“ عابدہ پھر قہقہے سے چار پائی سے پیچھے اترتی اور قریبی کمرے میں ٹھس ٹھنی۔ یعقوب نے چار پائی پر بیٹھے کے بعد جیب سے بریف کیس کی جانی نکالی۔ چابی کے ساتھ دروازہ دھونے والی کوئیون کی ڈیبا بھی باہر آگئی۔ اس کے چہرے پر زہریلی مسکراہٹ نمودار ہوئی اور اس نے ڈیبا کو ایک طرف اچھال دیا پھر بریف کیس کا معائنہ کرنے لگا۔ وہ نہایت مضبوط اور چستی تھا۔ اسے اپنے ہمراہ لے جانا مناسب نہیں تھا۔ قہقہے بریف کیس کو دیکھ کر کوئی بھی شک میں مبتلا ہو سکتا تھا۔ اس نے بریف کیس میں سے زیورات نکالے پھر چار پائی پر رکھی ہوئی چادر میں لپیٹ کر کمرے کی طرف آگیا۔ عابدہ کمرے میں پہنچتی ہی چھٹی پر سے برتن اتار کر کمرے میں رکھ رہی تھی۔ یعقوب کا خون کھولنے لگا۔ اس نے آگے بڑھ کر اسے پھانکے پاس سے



پکڑا اور نہایت بیدردی کے ساتھ چھینے ہوئے کمرے سے باہر نکال دیا۔ اسے زیادہ سامان کی ضرورت نہیں تھی۔ بچپس لاکھ کے زیورات فروخت ہونے کے بعد وہ آسانی سب کچھ خرید سکتا تھا۔ اس نے کس خالی کیا اور سونے کا سیٹ اندر رکھنے کے بعد اس کے اوپر کپڑے رکھ کر تالا لگا دیا پھر چابی جیب میں رکھ کر کمرے سے باہر آگیا۔ عابدہ براہ رے میں کھڑی خوف زدہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ یعقوب نے جھانکا نہ سچے میں کہا۔

”گھر میں موجود جمع ہوئی اٹھارہ کمرے میں رکھے ہوئے کس کو دروازے کے پاس منتقل کر دوں۔ میں فکری سے کڑلاتا ہوں۔ ورنہ کڑنا۔ آج میں کوئی بات برداشت نہیں کروں گا۔“ وہ دروازہ کھول کر گھر سے باہر آگیا۔ سوک پر عجیبوں کا فقدان تھا۔ تاہم چند قدم آگے جانے پر اسے رکشا ملی گیا۔ وہ اسے گھر کے قریب لے آیا۔ عابدہ کس کے پاس بیٹھی اس کی جھڑپ تھی۔ یعقوب نے کس کو رکھنے کے اندر رکھا اور عابدہ کے ہمراہ اسٹیشن کی طرف روانہ ہو گیا۔ چھپ کر بیٹھ کس منٹ ہوئے تھے۔ اسٹیشن کی غارت اس کے گھر سے زیادہ دور نہیں تھی۔ تاہم ٹریک کے ازدحام کی وجہ سے غارت تک پہنچنے میں دیر ہو گئی۔ جب ان دونوں نے غارت کے اندر قدم رکھا تب ٹرین روانگی کی دھم دے رہی تھی۔ ٹکٹ لینا ممکن نہیں تھا۔ وہ راستے میں سے بھی خرید سکتا تھا۔ اس نے ایک خالی ڈبے کا انتخاب کیا اور عابدہ کے ساتھ ٹرین میں سوار ہو گیا۔ ہر چند کے ڈبے میں زیادہ رش نہیں تھا۔ زیادہ تر بیٹھیں خالی تھیں لیکن کثرت پاس نہ ہونے کی وجہ سے اس نے سیٹ پر بیٹھنے سے اجتناب کیا اور کس کو دروازے کے پاس رکھنے کے بعد عابدہ کو اس پر بیٹھنے کے لیے کہا۔ وہ خاموشی سے بیٹھ گئی اور ٹرین نے بیٹ قائم کو چھوڑ دیا۔ اس نے پیرائیکسپریس کا انتخاب اس بات کو مد نظر رکھتے ہوئے بھی کیا تھا کہ اس کے اسٹاپ محدود تھے۔ چھوٹے بڑے چند اسٹیشنوں کے علاوہ اس نے صبح سے پہلے کسی اسٹیشن پر نہیں رکتا تھا۔ احمد آباد میں اس کا چچا زاد بھائی سلطان رجتا تھا۔ وہ وقتی طور پر اس کے گھر میں قیام کر سکتا تھا۔ عابدہ نے کس پر بیٹھنے کے فوراً بعد اوجھٹا شروع کر دیا۔ یعقوب نے بیدردی کے ساتھ اس کے چپڑے پر چھڑ مارتے ہوئے زہر خند لہجے میں کہا۔

”تیرے بچے رکھے ہوئے کس کے اندر بچپس لاکھ کے زیورات ہیں۔ خبردار سونے کی کوشش نہ کرنا ورنہ گھاوا یا کٹیری لاش کو ڈبے سے باہر پھینک دوں گا۔“ عابدہ نے

حیرت بھری نگاہوں سے ٹریک کی طرف دیکھا اور جسم کو سیدھا کر کے بیٹھ گئی۔ وہ جانتی تھی کہ اس کا شوہر جو کہہ رہا ہے وہ بخوبی کر سکتا ہے۔ ایسا متعدد بار ہو چکی چکا تھا۔ ابھی پچھلے مہینے محلے والوں کی دخل اندازی کی بدولت اس کی جان غلامی ہوئی تھی۔ ورنہ اس نے اسے مارنے میں کوئی ہسٹری باقی نہیں چھوڑی تھی۔ اس دن یعقوب کی طبیعت خراب تھی۔ اس کے سر میں درد تھا۔ کچھ حرارت بھی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ دفتر سے واپس آتے ہوئے دوا میں لے آیا تھا۔ رات کا کھانا کھانے کے بعد اس نے عابدہ سے گولیاں لانے کے لیے کہا۔ گولیاں پر چھٹی پر مچی ہوئی تھیں۔ قسمت کی قسم نظر ملنے ان گولیوں کے ساتھ چپڑے مارنے والی گولیاں بھی رکھی ہوئی تھیں۔ عابدہ وہ بھی ساتھ لے آئی۔ کمرے میں بیٹھے ہوئے بلب کی محدود روشنی میں یعقوب گولیوں کو جانچ نہیں پایا۔ اس پر قسم ڈھائی سر میں درد کی کیفیت۔ وہ تمام گولیوں کو پانی کے ساتھ نگس گیا۔ پندر آٹھ سے کس اس کی حالت خراب ہونے لگی۔ آٹھ رات کے بعد الٹیوں اور دستوں کا جو سلسلہ شروع ہوا تو کس تک جا رہی رہا۔ صبح اس نے قریبی کلینک کا رخ کیا۔ ڈاکٹر نے چیک اپ کے بعد اسے ڈرپ لگاتے ہوئے بتایا کہ زہریلی غذا کی وجہ سے اس کی حالت خراب ہوئی ہے۔ گھر آئے کے بعد یعقوب نے گولیوں کا معائنہ کیا تب ان کے ساتھ پڑی ہوئی چپڑے مار گولیوں کو دیکھنے کے بعد محلے کی تہ تک پہنچ گیا۔ اس دن اس نے تھکدو کی انتہا کر دی۔ عابدہ کو لاتوں اور ٹکوں سے مار کے اچھڑا کر دیا۔ غصہ خفا نہ ہوا تو عابدہ کے جسم پر بھی کاتیل چھڑکا شروع کیا۔ وہ بیٹھے چلانے لگی۔ یعقوب کی آنکھوں میں خون گسرا ہوا تھا۔ وہ اسے آگ چلا کر ختم کر دینا چاہتا تھا لیکن ارد گرد کے ہمسایوں نے بروقت دیوار بھجلائی کہ یعقوب پر قابو پالیا۔ اس حادثے کے بعد عابدہ کو یعقوب کے غصے سے خوف محسوس ہونے لگا تھا۔

☆☆☆

دو گھنٹے کا سفر خاموشی کے ساتھ گزر گیا۔ ایک چھوٹے سے اسٹیشن پر ٹرین رکی۔ تب ٹکٹ چیک کر ڈبے میں داخل ہوا۔ اس نے یعقوب سے ٹکٹ طلب کیا یعقوب نے بتایا کہ ٹکٹ کے دوران وہ ٹکٹ نہیں خرید سکا۔ اس لیے اب رقم کی ادائیگی کر کے ٹکٹ حاصل کر سکتا ہے۔ ٹکٹ چیکر نے احمد آباد کے لیے دو ٹکٹوں کا معاوضہ پانچ سو روپے طلب کیا۔ یعقوب نے کس پر بیٹھی ہوئی عابدہ سے رقم والا تھیلہ لگا۔ وہ پریشانی

کے عالم میں بھٹکے جھانکتے لگی۔ یعقوب نے کمرخت لہجے میں رقم کے متعلق دریافت کیا۔ تب اس نے روپے والے لہجے میں بتایا کہ جمع ہو چکی والا تھیلہ گھر میں رہ گیا ہے۔ وہ جلدی میں اچھٹا بھول گئی۔ یعقوب نے ٹکٹ چیکر کی پروا نہ کرتے ہوئے اس کے چپڑے پر چھڑوں کی بارش کر دی۔ ٹکٹ چیکر نے بے شکل تمام اسے قابو کیا اور غصیلے لہجے میں بولا۔

”ایک تو تم ٹکٹ کے بغیر سفر کر رہے ہو، دوسرے مجبور دو لاپارہ گزرت پر تشدد بھی کرتے ہو۔ چلو ٹرین سے پیچے اتر دو۔ تم دونوں کو آج کی رات حوالات میں گزارنا ہوگی۔“ معاملے کو گولٹے دیکھ کر یعقوب ہاتھ جوڑتے ہوئے بولا۔ ”صاحب میرے پاس ڈیڑھ سو روپے ہیں۔ یہ احتیاطاً میں نے جیب میں رکھ لیے تھے تاکہ احمد آباد تک پہنچنے کے بعد سواری کے بندوبست میں معاون ثابت ہو سکے۔ آپ مجھ پر مہربانی کیجیے اور سفر کی اجازت دے دیجیے۔ باقی کی رقم میں کل جمع کروا دوں گا۔“ اس نے جیب میں سے پیسے نکال کر ٹکٹ چیکر کی ہتھیلی پر رکھ دیے۔

ٹکٹ چیکر بولا۔ ”یہ کیا ہے؟ اسے پیسوں میں تمہاری جان غلامی نہیں ہو سکتی۔ ہاں اتنا ضرور کر سکتا ہوں کہ تمہاری عورت کو سفر کرنے کی اجازت دے دیتا ہوں لیکن تمہیں ہر حال رات حوالات میں گزارنی ہوگی۔ اس نے اسٹیشن پر کھڑے ہوئے دو پولیس والوں کو آواز دی اور انہیں معائنے سے آگاہ کرنے کے بعد یعقوب کو حوالات منتقل کرنے کے لیے کہا۔ دونوں پولیس اہلکاروں نے اسے بازوؤں سے تھما اور بیدردی کے ساتھ دروازے کی طرف دھکیلتے گئے۔ اس کے پاس زیادہ سوچنے کا وقت نہیں تھا۔ عابدہ جیسی محدود دماغ کی عورت کے پاس بچپس لاکھ کے زیورات چھوڑنا بے وقوفی سے کم نہیں تھا۔ تاہم زیورات کو اپنے ہمراہ حوالات میں رکھنے سے لاکھ دے بہتر تھا۔ اس نے اچھا آمیز لہجے میں ٹکٹ چیکر کو غلط کرتے ہوئے کہا۔

”جناب مہربانی کر کے میری بیوی کو احمد آباد کے اسٹیشن پر اتار دے کے بعد باوبو محلے کی سڑکیں میں بھاگ بیجیے گا۔ وہاں میرا بچا زاد بھائی رہتا ہے۔ فیکسی کا کارپہ وہ ادا کر دے گا۔“ ٹکٹ چیکر نے کوئی جواب نہیں دیا اور دونوں پولیس واسے لے دھکیلتے ہوئے ٹرین سے نیچے لے آئے۔ ریلوے تھانہ اسٹیشن سے متصل کوٹھری پر منتقل تھا۔ کوٹھری کے برآمدے میں خوالدار اور دو سپاہی بیٹھے تھے۔ انہوں نے یعقوب کو کوٹھری کے اندر دھکیل دیا۔ وہاں ٹرین کا ایک مسافر اور بھی بند تھا۔ جس نے شراب کے نشے میں ڈبے کے

## حساب کتاب

شیٹے توڑنے کی کوشش کی تھی۔ وہ اس وقت بھی نشے میں دھت تھا اور اونچی آواز میں دہیات گانا گانے میں مصروف تھا۔ کوٹھری میں کس بہت زیادہ تھا اور چھڑوں کی بھی بھرمار تھی۔ یعقوب دیوار کے ساتھ جیک لگا کر کونے میں بیٹھ کر سوچنے لگا۔ حوالات سے جان غلامی کے بعد وہ احمد آباد کیسے جائے گا۔ اس کی جیب میں عابدہ کے ٹکٹ کی ادائیگی کے بعد بچھوٹی کوڑی بھی باقی نہیں بچی تھی۔ بغیر ٹکٹ کے سفر کرنا ممکن نہیں تھا۔ شراب کے نشے میں دھت مسافر نے کوٹھری کی اگلی کوٹھری پر چڑھ کر جھانک لگائی۔ اور ٹھکرایا اور اس کے چودہ طبق روشن ہو گئے۔ وہ چند لمحوں کے لیے خاموش پڑا رہا۔ کوٹھری کے وزمان .... گگے ہوئے بلب کی زرد روشنی میں یعقوب کو اس کی جیب میں سرخ ٹوٹوں کی جھک دکھائی دی۔ اس نے آگے بڑھ کر مسافر کو بغلوں کے پاس سے تھما اور سہارا دے کر اٹھاتے ہوئے نہایت صفائی کے ساتھ اس کی جیب پر ہاتھ صاف کر دیا۔ مسافر نے ٹکٹے ہوئے اسے چرنے کی کوشش کی۔ اس کے منہ سے اٹھتے ہوئے بدبو کے ٹکٹوں کو محسوس کر کے یعقوب نے اسے واپس زمین پر لٹا دیا۔ وہ ایک دفعہ بھر بے گرا راگ الاپنے لگا۔ یعقوب نے کس انھیں سے کوٹھری کے باہر بیٹھے ہوئے خوالدار اور سپاہیوں کی طرف دیکھا۔ وہ تینوں کی اہم مسئلے پر بحث و مباحثے میں مصروف تھے۔ اس نے کس میں بندرگم کوٹھا کر لیا۔ وہ تین سو کے قریب تھی۔ اس نے رقم کو بیٹھان میں بھی ہوئی جیب میں منتقل کیا۔ ٹرین کے ذریعے احمد آباد جا ممکن نہیں تھا۔ وہ جلد از جلد زیورات تک رسائی حاصل کر لیا چاہتا تھا۔ لیکن کا سفر اس کے لیے مناسب تھا۔ تمام رات پھڑوں سے ہاتھ پائی کرتے ہوئے گزر گئی۔ صبح ان دونوں کو فارغ کر دیا گیا۔ وہ جلالت کے عالم میں اسٹیشن کی غارت کے پاس واقع لاری ڈبے کی طرف آگیا اور ایک دیکن کا انتظام کرنے کے بعد احمد آباد روانہ ہو گیا۔ اسے عابدہ کی فکر لاحق تھی۔ وہ باہر عورت جیتی مالیت کے زیورات کے ساتھ کچھ بھی کر سکتی تھی۔ اگر مجبوری نہ ہو تو وہ زیورات کے سائے سے بھی اسے دور رکھنے کی پوری کوشش کرتا۔ تین گھنٹے کے طویل سفر کے بعد دیکن نے اسے احمد آباد تک پہنچا دیا اور وہ درکشا چکر کا باوبو محلے چلا آیا۔ اس کے بچا زاد بھائی نے گرم جوشی کے ساتھ اس کا خیر مقدم کیا۔ وہ کوادر ٹرین اکیلے رہتا تھا۔ گزشتہ سال بیوی کی وفات کے بعد اس نے دوبارہ شادی نہیں کی تھی۔ درحقیقت اس



دنیا کے کسی بھی گوشے میں اور ملک بھر میں

# گھر بیٹھے

جاسوسی ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ  
ماہنامہ پاکیزہ، ماہنامہ سرگزشت

باقاعدگی سے ہر ماہ حاصل کریں اپنے دروازے پر

ایک رسالے کے لیے 12 ماہ کا در سالانہ  
(بشمول رجسٹرڈ ڈاک فرج)

پاکستان کے کسی بھی شہر یا گاؤں کے لیے 1200 روپے

امریکی نیٹلا آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کے لیے 10,000 روپے

بہرے ممالک کے لیے 9,000 روپے

آپ ایک وقت میں کئی سال کے لیے ایک سے زائد

رسالے کے خریداری کر سکتے ہیں۔ رقم اسی حساب سے

ارسال کریں۔ ہم فوراً آپ کے دیے ہوئے پتے پر

رجسٹرڈ ڈاک سے رسائل بھیجنا شروع کر دیں گے۔

آپ کی طرف سے چاہاں گے ہمیں تحریر بھیج سکتے ہیں

ہر دن ملک سے قارئین صرف ویٹرن یونین یا مٹی گرام کے

ذریعے رقم ارسال کریں۔ کسی اور ذریعے سے رقم بھیجے پر

بھاری پینکٹ فیس عائد ہوتی ہے۔ اس سے گریز فرمائیں۔

0301-2454188

0333-3285269

جاسوسی ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ  
63-C، پینشن ویش اور ایس اے ایل این آر کی روڈ کراچی

35804200-35804300

جاسوسی ڈائجسٹ 89 نومبر 2018ء

اور اس پر اس کی انگوٹھوں کے نشانات ثبت ہیں۔  
”عابدہ کہاں ہے؟“ یعقوب نے غصیلے لہجے میں

پوچھا۔  
”گھٹ چکر بولا۔“ وہ اور زبورات دونوں میرے گھر

پر ہیں اور جنہیں ان زیورات کی چوری کا ذمہ اپنے سر لیتے

ہوئے پولیس کو بتانا ہوگا کہ چوری کے اس منصوبے میں

تمہارے ساتھ ایک شریک کار اور بھی تھا جو زیورات لے کر

فرار ہو گیا اور تم اس کی موجودگی سے بے خبر ہو۔“

یعقوب چلائے ہوئے بولا۔ ”میں انہیں صاف

صاف بتا دوں گا کہ نہ صرف زیورات تمہارے پاس ہیں

بلکہ تم نے میری بیوی کو بھی جس بے جاں رکھا ہوا ہے۔“

گھٹ چکر نے شارپ میں بند گولیوں کی ڈبیا کی طرف

اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ”کار پارکنگ میں بیٹھے ہوئے

چوکیدار کے کہنے کے مطابق اس نے تمہیں شفیق الرحمن کی

گازٹی میں بیٹھے ہوئے بخوبی دیکھا تھا اور جب وہ سگرنٹ

لینے کے لیے پارکنگ کے قریب واقع کھوکھے کی طرف جا رہا

تھا تب اس نے جنہیں گولیوں کی ڈبیا جب میں رکھتے ہوئے

بھی دیکھا تھا۔ یعنی چوکیدار کے بیان کو بد نظر رکھتے ہوئے یہ

بات آسانی سے اس نے کہی ہے کہ دل کا دورہ پڑنے پر تم نے

انہیں گولیاں نہیں دیں تھیں جو کہ تم یہ آسانی دے سکتے تھے۔

تا آنکہ کے تم نے زیورات لے کر بھاگنے کو ترجیح دی۔ یہ

بالکل سیدھا سادہ دل کا شخص ہے جس کی سزا عمر قید یا پھر پھانسی

ہو سکتی ہے لیکن اگر میرے کہنے کے مطابق بیان میں رد و بدل

کر دے گا تب وہ سب سال سے زیادہ سزا نہیں ہوگی۔“

یعقوب نے چہرے پر پریشانی کے تاثرات

ابھرے اور اس نے پڑمردہ لہجے میں پوچھا۔ ”جنہیں دو۔“

کی ڈبیا کے متعلق کس نے بتایا؟“

گھٹ چکر بولا۔ ”عابدہ نے جنہیں ڈبیا میں چھپکتے

ہوئے دیکھا تھا۔ میری پوچھ گچھ کے دوران اس نے مجھے

ڈبیا کے متعلق بتایا۔ تب میں نے تمہارے گھر کا رخ کیا اور

مجھے وہاں سے ڈبیا مل گئی۔ ارد گرد کے ہمسایوں سے

مطوعات کے بعد یہ بات سامنے آئی کہ تم شفیق الرحمن کے

زیورات کی چوری میں پولیس کو مطلوب ہو اور یہ چوری شہر

کے بڑے مال کی کار پارکنگ میں ہوئی تھی۔ میں نے مال کا

رخ کیا اور پارکنگ کے چوکیدار نے مجھے سب کچھ بتا دیا۔“

یعقوب ہلچا وہاب کھا کر رہ گیا۔ اس کی ہلکتا اور ذہنی

غور پر غیر متوازن ہوا کی گوند کی میں جھکی دفعہ بہ بات اچھی

طرح یاد رہی تھی کہ اس نے دوا۔ کی ڈبیا کو کون کے

ریلوے گارڈ نے انہیں بتایا کہ صبح احمد آباد پہنچنے والی پہر  
ایکپہر میں ٹکٹ چکر کے ہمراہ سرخ چادر میں بیویوں اسکی  
عورت اتر گئی تھی جس نے ہاتھوں میں ٹکٹ کی چادر سے بنا ہوا  
بکس پکڑا ہوا تھا۔ گھٹ چکر اسے قریبی ریلوے کالونی کی  
طرف لے گیا تھا۔ یعقوب نے بے چین لہجے میں ریلوے  
کالونی کا ایڈریس دریافت کیا۔ گارڈ کے بتانے پر دونوں  
عجالت کے عالم میں ریلوے اسٹیشن سے باہر نکل آئے۔

یعقوب سوچ رہا تھا کہ اس بے وقوف عورت نے یقیناً گھٹ  
چکر کو زیورات کے متعلق بتا دیا ہوگا اور گھٹ چکر اسے پکڑا  
پھلا کر اپنے گارڈ کی طرف لے گیا ہوگا۔ اس سے آگے  
سوچنے کی ہمت اس میں نہیں تھی۔ وہ اسٹیشن سے نکل کر  
ریلوے کالونی کی طرف بڑھنے لگے لیکن اسٹیشن کے قریب  
ہی کھڑی ہوئی پولیس وین میں سے دو پولیس والوں نے  
آگے بڑھ کر ان دونوں کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پہنا دیں  
پھر انہیں جھینے ہوئے وین کی طرف لے آئے۔

☆☆☆

ان دونوں کو ریلوے تھانے میں بند کر دیا گیا۔  
سلطان بے تصور تھا۔ اسے مختصر پوچھ گچھ کے بعد چھوڑ دیا گیا  
اور یعقوب سے تفتیش کا آغاز کیا گیا۔ اس نے تمام واقعات  
صاف صاف بیان کر دیے۔

”شفیق الرحمن صاحب کی موت میں بھی اس کا ہاتھ

ہے یا پھر اہم قدرتی تھی؟“ انپٹرن نے پوچھا۔

یعقوب نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے بتایا۔ ”وہ

دل کے مرتضیٰ تھے۔ انہیں گاڑی میں دل کا دورہ پڑا اور وہ

خاتون حقیقی سے جا ملے۔ ان کی موت کے بعد ہی اسے

زیورات لے کر فرار ہونے کا خیال آیا۔“

مزید تفتیش کے بعد اسے صدر تھانے منتقل کر دیا گیا۔

حوالات کی کتابی میں اسے سوچنے کا موقع نہیں آیا۔ تب اس

کے مطلوب زدہ دو باغی نے کام کرنا شروع کیا۔ یقیناً اس کے

خلاف تجزیہ ہوئی تھی۔ عابدہ و محدود باغی کی دست تھی۔ اتنا

کچھ کرنا اس کے اعتبار سے باہر تھا۔ گارڈ کے کہنے کے

مطابق وہ گھٹ چکر کے گارڈ میں بھی گھٹ چکر ایک کانیاں

انسان تھا۔ وہ معاملے کی تک پہنچنے کے بعد بہت کچھ کر سکتا

تھا۔ اس کی سوچ پر اثبات کی مہر اس وقت لگی جب دونوں

کے بعد وہ ملاقات کے لیے حالات میں آیا۔ اس کے

چہرے پر طنز سے مسکراہٹ نقش کر رہی تھی اور ہاتھ میں

پکڑے ہوئے شارپ کے اندر گولیوں کی ڈبیا بندھی۔ اس

نے یعقوب کو بتایا کہ ”اسے یہ ڈبیا اس کے گھر سے لی ہے

کے مالی حالات ٹھیک نہیں تھے۔ سلام دعا کے بعد یعقوب  
نے اس سے عابدہ کے متعلق دریافت کیا۔ سلطان نے  
حیرت بھری نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے لاشعری کا  
اظہار کیا۔ یعقوب سر کو دونوں ہاتھوں میں قلم کر مٹھن میں  
بکچی چار پائی پر بیٹھ گیا اور عابدہ کو گولیاں دینے لگا۔ سلطان  
نے اس سے معاملے کے متعلق دریافت کیا تو اس نے رو  
دینے والے لہجے میں بتایا۔

”صرف ڈھائی سو کا گھٹ پاس نہ ہونے کی وجہ سے

مجھے گراں قدر زیورات کے ہمراہ اسے احمد آباد اکیلے جانے

کی اجازت دینا پڑی اور میں نے اسکی حواشی بھی نہیں کر سکی۔“

”تمہارے پاس زیورات کہاں سے آئے؟ کیا

چوری کی دکان میں ڈاکا ڈالا ہے یا پھر تمہارا پرانے ہاتھ لنگ

آیا ہے؟“ سلطان نے حیران ہوتے ہوئے پوچھا۔

”تم یقین نہیں کرو گے۔ ایک اتفاق نے وہ

زیورات میری بھولی میں ڈال دیے اور پھر ایک اتفاق نے

ہی انہیں مجھ سے دور کر دیا۔ میں اس کے متعلق نہیں بعد میں

بتاؤں گا۔ اس وقت تمہارے لیے اتنا جاننا ہی ضروری ہے

کہ گزشتہ رات احمد آباد کی طرف سفر کرتے ہوئے گھٹ پاس

نہ ہونے کی وجہ سے مجھے رات حوالات میں گزارنا پڑی۔

عابدہ کے پاس کچھ رقم تھی۔ اس لیے اسے ٹرین میں سفر کی

اجازت مل گئی۔ چونکہ ہماری مالیت کے زیورات کو حوالات

میں ہمراہ رکھنا ممکن نہیں تھا۔ اس لیے میں نے انہیں عابدہ

کے پاس چھوڑ دیا۔ وہ احمد آباد کے راستوں سے ناواقف

تھی۔ اس لیے شاید راستہ بھٹک کر کہیں اور نکل گئی۔“

یعقوب نے اسے بتایا۔

”تم بہت بھولے ہو یعقوب۔۔۔ وہ راستہ نہیں بھٹکی

بلکہ جان بوجھ کر فرار ہو گئی ہے۔ تمہارے بے جا تشدد نے

اسے جیڑا کر رکھا تھا۔ اسے تم سے چھٹکارے کا موقع چاہیے

تھا۔ یہ موقع اسے قدرت کی طرف سے میسر آ گیا لیکن

سوچنے کی بات یہ ہے کہ وہ جا کہاں سکتی ہے؟“ سلطان

طنز سے لہجے میں بولا۔

”میں نے اسے احمد آباد کے اسٹیشن پر اتارنے کے

لیے گھٹ چکر سے درخواست کی تھی۔ اس کے متعلق وہی بہتر

بتا سکتا ہے۔“ یعقوب بولا۔

سلطان نے اثبات میں سر ہلایا اور دونوں گھر سے

نکل کر ریلوے اسٹیشن کی طرف چلے آئے۔ احمد آباد کا

ریلوے اسٹیشن وسیع و عریض جھنگ کی حیثیت رکھتا تھا۔ انہیں

گھٹ چکر کو حواشی کرتے ہوئے کافی دیر گزر گئی پھر ایک



درمیان پھینکا تھا۔ اب اتنی ہی بات پر قل کا مقدمہ دائر ہو جاتا اس کی سوچ سے بالاتر تھا۔ تاہم وہ اتنی جلدی جتنی جواب دینا نہیں چاہتا تھا۔ ٹکٹ چیکر نے اسے دودن سوچنے کی مہلت دی اور حوالات سے باہر چلا گیا۔ دوسرے دن سلطان اس سے ملنے کے لیے آیا۔ یعقوب نے اسے تمام معاملے سے آگاہ کرنے کے بعد کئی معقول دلیل سے مشورہ کرنے کے لیے کہا۔ سلطان نے شام تک کی مہلت مانگی۔ اس کے جانے کے بعد یعقوب نے پکا حلیہ کیا کہ رہا ہونے کے بعد وہ عابدہ کو قتل کر دے گا۔ چاہے اسے قتل کے بعد پھانسی پر ہی کیوں نہ چڑھنا پڑے۔ شام کو سلطان نے اسے بتایا کہ وکیل نے حالات سے آگاہی کے بعد اس بات کی تصدیق کر دی ہے کہ اگر کار پارکنگ کا چوکیدار اس کے خلاف کوئی دینے کے لیے آمادہ ہے اور گولیوں کی ڈیبا پر اس کی انگلیوں کے نشانات موجود ہیں تو پھر یعقوب پر قتل کا مقدمہ دائر کیا جاسکتا ہے۔ یعقوب گردن تک دلدل میں پھنس چکا تھا۔ ہر چند کے اس کے خیال میں بیان میں رد و بدل کر دینے میں کچھ مضائقہ نہیں تھا۔ وہ گرفتار ہو چکا تھا۔ اگر ٹکٹ چیکر کی بات نہ مانی جاتا تب بھی سزا تو اسے ہوتی تھی۔ تاہم عابدہ کے لیے اس کے دل میں نفرت کا سستہ موجزن ہو چکا تھا۔ وہ اس سے بدلہ لینے کے لیے انتہائی درجے کی بے چینی محسوس کر رہا تھا۔ دوسرے دن اس نے ٹکٹ چیکر کے سامنے ہائی پھرتے ہوئے کہا کہ وہ بیان میں رد و بدل کے لیے آمادہ ہے لیکن اس کے بدلے میں اسے زیورات کی فروخت کے بعد سے والی رقم میں حصہ چاہیے۔ ٹکٹ چیکر نے طنز یہ طے کیے میں جواب دیا۔ ”چیکرے میں قید پر نہ سے کو مٹا لے کا حق نہیں ہوتا۔ اس کی زندگی اور موت کا دار و مدار صیاد کی مرضی پر ہوتا ہے اور میرا تم سے مزید مطالبہ یہ ہے کہ بیان دینے سے قبل جنہیں عابدہ کو طلاق دینا ہوگی اور اگر تمہاری رہائی کے بعد عابدہ کو کسی بھی قسم کا نقصان پہنچا تو اس نقصان کے ڈتے دار بھی تم ہو گے۔“

یعقوب نے انکار پر سر ہلاتے ہوئے جواب دیا۔ ”میں اسے طلاق نہیں دوں گا اور اگر مجھے مجبور کر دے تو میں بیان میں رد و بدل کرنے سے بھی انکار کر دوں گا۔“

ٹکٹ چیکر نے اپنے پیچھے اندھیرے جسے میں کھڑے ہوئے شخص کو قریب بلایا۔ وہ کار پارکنگ کا چوکیدار تھا۔ ٹکٹ چیکر نے اس سے پوچھا۔ ”کیا یہ وہی شخص ہے جسے تم نے شیخ الرحمن صاحب کے ساتھ دیکھا تھا؟“

چوکیدار نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بتایا۔ ”ہے“

ٹکٹ یہ وہی ہے۔ میں نے نہ صرف اسے گاڑی میں بیٹھنے ہوئے دیکھا تھا بلکہ دو دن والی ڈیبا کو بھی اپنی جیب میں منتقل کرتے ہوئے دیکھا تھا۔ یہ شیخ الرحمن صاحب کا قاتل ہے۔“

ٹکٹ چیکر نے اسے واپس اپنی جگہ کی طرف جانے کے لیے کہا پھر یعقوب سے زہر خند لیے میں بولا۔ ”جو بھی فیصلہ کرنا چاہتے ہو، جلد از جلد کر ڈالو۔ میرے پاس وقت بہت کم ہے۔ اگر انکار کر دے تو کل صبح تم پر قتل کا مقدمہ دائر کر دوں گا۔“

یعقوب اپنے سر کو دونوں ہاتھوں میں تمام کر زمین پر بیٹھ گیا۔ اب تک جو کچھ بھی ہو رہا تھا وہ اس کی مرضی کے خلاف ہو رہا تھا۔ وقت کا دھار اسے بس بچنے کی طرح تباہی کی طرف دھکیل رہا تھا۔ اس کے سوچنے سمجھنے کی حس تقریباً مفلوج ہو کر رہ گئی تھی۔ وہ چاہتے ہوئے بولا۔ ”جاؤ یہاں سے دور ہو جاؤ۔ میں تمہاری ہر بات ماننے کے لیے تیار ہوں لیکن قید سے رہائی کے بعد میں تم سے کسی کو بھی زندہ نہیں چھوڑ دوں گا۔“

ٹکٹ چیکر کے چہرے پر فاتحانہ مسکراہٹ رقص کرنے لگی اور وہ کمرے سے باہر نکلا۔

☆ ☆ ☆

دوسرے دن ٹکٹ چیکر کے ہمراہ وکیل اور عابدہ حوالات کے کمرے میں داخل ہوئے۔ عابدہ کو دیکھ کر یعقوب کا خون کھولنے لگا۔ وہ سامنے آنے سے اجڑا کر کر رہی تھی اور کئی محسوس بچے کی طرح ٹکٹ چیکر کے پیچھے چھپنے کی کوشش کر رہی تھی۔ ٹکٹ چیکر نے اسے بازو سے تھامتے ہوئے یعقوب کے سامنے کھڑا کر دیا اور تلخ لہجے میں بولا۔ ”تو اس سے اتنا ڈرتی کیوں ہے؟ اس کی اتنی اوقات نہیں کہ یہ میرے سامنے تجھے ہاتھ دینا سکے تو مطمئن ہو کر قانونی کارروائی میں وکیل کا ساتھ دے۔“

عابدہ نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے وکیل کے ہاتھ میں پکڑے ہوئے کاغذات تھامے۔ وکیل نے پوچھا۔ ”کیا تو یعقوب دلدل محبوب احمد سے طلاق چاہتی ہے؟“

عابدہ نے ہراساں لگا ہوں سے ٹکٹ چیکر کی طرف دیکھا۔ وہ براہ راست یعقوب کی طرف دیکھنے سے اجتناب کر رہی تھی۔ ٹکٹ چیکر نے اسے ولا سادایا۔ عابدہ نے کن انگوٹھوں سے یعقوب کی طرف دیکھتے ہوئے سر کو اثبات میں بلایا۔ معاملہ یعقوب کی برداشت سے باہر ہو گیا۔ اس نے اچانک ہی حوالات کی سلاخوں سے ہاتھ

باہر نکال کر عابدہ کی گردن کو پکڑ لیا پھر غصے سے چلاتے ہوئے بولا۔ ”میں تجھے زندہ نہیں چھوڑ دوں گا۔ تجھے تیری وجہ سے حوالات کی ہوا کھانا پڑی۔ میں تیری زندگی کو بھی جہنم بنا کر رکھ دوں گا۔“

ٹکٹ چیکر اور وکیل نے بمشکل تمام عابدہ کو اس کے آہنی قہقے سے نجات دلائی۔ وہ اپنی گردن کو کھینچے ہوئے سلاخوں سے دور ہو کر کھڑی ہو گئی۔ یعقوب اسے گالیاں دے رہا تھا اور مسلسل ڈرا دھمکا رہا تھا۔ وکیل نے اسے سلاخوں کے پیچھے دھکیلنے کی کوشش کی لیکن وہ وہیں جم کر کھڑا رہا۔ عابدہ کے کانوں میں اس کے الفاظ گونج رہے تھے۔

”قانون مجھے کہتے دنوں تک سلاخوں کے پیچھے قید رکھے گا۔ آخر کار مجھے رہا کرنا ہی پڑے گا۔ میری بات کان کھول کر سن لے جس دن میری رہائی ہوگی وہ دن تیری زندگی کا آخری دن ہوگا۔ تجھے موت کے منہ میں دھکیلنے کے بعد مجھے پھانسی پر ہی کیوں نہ چڑھنا پڑے مجھے اس کا شوق نہیں ہوگا۔“

یعقوب کو آئے سے باہر ہوتا دیکھ کر ٹکٹ چیکر نے وکیل کو جلد از جلد قانونی کارروائی مکمل کرنے کے لیے کہا اور عابدہ کا ہاتھ تھامے کمرے سے باہر نکل گیا۔ وکیل نے چند کاغذات پر یعقوب کے دستخط لیے پھر اس کا مختصر بیان قلمبند کرنے اور ضروری ہدایات دینے کے بعد حوالات سے باہر آ گیا۔ ٹکٹ چیکر عابدہ کے ہمراہ اس کا منتظر تھا۔ وکیل نے عابدہ کا گھونٹا مختلف جگہوں پر لگوایا اور ٹکٹ چیکر کو بتایا کہ کاغذات مکمل ہو گئے ہیں۔ جلد طلاق کو قانونی حیثیت دے دی جائے گی۔

ٹکٹ چیکر نے اثبات میں سر بلایا اور تینوں تھامے سے باہر نکل آئے۔

☆ ☆ ☆

یعقوب نے ٹکٹ چیکر کے کہنے کے مطابق اپنے بیان میں رد و بدل کر دی تھی۔ اس پر کچھ عرصے مقدمہ چلا اور اسے تین سال قید با مشقت کی سزا ہو گئی۔ اس نے فرار ہونے والے ساتھی کا فرضی حلیہ بیان کیا تھا۔ سب کچھ ٹکٹ چیکر کے حسب مشا ہوا۔ لیکن یعقوب کے دل میں عابدہ کے لیے نفرت میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ اب اس کی زندگی کا مقصد صرف اسے قتل کر دینا ہی رہ گیا تھا۔ دوسری طرف ٹکٹ چیکر نے عابدہ سے ساتھ شادی کر لی۔ عابدہ کا دائمی توازن حوالات کی ملاقات کے بعد بری

حساب کتاب طرح متاثر ہوا تھا۔ اس کی دماغی کیفیت میں روز بروز اضافہ ہونے لگا۔ اس نے گھر سے باہر نکلنا ترک کر دیا۔ گھر میں رہتی تو کھڑکیاں اور دروازے بند کر کے رہتی۔ اسے بھول جانے کی بیماری پہلے سے لاحق تھی۔ اب بیماری کی شدت میں اضافہ ہو گیا تھا۔ تاہم بیماری کے باوجود بھی وہ یعقوب کا خوف بھلا نہیں پاتی۔ ٹکٹ چیکر نے نفسیاتی ڈاکٹروں سے اس کا علاج کروایا لیکن اتفاقاً نہیں ہوا۔ اس کی بیماری میں بتدریج اضافہ ہوتا رہا۔ وہ تمام رات جاگ کر گزارتی تھی۔ دو چہرہ کو چند گھنٹوں کے لیے سو جاتی تھی۔ یہ نیند بھی اس وقت ممکن ہوتی تھی جب ٹکٹ چیکر گھر میں ہوتا تھا۔ ایک اسپیشلسٹ ڈاکٹر نے تفصیلی چیک اپ اور حالات سے آگاہی کے بعد ٹکٹ چیکر کو بتایا کہ عابدہ کے دماغ میں پیدا ہونے والا خوف جڑ پکڑ چکا ہے۔ جب تک خوف پیدا کرنے والے وجود کا خاتمہ نہیں کیا جاتا۔ اس وقت تک عابدہ نارمل زندگی گزارنے کے قابل نہیں ہو سکتی۔ درحقیقت عابدہ کو یعقوب کی رہائی کا خوف اندر ہی اندر کھلاتے جا رہا تھا۔ ٹکٹ چیکر اسے لے کر واپس آ گیا۔ وہ ان چند دنوں میں عابدہ کی صحبت میں بری طرح گرفتار ہو چکا تھا لیکن اس کی بیماری اسے ایک آنکھ نہیں بھاتی تھی۔ چند دنوں کی سوچ بچار کے بعد آخر کار وہ انتہائی اقدام اٹھانے کے لیے تیار ہو گیا۔ اس نے چند دنوں کے لیے ملازمت سے چھٹی لی اور عابدہ کو رشتے دار عورت کے پاس چھوڑ کر مرحوم شیخ الرحمن کے گھر چلا آیا۔ ان کا گھر شہر کے مضافات میں واقع تھا۔ گیت پر متعین چوکیدار سے جب اس نے مسز شیخ الرحمن سے ملاقات کی خواہش کا اظہار کیا تو چوکیدار اسے اپنے ہمراہ سنگ دم میں لے آیا۔ کچھ دیر بعد مسز شیخ الرحمن اس کے سامنے صوفے پر موجود تھیں۔ ان کی طبیعت اب بھی ناساز تھی۔ مانتھے پر دو بیٹا بندھا ہوا تھا۔ ان کی عمر پچاس سے مچھین کے درمیان تھی۔ آنکھوں پر موٹے شیشوں والی بینک لگی ہوئی تھی۔ انہوں نے بیزار لہجے میں ٹکٹ چیکر سے آنے کی وجہ دریافت کی۔

ٹکٹ چیکر بولا۔ ”میں تکلیف کی معافی چاہتا ہوں۔ لیکن معاملہ اتنا کبیر اور حیران کن ہے کہ مجھے مجبوراً یہاں آنا پڑا۔ میں آپ کا زیادہ وقت نہیں لوں گا اور اصل بات کو جلد از جلد بیان کرنے کی کوشش کر دوں گا۔“ وہ چند لمحوں کے لیے خاموش ہوا۔ مسز شیخ الرحمن استغیاب سے لگا ہوں سے اس کی طرف دیکھنے لگیں، وہ دوبارہ بے محکام ہوا۔



”آپ یقین نہیں کریں گی لیکن حقیقت یہ ہے کہ آپ کے شوہر کی ناگہانی موت قدرتی نہیں تھی۔ انہیں کل کیا گیا تھا۔ میرے پاس کل کا ثبوت مع گواہ موجود ہے۔ اگر آپ میری بات پر یقین کرتی ہیں تو آپ کو میرے ہمراہ جائے وقوعہ پر جانا ہوگا۔“

سرسٹیف الرحمن برلیس۔ ”وہ بارت کا سر بیٹھ تھا۔ گزشتہ سال اس کی سرجری ہوئی تھی۔ ڈاکٹر اس کی حالت سے مطمئن نہیں تھے۔ انہوں نے جواب دے دیا تھا۔ اس کی موت کے بعد پولیس والے اس کے چہرے پر شک کر رہے تھے لیکن میں نے زبردستی کبیں بند کر دیا۔ جب جانے والا میں چلا گیا تب کسی اور کو پریشان کر کے اس کی روح کو اذیت دینے کا کیا فائدہ۔“

گٹ جیکر بولا۔ ”آپ ایک خوشی کا دردہ ساتھ دے رہی ہیں۔ اسے زیورات چرانے کے جرم میں سزا ہو چکی ہے۔ وہ مینی گواہ کا دشمن بن چکا ہے۔ مینی گواہ میری بیوی ہے اور اس کی زندگی چہرے کی موت کی مرہون منت ہے۔ یہ بات حقیقی ہے کہ آپ کے شوہر کی موت میں چہرے کا ہاتھ پایا جاتا ہے۔ ان کی موت سے کل اور دن کا دورہ پڑنے کے دوران وہ گاڑی کے اندر موجود تھا۔ گروہ دل کے دورے پر قابو پانے والی گولیاں بروقت سرٹیف الرحمن صاحب کو دے دیتا۔ تو ان کی موت واقع نہیں ہوئی۔ لیکن اس نے نہ صرف گولیوں کو چھپا دیا بلکہ زیورات کے ہمراہ فرار بھی ہو گیا۔ جس مال سے سرٹیف الرحمن صاحب شاپنگ کر کے باہر نکلے تھے۔ اس کی پارکنگ کا چوکیدار تمام معاملے کا مینی گواہ کے طور پر میرا ساتھ دینے کے لیے تیار ہے۔ مجھے صرف کل کا مقدمہ دائر کرنے کے لیے آپ کی اجازت درکار ہے۔“

سرسٹیف الرحمن نے حیرت بھری نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ”تمہاری بیوی معاملے کی مینی گواہ کیسے بنی؟ کیا اس کا چہرے کے ساتھ کوئی تعلق ہے۔“

گٹ جیکر نے تشریحی نگاہوں سے سرٹیف الرحمن کی طرف دیکھتے ہوئے انہیں تمام معاملے کی باریکیوں سے آگاہ کر دیا۔ انہوں نے نہایت توجہ کے ساتھ گٹ جیکر کی بیان کردہ تفصیلات کو سننا حالات کی سنجیدگی اور معاملے کی اہمیت بتانے کے بعد گٹ جیکر نے اچھا آمیزچہ میں انہیں مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ اس کی بیوی کی زندگی اور موت کا انحصار ان کی ہاں یا ناں پر ہے۔ تاہم وہ جو بھی فیصلہ کریں گی اسے خوش منظور ہوگا۔ چند لمحات کے بعد وہ گٹ جیکر سے سرٹیف

الرحمن نے ہاں کر دی۔

دوسرے دن دیکھوں سے تفصیلی مشورہ کیا گیا۔ کار پارکنگ کے چوکیدار کا بیان سنا گیا۔ وہ اس کی ڈیوٹی سے فکڑ پڑتے اٹھائے گئے پھر تمام معاملات کو مد نظر رکھتے کے بعد یعقوب پر کل کا مقدمہ دائر کر دیا گیا۔ اس کی جانب سے سرکاری وکیل نے دفاع کرنے کی حتی المقدور کوشش کی لیکن محکم ثبوت اور یقینی شہادت کی گواہی کے بعد اس کی وکالت میں زیادہ جان نہیں تھی۔ باقی کی سرکار عابدہ کے بیان نے پوری کر دی۔ پھر تھوڑے عرصے کی مقدمے بازی کے بعد یعقوب کو پچاسی کی سزا سنائی گئی۔ گٹ جیکر فاتحانہ انداز میں عابدہ کے پاس آ گیا۔ وہ بیان دینے کے فوراً بعد گٹ جیکر چلی آئی تھی۔ اس میں یعقوب کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں تھی۔ گٹ جیکر نے جب اسے یعقوب کی پچاسی کی خبر سے مطلع کیا۔ تب وہ مزید ہراساں ہوئی اور خوف زدہ کچھ میں پڑی۔ ”اب وہ مجھے زندہ نہیں چھوڑے گا۔ وہ میرا دشمن بن چکا ہے۔ مجھے اس کے خلاف بیان نہیں دینا چاہیے تھا۔“

گٹ جیکر نے اسے دلاسا دے ہوئے کہا۔ ”اسے جیل کی سلاخوں کے پیچھے سے دنیا کی کوئی حالت باہر نہیں نکال سکتی۔ تو بے فکر ہو جا۔ اگلے مہینے جب اسے پچاسی پر لٹکا جائے گا تو میں اس کی لاش دکھانے کے لیے تجھے جیل کی عمارت میں لے کر جاؤں گا۔ مجھے یقین ہے کہ اس کی لاش دیکھنے کے بعد تیرا خوف ختم ہو جائے گا۔“

گٹ جیکر کی باتوں کا عابدہ پر بڑی برابر بھی اثر نہیں ہوا۔ ہر چند کہ وہ پہلے کی نسبت کچھ مطمئن دکھائی دیتی تھی لیکن گٹ جیکر اچھی طرح جانتا تھا کہ وہ اندر سے نہایت خوف زدہ اور غیر مطمئن ہے۔ تاہم اسے یقین تھا کہ وہ یعقوب کی پچاسی کے بعد سخت باپ ہو جائے گی۔ اسے اگلے ماہ کا شدت سے انتظار تھا لیکن عابدہ نے کھانا پینا ترک کر دیا تھا۔ اس کی حالت رفتہ رفتہ کے ساتھ ساتھ دگرگوں ہوتی چلی جا رہی تھی۔ آنکھوں کے گرد سیاہ پٹے پڑنے لگے تھے۔ رنگ ہلکا ہلکا ہو کر رہ گیا تھا۔ وہ بات بے بات روئے لگتی تھی۔ ڈاکٹر نے اسے نیند کی گولیاں کچھ دیں۔ لیکن بعد دو ہفتہ کے علاوہ سکون اس کی زندگی سے نکل گیا تھا۔ گٹ جیکر اب بھی غمزدہ تھا۔ اسے صرف یعقوب کی موت کا انتظار تھا۔ وہ جانتا تھا عابدہ کے دل و دماغ پر یعقوب کا خوف مسلط ہو گیا تھا۔ اس کی موت کے بعد وہ یقیناً اس خوف و ہشت سے چھٹکارا حاصل کرنے کی اور

بعد از پچاسی ہرگز زندگی کی طرف لوٹ آئے گی۔ اگلے مہینے یعقوب کو پچاسی دے دی گئی۔ گٹ جیکر عابدہ کو ساتھ لے کر گھر سے کل جیل خانے چلا آیا تھا۔ جیل میں اچھی خاصی جان بچانے کے باعث وہ اس کی لاش عابدہ کو دکھانے لگا۔ جیل کی عمارت کے اندر بھی ہوئی انتظار کا وہیں تکٹ جیکر اور عابدہ کے علاوہ سلطان بھی یعقوب کی پچاسی کا شہکار تھا۔ اسے دیکھنے کے بعد عابدہ کی حالت ابتر ہونے لگی۔ ہر چند کہ اس کے ساتھ گٹ جیکر موجود تھا۔ تاہم وہ اب اپنے سامنے سے بھی خوف زدہ رہتی تھی۔ سلطان نے اسے گٹ جیکر کے ہمراہ دیکھ کر گھڑی سے منہ دوسری طرف پھیر لیا۔ گٹ جیکر عابدہ کا ہاتھ تھامے قریبی کچھ پر بیٹھ گیا۔ عابدہ بھندھی کہ وہ گھر جانا چاہتی ہے۔ اسے اس بات کا خوف لاحق تھا کہ یعقوب جیل کی سلاخوں کے پیچھے سے ہاتھ نکال کر اس کی گردن کو تھامنے کی کوشش کرے گا۔ گٹ جیکر اسے دلاسا دے رہا تھا کہ ایسا ممکن نہیں۔ چند منٹوں کے بعد قانون کے محافظ اسے پچاسی پر چڑھا دیے والے ہیں۔ اس کے بعد اس کا خوف ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے گا جس کی وجہ سے اس کی زندگی مطلوب ہو کر رہ گئی ہے۔ عابدہ خاموش ہوئی۔ تاہم اس کی آنکھوں میں خوف کا ایسا منظر پایا جاتا تھا جو کبوتر کی آنکھوں میں اس وقت دکھائی دیتا ہے۔ جب وہ غیر متوقع طور پر جیل کے بیرونی میں قید ہو جاتا ہے۔ جگر کی اذیت کے فوراً بعد یعقوب کو پچاسی دے دی گئی اور اس کی لاش کو چار پائی پر رکھ کر سلطان کے حوالے کر دیا گیا۔ لاش سفید چادر میں ملفوف تھی۔ گٹ جیکر نے عابدہ کا ہاتھ تھاما اور اسے چار پائی کی طرف لے جانے لگا۔ عابدہ نے ڈر و تھاروہ شروع کر دیا۔ اسے اپنا سانس سینے میں اٹکا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ ہاتھ پاؤں برف کے مانند سرد ہو گئے تھے۔ اس کی حالت دیکھ کر گٹ جیکر کو ترس آنے لگا لیکن یہ اس کے لیے ضروری تھا کہ وہ عابدہ کے خوف کو ختم کرنے کے لیے اسے یعقوب کی لاش کے قریب لے آتا۔ اس لیے اس نے کچھ ہیدوڑی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسے لاش کی طرف کھینچا شروع کر دیا۔ عابدہ نے مزاحمت کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکی۔ چار پائی کے قریب پہنچنے کے بعد گٹ جیکر نے یعقوب کی لاش پر سے چادر ہٹا دیا۔ عابدہ نے کچھ سانس دے کر دلوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپا لیا۔ گٹ جیکر کی اپنی حالت بھی خراب ہونے لگی۔ یعقوب کی زبان جلیں سے باہر نکل رہی تھی اور گردن کی ہڈی ٹوٹ چکی تھی۔ اس کی ٹھکی ہوئی آنکھوں میں اب بھی تکلیف کی

حساب کتاب

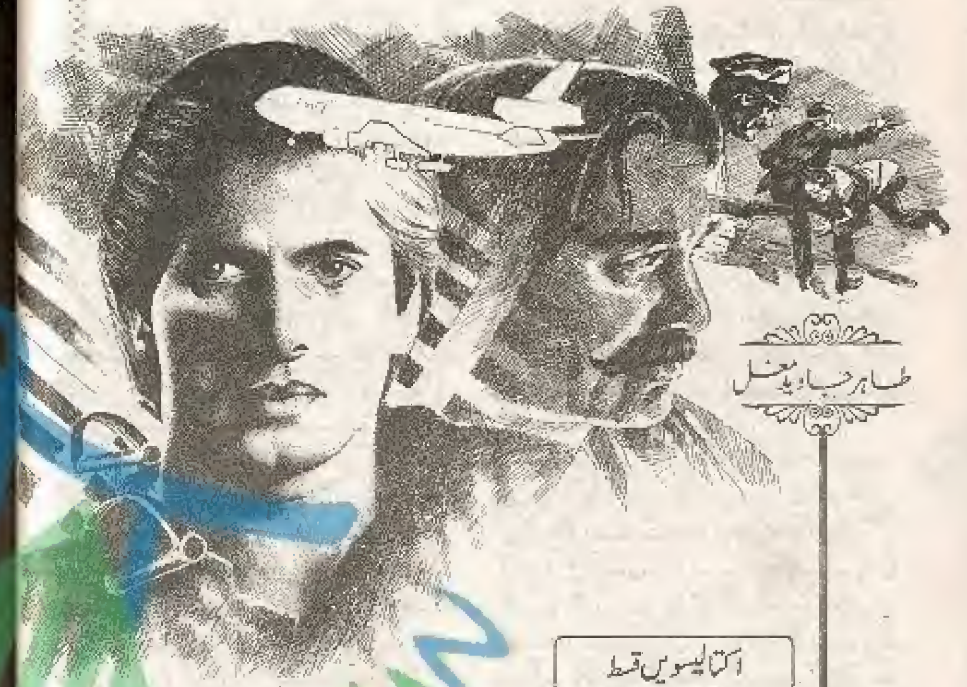
شدت پناں تھی۔ عابدہ ٹھکی ماندھے لاش کی طرف دیکھ رہی تھی۔ آنکھیں سناکت ہو کر رہ گئی تھیں۔ جس میں کسی قسم کی حرکت کے آثار نہیں تھے۔ گٹ جیکر نے اسے کچھ کی طرف لے جانے کی کوشش کی۔ مگر وہ زمین پر ڈھسے ہی گئی۔ گٹ جیکر نے پریشان انداز میں اس کے پاس بیٹھتے ہوئے چہرے کو کھینچنا شروع کیا۔ وہاں قریب ہی جیل خانے کا ڈاکٹر موجود تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر عابدہ کی ٹھکی چپک کی۔ وہ ساکت تھی۔ اس نے گٹ جیکر کو بتایا۔

”اس عورت کی موت واقع ہو گئی ہے۔ اسے کمزور دل عورت کو پچاسی گھر میں نہیں لانا چاہیے تھا۔ غیر معمولی دھچکا ہارت ایک کا باعث بن گیا ہے۔ تاہم مزید کچھ کہنا تفصیلی چپک اب کے بعد ممکن ہے۔“

گٹ جیکر سرگودوں ہاتھوں میں تمام کر جہاں تھا وہیں ہٹا رہ گیا۔ سلطان نے چند سیڑیوں کے ساتھ یعقوب کی لاش کو جیل خانے کے باہر کھڑی ہوئی ایسی پولیس میں منتقل کیا اور قریبی قبرستان کی طرف روانہ ہو گیا۔ ایک پولیس اہلکار نے زمین پر بہت سے بیٹھے گٹ جیکر کے کانٹھوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے بتایا کہ جیل خانے کا انچارج اس سے بات چیت کرتا جاتا ہے۔ گٹ جیکر کھٹے ہوئے قبر میں سے انچارج کے گھرے کی طرف چلا آیا۔ گھرے میں داخل ہونے کے فوراً بعد اس کے ہاتھوں میں ٹھکی لاش پڑنا دی گئی۔ اس نے حیرت بھری نگاہوں سے اسپیکر کی طرف دیکھا لیکن اس کے سامنے رکھی ہوئی میز پر زیورات کا ڈبا دیکھ کر اسے کچھ پوچھنے کی ہمت نہیں ہوئی۔

اسپیکر بولا۔ ”یعقوب نے پچاسی سے قبل زیورات لے کر فرار ہونے والے اپنے ساتھی کا نام بتا دیا ہے۔ ہمیں تم پر پہلے ہی شک تھا لیکن ثبوت کی عدم موجودگی کے باعث تم پر ہاتھ ڈالنے سے قاصر تھے۔ تاہم اس کے بیان دینے کے بعد جب ہم نے تمہارے گھر کی تلاشی لی۔ تو بیک لاکر کے کانڈرات اور چابی میں دستیاب ہو گئے۔ بیک لاکر سے ہمیں چوری کیے ہوئے زیورات مل گئے۔ یعقوب کے بیان کے مطابق تم نہ صرف زیورات میں ملوث تھے بلکہ سرٹیف الرحمن صاحب کے کل میں بھی تمہارا ہاتھ تھا اور پچاسی پر چڑھنے والے قیدی کے بیان کی اہمیت سے تمام جیل خانہ واقفیت رکھتا ہے۔“ گٹ جیکر نے فحشے چلاتے ہوئے اپنے دفاع کی کوشش کی لیکن پولیس کے سپاہی اسے دھکیلتے ہوئے کمرے سے باہر لے گئے۔





طاہر حسنین

اکتالیسویں قسط

انگلہ

ٹپکی کڑ دریا میں ڈال... بات محاورے کی جد تک تھیک ہو سکتی ہے لیکن خونخواری اور سفاکی کے اس درجہ میں ٹپکی کوٹنے والے کو ہی کمر میں پتھر باندھ کر دریا میں ڈال دیا جاتا ہے۔ انسان بے لوث پروا اور سیت میں درد مند دل رکھتا ہو تو اس کے لیے قدم قدم پر ہولناک آسیب مٹہ بھانے انتظار کر رہے ہوتے ہیں۔ بسکیوں کے سرخیل اور جاگیرداروں کے بے رحم سرخوہ لہو کے پیاسے ہو جاتے ہیں... اپنیوں کی تگاہوں سے نفرت کے انگارے ہر سے لگتے ہیں... امتحان در امتحان کے ایسے کڑے مراحل پیش آتے ہیں کہ علم کمزور ہو تو مقابلہ کرنے والا خود ہی اندر سے ریزہ ریزہ ہو کر بکھرتا چلا جاتا ہے لیکن خواصہ جوان ہو تو پھر ہر سازش کی کوکھ سے دلیری اور نہایت کی تلی کہانی ابھرتی ہے۔ وطن کی مٹی سے پیار کرنے والے ایک بے خوف نوجوان کی داستان جسے ہر طرف سے وحشت و بربریت کے خون آشام سپاہیوں نے گھیر لیا تھا مگر وہ ان پیاسی دلدلوں میں رکے بغیر دوڑتا ہی چلا گیا... اٹھوڑ سوخ اور درندگی کی زنجیریں بھی اس کے بڑھتے ہوئے قدم نہیں روک سکیں۔ وقت کی میزان کو اس کے خونخوار حریفوں نے اپنے قدموں میں چھکا لیا تھا مگر وہ پار مان کر پسپا ہونے والوں میں سے نہیں تھا...

طاہر حسنین... ایک ہیرنگ اور  
دل گداز داستان...



ایسا حالات بہت خراب تھے۔ یہاں فردوس کا چہرہ رائے زل کا مخالف پارٹی میں چکا تھا۔ امریکن ایجنسی کے ساتھ مل کے پورے علاقے قبضہ کرنا چاہتا تھا۔ فردوس بھی قطعاً کماؤ داروری و دار انصریحی۔ وہ ایسٹرن کنگ کی حیثیت سے مجھے جان بھی گئی۔ میں کبھی ہم میں اس شخص کو براہ پارٹن فردوس کی بجلی ہوئی اور اس کے بیٹے کی شورشیں بڑھتی جا رہی تھیں۔ مجھے شروع سے آقا جان پر شک تھا۔ اور اس کی سرگرمیاں بڑھتی جا رہی تھیں۔ رائے زل اور امریکن ایجنسی کی قوت نے عمل پر دھاوا دے دیا تھا۔ آخر تقریبی اور مل و غارت گری نے سینٹ سے انہیں بھادی تھی۔ اس سلسلے میں یہاں فردوس اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا تھا۔ اب ریاست پر پوری طرح پورے زل کا قبضہ ہو چکا تھا۔ ہم بڑی مشکل سے جان بچانے میں کامیاب ہو سکے تھے۔ آقا جان اور رائے زل کے کارندے ہماری تلاش میں تھے۔ ابراہیم اور زینب کا برا حال تھا۔ میری ذات ان کے لیے بہت بڑا سہارا تھی۔ کمال اس جنگ میں جان سے دھو بیٹھا تھا۔ ہم زریز میں مقید تھے مگر انعام نگوں میں دوڑ رہا تھا۔ جس لاش میں ہم یہاں آئے تھے وہ ابھی تک باہر موجود تھی۔ آقا جان کے آدمیوں سے مجھے ملے اسے کھانے لگا؟ ضرور دیا تھا۔ میں مشہور اور تارک زریز میں بکھرے باہر نکل گئے۔ مگر باہر پشت پھرا تھا..... تھارک پھل کر ایک کھائی میں گرنا چاہے۔ میں اور سیف اسے دھوئے لے جاتے ہیں مگر ایجنسی کے ہتھے چڑھ جاتے ہیں۔ بے تحاشا تشدد سینے کے باوجود ہم اطمینان اور ابراہیم کا پتا نہیں جانتے..... سیف کی حالت بری تھی۔ مجھے اس کو اپنے ہاتھ سے زہر دینے کے اذیت کم کرنا پڑی۔ مگر میرا اپنا سال بہت بڑھا تھا۔ امریکی لوگ نے تشدد کی انتہا کر دی تھی۔ جامانی کے حالات دزد و بزد بڑھ رہے تھے۔ میں رائے زل کی قید سے بلی چکا تھا۔ عوام کا سمندر میرے لیے وہیں تھا۔ وہ مجھے اپنا سربراہ مانا کرتے تھے۔ وہ آزادی کے لیے سر پر کفن باندھ چکے تھے۔ دارا کاٹے کا سرغاب ڈی پٹلی کی جانب تھا۔ پال کی مدد سے پوری نیم اور عوام کا سمندر کی پٹلی کی جانب کا مزن تھا۔ باہر طرف گولیاں شلیک اور دھواں دھار ڈال رہی تھی۔ بالآخر فری ہوئی عوام نے اپنے جوش و جذبے اور جنوں سے کام لے کر رائے زل کے ساتھیوں کا بازو کر دیا۔ اب تخت کے حق دار قطعاً اور ابراہیم تھے۔ وطن آنے کے بعد تاجر پر مگر چلی گئی اور میں داؤد مجاہد کے پاس تھا لیکن اس نے آئے ہی اس دشمن نے مجھے دھوئے لیا جس سے میں چھپتا پھیر رہا تھا۔ ٹیکساری کینگ پاکستان آچکا تھا ہر طرف تل و غارت گری پھیل چکی تھی..... دھجھ اسکوڈ کے کارندے میری تلاش میں کی مصہوم لوگوں کی جان لے چکے تھے۔ اب ان کا خاتمہ ضروری ہو گیا تھا میں اور ایس نے ان کے ٹھکانے کا کھوج لگا یا اور بہت ہوشیاری سے ان کے پیش واپس دان رنگ میں جنگ ڈال دیا۔ ادھر جامانی سے غارت گری جاری تھی اور سجاد کو اپنا حق فیصلہ ملنا چاہی تھی۔ دھجھ اسکوڈ کا خاتمہ بے حد ضروری تھا۔ میں نے ایس کے ساتھ ہی کران کے ٹھکانے کو تباہ کر دیا اور خود بھی بمشکل بچ جان بچا پایا۔ اس مقام پر زبردست بلاست ہوا اور مجھے میری مردہ بیٹھی لیا گیا۔ ٹیکساری کینگ سے بچنے کا ایک ہی طریقہ سمجھ میں آیا کہ میں سب کی نظروں میں مردہ رہوں۔ اپنے چہرے پر سرجری کے ذریعے تہہ ملیاں کر داکے میں بھون میں ایسٹریلین بن گیا تھا۔ سیف کے گھر اور تاجو تک رسائی کے بعد میں مٹھن میں خاتمہ تاجر تاجوری شادی دارا اب بھلی میں لے جا چکی تھی۔ ہاتھ کے جھیر میری زندگی اور جیسی وہیں اسے ساتھ لے آیا تھا مگر چانک ایس کی آمد ہوئی۔ اس نے سیف کے حوالے سے غلط باتیں کر کے تاجر کا دل خنجر کر دیا۔ وہ مجھے چھوڑ کر چلی گئی۔ میں ایس کی اس حرکت پر متحیر تھا۔ وہ بچا کے دارا اب باؤس جا چکی تھی۔ بالآخر ہم نے ایس کی دشمنی کا کھوج لگا یا۔ وہ ہڈاؤنی کے کاٹے لٹکی زد میں تھا۔ ہڈاؤنی اپنے بچے کی موت کا بدلہ ہم سب سے لینا چاہتی تھی۔ اس نے سجاد کے ہاتھوں ایس کا قتل کر دیا۔ سجاد نے اس کی انتقامی کارروائی سے بچنے کے لیے اپنی آنکھوں اور کانوں کو پتھر پھینک دیا۔ ہڈاؤنی کے دہشت ہاک حملے جاری تھے۔ اب وہ پھر ندوں کے ذریعے ہمیں ہیست و ناو دو کر دینا چاہتی تھی۔ ہڈاؤنی کا اٹکاٹار ناجورجی۔ وہ اپنے شوہر کے ساتھ جا رہی تھی۔ ہمیں اعزاء وہ تھا۔ میں قطعاً کے ساتھ ان کی گاڑی کا پیچھا کر رہا تھا۔ اور شکاری پرنندوں کا دل ہمارے تعاقب میں آ رہا تھا۔

میں دو ٹوک ہے پاکستان کسی کی تلاش میں آیا تھا مگر یہ تلاش شروع ہونے سے پہلے ہی ایک ایسا واقعہ ہو گیا جس نے میری زندگی کو بدل دیا۔ میں نے سربراہ ایک ذہنی کواٹھا کر اسپتال پہنچایا۔ مقامی پولیس نے مددگار کے بجائے مجرم ٹھہرایا اور یہاں سے جرم انصافی کا ایسا سلسلہ شروع ہوا جس نے مجھے شکیل واراب اور لالہ نظام جیسے خطرناک لوگوں کے سامنے کھڑا کر دیا۔ یہ لوگ ایک قہر گروپ کے سرخیل تھے جو باہمی کالونیاں بنانے کے لیے چھوٹے زمینداروں اور کاشت کاروں کو ان کی زمینوں سے محروم کر رہا تھا۔ میرے چچا جیٹھ نے بھی زمین کی ان کی آبائی زمین بھینچنے کو شش کی جارہی تھی۔ چچا کا بیٹا ولید اس جرم کو برداشت نہ کر سکا اور شکیل واراب کے دست راست انسپیکٹر قیصر جو دھری کے سامنے سینہ پٹان کر کھڑا ہو گیا۔ اس جرات کی سزا اسے یہی ملی کہ ان کی حویلی کو اس کی مار اور کمان کا تارہ سمیت ہلا کر رکھا گیا اور وہ خود ہشت گرد قرار پا کر قتل ہو گیا۔ انسپیکٹر قیصر اور لالہ نظام جیسے سفاک لوگ میرے قیاد میں تھے، وہ میرے بازو سے میں بچ کر نکس جاتے تھے۔ میں MMA کا پورے ٹینکس تھا، وسطی یورپ کے کسی بڑے بڑے کھسکڑ میرے ہاتھوں ذلت اٹھا چکے تھے۔ میں اپنی کھجلی زندگی نے ہمارا آپا تھا لیکن وطن بھینچنے ہی زندگی بھر مجھے آواز دینے کی مل رہی تھی۔ یہاں سے بیزار ہو کے واپس دو ٹوک جا رہا تھا کہ ایک انجی ہوئی۔ وہ جاو دی حسن رکھنے والی تھی مجھے نظر آئی جس کی تلاش میں یہاں پہنچا تھا۔ اس کا نام جاو تھا اور وہ اپنے گاؤں چاند گڑھی میں نہایت پریشان کن حالات کا شکار تھی۔ میں اس کے گاؤں اور ایک شرمیلے راجہ کی حیثیت سے اس کے والد کے پاس ملازم ہو گیا۔ ایشیاء بطور مددگار میرے ساتھ تھا۔ جاو کا غنیمت صرف اسحاق اپنے بڑاؤں زمیندار جاکھیر اور دیگر دلائی کے ساتھ مل کر جاو اور اس کے والدین مجھ کے گھر میں ایک کر رہا تھا۔ میں نے اس کے اہم مولوی فدوی کی موت میں بھی اسی ذہن دار کا ہاتھ تھا۔ مولوی جی کی بیٹی زینب ایک عجیب بھاری ڈاکٹر تھی۔ وہ زمیندار جاکھیر کے گھر میں شیک رہتی لیکن جب اسے وہاں سے لایا جاتا تو اس کی حالت خیر ہونے لگتی۔ اسی دوران میں ایک خطرناک ڈاکو حملہ ہوا جس کے گاؤں پر حملہ کیا۔ شکیل جاکھیر کا چھوٹا بھائی مارا گیا۔ میں جاو کو حملہ آوروں سے بچا کر ایک محفوظ جگہ لے گیا۔ ہم دونوں نے کچھ عرصہ وقت گزارا۔ واپس آنے کے بعد میں نے ہمیں بدل کر مولوی فدو سے ملاقات کی اور اس نتیجے پر پہنچا کہ جاکھیر کو فیر کرنے میں وہاں جو کچھ کرنا پڑا کر رکھا ہے اور یوں مولوی صاحب کو مجبور کیا جا رہا ہے کہ وہ اپنی بیٹی کی جان بچانے کے لیے اسحاق کی حمایت کریں۔ مولوی صاحب کو گل کر دیا گیا۔ ایک ٹھکانہ کوئی درگاہ کے خاتمے کے بعد ہم لوگوں کی جانب کا مرنے لگے کہ میں اور جاو سجادوں ڈاکو کے قریب سے جا بچے۔ یہاں سجادوں کی ماں (ناتونی) نے مجھے اپنا ہونے والا بوائے سمجھا۔ جس کی پوری سہا صرف مانی سے میری بات سننے لگی۔ یوں سجادوں سے ہماری جان بچ گئی۔ سجادوں کے ساتھ میرا مقابلہ پانچ ہفتے کی لڑائی میں ہو چکا تھا۔ جب میں وٹارک میں تھا اور ایک کمزور پاکستانی کو گورے اور انگریز فٹنڈوں سے بچاتے ہوئے خود ایک طوفان کی لپیٹ میں آ گیا۔ وہ غصے سے تیکڑی ٹیک کے ساتھ تھے جس کا سر نہ جاننے والا ڈیرک تھا۔ مجھ سے بدلہ لینے کے لیے انہوں نے میری پچھڑی کی دوست ڈیری کے ساتھ اسٹیج کی میل بھیل پھر ڈیری غائب ہوئی۔ اس واقعے کے بعد میری زندگی میں ایک انقلاب آ گیا۔ میرا سربراہان مارشل آرٹس کی طرف ہو گیا اور ایسٹرن جینگ کی حیثیت سے MMA کی فائٹس میں جھلکے جا رہا اور دوسری طرف اس کی ایک کی اوٹ میں تیکڑی کی جینگ کے فٹنڈوں سے برس پکڑ رہا۔ اسی مارشل آرٹس کی بدولت میں نے سجادوں سے مقابلہ کیا اور سخت مقابلے کے بعد تیکڑی کی بنیاد پر ہار مان کے سجادوں کی دل جیت لیا۔ سجادوں سے کہہ کر میں نے ایشیاء کو بلوایا۔ سجادوں ایک حسین و شہزادہ شکل کو لیا جاتا تھا۔ اس کی طرح سجادوں کو کرپاں فروڈا (ڈوے صاحب) کی خدمت میں خفے کے طور پر پیش کرنا چاہتا تھا۔ میں، ایشیاء اور جاناں ساتھ تھے۔ ہم ریڈیو خروڈ کے محل نما بٹنے پارہاؤس پہنچے۔ ڈوے صاحب اپنے دو بیٹوں کے ہمراہ بروڈی سے پاکستان شفٹ ہوا تھا۔ بروڈی میں اس کی خاندانی دشمنی چل رہی تھی۔ سجادوں کو پارہاؤس میں گلیڈی حیثیت حاصل ہو گئی۔ پارہاؤس میں کوئی بڑا چکر چل رہا تھا۔ کھون لگانے پر پتا چلا کہ بڑے صاحب کے دونوں بیٹوں میں زہر ملاصر پایا جاتا ہے۔ زینب والا صاحب بھی اس طرف اشارہ کر رہا تھا۔ دیکھا وجہ سے زینب کوئی افواہ کر رہا تھا۔ ابراہیم اور کمالی احمد کے لیے جولا کیاں تیار کی گئیں۔ وہ پارہاؤس پہنچ گئیں۔ ایک تقریب میں دونوں لڑکیوں کی رونق ملی گئی تو ان میں ایک زینب کی۔ ابراہیم نے مجھ پر اور سجادوں پر اعتراض کا اظہار کیا تھا۔ ابراہیم نے بتایا کہ دونوں بھائیوں میں زہر ملاصر موجود ہے اسی لیے ان کے لیے ایسی لڑکیاں ڈھونڈی گئی ہیں۔ میں نے ابراہیم کو گواہ کیا کہ زینب پوری طرح محفوظ نہیں ہے اور شادی کی صورت میں اسے نقصان پہنچ سکتا ہے۔ یہ سن کر ابراہیم پریشان ہو گیا۔ اوپر آ جا تا جاں جو پارہاؤس کا کزن تھا، دوھاکے کوچ اٹھے۔ میرے کہنے پر ابراہیم نے زینب کا خون ٹیسٹ کرایا تو حقیقت کھل کر سامنے آ گئی۔ اس تمام کس و عذارت میں آ جا تا جاں ملوٹ تھا مگر کوئی اس پر شک کرنے کو تیار نہ تھا۔ نا قب کی موت کے بعد بروڈی میں طاقتیں نے بڑی کارروائی کر کے ڈوے صاحب کے برادر شتی کو مار ڈالا تھا۔ بڑی تیکڑی صاحبہ کا رورہ کر رہا تھا، ان حالات سے ہر د آ رہا ہونے کے لیے میں اور سجادوں ڈوے صاحب کے ساتھ بروڈی جانے کے لیے تیار تھے۔ بروڈی جاتے سے پہلے میں ایک نظر تاجور کو دیکھا جاتا تھا۔ ایک طویل فاصلہ طے کر کے میں تاجور کی ایک جھلک ہی دیکھ پایا تھا کہ گاؤں کے چند لڑکوں نے مجھے گھیر لیا۔ میرے سامنے وہ بیٹھے تھے۔ اپنی ہار کے بعد ایک دلیرانہ کامیرو سے گھٹے کا ہار لٹکا دیا اور میرا اچھا کرتا ہوا پارہاؤس تک آ گیا۔ سیف عرف بھلی کی کٹی کالے کے لیے ہم اسے اپنے ساتھ بروڈی لے آئے تھے۔



”میں دو ساتھیوں کے ساتھ یہاں ٹکڑا ہوا ہوں۔  
بھاڑی بھی آپ کی تلاش کے لیے نہیں بھروسے ہوئے  
ہیں۔“

”گڈ، یہ اچھی بات ہے۔ مجھے لگتا ہے کہ بھاڑ اپنا  
فون بند کر کے سو چکے ہیں۔ تم فوری طور پر ان کے پاس پہنچو  
یا کسی بھی طریقے سے ان سے رابطہ کرو۔ ہم ٹکڑا ہوا  
زیادہ دور نہیں ہیں۔“

پھر میں نے مختصر الفاظ میں بتا دیا کہ ہم  
کہاں موجود ہیں اور دیگر صورت حال کیا ہے۔ اس نے  
میری بات حیرت آمیز خاموشی کے ساتھ سنی۔ آخر میں وہ  
لڑتی ہوئی سی آواز میں بولا۔ ”شاہ زیب صاحب! جو کچھ  
مجھے معلوم ہے، اس کے مطابق اس پورے علاقے میں  
پولیس آپ کو ڈھونڈتی پھر رہی ہے۔ دارج اور ان کے گھر  
دالوں کی گشتی کرنے پورے گھمے میں۔۔۔۔۔ بلکہ ہر جگہ برقی  
چالکی ہوئی ہے۔ میری ناچیز رائے تو یہی ہے کہ آپ جہاں  
ہیں وہیں رہیں۔ ہمارے پیچھے تک بالکل ادھر اُدھر نہ ہوں۔  
میں کوشش کرتا ہوں کہ جلد سے جلد بھاڑ جی سے آپ کا رابطہ  
ہو جائے۔“

”ٹھیک ہے، میں انتظار کر رہا ہوں۔ تم جلدی کرو۔  
اس فون کی چار جگہ بھی زیادہ نہیں ہے۔“

بتا دیا کہ ہم نے کتنے گھمے میں سے فخر سے کہا۔  
”میرا خیال ہے کہ ہمیں کوٹھری کے اندر چلے جانا چاہیے۔  
سنگڑ تو کوٹھری میں بھی آتے ہیں۔“

”میں بھی یہی کہنے والا تھا۔“ فخر بولا۔ پھر اگلی سے،  
دور اس قصبے کی روشتیوں کی طرف اشارہ کیا جو رات کے اس  
سنائے میں اوجھتا ہوا محسوس ہوتا تھا، کہنے لگا۔ ”ابھی مجھے  
وہاں ایک نیلی روشنی نظر آئی ہے۔ کیا پتا وہ پولیس کی کسی  
گاڑی کی ہی ہو؟“

میں نے دھیان سے طنہاتی ہوئی زرد روشتیوں کی  
طرف دیکھا۔ کوئی نیلی روشنی تو دکھائی نہیں دی۔ تاہم اس  
اوچی حویلی کا چوڑا نور در نظر آیا جہاں امیرانہ خدمت والی  
گوری جتنی مدیحہ عرف بدحوہ رہتی تھی۔ وہ رات کے  
اندھیرے میں وہاں سے چل کر آتی تھی اور اس سرنگ سے  
گزرتے ہوئے حاشیہ آگ کی لہریں لگتی تھیں۔ ”ابھی اب  
سراسر جسم کی جھلک میں بدل چکا تھا۔ اب وہ لومکا قات کا  
ٹکڑا ہو کر مندر کے دروازے میں سر پہلی لاش کی صورت میں  
پڑا تھا۔“

میں اور فخر شمشان گھاٹ کی کوٹھری کے اندر آ گئے۔

تاہم ہم نے موٹی گٹھڑی کا قدیم دروازہ کھلا دیا۔  
ابھی شروع نہیں ہوئی تھی لیکن وہاں ایک نیکی کی صورت  
موجود تھی۔ دروازہ کھلنے کے بعد وہاں کی وجہ سے آگ  
صاف تھا اور ستارے بے حد روشن نظر آ رہے تھے۔ فخر  
کہا۔ ”تمہارا کیا خیال ہے شاہ زیب! داؤد بھاڑ کو کس  
دور کرے گا؟ ظاہر ہے کہ وہ یہاں سے دور نہیں چلے گا۔  
میں جانتا ہوں کہ علاقے میں پولیس پہنچی ہوئی ہے۔“

”ممکن ہے کہ اس کے بندے کسی جگہ میں یہاں  
پہنچیں۔ اس کے پاس ہر طرح کے کارندے اور ہر طرح  
موجود ہیں۔ داؤد بھاڑ سے میری جو پہلی ملاقات ہوئی  
اس میں وہ اور اس کے ساتھی پولیس والوں کے روپ میں  
تھے۔ داؤد بھاڑ خود تو شاہ زاد ہی کسی کارروائی میں  
ہے۔ جب شاید قدرت کی مرضی تھی کہ ہماری ملاقات ہو  
لیے وہ خود بھی ایک مشین پر نکل رہا تھا۔“

”نہیں! تم نے مجھے اس ملاقات کے بارے میں  
تھا۔ ان دنوں ولیدی کی گرفتاری کے بعد تم پولیس سے چھپتے  
رہے تھے۔ ویسے۔۔۔۔۔ تمہاری یہ بات بھی سچ ہے کہ  
کے پاس ہر قسم کے سہروپے موجود ہیں۔ چوہن پہلے  
راوی قادم میں ہم نے جو مانی اور مزدور وغیرہ دیکھے تھے  
میں مانی اور مزدور تو نہیں تھے۔“

”ان میں سے کسی نے بھی آٹھ دس سے کم لالہ  
کیے ہوں گے۔“ میں نے مختصر جواب دیا۔

”میں سمجھتا ہوں کہ ان کے جتنی شہر صاحب کے پاس  
میں کیا ہر دو گرام ہے۔ انہیں ساتھ لے جاتا ہے یا یہیں چھوڑ  
دیتے تو یہیں بھی چھوڑا جاسکتا ہے۔ پولیس کو نہیں  
ایک کال کر دی جائے کہ دارا اب یہاں کا جنوی ہے۔  
اپنی سزا اور والدہ کے ساتھ مندر کے دروازے میں بایا جا  
ہے۔ پولیس کے اعلیٰ افسر پورے پورے پولیس کے ساتھ  
پہنچیں گے اور ان لوگوں کو لے جائیں گے۔ مگر۔۔۔۔۔  
وہی ہے کہ ہمیں پولیس والے بے احتیاجی نہ کریں۔  
باری تھی کہ ہر بندے تو ابھی وہیں منظر آ رہے ہیں۔“

”تمہارا مطلب ہے کہ پولیس والے جب مندر  
دروازہ کھولیں گے تو پرندے تاجروں پر حملہ آور ہونے کی  
کوشش کریں گے؟“

”اب تک تو ہم نے یہی دیکھا ہے کہ تاجروں کی جھک  
دیکھ کر وہ بڑی طرح ہلچل مچاتے ہیں۔ اس کا مکمل یہی ہے کہ  
ہم دارج اور اس کی چالکی کو اپنے ساتھ ہی یہاں سے

چلیں۔ یا پھر دوسرا آپشن یہ ہے کہ پولیس کو پوری طرح  
انتظام کیا جائے، انہیں بتایا جائے کہ وہ اپنے دی آئی لیا  
(دارج) کو مندر کی طرف سے نہیں بلکہ اس شمشان گھاٹ  
کی طرف سے لائیں۔۔۔۔۔ اور لگائے کہ دوران میں پوری  
طرح چسک رہیں۔“

پھر میں منٹ مزید کر کے۔ ہمارا انتظار طویل  
ہوتا جا رہا تھا۔ میں نے تین مرتبہ خود بھی داؤد بھاڑ سے رابطہ  
کرنے کی کوشش کی مگر ناکامی ہوئی۔ بتا دیا کہ فخر بھی  
مصرف جا رہا تھا۔ اس سواں کی چار جگہ بھی کم رو کی تھی  
اس لیے میں احتیاط سے استہلال کر رہا تھا۔ مجھے پتا تھا کہ  
سرنگ کے دوسرے سرے پر مندر کے دروازے میں قسطنطین  
غیرہ پریشان ہو رہے ہوں گے۔ یقیناً دارج کا بارامی  
انتہائی کوفت کے سبب چڑھنے والا ہوگا۔ میں نے فخر سے  
کہا کہ میں یہیں ٹھہرتا ہوں، وہ دروازے کا ایک چکر لگا  
آئے۔ اس سے پہلے کہ فخر جواب میں کچھ کہتا، وہ منور حوم کے  
میں فون پر کال کے مکمل آ گئے۔ یہ کال بتا دیا کہ مندر کے  
ہی آ رہی تھی۔ میں نے کال ریسیو کی، دوسری طرف سے  
بتا دیا کہ آواز آئی۔ ”شاہ زیب صاحب، ہم آج رات  
ہیں۔ میں مندر نظر آ گیا ہے۔ اب شمشان کے کھنڈروں کی  
طرف آ رہے ہیں۔“

”کتنے لوگ ہیں؟“ میں نے پوچھا۔

”پانچ بندے ہیں، تین بڑی گاڑیوں میں۔ آپ  
بالکل تیار ہیں۔“

”کوئی۔۔۔۔۔ رگڈ تو نہیں آئی؟“

”نہیں۔۔۔۔۔ ابھی تک تو نہیں آئی۔“ اس نے کہا۔

اسے لگتا تھا کہ ایک گاڑی وہ خود ہی ڈرائیو کر رہا ہے۔  
میں نے سلسلہ منقطع کیا۔ ہم فوراً سرنگ میں داخل  
ہوئے اور دروازے کی طرف بڑھے۔ بتا دیا کہ خود رابطہ کیا  
تھا، اس کا مطلب تھا کہ داؤد بھاڑ خود ساتھ نہیں ہے۔ وہ  
”قیل“ کا بندہ نہیں تھا۔ عموماً بندہ کمرے میں بیٹھ کر ہی  
احکامات جاری کرتا تھا۔ اس کارروائی کے سلسلے میں یقیناً  
اس نے بتا دیا کہ انچارج بنایا تھا۔ بتا دیا کہ کوئی عام کارندہ  
نہیں تھا۔ اس میں ملازمین موجود تھے۔ غالباً انیس کے بعد  
وہ داؤد بھاڑ کے دو تین اہم ترین ”دور کر“ میں سے تھا۔ وہ  
جسٹائز میں کے اوپر تھا، اتنا اندر بھی تھا۔

ہم تازہ سرنگ میں جھک کر دوڑ رہے تھے۔ فخر  
نے کہا۔ ”تو خوش قسمتی ہی ہے کہ بتا دیا کہ اس کے  
ساتھیوں کا گناہ ابھی تک پولیس وغیرہ سے نہیں ہوا۔“

”اللہ کرے یہ خوش قسمتی ابھی ایک ڈیڑھ گھنٹے میں  
ہمارے ساتھ رہے۔“ میں نے جواب دیا۔

درخانے میں پہنچے اور وہاں سے دارج وغیرہ کو واپس  
شمشان گھاٹ لگانے میں ہمیں پندرہ منٹ لگ گئے۔  
قسطنطین کے دونوں عموں کا فخر نے آگنی سیزمی کی مدد سے  
ایک اسٹریچر سنا بنالیا تھا۔ اس اسٹریچر کے ذریعے دارج کو  
سرنگ سے گزرنے میں کافی آسانی رہی۔ آدم خاں کا  
پاؤں زخمی تھا، تاہم فخر اور فارس کے سہارے وہ بھی جیسے  
نیچے سرنگ سے گزر کر شمشان کے کھنڈروں تک پہنچے۔  
کامیاب ہو گیا۔ سب سے پہلے میں ہی باہر نکلا۔ میرے  
پاس موجود فون کی کھنٹی مسلسل بج رہی تھی۔ یقیناً یہ بتا دیا  
تھا۔ باہر نکل کر میں نے دوسرا دھڑکنے والا فون دیکھا۔  
کے پیو نے میں نے پچیس منٹ دور دورہ کھانی دے گئے، بتا دیا  
نے گاڑیوں کی روشنائیاں بجھا دی تھیں۔

”ہم آگئے ہیں۔“ میں نے بتا دیا کہ کال ریسیو  
کرتے ہوئے کہا۔

”ہاں جی، میں نے آپ کو دیکھ لیا ہے۔“ بتا دیا کہ  
آواز آئی اور پھر گاڑیوں کے اندر سے تین چار افراد برآمد  
ہو گئے۔

سب سے پہلے بتا دیا کہ میرے پاس پہنچا۔ اس  
کے عقب میں داؤد بھاڑ کا ایک اور اہم کارندہ فاروق تھا۔  
دونوں کے ہاتھوں میں رائفلیں تھیں۔ بتا دیا کہ گرم جوش سے  
لگے ملا۔ اس نے ہانپی ہوئی آواز میں کہا۔ ”میں دیر نہیں  
کرتی چاہیے۔ سامنے قصبے کی طرف ہم نے ایک دو نیلی  
بتیاں دیکھی ہیں۔ یہ پولیس بھی ہو سکتی ہے۔“

میں نے دائیں بائیں دیکھتے ہوئے کہا۔ ”پولیس کے  
علاوہ بھی ہمیں خطرہ ہے۔ پرندے ہم سے زیادہ دور نہیں  
ہیں۔“

درخانے سے نکلنے والے ہم مکمل گیارہ افراد تھے۔  
(قسطنطین کے دونوں عموں بھی اس میں شامل تھے) بڑی تیزی  
کے ساتھ ہم ان تینوں گاڑیوں میں منتقل ہو گئے۔ ان میں  
سے ایک ٹیوی ٹی وی ڈبل سینیٹن پک آپ تھی اور وہ جہاز کی سائز  
کی گٹھڑی تھیں۔ جس گاڑی میں دارج، تاجروں اور میں  
تھے، قسطنطین بھی اسی میں تھی۔ فارس اور فخر کو دوسری گاڑی  
میں جگہ تھی۔

گاڑی کے اندر تاریکی تھی۔ مجھے کہہ گیا کہ احساس  
ہوا۔ شاید یہ جھلکی جس کا اشارہ تھا۔ مجھے لگا جیسے جب کے کچھ  
مجھے میں پہلے سے کوئی چھپا بیٹھا تھا۔ میں مرکز دیکھنا ہی چاہ



رہا تھا جب مجھے اپنے بائیں پہلو میں تیز چھن محسوس ہوئی۔ بے شک یہ آٹو بیک رائل کا پیرل تھا۔ میں نے بائیں جانب دیکھا۔ بنارس کی آنکھوں میں شعلے نظر آ رہے تھے اور مونے سیاہ ہونٹوں پر زہریلا مسکراہٹ تھی۔ وہ پچالی انداز میں بولا۔ ”اچھے ہاتھوں کو حرکت مت دینا شاہ زیب صاحب! چھ سات گولیاں اکٹھی آپ کے پیٹ میں اتر جائیں گی۔“

میں وقت تھا جب قسطنطنیہ نے بھی تیزی سے پلٹ کر دیکھا۔ اس کے عقب میں بنارس کا سماجی فاروق موجود تھا اور اس نے اپنا مشین منسل دونوں ہاتھوں سے تمام کر قسطنطنیہ کے سر سے لگا دیا تھا۔ اس کی شکل دیکھ کر ہی اندازہ ہو جاتا تھا کہ وہ زبردست تلو کا شکار ہے اور قسطنطنیہ کی ذرا سی حرکت پر غرغر دبا دے گا۔ ”خبردار میڈم! تم نے بھی کوئی حرکت نہیں کرنی۔“ وہ بھی مسکرتی نظر لے کر بولے۔

میرا برٹائل میری شرٹ کے نیچے لٹکیں کمر کی طرف تھا۔ میں وہاں تک ہاتھ پہنچانے کی کوشش کرتا تو بنارس اس سے بہت پیچھے ٹریگر دبا چکا ہوتا۔

اسی انکشاف میری چھٹی حس کا اشارہ بھی درست ثابت ہو گیا۔ جیب کے عقبی حصے میں نشستوں کے پیچھے ایک نہیں دو مسلح افراد موجود تھے۔ میں یہ جان کر دنگ رہ گیا کہ یہ ٹیکساری گینگ کے وہی بدنام زمانہ شیطان زاوے تھے جن سے لوگ پناہ مانگتے تھے۔ ان میں سے ایک کا خوشی سے بھرپور و سرخوہ قہقہہ میرے کانوں سے ٹکرایا۔ ”تم کیا سمجھتے تھے ایسٹرن لائی آسانی سے ہم سے چھپا چھڑا لو گے؟“

میں نے آواز سے پہچان لیا۔ یہ گینگ کے ان بچے کچھ خیشوں کا انخارج رہی تھا۔ میرا مارچ چکر اکر رہ گیا۔ یہ سب کیا ہوا تھا؟ اور کیسے؟

میں نے ایک بار پھر سر کرکوتاہ قد بنارس کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر بیگانگی اور دشمنی کے سوا اور کچھ دکھائی نہیں دیا۔ ”یہ کیا ہو رہا ہے بنارس! داؤدو بھاؤ تمہارا باریک قہقہہ ہوا دے گا۔“ میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

”یہ بعد کی باتیں ہیں۔ فی الحال آپ جناب اپنے ہاتھوں کو اپنے گھٹنوں پر رکھو۔ میں گھوڑا دبائے میں ایک سیکنڈ کی دیر بھی نہیں کروں گا۔“

اسی دوران میں ڈیجھ اسکوڈ کے انخارج رہ گئی نے عین سیٹ پر آکر اپنا ہاتھ آگے بڑھا دیا اور میری شرٹ کے نیچے سے پائلٹ کھینچ لیا۔ دوسری طرف فاروق اور اس کے

ایک ساتھی نے قسطنطنیہ کو بھی بڑی تیزی اور احتیاط سے تھپتا کر دیا تھا۔ دارج، تاجور اور اس کی عورت ساس بڑی حیرت سے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ دارج نے بھی ٹیکساری گینگ کے قاتل شہو گزروں کو جیب میں دیکھ لیا تھا اور غالباً وہ سمجھ گیا تھا کہ وہ اپنے لوگوں میں ہی ہے۔ اس نے اپنے اکھڑے لہجے میں بنارس سے پوچھا۔ ”کس نے بھیجا ہے تم لوگوں کو یہاں؟“

بنارس ادب سے بولا۔ ”میرا! آپ بالکل پریشان نہ ہوں، ہم آپ کی مدد کے لیے ہی تو آئے ہیں۔ یہ سب کچھ جناب ٹیکس صاحب کے آرڈر پر ہوا ہے۔ وہ ابھی آپ سے فون پر بات کرتے ہیں۔“

میرے دل نے گواہی دی کہ یہ بد بخت بنارس جسے ہم بھاؤ کا خاص بندہ سمجھتے تھے، اندر سے ٹیکس اور اب اس کے ہمنواؤں سے مل چکا ہے۔

اب یہ بات بھی اچھی طرح سمجھ میں آ رہی تھی کہ علاقے میں پولیس کی موجودگی اور سرچ آپریشن کے باوجود یہ تینوں گاڑیاں شمشان گھاٹ تک کیسے پہنچ گئیں۔ ان میں سے دو گاڑیاں تو داراب ٹیکس کی ہی تھیں۔ انہیں یہاں آنے سے کوئی روک سکتا تھا۔ کوئی پولیس آفیسر کتنا بھی فرض شناس ہوتا، ان گاڑیوں کے راستے میں روک ٹوک نہیں ڈال سکتا تھا۔

اب یہ تینوں گاڑیاں ہمیں لے کر تیز رفتاری سے ناموار راستے پر دوڑا رہی تھیں۔ اب تینوں گاڑیوں نے ہیڈ لائٹس آن کر لی تھیں۔ گاڑیوں کی ہیڈ لائٹس دیکھنے کے بعد پتا چلا کہ گاڑیوں کی کل تعداد اب چار ہو گئی ہے۔ میں ممکن تھا کہ کوئی پولیس موہاں بھی ان میں شامل ہوئی ہو۔ نشستوں کی پوزیشن کچھ ایسی تھی کہ میں اور قسطنطنیہ تقریباً آٹھ سو سانسے بیٹھے تھے۔ میرے علاوہ بنارس اور قسطنطنیہ کی نگاہ بھی بار بار جیب کی کھڑکیوں سے باہر پلٹنے کی طرف جاتی تھی۔ یقیناً ان کے ذہنوں میں بھی غوثی طوطوں والا اندیشہ موجود تھا۔ طوطے گوتمدر کی جانب تھے لیکن ہماری گاڑیوں سے بہت زیادہ دور بھی نہیں تھے۔ جب ہم پانچ چھ کلومیٹر دور نکل آئے تو طوطوں کی طرف سے کسی طرح کی جارحیت کا اندیشہ تقریباً ختم ہو گیا۔ ان کو ہمارے پیچھے پڑے قریباً چار دن ہو چکے تھے۔ یہ بھی ممکن تھا کہ ہاناواری نے خودی کش کے دوران میں ان پر ہندوں کو جو ”کھینچوں“ دی ہو اس کا اثر وقت گزرنے کے ساتھ کم ہو گیا ہو۔ یا پھر زائس ہونے کے قریب ہو۔ بہر حال کچھ بھی تھا، تاجور کی موجودگی کے باوجود پرندے ہمارے پیچھے نہیں آئے تھے۔

”ہمیں کہاں لے جا رہے ہو؟“ میں نے سمجیر آواز میں بنارس سے پوچھا۔

”یہ تو بائیں ہی جاتا ہے۔“

”اور بائیں کون ہے؟“

”حضرت آگ جناب ٹیکس صاحب۔“ بنارس نے اطمینان سے جواب دیا۔ وہ بے حد اگرت بیٹھا تھا، اس نے اپنی انگلی کو آٹو بیک سینیور ایم ایم کے ٹریگر پر بالکل چوکس رکھا ہوا تھا۔

”میری بات کراؤ اس سے۔“ میں نے سرسراتے لہجے میں کہا۔

”بائیں تو ہوں گی اور بہت زیادہ ہوں گی، آپ پریشان نہ ہوں۔“

”ٹیکس بند کر۔ یہاں چلتی گاڑی میں خون خرابا ہو جائے گا۔“

میرا فقرہ مکمل ہونے سے پہلے ہی مشینی نشست سے کچا شیطان کی پٹلی نکلا۔ ”خاموش بیٹھے رہو! پولیس تو پلٹیں پر چڑھ چکا تو ایس کے۔“ اس کی آواز میں ایسی درندگی تھی کہ ایک مرتبہ تیرے میں چکارا بائیں چھوٹ گئیں۔

میرا میری نگاہ قسطنطنیہ کے چہرے پر پڑی۔ وہ جیسے خاموشی کی زبان میں مجھ سے کہہ رہی تھی، اچھی ذرا اچھ اور میں واقعی غل رکھتا جا رہے تھا اگر اس جیب کے اندر ہی کوئی گولہ ہو جاتی تو تاجور، دارج اور اس کی والدہ سمیت ہم میں سے کسی کا بھی نقصان ہو سکتا تھا۔

باقی دونوں گاڑیاں ہم سے آگے جا رہی تھیں۔ ان میں فخر اور فارس جان سمیت ہمارے باقی ساتھی تھے۔ دارج کا بے دایم کا غلام آدم خاں بھی ان میں سے کسی ایک گاڑی میں تھا۔ یہی بات تھی کہ ان دونوں گاڑیوں میں موجود ہمارے ساتھیوں کو بھی ہماری ہی طرح دفعتاً بے بس کر دیا گیا تھا۔ یہ سب کچھ پوری پلاننگ کے ساتھ ہوا تھا اور بڑی تیز رفتاری سے ہوا تھا۔ اب اس امر میں شبہ کی کوئی گنجائش نہیں تھی کہ بنارس ایک کا بھی سمجھتا تھا۔ اس کو میرا انون کرنا بھی اس ساری کا پائلٹ کا سبب بنا تھا۔ اگر اس موقع پر داؤدو بھاؤ کا فون مل جاتا تو شاید یہ سب کچھ نہ ہوا ہوتا۔

میرا اندازہ تھا کہ ہم ایک بار پھر مونروے کی طرف جا رہے ہیں۔ کھڑکیوں سے باہر گہری تاریکی اور درختوں کے ہونے کی طرف بھاگتے محسوس ہوتے تھے، ٹیکساری گینگ کے دونوں شیطان بڑے خوشگوار موڈ میں

انگاہے تھے۔ وہ گاہے بگاہے مجھے اور قسطنطنیہ کو انگلیں میں غائب کرتے تھے اور انگلیں کا ایک لچر کا ٹکٹنا شروع کر دیتے تھے۔ کسی وقت وہ دونوں آپس میں ہی ایک دوسرے کی ماں بہن ایک کرتے اور پھر اس بے ہودہ گوئی پر کھل کر ہنستے۔ ہمارے بارے میں ان کے ارادے بہت خطرناک لگتے تھے۔ ظاہر ہے کہ لاہور کے نواح میں جو آخری چوٹ انہیں لگی تھی، وہ خاصی شدید تھی۔ ان کے بندے مرے تھے، ان کے ہمنوا قیصر چودری اور لالہ دریا م جان سے گئے تھے۔ ان کا باس جان ڈیرک بھی بمشکل جان بچا کر نکلا تھا۔ ایک بار پھر وہ لرزہ خیز مناظر میری نگاہوں کے سامنے گھوم گئے جب ان سرمنڈے وحشیوں نے رضوانی کی جسم پر رنگ چھینک کر اسے کیک جیسی شکل دی تھی اور پھر اس کے گوشت کے ٹکڑے اس کے ذوقہ جسم سے علیحدہ کیے تھے۔ میرے لیے وہ بے بسی کی انتہا تھی۔ تب میں نے ان بے رحم لوگوں کو کس طرح بھلا تھا، یہ میں جانتا تھا یا میرا خدا۔ میں کرب کی شدت میں بہت کر جا رہا تھا، میں نے ان لوگوں میں گینگ کے چھارہ دراز شیطانوں کو مشغول کرنے اور اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش بھی کی تھی، مگر سب رائیگاں گیا تھا۔ وہ رضوان کا گوشت کاٹنے پر تلے ہوئے تھے۔ اب پتا نہیں کہ رضوان کس حالت میں تھا۔ ہم اسے قابل رحم حالت میں راوی فارم پر پہلوان جھمت اور ولید کی زیر نگرانی چھوڑ آئے تھے۔

اچانک مجھے اپنے خیالوں سے چونکنا پڑا۔ جھکے لے کھاتی جیب کی ایک کھڑکی کے ساتھ کوئی وزنی چیز ٹکرائی تھی۔ پھر ایسی ہی ایک دوسری آواز جیب کی دھڑا اسکرین کی طرف سے آئی۔

”اوہ مائی گاڈ..... یہ کیا ہو رہا ہے۔“ ذرا نیوہ کے ہونٹوں سے بے ساختہ نکلا۔

میں وقت تھا جب دارج کے پہلو میں ٹیکس تاجور بڑی طرز چلائی۔ اس کی ساس یا سبین گیم گیم خود کو چٹانے سے ندرک گئی۔ ہم نے کھڑکیوں سے باہر دیکھا۔ کچھ ڈاؤنی ہوئی سیاہ پر بھائیاں جیب پر حملہ آور تھیں۔ یہ خوفناک جنگاڑوں کا ایک بڑا ”غول“ تھا۔ یوں لگتا تھا کہ انہوں نے پچلتی ہوئی جیب پر چاروں طرف سے حملہ کر دیا ہے۔ پتا نہیں کہ یہ کس وقت اور کہاں سے نمودار ہوئی تھیں۔ اب یہ وہیاندہ وار خیشوں سے ٹکرا رہی تھیں۔

میرے پہلو میں بیٹھے ہوئے بنارس کی توجہ بس ایک لپٹے کے لیے میری طرف سے ہوتی تھی۔ یہ ایک لمبھ میرے



لے بہت کافی تھا۔ میں نے تڑپ کر رائفل کی ہلک پلٹ سے پناہ لی، میں جانتا تھا کہ کوہا قد بتارس ضرور ٹریگر دبا دے گا۔ یہی وجہ تھی کہ میں نے بیرل کا رخ اس کے سامنے فاروق کی طرف رکھا تھا۔ بتارس بدبخت نے وہی کہا جس کی اس سے توقع تھی۔ اس نے ٹریگر دبا دیا اور کم و بیش پانچ گولیاں اس کے سامنے فاروق کے سینے میں گھس گئیں۔ ایک یا دو گولیاں جیب کی دند اسکرین میں سوراخ کرتی گزرتی تھیں۔

میں نے اسے دوسری بار ٹریگر دبائے کا موقع نہیں دیا۔ رائفل ابھی تک اسی کے ہاتھ میں تھی۔ میں نے رائفل کی ٹال کی نہایت بختری ضرب اس کی پیشانی پر لگائی۔ رائفل بتارس کے ہاتھوں سے نکل گئی جس شخص نے قسطنطنیہ کے سر سے اپنا شیش پھل لگا رکھا تھا، وہ فاروق ہی تھا۔ اس کو گولیاں لگتے ہی قسطنطنیہ آزاد ہو گئی تھی۔ اس آزادی کا قسطنطنیہ نے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ اس نے ایک جست لگائی اور عثمانی فشتوں پر بیٹھے ہوئے ایک شیطان زادے پر چل پڑی۔ اس کا حملہ بڑا بروقت تھا۔ بدبختان نے رائفل کا ٹریگر دبا دیا اور کوئی نصف درجن گولیاں جیب کی چھت بھڑا کر نکل گئیں۔ اس کے فوراً بعد شیطان زادہ نہایت کہ یہ آواز میں چلا گیا تھا۔ جیسا کہ بعد میں پتا چلا قسطنطنیہ نے اسے چھاپتے ہی اس کا تیر و ہار ڈنگر اس کی بیٹ میں سے نکال لیا تھا، اب یہی اس کا لچا ڈنگر، دستے تک شیطان زادے کے سینے میں گھس گیا تھا۔

ٹیکساری ٹینگ کے دوسرے رکن نے فائر کرنے میں ایک سیکنڈ کی تاخیر کی تھی۔ شاید وہ اس لیے ہچکچا رہا تھا کہ مجھ پر ہونے والا فائر سامنے بیٹھے دارج اور اس کی بھلی کو لگ سکتا تھا۔ اس کی یہی لگائی ہچکچاہٹ ہماری زندگی کی ضمانت بن گئی۔ میں نے بتارس والی رائفل ایک ہاتھ سے گمہائی اور شیطان زادے پر بھی کے سر سے لگا دی۔ دوسرے ہاتھ سے میں نے اس کی رائفل کا بیرل چکر کچے چھکا دیا۔ ایک فائر بریگی نے بھی کیا لیکن یہ کوئی نہیں دبیر فشتوں کے قوم میں دفن ہو گئی۔

”خبردار۔“ میں نے گرج کر کہا۔ ”کھوپڑی نوٹ جاسے گی۔“

رہی نے میری آنکھوں میں موجود اپنی موت کی تحریر پڑھ لی۔ وہ ڈرا سا ڈھلا پڑا قسطنطنیہ نے رائفل کے آہنی دستے سے ایک طوفانی چوٹ اس کی سناچٹ کھوپڑی پر لگائی اور پھر رائفل گمہا کر بیرل اس کی بھلی سے لگا دیا۔

”شاہ زائب، تم ڈرائیور کو دیکھو۔“ وہ انگلیش میں پکار کر بولی۔

ڈرائیور شدید بدحواسی کے عالم میں تھا۔ یوں لگتا تھا کہ گاڑی الٹا دے گا۔ اس کی بدحواسی جیب کی اندرونی صورت حال کی وجہ سے بھی تھی اور باہر کے ہولناک مناظر کے سبب بھی۔ وہ ٹی چکا دوڑیں پتھروں کی طرح جیب سے نکلا رہی تھیں اور اسے لڑا رہی تھیں۔ کسی وقت وہ آتی زیادہ ہو جاتی تھیں کہ وہ اسکرین کے پار دیکھنا مشکل ہو جاتا تھا۔ زخمی بتارس کی گردن میرے بائیں بازو کے شیشے میں یوں ٹکڑی ہو گئی تھی کہ شاید نہیں سے سو اس کے جسم کی کوئی چیز حرکت نہیں کر پاری تھی۔ دائیں ہاتھ سے میں نے رائفل کا رخ ڈرائیور کی طرف کیا اور کشت لے لے کر کہا۔ ”بھوش کرو، اپنی اس ہاں کو سیدھا رکھو ورنہ یہ پلٹ جائے گی۔ سب مارے جائیں گے۔“

ڈرائیور نے ہراساں انداز میں اثبات میں سر ہلایا اور پوری توجہ سامنے سڑک پر سنبھل کر دی۔ قسطنطنیہ نے اپنی صفت رہی کو مسلسل اپنے نشانے پر رکھا ہوا تھا۔ رہی کے سامنے اور فاروق کا خون جیب کے زخموں پر پھیلنے کے بعد ہمارے قدموں تک پہنچ رہا تھا۔ بتارس کا ہاتھ زخمی طرح پھٹ گیا تھا۔ ہاتھ سے ہونے والا خون اس کی آنکھوں میں بھر رہا تھا اور وہ بھی بے ہوش نظر آنے لگا تھا۔ گاڑی تاہم اور راستے پر اپنا چل رہی تھی اور دارج کی والدہ کا چربی دار جسم بھی بڑی طرح تھل تھل کر رہا تھا۔ وہ گاہے بگاہے بیٹائی انداز میں چلانے لگتی تھی۔ ”کیا یہ ہورہا ہے ہمارے ساتھ۔“ اخلاص ہم پر روم کر۔“

میں نے دارج کی طرف دیکھا، وہ بھی سخت ڈوہ بیٹھا تھا۔ تاجور نے اس کا بازو مضبوطی سے تھام رکھا تھا۔ میں نے پکار کر کہا۔ ”اب کیا خیال ہے دارج صاحب! اٹھو گے بعد اب یہ چکا دوڑیں بھی میں نے ہی یہاں بلائی ہیں ناں؟ یہ سب میرا چاہا ہوا ڈراما ہے ناں؟“

وہ کچھ نہیں بولا۔ اس کی آنکھوں میں دنیا جہاں کی حیرت مہنی ہو گئی تھی۔ کسی وقت اس کا سراپا چل کر جیب کی چھت سے جا نکل رہا تھا۔ اندازہ ہورہا تھا کہ ہم نیم پتھر سڑک سے بھی محروم ہو گئے ہیں۔ اس میں ڈرائیور کا کوئی تصور نہیں تھا۔ ان خوبی چکا دوڑوں کا حملہ آتشا بدی تھا کہ سب کچھ درہم برہم ہو گیا تھا۔ ہمارے ساتھ چلنے والی گاڑیاں بھی نہیں نظر نہیں آ رہی تھیں۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ جس کے بعد ہر سیگ سائے ہیں اور نکل گیا ہے۔

میں نے ڈرائیور کو مخاطب کیا اور پکار کر کہا۔ ”یہ پہلے لائٹس کیوں بجھا دی ہیں؟“

”یہ ٹوٹ گئی ہیں۔“ صرف پارکنگ لائٹس چل رہی ہیں۔“

”تم جا کر حو رہے ہو؟“

”مم۔۔۔ مجھے کچھ پتا نہیں، یہ تو۔۔۔“

وہ فخر ہلکے بند کر سا۔ وہ اسکرین کی طرف سے نکلنے کی ڈوردار آواز آتی پھر ”بڑی براکسر مٹی“ سے بھی بڑی ایک سیاہ چکا دوڑ شیشے تو ٹوٹی ہوئی اندر آ گئی۔ وہ سیدی تاجور اور یاسین بیگم کے درمیان گری تھی۔ دونوں غور میں بے طرح چلا گئیں۔ ایک لپٹے کے لیے قسطنطنیہ بھی تھکی مگر پھر اس کے اندر کی جھنجھوٹ بیدار ہوئی۔ اس کی گود میں ابھی تک وہ تیر و ہار ڈنگر موجود تھا جس سے اس نے شیطان زادے کو ختم واصل کیا تھا۔ اسی ڈنگر سے اس نے مشتعل چکا دوڑ پر وار کیا۔ چکا دوڑ جو چند لمحوں کے لیے ایک گیند کی طرح نظر آتی تھی ایک دم اپنے لیے پر کھول کر بڑی طرح پھڑ پھڑائی۔ جیب میں کھرا م سا جھک گیا تھا۔

اس موقع پر سیدی کھکھرنے حاضر دماغی کا مظاہرہ کیا اور وہ اسکرین کے اس سوراخ کو ایک ٹکٹن سے بند کر دیا جہاں سے چکا دوڑ گواہی دیتی تھی۔ اس نے ٹکٹن کو بڑی مضبوطی سے باہر کی طرف دھکیل کر رکھا۔ تاجور نے بھی آگے بڑھ کر سیدی کھکھری مڑکی۔

رہی کو کچھ شاید یہ کچھ کر دکھانے کا موقع ہے مگر میں اس کی طرف سے ایک لپٹے کے لیے بھی غافل نہیں ہوا تھا۔ قسطنطنیہ کی رائفل رہی کی طرف سے ہتی تو میں نے رائفل کا رخ اس کی کھوپڑی کی طرف کر دیا تھا۔ وہ جیسے ٹھکرا کر رہ گیا۔ اسی دوران میں قسطنطنیہ نے چکا دوڑ کو جان لیو طور پر ڈھکی کر دیا۔ وہ اب ہمارے قدموں میں جان کنی کے عالم میں پڑ پڑ رہی تھی۔ گاڑی بڑی طرح لہرا نے لگی تھی۔ میں۔۔۔۔۔ ڈرائیور کو مخاطب کر کے ایک بار پھر ڈور سے ہولا اور اسے حواس قائم رکھنے کا کہا۔

اس دوران میں ڈرائیور کو وہ بارہ اونچے نیچے ٹیلوں کے درمیان ایک نیم پتھر راستہ مل گیا۔ جو بھی گاڑی اس راستے پر پہنچی اس کی رفتار کچھ تیز ہو گئی۔ رفتار تیز ہوئی تو چکا دوڑوں کی پٹا رنچہ ماند پڑنے لگی۔۔۔۔۔ مگر اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ انہوں نے پچھا چھوڑ دیا تھا۔ وہ گاڑی ڈھکیوں کی طرح ہمارا پیچھا کر رہی تھیں۔ کچھ اب بھی جیب کی کھوپڑیوں اور وائر ڈوں سے نکل رہی تھیں۔

انکارے

”باقی گاڑیاں کہاں گئی ہیں؟“ دارج کی ماں نے روہاسی آواز میں پوچھا۔

”جنم میں۔“ میں نے مختصر جواب دیا۔

قسطنطنیہ نے اپنے پاؤں میں مڑی مڑی چکا دوڑ کو ٹھونکا اور مجھ سے مخاطب ہو کر بولی۔ ”یہ اسکرین کیسے ٹوٹی ہے شاہ زائب؟“

”مجھے لگتا ہے کہ گولی لگنے سے سوراخ ہوا اور پھر اس چکا دوڑ کے نکلانے سے سوراخ بڑا ہو گیا۔ اب یہ خطرہ ہے کہ ہمیں اسکرین میں مزید کشادہ راستہ دیں جائے۔“

قسطنطنیہ درمیان نشست پھلانگ کر اگلی نشست پر پہنچ گئی۔ اس نے اصرار کر کے تاجور کو پیچھے ہٹایا اور خود اس کی جگہ بیٹھ کر جی کشن کو تھام لیا۔ سیدی نے بھی کشن کو بائیں جانب سے پکڑ کر باہر کی طرف دھکیل رکھا تھا۔ لگتا تھا کہ اس کا کم از کم اس شگاف سے تو فوری طور خطرہ موجود نہیں ہے۔

میں نے انو دالے سیل فون پر فخر سے رابطہ کرنے کی کوشش کی مگر وہ ”ڈیڈ“ ہو چکا تھا۔ میرے کہنے پر تاجور نے بتارس کی جیب سے اس کا سیل فون نکالا۔ میں نے اسے فخر کا نمبر بتایا جو اس نے تیزی سے پریس کیا اور ساتھ ہی فون کا آئیڈل آف کر دیا۔ کال کے مکمل جانا شروع ہو گئے۔ چند سیکنڈ بعد آئیڈل پر ایک شور ابھرا اور فخر کی ہانپی ہوئی آواز آئی۔ ”کون؟“

”شاہ زائب بول رہا ہوں۔“ میں نے بلند آواز سے کہا۔ ”کہاں ہو تم لوگ؟“

”کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔“ وہ بھی بلند آواز میں بولا۔

”ڈیڈ سیمین ایک درخت سے ٹکرا کر پائش کے پانی میں گر گئی ہے۔ ہم بھی نیچے پر اترے ہوئے ہیں۔ یہ خانہ خراب چکا دوڑیں ہمارے ساتھ ساتھ آ رہی ہیں۔ ہم نے ان پر کچھ فائر بھی کیے ہیں۔“

میں نے کہا۔ ”فائرنگ کی آواز ہمیں تو نہیں آتی۔ اس کا مطلب ہے تم لوگ قاصط پر ہو۔“

”ایسا ہی لگ رہا ہے۔ تمہارا رخ کس طرف ہے؟“

”رخ کے بارے میں بھی کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ اندازہ ہوتا ہے کہ شمال کی طرف جا رہے ہیں۔ فارس جان کہاں ہے؟“

”وہ آگے والی گاڑی میں ہے۔ اس گاڑی پر بھی آٹھ دس چکا دوڑیں جھپٹ رہی ہیں۔ مجھے اس کا ڈرائیور بھی بہت ڈرا ہوا لگ رہا ہے۔ قسطنطنیہ اور تاجور تمہارے ساتھ ہی ہیں ناں؟“



# مَرَحَبَا عرق گلاب

دلی گلاب کا خالص عرق  
قدرتی خوبیوں کا بے مثال تحفہ

100%

PURE & NATURAL



f/marhabalaboratoriespk

UAN: 111-152-152

www.marhaba.com.pk

دارج کی دال دو یا سینکین بیگم نے دہشت زدہ آواز میں کہا۔ ”اگر ان کو اندر آنے کی راہ مل گئی تو یہ مار ڈالیں گی ہم سب کو۔“

میں نے کہا۔ ”لیکن ہم تو بچ جائیں گے ناں، آپ کے بچنے کے مطابق تو یہ ہماری ہی پالی ہوئی ہیں۔“ میں نے طنز سے لہجہ میں کہا۔

”خدا کے لیے کچھ کرو تم لوگ۔ یہ آپس میں لڑنے کا وقت نہیں ہے۔“ یا سینکین بیگم نے رو دینے والے لہجے میں دہائی دی۔

”نی الحال تو یہی ہو سکتا ہے میڈم جی، کہ ہم ان کو اندر نہ آنے دیں۔“ سعید کو کھرنے مودب لہجے میں کہا۔

”تو تم لوگ کھیل کوفون کرو۔ اسے اپنی لوکیشن بتاؤ۔“ یا سینکین مجھ سے مخاطب ہوئی۔

”اب، عقل سے اسے اپنی پینل مین ہیں ہم۔“ میں نے جواب دیا۔ ”وہ خبر اورو ہمارے لیے ان چکا ڈوں سے زیادہ خوفناک ثابت ہوگا۔ دو ٹینک کے ان شیطانوں کے ذریعے ہمارے زندہ جسموں سے گوشت ٹوچ ٹوچ کر

میں ڈھانچے بنانے کا ارادہ رکھتا ہے۔“ اس کے ساتھ ہی کھیل دار اب کے لیے ایک گالی بے ساختہ میرے منہ سے نکلی۔

دارج دار اب کا چہرہ سرخ ہو گیا تاہم موقع کی نزاکت دیکھتے ہوئے وہ ہلکا کھنکھس۔ جی ہی کہتے ہیں کہ موت کا خوف بڑے بڑوں کی بولتی بند کر دیتا ہے۔ یوں لگا

تھا کہ سیاہی مائل پھر پھرائی اور چلتی ہوئی چکا ڈوں پوری جیب کو ڈھانپ چکی ہیں۔

”گاڈی کے اندر کی لامنت آؤں کرو۔“ میں نے پکار کر کہا۔

ڈرائیور نے اس پر عمل کیا۔ امید کی جاسکتی تھی کہ شاید اندرونی روشنی کی وجہ سے ان کی بصارت پر اثر پڑے اور ان کے جملے کی شدت کم ہو جائے۔ مگر لامنت آؤں ہونے کے بعد بھی کوئی خاص تبدیلی ہمیں نظر نہیں آئی۔ تمام روشنی کی وجہ سے اب ہمیں ان غفرقوں کی شکستیں واضح نظر آنا شروع ہو گئی تھیں۔ سب سے نمایاں چیز ان کے کان اور ان کی سیاہ

چمک دار آنکھیں تھیں جن میں مہلک دیوانگی جھلک دکھائی دیتی تھی۔ ”یہ..... آواز..... کیسی ہے؟“ سعید نے ہراساں لہجے میں پوچھا۔

”ان ہی کی ہے۔“ میں نے کہا۔ میرا اشارہ چکا ڈوں کی طرف تھا۔

”ہاں، دونوں ساتھ ہیں۔ قسطیانا بھی خبریت سے ہے۔“

اسی دوران میں سلسلہ منقطع ہو گیا۔ میں نے دوبارہ بیلو کہا پھر ناجور کی طرف دیکھا۔ اس نے میرا اشارہ سمجھتے ہوئے فون بند کر کے اپنی گود میں رکھ لیا۔

اب ہمارے دونوں جانب ٹیلے تھے۔ نیم پختہ راستہ دس پندرہ منٹ پہلے پھر تازہ پیدا ہو گیا تھا۔ میں جانتا تھا بیلو لائسنس نہ ہونے کی وجہ سے ڈرائیور کو سخت دشواری پیش

آ رہی ہے۔ رہی سہی کسر اس کے غیر معمولی خوف نے پوری کر رکھی تھی۔ اچانک ہماری جیب کو ایک شدید جھٹکا لگا۔ یوں محسوس ہوا جیسے وہ منہ کے بل کسی کھائی کی گرنے لگی ہے۔ وہ

گری تو نہیں مگر کسی چیز سے گرا کر رک گئی۔ ہم سب بڑی طرح اچھل کر رہ گئے۔ بنارس کے ساتھی کی لاش اچھل کر یا سینکین بیگم کے گھٹنوں پر گر گئی اور وہ بے طرح چلانے لگی۔

ان خطرناک محسوسات میں بھی میں نے شیطان زادے رجحان کی طرف سے اپنی توجہ نہیں ہٹائی تھی اور تدریجاً کارڈ اس کی طرف سے پھٹنے دیا تھا۔ میں جانتا تھا کہ ڈھچک اسکوڈ کے اس عیار ترین شوڈ کو پائنا پلٹنے کے لیے صرف ایک سیکنڈ

درکار ہے۔ گاڈی کے ساتھ جو کچھ ہوا تھا اس کی ایک وجہ ہیڈ لائسنس کا نہ ہونا بھی تھا۔ گاڈی کے دونوں اگلے سپرے ایک کھڑے میں اتر گئے تھے اور بڑی طرح گھوم رہے تھے۔

ڈرائیور نے بار بار پورس میگزین کا گاڈی کو ٹکرائنا چاہا لیکن زبردست جھکوں کے سوا اور کچھ حاصل نہیں ہوا۔ گاڈی کے پتیرے میں سے کچھ آوازیں بھی بلند ہو رہی تھیں جن سے

اندازہ ہوتا تھا کہ شاید نیچے پچھوٹ پھوٹ بھی ہوئی ہے۔ یہ ”فور ویکل ڈرائیو“ جدید جیب تھی مگر ان لمحوں میں بالکل بے بس دکھائی دے رہی تھی۔

میں نے ڈرائیور کو مخاطب کر کے دانت پیستے ہوئے کہا۔ ”تم سے یہی امید تھی۔“

”مجھے تو لگتا ہے گاڈی اور زیادہ پھنسی جا رہی ہے۔“ قسطیانا نے پرتشیش لہجے میں کہا۔

وہ درست کہہ رہی تھی۔ گاڈی کا جھکاؤ سامنے کی طرف اور زیادہ ہو گیا تھا۔ گاڈی چونک کر رک چکی تھی اس لیے پیچھے رہ جانے والی چکا ڈوں کی تھکی تھکی اور انہوں نے

چاروں طرف سے گاڈی کا گھیراؤ کر لیا تھا۔ سعید کو کھرنے اور قسطیانا نے قوم کے کشن کی مدد سے دھڑا کشن کے سوراخ کو پوری طرح بند کر رکھا تھا اور اپنے ہاتھ بڑی مضبوطی سے کشن پر دبا رکھے تھے۔



یہ ایک کثرت کلماتی ہوئی سی آواز تھی۔ درجنوں چمکاؤں کی یہ مشین کہ آواز ایک شور مین مٹی تھی۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے تین کی کسی چھت پر ڈالہ باری ہو رہی ہے۔ تاہم اور یا کمین جگمگ نے خوف کے سبب اپنی آنکھیں بند کر لی تھیں۔ گاڑی کی اندرونی روشنی میں تاجور کا چہرہ برف کی طرح سفید دکھائی دیتا تھا۔ چہرے پر جمولنے والی ٹیس کسی غزاں رسیدہ درخت کی ٹوٹی ہوئی شاخوں کی طرح تھیں۔ ذرا تیرا گاہے گاہے گاڑی کا بارن بجاتا تھا اور انجن کو رینس دیتا تھا۔ شاید اس کا یہ خیال ہو کہ اس شور سے چمکاؤں کی پلکاری شدت کم ہو جائے گی مگر یہ کوشش بھی بے سود رہی تھی۔ گاڑی کو کھانے کی کوشش اب ذرا تیرا کرنے ترک کر دی تھی مگر انجن اساتر تھا اور اسے یہ بھی چل رہا تھا۔ ایسے لگتا تھا کہ ایک دم چمکاؤں سے کھڑکیوں کے شیشے ٹوٹ جائیں گے اور پیسوں خنجر اور چمکاؤں میں لپونے کے لیے اندر دھس آئیں گی۔

”فائر کرنے سے کوئی فائدہ ہو گا؟“ قطعیانے پریشان لہجے میں مجھ سے پوچھا۔

”میرے خیال میں نہیں۔“

”لیکن کوئی ایک کھڑکی توڑی سے کھول کر داخل کی تال تو باہر نکالی ہی جاسکتی ہے۔“ قطعیانے دلیل دی۔ اس کی بات میں وزن تھا۔ ممکن تھا کہ داخل کی صرف تال کھڑکی سے باہر نکالی جاتی اور فائرنگ کی جاتی تو ان خون آشام عفریوں میں کچھ ٹھیک پیدا ہوتی۔ میں نے تو اپنی داخل کارخ مسلسل رنجی کی طرف رکھا ہوا تھا اور ایک پھلنے کے لیے بھی اس سے غافل نہیں تھا، ہاں قطعیانہ اپنی داخل استعمال کر سکتی تھی۔ قطعیانہ کی ہدایت پر فریہ اندام ذرا تیرا نے اپنی نشست چھوڑی اور کمین کو تھام کر رکھنے میں سعید کی مدد کرنے لگا۔ یوں قطعیانہ کو موقع مل گیا کہ وہ اپنی داخل استعمال کر سکے۔ اس نے اپنی جانب والی کھڑکی کا شیشہ بڑی احتیاط سے ڈیڑھ انچ کے ٹک بھگتے چھو اتارا اور داخل کی تال اس میں کھسادی۔ قریب نصف درجن چمکاؤں کے گر بہہ جڑے اور دانت کھڑکی کے خلا میں چپکنے لگے۔ یہ ایک روح فرسا منظر تھا۔ وہ اندر گھسنے کے لیے زور لگا رہی تھیں۔ ان کے بڑے بڑے ہاتھ پر شور آواز کے ساتھ چپ کی گاڑی سے نکلا رہے تھے۔ قطعیانے پہلے تین چار سنگل شاٹ فائر کیے پھر داخل کو چھوے برسٹ پر سیٹ کر کے تین برسٹ چلائے۔ ”ریٹ ریٹ“ کی لڑو تیز آوازوں سے قرب و جوار کو بج گئے۔

اس ساری کارروائی کا اثر اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوا کہ چند چمکاؤں سے مضروب ہو کر گریں اور باتوں میں تھوڑی سی پھل نظر آئی۔ لیکن یہ عارضی پھل تھی، فائرنگ رکھنے کے ساتھ ہی وہ پھر پوری قوت اور دیوانگی سے گاڑی پر چڑھنے لگیں۔ ہم نے کھڑکی کا شیشہ دوبارہ چڑھا دیا۔ مزید ایویشن خاتمہ کرنا قطعیانہ کی۔

یہ سلسلہ دس پندرہ منٹ مزید جاری رہا۔ پھر یوں لگا جیسے ان موڈی پرندوں کے جھپٹنے میں وہ شدت نہیں رہی۔ یہ بات دوسروں نے بھی محسوس کی۔

”کیا یہ ٹھک رہی ہیں؟“ قطعیانے پُر امید لہجے میں پوچھا۔

”ہو سکتا ہے۔۔۔۔۔ لیکن ایک اور بات بھی ہے۔“ میں نے کھڑکیوں سے باہر دیکھتے ہوئے کہا۔ ”بات ختم ہو رہی ہے۔ ہلکا ہلکا محسوس ہو رہا ہے۔“

کھڑکیوں سے باہر ٹیلوں اور جھاڑیوں کے پودے اب کچھ نمایاں ہونے لگے تھے۔ نیم سحری میں لمبی جنگلی گھاس اور درختوں کی شاخیں مل رہی تھیں۔ کچھ ہی دیر بعد ایک ٹکڑا سا اجالا قرب و جوار میں دکھائی دینے لگا۔ کھڑکیوں پر اب اس سیاہ چپ کے ارد گرد پھرا رہی تھیں مگر جھپٹ نہیں رہی تھیں۔ روشنی ان کو اندھا کر دیتی ہے شاید یہاں بھی یہی حال کا رہا تھا۔

جوں جوں روشنی بڑھتی گئی ہماری چپ کے ارد گرد خطرہ کم ہوتا گیا۔ چمکاؤں کے غضب کے علاوہ ان کی تعداد میں بھی خاطر خواہ کمی واقع ہوئی تھی۔ وہ منظر سے اوجھل ہو رہی تھیں لیکن اس سے پہلے کہ یہ سکین خطرہ پوری طرح ہمارے سروں سے ٹکنا، ایک اور خطرہ ہمارے سروں پر پہنچ گیا۔

قطعیانہ کا رخ عقبی اسکرین کی طرف تھا۔ سب سے پہلے اس نے نشیب میں دیکھا اور پکارا۔ ”شاہ زاد! یہ آگونی آ رہا ہے ہماری طرف۔“

میں نے رنجی کی طرف سے پوری طرح چوکس رہتے ہوئے قطعیانہ کی بتائی ہوئی سمت میں دیکھا۔ وہ درست کہہ رہی تھی۔ دور نشیب کے ٹیلوں میں دو گاڑیاں صاف دکھائی دے رہی تھیں۔ ان میں سے ایک تو ڈبل کمین ہائی لیکس تھی، دوسری عام ٹویوتا کار تھی۔ ان کے رخ سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ سعید کی ہماری ہی طرف آ رہی ہیں۔ ان میں سرخ لباس والوں کی بھی ایک جھلک دکھائی دیتی تھی۔ میں نے رنجی سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔ ”لگتا

ہے کہ تمہارے مزید حرا می بھائی یہاں پہنچ رہے ہیں۔“ قطعیانے تا سلف سے کہا۔ ”شاید ہم نے جو فائرنگ کی اسی نے ان کو ہماری طرف متوجہ کیا۔ (اس فائرنگ کا مشورہ قطعیانہ کا ہی تھا)

میں نے قطعیانہ کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔ ”ابھی یہ ہم سے کافی دور ہیں۔ آٹھ دس منٹ تو لگ ہی جائے ہیں ان کو۔ مجھے لگتا ہے کہ ہم یہاں سے نکلنے کی کوشش کر سکتے ہیں۔“

وہ سوچ میں پڑ گئی۔ ہم رنجی اور بنارس کو شوٹ کر کے یہاں سے نکل سکتے تھے۔ تاہم، دارج، اس کی والدہ اور سعید وغیرہ کو ہمیں چپ میں چھوڑا جاسکتا تھا۔ قطعیانے پُرسوج لہجے میں کہا۔ ”لیکن شاہ زاد! یہ نکل کر جائیں گے کہاں؟ ہمارے پاس کوئی سواری نہیں۔۔۔۔۔ شاید یہاں کوئی چھپنے کی جگہ بھی نہ ملے۔“

ہماری گفتگو کے دوران میں ہی دونوں گاڑیاں مزید قریب آ گئیں۔ وہ خاصی تیز رفتاری سے بڑھ رہی تھیں۔ جب میری نگاہ کچھ فاصلے پر خود درختوں کے ایک جھنڈ میں گئی۔ یہاں ایک قدرتی کھوکھلا ہوا منظر آ رہا تھا۔ فاصلے سے اندازہ لگا کر مشکل تھا کہ یہ کتنی بڑی یا کتنی چھوٹی ہوگی۔ تاہم یہ اندازہ تو ہو رہا تھا کہ ہم اس میں سنا کر مورچا بن ہو سکتے ہیں۔

میرے اور قطعیانہ کے درمیان مشورہ ہوا اور ہم نے فوری طور پر اس چرچے (چپ) سے باہر نکلنے کا فیصلہ کیا۔ چمکاؤں اب منظر سے غائب ہو چکی تھیں۔ مجھے سب سے زیادہ خطرہ شیطان زاد سے رنجی کی طرف سے ہی تھا۔ میں نے داخل اس کے سر کی جانب کر کے بے دریغ گولی چلائی اور اس کی شفا چٹ کھوپڑی میں سوراخ کر دیا۔ دھماکے کے سبب تاجور اور یاسمین جگمگ بڑی طرح چلا آئیں تھیں۔ رنجی آسمان موت کا قہقہہ کر مڑوہ چھپنے کی طرح پہلو کے بل نشست پر گر کر آسراکت ہو گیا۔ گولی اس کی منٹوں کھوپڑی توڑ کر عقب سے نکل گئی تھی اور چھت میں بہوست ہوئی تھی۔ مرے وقت اس کی آنکھوں میں حیرانی بھی شاید اسے بھی معلوم نہیں تھا کہ یہ سب کچھ اتنی جلدی ہو جائے گا۔

بنارس نیم بے ہوش جیسی کیفیت میں تھا مگر پھر بھی اس کے منہ سے بے ساختہ ڈری ڈری آوازیں نکلنے لگیں۔ اسے لگ رہا تھا کہ شاید رنجی کے بعد اس کی باری ہے۔ میں۔۔۔ فی الحال اسے زخمہ رکھنے کے حق میں تھا۔ سب سے پہلے میں

## انگاہ

نے اسی کو گود میں اٹھایا اور کھوکھلا پٹچایا۔ اپنی کوتاہ قاصدی کے سبب وہ میری گود میں سمٹ کر رہ گیا تھا۔ کھوکھلا بھی ٹنگ نہیں تھی چپتا ہم کچھ رہے تھے۔ بنارس کے بعد دارج داراب کی باری تھی۔ خود مند ذرا تیرا اور سعید کھوکھلے میرے نیم پر اسے چپ سے باہر نکالا۔ میں نے بھی ان دونوں کی مدد کی اور منظور دارج کو کھوکھلے میں پٹچایا دیا۔ قطعیانہ رائل تان کر دارج، اس کی والدہ اور بنارس کے سر پر کھڑی رہی۔ میں نے جس طرح رنجی کو دفعتاً شوٹ کر دیا تھا، اس نے بنارس، دارج، اس کی والدہ اور ذرا تیرا وغیرہ پر زبردست اثر ڈالا تھا اور وہ کسی طرح کی چون چڑا نہیں کر رہے تھے۔ میں نے سعید اور ذرا تیرا کے ساتھ مل کر کچھ ضروری اشیاء اور ایمونیشن کے بیگ تیزی کے ساتھ کھوکھلے میں منتقل کر دیے۔ سب افراد سے بھری ہوئی گاڑیاں اب کافی قریب آ گئی تھیں۔ ان کے انجنوں کی آواز صاف ہمارے کانوں تک پہنچ رہی تھی۔

”میرا خیال ہے کہ یہ ہمارے لیے ایک اچھا مورچا ثابت ہوگی۔“ قطعیانے کھوکھلی ہلندی دیکھتے ہوئے کہا۔

ہم نے بڑی تیزی کے ساتھ ایک بڑا پتھر مل کر سر کاٹا اور اسے دہانے کے مین سامنے رکھ دیا، پھر ایک اور چھوٹا پتھر میں نے قطعیانہ اور سعید کے ساتھ مل کر اٹھایا اور پہلے پتھر کے اوپر دھر دیا۔ یہ کھوکھلے دہانے پر ایک آؤسی بن گئی۔

”میرے خیال میں وہ پہنچ گئے ہیں۔“ قطعیانے کہا۔

ان کی دونوں گاڑیاں ہمیں کھوکھلے دہانے سے صرف مٹر آٹھ میٹر کی دوری پر نظر آ رہی تھیں۔ وہ سڑکی ٹیلوں کے عقب میں تھے، ان میں سے زیادہ تر سرخ لباسوں والے لیکن شیڈو شیطان زاد سے ہی تھے۔ ان کی مفاہیت کھوپڑیاں صبح کی روپوشی روشنی میں دکھ رہی تھیں۔ ”ان کی تعداد ہمارے تخمینے سے کچھ زیادہ ہی ہے۔“ میں نے کہا۔

”ہاں، ایک درجن سے کم تو نہیں ہیں۔“ قطعیانے کہا۔

”اور ان میں ایک فی میل بھی ہے۔ شاید وہی ریڈ کیپ جس نے لاہور والے واقعے میں آپ سے مارا ماری کی تھی۔“

”یہ اب کرنا کیا چاہ رہے ہیں۔۔۔۔۔ شاید گھبرا ڈال رہے ہیں۔“ قطعیانہ بولی۔

”یہ نشیب میں ہیں۔ ہم ذرا بلندی پر ہیں۔ یہ آسانی



جیسے سنے کے نچلے حصے پر سفید رنگ کیا گیا ہو۔  
قسطیا، سفید اور تاجور سے یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ تاجور کا چہرہ ہراس اور ابتلا کی مکمل تصویر تھا۔ وہ ہنچکے ایک گھٹنے میں اپنی ٹانگوں کے سامنے چار افراد کو قتل ہونے دیکھ چکی تھی۔ سفید بھی گم سم کھڑا تھا۔ میں اسے ساتھ لے کر واپس کھوہ کے پچھلے حصے میں چلا گیا تاکہ داراج کو پیچھے لانے کے لیے جگہ صاف کی جاسکے۔ سفید بولا۔ ”آپ نے ٹھیک ہی کیا۔ وہ ان لوگوں کے پاس پہنچ جاتا تو یہاں کی ساری پکیشیں اور اسلئے وغیرہ کی تفصیل ان کو بتا دیتا۔“  
میں نے اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔  
”تم نے کہا ہے کہ میں تم پر اعتماد کروں، کیا میں واقعی ایسا کر سکتا ہوں؟“

”میں..... ہر قسم کھانے کو تیار ہوں۔“  
”ٹھیک ہے، مجھے اس طرح آزمائش میں نہ ڈالنا جس طرح اس ڈراما نے ڈالا ہے۔“  
”ایسا نہیں ہوگا۔“ وہ سینے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ اس کی آواز لرز رہی تھی۔ سفید جگہ صاف کرنے میں مصروف ہو گیا تاکہ داراج کو وہاں بٹھایا جاسکے۔ میں کھوہ کا باریک بینی سے جائزہ لیتے لگا۔ کھوہ کے آخری حصے میں ایک چھوٹا سا رخت تھا جہاں سے ہوا اندر آرہی تھی۔ چھوٹے چھوٹے بھری نما پتھروں کے درمیان سے پانی برس رہا تھا۔ ایک دو فٹ قطر کے گڑھے میں جمع ہو رہا تھا۔ اسے چشمہ تو نہیں کہا جاسکتا تھا۔ یہ پانی کا رساؤ تھا۔ اسے علاوہ میں اسی طرح پانی کی چھوٹی چھوٹی گڑھاں بھی ہیں۔

سفید نے کہا۔ ”میرے انداز سے کے مطابق ہم وادی سولن کے علاقے میں ہیں اور کافی آگے ہیں۔ یہاں ایسے نیلے اور غار وغیرہ بہت ملتے ہیں۔“

بات کرتے کرتے وہ اچانک چونک گیا۔ چھائی لہجے میں بولا۔ ”دیکھیں، جی وہ بنارس گیا کر رہا ہے؟“  
میں نے مڑ کر دیکھا اور پھر زنی بنارس کی طرف لپکا۔ بنارس کے ہاتھ میں موبائل فون تھا جو اس نے آگے بڑھ کر داراج و داراب کو دکھایا تھا۔ (یہ بنارس والا فون ہی تھا اور یہ ہمارے پاس، باہر سے مد طلب کرنے کا واحد ذریعہ تھا) داراج کے دائیں ہاتھ میں تین چار کھوہ زنی ایک پتھر تھا۔ جو موبائل داراج کے ہاتھ میں آیا اس نے اندھا دھند اس پر پتھر سے ضرب لگائی۔ میرے پیچھے پیچھے اس نے ایک ضرب اور لگا دی اور موبائل کو پچھتا پچھتا کر دیا۔  
داراج کی موبائل کلائی میرے ہاتھ میں تھی۔ جی چاہا

کھاتے ہوئے برندے کے پر بھی دو تین جگہ بکھرے تھے۔ اس پوری جگہ میں مٹی اور پتھر کی مخصوص باس محسوس ہوتی تھی۔

میں نے ایک ہموار جگہ دیکھی اور سفید سے کہا کہ وہ اس جگہ کو صاف کرے تاکہ داراج کو یہاں لٹایا جاسکے۔  
اچانک سفید میرے بالکل قریب چلا آیا۔ اس کا چہرہ میرے کان سے صرف چند انچ کے فاصلے پر تھا۔ سرگوشی کے لہجے میں بولا۔ ”شاہ زیب صاحب! میں نے داراج کی جلی کی ملازمت خروار کی ہے، ان کا غلام نہیں ہوں۔ آپ مجھ پر پورا بھروسہ کر سکتے ہیں اگر آپ داؤد بھاؤ کے دوست ہیں تو پھر مجھے بھی اپنا دوست ہی سمجھیں۔“

”داراج داراب صاحب سے بغاوت فرما رہے ہو؟“ میں نے ہلکے پھلکے انداز میں پوچھا۔

”بغاوت کیوں جی؟ اپنی ذہنی پوری طرح انجام دیں گا لیکن داراج یا ان کی والدہ کے کہنے پر کوئی ایسا کام نہیں کروں گا جس سے آپ کو یا قسطیا صاحبہ کو کوئی نقصان پہنچے۔“

اچانک قسطیا کی بلند آواز آئی۔ ”شاہ زائب.....

میں اپنی راضی سنت کر دہانے کی طرف لپکا۔ جیب کا تھونڈا ڈیوڑھی مونیج تاک کر کھوہ سے بھاگ نکلا تھا۔ اس کی نیلی عین اور سفید شرت کھوہ کے دہانے سے قریب پچاس ساٹھ فٹ دور دکھائی دے رہی تھی۔ ”رک جاؤ۔“ میں نے گرج کر کہا۔

وہ جی ان کی کرتا ہوا نیلیوں کے پیچھے اوجھل ہو گیا۔ وہ ان لوگوں کی طرف بھاگ رہا تھا، جنہوں نے ہمارا حاصرہ کیا ہوا تھا۔

”نکل گیا ہے؟“ قسطیا نے افسردہ لہجہ میں پوچھا۔  
”نہیں..... ابھی دوبارہ نظر آئے گا۔“ میں نے کہا۔  
میری نگاہیں دو نیلیوں کے درمیان بھی ہوتی تھیں۔ مجھے یقین تھا کہ حاصرہ کرنے والوں کے پاس پیچھے سے پہلے وہ ان نیلیوں کے درمیان نظر آئے گا اور پھر یہی ہوا۔ اس کا شخص غصے کرتا ہوا چلنے والی درجیم گھٹنے کی نیلی اسکوپ میں صاف نظر آیا۔ میں نے ایک وارنگ شاٹ اس کی ٹانگوں کے پاس چلا یا کہ شاید وہ رک جائے۔ لیکن جب وہ نہیں رکا تو میں نے نشانہ نہ کر سیدھی اس کے سر میں گولی ماری۔ وہ اوندھے سر گر اور لو جھٹکا ہوا ایک درخت سے جا گرا۔ اس کی سفید شرت درخت کے تنے کے ساتھ یوں نظر آرہی تھی

وہ فون آن کرتے کرتے رک گئی۔ ”نہیں..... پھر کال کرنا مناسب نہیں۔ ہم کو مشکل وقت کے لیے بیٹری بچانی چاہیے۔“

قسطیا کے ہاتھوں میں اس وقت قریب چار فٹ لمبی ایم جی تھری تھی۔ یہ زبردست گن اس اسلئے میں سے بھی جو جیب کی نشستوں کے نیچے موجود تھا۔ گن کے پانچ سو کے قریب راؤنڈ بھی ایک بڑے کیسوں بیگ میں موجود تھے۔ اس کے علاوہ تین چار بھرے ہوئے میگزین بھی تھے۔ یہ گن یہاں ہمارے دفاع میں زبردست کردار ادا کر سکتی تھی۔ اس کے علاوہ ایک ٹریل ٹیبل بھی میں لپی تھی۔

قسطیا ایک ماہر فوجی آفیسر کی طرح کھوہ کے دہانے پر چوکن بیٹھ گئی۔ اس نے ”ایم جی تھری“ کو تیزی کے ساتھ جس طرح ”ان آرڈر“ کیا تھا۔ وہ ظاہر کرتا تھا کہ وہ اس گن کے ہر کل پرزے سے واقف ہے۔ ایک ایک خندق تیز تیز اس سے قریب و جو اڑکھ اٹھے۔ یہ ایک ایس ایم جی کا برست تھا۔ لگتا تھا کہ ڈیجھ اسکوڈ کے لوگوں کی طرف سے یہ ایک وارنگ برست چلا گیا ہے۔ یعنی بتایا گیا ہے کہ ہم دوسرا کھر بھاگنے کی کوشش نہ کریں کیونکہ ہم نشانے پر ہیں۔

قسطیا نے بھی فوری طور پر بلا جھجک اس برست کا جواب دیا۔ اس نے اپنی چوڑاؤنڈز کا ایک برست چلا کر ڈیجھ اسکوڈ کے شیطانوں کو بتایا کہ ان کی اینٹ کا جواب پتھر سے دینے کا سامان یہاں موجود ہے۔ قریب 1200 میٹر تک مار کرنے والی ایم جی تھری کی گھن گرج زبردست تھی۔

دونوں طرف خاموشی چھا گئی۔ یوں محسوس ہوا کہ میرا ڈانٹنے والے اپنی پوزیشنیں درست کرنے میں مصروف ہیں۔

تاجور کی روپائی آواز میرے کانوں میں بڑی۔ وہ مجھ سے ہی مخاطب تھی۔ داراج کی طرف اشارہ کر کے بولی۔ ”ان کو یہاں سے ہٹانا چاہیے۔ ان کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔“ میں نے دیکھا مطلق داراج سنگار زنی میں پرانوں بیٹھا تھا اور کھوہ کی دیوار سے ٹیک لگا رکھی تھی۔ وہ جس جگہ بیٹھا تھا وہاں کوئی بھی بھیجی ہوئی گولی اس کا مزاج پوچھ سکتی تھی۔ میں نے سفید کو کھر کو ساتھ لیا۔ اس کے پاس داراج موجود تھی۔ ہم نے کھوہ کا جائزہ لیا۔ وہ پیچھے جا کر کچھ کشادہ اور اونچی بھی ہو گئی تھی۔ تاہم اس کی گہرائی میں بائیں فٹ سے زیادہ نہیں تھی۔ چھاؤں جھکاؤ موجود تھا۔ کسی لمبی وغیرہ کے

سے ہم تک پہنچ نہیں سکیں گے۔ اس دوران میں اگر داؤد بھاؤ سے رابطہ ہو جائے تو ہم بھی کمک لگ سکتے ہیں۔“  
”لیکن یہاں ہمارا مقابلہ ٹھیک داراب سے ہے۔ شاہ زائب! اور تم خود ہی بتاتے ہو کہ اس کے ہاتھ بہت زیادہ لمبے ہیں۔“

”ہاں..... سیاسی طور پر اس کے ہاتھ لمبے ہیں لیکن وہ سیاہ و سفید کا مالک تو نہیں ہے۔ یہاں میڈیا ہے، اپوزیشن ہے۔ اگر وہ غیر قانونی طور پر پولیس کو یا کسی ایجنسی کو استعمال کرے گا تو جواب میں روٹیل ظاہر ہوگا۔“

ہمارا اندازہ بالکل درست تھا۔ دونوں گاڑیوں سے اترنے والے قریب ڈیڑھ دو تین افراد نے ہماری پناہ گاہ کو تین اطراف سے گھیرنا شروع کر دیا تھا۔ عقب میں ایک گہری کھائی تھی جس میں آخر کار اوپر آنا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ میرے ہاتھ میں رائفل تھی اور میں نے نیم جان بنارس کے ساتھ ساتھ سفید کو کھر کو بھی اپنی نگاہ میں رکھا ہوا تھا۔ کچھ بھی تھا، سفید کھوہ داراج کی کلازم تھا، اس پر بھروسہ نہیں کیا جاسکتا تھا۔

قسطیا بولی۔ ”آپ تو دن پڑھ آیا ہے۔ اب اپنے داؤد بھاؤ کو فون کر کے دیکھو۔“

”اس کا دن ابھی نہیں چڑھا۔ وہ ایک گینٹکسٹر ہے قسطیا اور ایسے لوگوں کے لیے تو ابھی آدمی رات ہوتی ہے۔“

”کیا مسز سجاد کے ساتھ فیض محمد سے مدد لی جاسکتی ہے؟“ قسطیا نے دوسرا سوال کیا۔

”ہاں، موقع پڑنے پر اسے فرائی کیا جاسکتا ہے مگر ان لوگوں کو لالہ مونی یا پھر کوئی سے یہاں پہنچتے ہوئے کافی وقت لگ جائے گا۔ دوسری طرف خورسند اور اس کے بچے کی حفاظت کے لیے بھی فیض محمد کی سخت ضرورت ہے۔ ہانا دانی کسی بھی وقت ان پر وار کر سکتی ہے۔“

قسطیا اپنے شوہر فارز جان کے حوالے سے بھی پریشان نظر آرہی تھی۔ میں نے اس کی پریشانی بھانپتے ہوئے کہا۔ ”کیا آپ فارز کو فون کرنا چاہتی ہیں؟“  
”جیہو..... ایک کال کر کے دیکھ لیتے ہیں۔“ اپنے دلی کی بات وہ دونوں پر لے آئی۔

میں نے بنارس والا فون سیٹ اس کی طرف بڑھا دیا۔ چار جنگ کم تھی، پیچھے کے لیے میں نے اسے آف کر رکھا تھا۔ اس نے وجہ پوچھی۔ میں نے کہا۔ ”چار جنگ اس کی بھی زیادہ نہیں ہے۔“



کہ ایک زمانے کا چھڑا اس کے گال پر جڑوں، لیکن پھر خود پر ضبط کیا۔ تاجور کی ڈری کبھی صورت لگا ہوں کے سامنے آئی۔ میں جانتا تھا، وارنچ پر جو بھی سختی ہوگی وہ اس کا بدلہ برادر است یا بالواسطہ تاجور سے لے گا۔

”تم اپنے لیے مصیبتیں پیدا کر رہے ہو وارنچ۔“ میں پتھکا رہا۔

اس نے غصیلے انداز میں اپنی کلائی میرے ہاتھ سے چھڑائی اور بولا۔ ”لڑائی میں سب کچھ چلتا ہے اور تم لڑائی کر رہے ہو ہمارے ساتھ۔“

میں نے کہا۔ ”تم ابھی تک صرف میرا جمل اور میری برداشت دیکھ رہے ہو۔ دھنی دھنی پڑی تو بہت مچھتاؤ گے۔“

”دھمکیاں مت دو۔ جو سانپ تم نے لگایا ہے ابھی نکال لو۔“ وہ کوڑک لکچے میں بولا۔

ایک بار پھر میرا دل چاہا کہ اس کا گریبان دیوچ لوں اور ایک ایسی چوٹ لگاؤں اس کے چوڑے پر کہ ایک افسانہ نشان بن جائے۔ مگر پھر میری نگاہ عقب میں کھڑی تاجور کے زرد چہرے پر پڑی، اس کی آنکھیں تم نہیں اور وہ جیسے خاموشی کی زبان میں کہہ رہی تھی۔ ”پلیز شاہ زیب! مجھ پر ترس کھا میں۔۔۔ کچھ بھی ایسا مت کریں جو اس کو لکھیں دلا دے۔“

میں ایک دم منہ پھیر کر قسطنیہ کی طرف چلا گیا۔ موبائل فون کے ضابطے ہو جانے کا قسطنیہ کو بھی دکھا تھا۔ ہم اس انگوٹے فون کی چار جنگ بجا بجا کر رکھ رہے تھے کہ اس سے کام لے سکیں۔ اب چار جنگ کے ساتھ ساتھ فون بھی ختم ہو گیا تھا۔ اس میں قسطنیہ کا قصور نہیں تھا۔ اس کے لیے تو ضروری تھا کہ وہ اپنی تمام تر توجہ سامنے ڈبھہ اسکوڈ کے عیار ترین شوئرز کی طرف رہتی۔ اس موقع سے وارنچ نے فائدہ اٹھا لیا تھا۔ اس نے بنارس کو اشارہ کیا تھا اور اس نے یہ فون، گولیوں والے حیلے کے قریب سے اٹھا کر وارنچ تک پہنچا دیا تھا۔

میں نے دو تین نگلیں ٹھوکر میں بنارس کی کمر پر سپرہ کیں۔ وہ وہیں لیٹا لیٹا بلایا اٹھا۔ اس کا سر بڑی طرح زخمی تھا پھر بھی وہ مزاحمت پر تیار ہوا تھا۔ کبھی بے ہوشی اور نیم بے ہوشی کا ڈراما کرتا تھا۔ کبھی اپنے چھوٹے چھوٹے بازوؤں کو حرکت دے کر اپنے ہاتھوں کو اپنے سینے پر رکھتا تھا اور یوں ظاہر کرتا تھا جیسے اسے دل کا دورہ پڑنے والا ہے۔ اچانک مخالف طرف سے پھر فائرنگ شروع ہو گئی۔

جدید آٹومیک رائفوں سے کی جانے والی یہ فائرنگ اس مرتبہ کافی شدید تھی لیکن اس مرتبہ بھی یہی لگا کر ڈبھہ اسکوڈ کے باہر نشانہ باز نہیں مارنے کے لیے نہیں بلکہ ڈرانے کے لیے فائرنگ کر رہے ہیں۔ گولیاں بارش کی طرح برس رہیں لیکن یہ بارش کچھ کے اور گرد رہی ہوئی۔

قسطنیہ نے میرے ساتھ مل کر اس فائرنگ کا مناسب جواب دیا۔ ایک بار پھر خاموشی چھا گئی۔ ”لگتا ہے کہ یہ لوگ ہمیں اپنی فائر باؤر بتا رہے ہیں۔“ قسطنیہ نے اپنی شاہکار کمن سے نیا میگزین انج کرتے ہوئے کہا۔ اس کمن کے ساتھ گولیوں والی سیٹ بھی چلتی تھی۔

”وہ جانتے ہیں قسطنیہ کہ وارنچ اور اس کی ٹیم ہمارے پاس ہے۔ وہ سیدھا فائر کرنے سے پہلے سو بار سوچیں گے۔“

”لیکن ڈبھہ اسکوڈ کے یہ ہم شکل شیطان تو سوچنے سمجھنے کو خرافات کہتے ہیں۔“ قسطنیہ نے نقطہ اٹھا دیا۔ ”وہ ٹھیک ہے لیکن فی الوقت وہ اکیس نہیں، تھکیل واراب کے خاص لوگ بھی ان کے ساتھ ہیں۔۔۔۔۔ اور بینک مکن ہے کہ کچھ دیر میں تھکیل واراب کی خود بھی یہاں تشریف آوری ہو۔“

”اس کا مطلب ہے، جب تک وارنچ اور اس کی ماں وغیرہ ہمارے پاس ہیں، ہمارا پلڑا بھاری ہے۔“

”آپ کہہ سکتی ہیں۔“ میں نے ہکا بکا اصرار۔ وہ پریسوج کچے میں بولی۔ ”مگر شاہ زاعب! دوسری طرف بھی تو یہی طریقہ کار اختیار ہو سکتا ہے۔ میرا مطلب ہے، اگر فارسی، فجر، نادان وغیرہ ان کے قبضے میں ہیں تو وہ ان کو سامنے لا کر ہم سے سودے بازی کر سکتے ہیں۔“

میں نے پتھر کی اوٹ میں بیٹھ کر اپنی اسپرنگ کوری لوڈ کرتے ہوئے کہا۔ ”مجھے نہیں لگتا قسطنیہ کہ فارسی اور فجر ان کے ہتھے چڑھتے ہیں۔ وہ دونوں آسانی سے ہار ماننے والے نہیں ہیں اور خاص طور سے فجر۔ میرے ساتھ واراب میں اس کا بہت لمبا عرصہ گزارا ہے۔ وہ ایسے خطروں سے گشتا بہت اچھی طرح جانتا ہے۔ ویسے بھی اگر وہ دونوں ان لوگوں کے قبضے میں ہوتے۔۔۔۔۔ تو اب تک یہ انہیں ہمارے سامنے لے آئے ہوتے۔“

”اللہ تمہاری زبان مبارک کرے۔“ قسطنیہ نے میری گن پکڑ کر اپنی آنکھ اس کی ٹیلی اسکوپ سے لگائی اور سامنے ٹیلوں کا جائزہ لیا۔ ”کیا نظر آ رہا ہے؟“ میں نے پوچھا۔

”زیادہ تو ڈبھہ اسکوڈ کے لوگ ہی ہیں۔ میرے انداز سے کے مطابق بس تین چار مقامی بندے ہیں۔ ان میں بڑی تو تیرہ والا ایک بندہ کوئی پولیس آفیسر بھی لگتا ہے مگر اس نے شلوار قمیض پہن رکھی ہے۔“

میں نے قسطنیہ سے کمن واپس لے کر ٹیلی اسکوپ کے ذریعے دیکھا۔ مجھے فربہ اندام شخص نظر آیا۔ یہ یقیناً سادہ لباس میں کوئی پولیس آفیسر ہی تھا۔ ہو سکتا ہے کہ قصیر چوہدری کا کوئی ”کولیک“ ہی ہو۔ اس کے قریب ڈبھہ اسکوڈ کے فیسل ونگ کی انچارج ریڈ کیٹ کھڑی تھی۔ جیت لباس، تانا ہوا جسم، عقاب کھوپڑی، نیلے کی اوٹ سے اس کا صرف بالائی دھڑی نظر آ رہی تھی۔ وہ موتی تو تیرہ والے آفیسر سے کسی بات پر بحث کر رہی تھی۔ پھر میں نے دیکھا کہ اس نے برہی دکھاتے ہوئے آفیسر کے ہاتھ سے تل فون چھین لیا۔ دونوں ٹیلوں کے عقب میں اوجھل ہو گئے۔ اس غم گئے سروالے پولیس آفیسر کو میں ایک سے زائد مرتبہ تھکیل واراب کے ساتھ دیکھ چکا تھا۔ اس سلسلے میں میری نظر یقیناً دھوکا نہیں کھا رہی تھی۔

پتا نہیں کہ یہ کیا معاملہ تھا اور آفیسر کے ساتھ ریڈ کیٹ کی بحث کس سلسلے میں تھی۔ شام کے فوراً بعد ہمارا اٹھاروا کرنے والوں کے ہمارا پھلار رابطہ ہوا۔ یہ رابطہ ڈبھہ اسکوڈ کی شیطان زادی ریڈ کیٹ نے خود کیا۔ میں نے ٹیلی اسکوپ میں دیکھا، دو ستر شتو ٹکڑے اس کے ہمراہ تھے اور وہ تینوں ایک نیلے کی اوٹ میں کھڑے تھے۔ جیت پٹے کا فائدہ اٹھا کر یہ لوگ کچھ سے کافی قریب چلے آئے تھے، اس سے ان کی بے عرفی کا اندازہ بھی ہوتا تھا۔ ریڈ کیٹ نے براہ راست مجھے مخاطب کیا اور پکار کر بولی۔ ”ایٹرن! تم پوری طرح گھر چکے ہو، بہتر یہی ہے کہ شرافت سے خود کو ہمارے حوالے کر دو۔“

میں نے طیش کے عالم میں پکار کر کہا۔ ”جہیں حرام زادی کہنے میں مجھے کوئی عار نہیں، کیونکہ تم ایول کی ناجائز اور مشینی اولاد ہو۔ تم میں سے بات کرنا اپنی توہین سمجھتا ہوں۔ تم اپنے اس باسٹرڈ باس جان ڈیرک کو بلاؤ۔“

”وہ ابھی یہاں نہیں ہیں لیکن اگر تم بڑی موت مرنے کا کیا ارادہ کر لو گے تو تمنا دیکھنے کے لیے وہ بھی یہاں آجائیں گے۔۔۔۔۔ فی الحال میں تم کو یہی مشورہ دیتی ہوں کہ تمہارا باہر چھینکو اور ہاتھ میرے اونچے کر کے باہر تشریف لے آؤ۔“ اس کے لیے میں آگ تھی اور زہر تھا۔

”تمہارا چھینکنے کا مشورہ تمہارے لیے ہے۔ اگر

انگاہے چڑھائی کرو گے تو سب سے پہلے جان ڈیرک کے جیسے دوستوں کی جانیں جائیں گی۔“

”کمن کی بات کرتے ہو؟“

”وارنچ اور اس کی ماں کی۔ سب سے پہلے ان کو گولی لگے گی۔“

”ایسا کرو گے تو اس کا جواب ہمارے پاس ہے۔ تمہارے دونوں ساتھیوں کے سر کاٹ کر اس سامنے والی جیب کی جھٹ پر رکھ دوں گے۔“

میں ایک لمحے کے لیے سناٹے میں رہا لیکن پھر فوراً ہی میری چھٹی حس نے کہا کہ یہ حرافہ جھوٹ بولی رہی ہے اگر فجر اور فارسی ان لوگوں کے پاس ہوتے تو یہ اب تک انہیں سامنے لائے ہوئے، بلکہ یہی بڑی بات نہیں تھی کہ ان میں سے کسی کا سر کاٹ کر گاڑی کی جھٹ پر رکھ بھی چکے ہوتے۔

میں نے کہا۔ ”تمہاری گواہی سننے کے لیے میرے پاس وقت نہیں۔ تم سارے باسٹرڈ بین بھائی اچھی طرح جانتے ہو کہ میں جو کہتا ہوں، اس پر عمل کرتا ہوں۔ اگر نہیں پہچان سے لکھنے کا کھنڈہ راستہ میں دو گے تو وارنچ کی پوری ٹیم اور اس کے دونوں بندے بھی جائیں گے۔“

مجھے شک تھا کہ ڈبھہ اسکوڈ کے شیطانوں کے علاوہ تھکیل کا کوئی خاص بندہ بھی نیلے کے چھپے موجود ہے اور یہ گفتگوں رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ تھکیل واراب اپنے اس خبیث چالاز اور وارنچ اور چچی وغیرہ کے لیے کوئی خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ اس بات کا بھی امکان موجود تھا کہ وہ کچھ دیر میں ہمیں ہمیں ہر سانس بچھا جاتا۔

ایک دو منٹ مزید یہ گفتگو جاری رہی پھر ریڈ کیٹ اپنے ساتھیوں کے ساتھ واپس اپنی گاڑیوں کے قریب چلی گئی۔ وہ ایک بار پھر یہی بڑا مار کر تھی تھی کہ ہمارے دونوں ساتھی (فارسی اور فجر) ان کے پاس ہیں اور وہ کچھ ہی دیر میں انہیں ہمارے سامنے لے آئے گی۔

قسطنیہ ایک بار پھر تھوڑی سی شکر نظر آئی۔ میں نے کہا۔ ”قسطنیہ! ان ٹیسٹ ٹیوب قاتلوں کو جتنا میں جانتا ہوں، اب تک ام واقعی سخت مشکل میں آچکے ہوتے۔۔۔۔۔ یہ میر کرنے والے لوگ نہیں ہیں۔ اپنی ماؤں (کیرائے کی ماؤں) کے بیٹوں میں پتا نہیں کیسے لگے رہے ہیں۔ اب بھی یہ صرف ہمیں اندر پریش کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ یہ فارسی اور فجر کو جھوٹا رہے ہوں اور ان کو امید ہو کہ وہ انہیں پکڑ سکیں گے۔“



## اوسط کا قاعدہ

ایک ریاضی دان چھٹیاں سنانے کے لیے شہر سے دیہی علاقے میں گئے۔ ایک روز گھومتے پھرتے وہ ایک نہر کے کنارے پہنچے جس کے پار بہت خوب صورت باغات نظر آ رہے تھے۔ انہوں نے نہر میں اترنے کا ارادہ کیا تو وہاں موجود لوگوں نے انہیں روکا اور ڈوب جانے کے خطرے سے آگاہ کیا۔ وہ سوچ میں پڑ گئے پھر لوگوں سے نہر کی گہرائی کے بارے میں سوال کیے۔ ان معلومات کی روشنی میں انہیں علم ہوا کہ کنارے پر نہر کی گہرائی صفر تھی۔ وسط میں وہ دس فٹ گہری تھی۔ ان کے علم اور حساب کی روشنی میں نہر کی اوسط گہرائی پانچ فٹ تھی۔ وہ خود سوچا فٹ لے لے لوگوں کے روکنے کے باوجود نہر میں اتر گئے۔ پچھلے میں تو ان کا سارا حساب دھوا رہا تھا۔ نہر کی گہرائی اور چیز بہاؤ میں بے چارے اپنی ساری ریاضی سمیت بہہ گئے۔

بھلا میں سے خرم علم کا کوشاوارہ

بلنے کی کوشش کر رہے تھے۔ میں نے قسطنطین سے کہا۔ ”مجھے جانا پڑے گا۔“ اس کے ساتھ ہی میں اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔

میں نے سعید کو کھڑکوا دیا۔ اس سے پوچھا کہ منیہ سین والی دنیا جیب میں کس جگہ ہو سکتی ہے۔ اگر اس کے علاوہ بھی وہ کوئی چیز جیب کے اندر سے منگوانا چاہتا ہے تو بتاؤ۔

اس سے بات کرنے کے بعد میں نے اسے واپس دارج کے پاس بھیج دیا۔ اپنی اسپرنگ قسطنطین کے پاس رکھی اور ایک چھوٹی نالی کی روئی داخل لوڑکے کے جیب کی طرف جانے کے لیے تیار ہو گیا۔ قسطنطین نے جب مجھے جانے کے لیے تیار دیکھا تو اصرار کرنے لگی کہ اس کی ہلت پروف جیکٹ میں پہن لوں۔ میں نے اس کی بات نہیں مانی۔ میرے پاس ایک محلول دیکل بھی تھی کہ اس کے ساتھ جیکٹ مجھے پوری نہیں آئے گی۔ جیکٹ کے سبب ویسے بھی مجھے اپنی موڈیشن میں بہت دشواری محسوس ہوتی تھی۔ بہر حال میں نے کسی نند کی طو اسے ڈال دیا۔ ہمارے اندازے کے مطابق جیب کے دروازے لاک نہیں تھے پھر بھی میں نے احتیاطاً قسطنطین سے جیب کی چابی لے لی۔ (یہ

رکھ دیا ہوگا۔ پھر منہ اٹھا کر یہاں چلی آئی۔ اور کوئی بات نہیں۔ بس تمہاری طبیعت درست ہونے والی ہے۔“ اس نے آخر میں پھر گالی کی اور کہہ بیٹھا۔

ذرا دیر بعد یا سکین بیگم کی دلی دلی لیکن غصیلی آواز سنائی دی۔ ”اب کھڑکی یہاں قماش کیا دیکھ رہی ہے۔ جا بیگم میں سے ڈیوٹن کا تیل نکال۔“

میں نے کھوہ کے آخری سرے پر تاجور کا ہیولا دیکھا۔ وہ لڑکھڑاتی ہوئی کسی اس گوشے کی طرف بڑھی جہاں دارج کی ضروریات والا بیگ رکھا تھا۔

دارج کی ہائے ہائے سے اندازہ ہو رہا تھا کہ اس کی تکلیف واقعی بڑھ چکی ہے۔ تاجور کی بے بسی پر ترس آ رہا تھا اور دل پر چوٹ بھی پڑ رہی تھی۔ وہ کیوں خود اذیتی کے گرداب میں دھنسی چلی جا رہی تھی۔ میں نے گہری سانس لیتے ہوئے قسطنطین سے کہا۔ ”گلنہ کہہ کہ سعید نے ٹھیک تجویز کیا ہے۔ جوں جوں اس کی تکلیف بڑھتی جائے گی، یہ ہانپنا ہوتا جائے گا۔“

”تو ہونے دو با پھر کہینے کو۔“

”مگر شامت تو پھر تاجور ہی کی آتی ہے۔ میں سوچ رہا ہوں کہ اسے منیہ سین لایا دی جائے۔“

”خیر ہوگا اس میں۔ ابھی چاند بھی کافی اوپر ہے۔“

دیکھ لیے جانے کا شدید خطرہ ہے۔

”کوئی بات نہیں۔ مجھے کچھ ہو گیا تو آپ سنبھال لیں گی سب کچھ۔ جامانی میں پوری فوج کو سنبھال سکتی ہیں آپ۔“

میں نے ہلکے ہلکے انداز میں کہا۔

”مگر کرتا جوڑ کو کیا چھوڑ دینا چاہتے ہو؟“

”وہ اب بھی میرے ساتھ کہاں ہے؟“

”لیکن مستقبل میں کچھ بھی ہو سکتا ہے۔“

”سب کچھ ہو سکتا ہے لیکن شاید وہ نہیں ہو سکتا جو آپ سوچ رہی ہیں۔ اس کے راستے جدا ہیں۔ وہ اب ماں بننے والی ہے۔“

وہ کچھ دیر سوچ میں گم رہی پھر اٹھ کھڑے لہجے میں بولی۔

”مجھے نہیں لگتا کہ ایسا ہے۔“

”کیا مطلب؟“

”یہی ماں بننے والی بات۔“

اس سے پہلے کہ میں جواب میں کچھ کہتا، دارج کے کراہنے کی بلند آواز آئی۔ یوں لگا جیسے اس کے جسم پر کسی نے دھکا دیا اور ان کا رکھ دیا ہو۔ وہ سعید کو کھڑک پر بڑی طرح دہستے لگا۔ غالباً سعید اور تاجور وغیرہ کی گرد دارج کا پہلو

ڈھٹ تک رہتا تو بھی گودا رہتا۔ لیکن اب وہ تاجور کے درپے بھی ہو گیا تھا۔ اس کی غصیلی آواز ہماری سامنوں تک پہنچ رہی تھی۔ ”وہ اندھا ہو گیا تو تم بھی اندھی ہو گئی تھیں۔ تمہیں پتا نہیں تھا کہ تمہارے جسم کو ضرورت ہے منیہ سین کی۔ مگر تمہارے تو ہوش ٹھکانے پر نہیں ہوتے۔ ان کو ٹھکانے پر لانا پڑے گا۔“

تاجور کی طرف سے کوئی جواب نہیں آیا یا شاید وہ اتنی آہستہ بولی تھی کہ آواز ہم تک نہیں پہنچی تھی۔ چند سیکنڈ بعد دارج کی والدہ یا سکین بیگم کی کرجیت آواز ابھری۔ ”اب دھڑکھڑکی مت کیا دیکھ رہی ہے، جا۔“

گلاس میں تھوڑا سا پانی لے کر آئی۔

اس صورت حال کے سبب قسطنطین کا پارا پڑھ رہا تھا۔

اس نے پچیس نظروں سے میری طرف دیکھا۔ میں نے اسے خاموش دیکھنے کا اشارہ کیا۔

بنارس نے ایک بار پھر کرنا شروع کر دیا۔ اس کے سر پر خاصا بڑا زخم تھا۔ اس کے باوجود غیبت ہمیں ڈنک مارنے سے باز نہیں رہا تھا۔ اس نے اپنا سونباک دارج تک پہنچا یا اور دارج نے اسے پچھانچ کر دیا تھا۔ یوں ہم اپنے کسی بھی مددگار کے ساتھ رابطہ کرنے سے محروم ہو گئے تھے۔

اس بات کا اندیشہ بھی تھا کہ دارج ہڈا کا یہ بے وفا ساتھی کوئی اور کام نہ دکھا جائے۔ لہذا شام سے پہلے ہی میں نے اس کے ہاتھ پاؤں باندھ ڈالے تھے۔ اب وہ کسی نیم جان مرنے کی طرح کھوہ کے فرش پر پڑا تھا۔ (ہم نے اس سے ٹالون کے بارے میں بھی پوچھا تھا اور اس نے بتایا تھا کہ وہ کھڑک رہیں ہے اور خیریت سے ہے)

میں نے قسطنطین سے کہا۔ ”آپ ٹھک گئی ہوں گی، کچھ دیر کے لیے لیٹ جائیں۔ اس میں کوئی سسٹما نہیں ہوں۔“

اس نے زہمت واضح دیکھتے ہوئے کہا۔ ”نہیں شاہ ذائب! سخت ترین فرینک سے گزری ہوں، روتی جلدی تھکتے والی نہیں۔ میں آدھی رات تک آسانی سے یہاں بیٹھ سکتی ہوں۔ تم تھوڑی دیر سو جاؤ۔ پھر جاؤ تو یہاں آ جانا۔“

”نہیں۔۔۔ ابھی ٹیڈو مجھے بھی نہیں آ رہی۔ ویسے بھی ایک سے دو دیکھتے ہوتے ہیں۔“ میں نے لمبے ہیرل والی اسپرنگ کو گود میں رکھتے ہوئے کہا۔

اسی دوران میں دارج پھر تاجور پر گر پڑے گا۔ معاملہ پھر انہی دو دو آؤں کا تھا جو جیب میں رہ گئی تھیں۔ دارج کی زہر ملی آواز ابھری۔ ”بکواس مت کرو۔ تمہارے ہاتھ میں دیکھا تھا میں نے وہ لال جیکٹ۔ تم نے وہاں سیٹ پر

کھوہ میں روشنی کا کوئی انتظام نہیں تھا۔ ہمارے پاس ایک بڑی نارنجی جلی اور اس کی بیٹری ہم بچا کر رکھنا چاہتے تھے لیکن روشنی بھی ضروری تھی۔ چھوٹی نارنجی دارج کے قریب روشن کر دی گئی۔ اس کے لیے ایک عارضی سائبر بنا دیا گیا تھا جس پر وہ نیم دراز تھا۔ سعید کو کھڑک اور تاجور اس کے ارد گرد موجود تھے اور اس کے احکامات کی تعمیل کر رہے تھے۔ اس کا حال وہی تھا کہ دسی جل گئی لیکن ہل نہ گیا۔ لاہور میں ہاتھ دانی کے سلسلے میں ہماری وارننگز کو مسلسل نظر انداز کر کے وہ اپنی حال کو پہنچا تھا لیکن اس کی آکٹوں اور پھولوں جہاں رقر رہی۔ تاجور کو بھی گاہے بگاہے اس کے سخت فقروں کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ اس وقت زیادہ کم سختی سعید کو کھڑک کی آئی ہوئی تھی۔ حالانکہ اس نے چونکی کا مظاہرہ کرتے ہوئے دارج کی ضروریات اور ادویات والا بڑا بیگ جیب میں سے نکال لیا تھا، مگر ایک دو دو ایس رہ گئی تھیں جس کی وجہ سے وہ سخت یا تھا۔ روشنی کے لیے ہم نے دہانے کے پاس تھوڑی سی آگ بھی روشن کر لی تھی۔

مندر میں منہ جیسے ہوئے چٹوں اور پانی پر ہم گرا رہے تھے، وہ تو مندر میں ہی رہ گئے۔ اب ہم سات افراد کے لیے پیٹ پوجا کے لیے کچھ نہیں تھا۔ وہ

یونوں میں میں تین چار لیٹر پانی تھا۔ ان میں سے بڑھ لیٹر کی ایک بوتل تو قحط دارج کے لیے مخصوص کر دی گئی تھی۔

سعید کو کھڑک میرے پاس آیا اور سرگوشی کے انداز میں بولا۔

”دارج صاحب کی ایک نہایت ضروری منیہ سین جیب میں رہ گئی ہے۔ اگر وہ یہاں نہ آسکی تو بہت مشکل ہو جائے گی۔“

ان کی کمر کے پھولوں میں میں عین شروع ہو جائے گا اور اگر وہ بڑھ گیا تو یہ آسمان سر پر اٹھائیں گے۔“

”تو پھر جاؤ اور لے آؤ۔ پاس کی ماں کو بھیجو۔“ میں نے سہاٹ لیچے میں کہا۔

سعید قسطنطین جھانک کر رہ گیا۔ وہ جانتا تھا، ایسا ممکن نہیں۔ جس سیاہ تو بونا جیب پر ہم یہاں تک آئے تھے، وہ

کھوہ سے کم و بیش چھپیں جیسے میٹر کے واسطے پر کھڑی تھی، وہاں تک جانے کا مطلب خود کو شدید خطرے میں ڈالنا تھا۔

وہ جگہ واضح طور پر آجھ اسکوڑ کی فائرنگ کی زد میں تھی اور رات میں کسی حد تک چاندنی بھی تھی۔ کوئی کھوہ سے نکل کر

جیب کی طرف جاتا تو آجھ اسکوڑ کی نظر میں آسکتا تھا۔

قریباً ایک گھنٹہ مزید گزرا، پھر وہی کچھ ہونے لگا جس کا خدشہ سعید نے ظاہر کیا تھا۔ دارج کا ”جین“ بڑھ گیا اور اس نے داویلا شروع کر دیا۔ معاملہ صرف سعید کی ڈانٹ



”اس کا مطلب ہے، وہ اندھیرے کا فائدہ اٹھا کر ہم پر چڑھائی کرنا چاہ رہے ہیں۔“

”یہ اتنا آسان نہیں ہوگا اُن کے لیے۔“ وہ دانت  
پیس کر بولی اور مزید تن کر بیٹھ گئی۔

چند گولیاں ہمارے سروں کے اوپر سے گزر کر کھوکھی  
جست میں بیہوش ہوئیں اور کچھ بجری نما پتھر اور ریت  
نمبرہ ہمارے اوپر گری۔ چاند اب مغربی ٹیلوں کے عقب  
میں اوجھل ہونے والا تھا مگر تھوڑی بہت چاندنی ابھی باقی  
تھی۔ مجھے فرمایا ساتھ ساتھ قدم دور ایک سرخ لباس کی جھلک  
سی نظر آئی۔ یقیناً یہ تھمہ اسکاؤ کا ہی ایک چھلاوا تھا جو  
جست لگا کر ایک چٹان سے دوسری چٹان کے عقب میں گیا  
تھا۔

”یہ لوگ آگے آرہے ہیں۔“ میں نے قسطنطنیہ کو خبردار کیا۔

”میں دیکھ رہی ہوں۔“ اس نے کہا۔ اس کے ساتھ  
 ہی ایک برسٹ چلایا ایک پرچھاگیس کی ٹیلے سے ٹوہک کر  
 چھپ گئی۔ پتہ نہ رہا وہی چلاوا تھا جس کی جھک چل سیکڑ پہلے  
 میں نے دیکھی تھی۔ اس کے پیچھے آنے والے دوسرے  
 شیطان زراوے برس میں نے گولی چلائی، وہ بھی پتھروں کے  
 پیچھے اوجھل ہو گیا۔ مجھے ادا کر دے مرنے ہوئے

جہاں ہی اس کا روانہ کیے کے بعد فارنگ کی شدت کم ہو گئی اور پھر اس کے بعد ایک دم خاموشی چھا گئی۔ میں نے کہا: ”تسطیاء ان کا توگوں نے کہا تھا کہ وہ فجر اور فاس کو مارے سانسے لائیں گے لیکن اس کے بجائے انہوں نے میرے بل بوتے پر اس کا مطلب یہی ہے کہ وہ خالی غولی ہو گئی۔“

”ہاں، اب تو یہ ثابت ہو گیا ہے۔ اندازہ یہی ہوتا ہے کہ چمکاؤڑوں کا خطرناک انداز دیکھ کر سب تتر بتر ہوئے۔ ایسے میں شاید فاراں اور چہار سے دوست کو بھی بچانے کا موقع مل گیا۔“

چکا دڑوں کے ذکر نے میرے ذہن میں بھرپور  
 عینے سے جگا دیے۔ ان خونخوار چکا دڑوں نے ہمارا پیچھا اس  
 وقت چھوڑا تھا جب دن کی روشنی پھیل چکی تھی۔ لیکن اب تو  
 غمراہ تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ دوبارہ نمودار ہو سکتی  
 ہیں۔ یہ بہت تشویش ناک صورت حال تھی۔ میں نے اس کا  
 کرشمہ کیا ہے کیا۔ اور کہا: ”پتیل ہم ہندو گامڑی میں تھے  
 اس لیے بچ گئے۔ اب یہ کھلے دھانے والی کھجور ہے۔ اگر

کے سبب بریٹ ہو چکے تھے۔ مستقبل قریب میں اس کو استعمال میں لائے جانے کی کوئی امید نہیں تھی۔

بڑی احتیاط سے کرائنگ کرتا ہوا میں وہیں کھوہ کی طرف بڑھا۔ اب مجھے مزید احتیاط کی ضرورت تھی۔ بدلی ہوئی پیمینٹ تک چاند کا چہرہ ڈھانپنے کے بعد آگے نکل رہی تھی۔ چاندنی بتدریج نمایاں ہو رہی تھی۔ پھر دہی ہوا جس کا انداز بیڑ تھا۔ دھماکے کے ساتھ دو فائر ہوئے اور گولیاں مستحکم ہوئی میرے سر پر سے گزریں۔ یقیناً انہیں خشک ہو چکا تھا۔ مجھے لگا کہ میں کرائنگ کرتا رہا تو "ہٹ" ہو جاؤں گا۔ کھوہ کا بانڈس بارہ میٹر سے زیادہ دور نہیں تھا۔ میں نے ایک لیا اور اٹھ کر دوڑتا ہوا کھوہ کے اندر چلا گیا۔ شیش کی طرف سے آٹومیک کا ایک پورا برسٹ آیا لیکن یہ فائرنگ صرف پتھروں پر ہی چنگاریاں چھوڑ سکی۔ جو کچھ غلطی نے بڑی چابک دستی سے ایک جوانی برسٹ چلا یا پھر پکار کر مجھ سے پوچھا۔ "تم ٹھیک تو ہو شاہ زادہ؟"

”ہاں میں ٹھیک ہوں۔“ میں نے بیٹھ کر خود کو دیوار کے ساتھ لگاتے ہوئے کہا۔

بے شک وہ سب جان چکے تھے کہ میں جیپ کی طرف گیا ہوں۔ یقیناً انہوں نے ان ضریوں کی آوازیں بھی سنی ہوں گی جو میں نے اس کمین توڑنے کے لیے لگائی تھیں۔

میدیں کی سی سی ۶ یا ۷ تک پیسے ہوا سی  
آواز میں پوچھا۔

میں نے دنیا اس کی طرف بڑھا دی۔ وہ سترے کا  
 حفظ ادا کیے بغیر تیزی سے اپنے بیٹے کی طرف گئی جو فری ہسٹ  
 ر پر تیزی طرح تل کھا رہا تھا۔ ڈری تھی کہ جو اس کی چڑھائی کر  
 رہا تھا یا نہ تینوں کی مائل کر رہی تھی۔ مطلوبہ میڈیسن دیکھ کر  
 جو نے ایک منونیت بھری نگاہ مجھ پر ڈالی۔ یہ نگاہ جیسے  
 لنگھوں کے راستے میرے پورے جسم میں سرایت کر چکی  
 تھی۔ میری ساری کلفت دور کر دی۔

دیر اندھ سسل فائرنگ سے کوچ کر کے لگا تھا، دونوں طرف سے مشکل شاٹ فائر کے جارہے تھے پھر چھوٹے چھوٹے برسٹ بھی فائر ہونے لگے۔ اسپرنگز کی ایک طرف سے بھی ایک سیون ایم ایم اٹھالی اور قطبیا کے ساتھ اوٹ میں بیچہ کر فائرنگ کا جواب دینے لگا۔

”مطمیناً آپ نے ایک بات نوٹ کی؟“ میں نے  
 چھا۔  
 ”ہاں..... فائبر آپ بائیں طرف سے آرہے اور

میں دروازے کھول کر گھوٹا کر کے ”شارسے“ چلنا چھٹا شروع ہو جاتے یا کوئی اور انڈیکیشن سامنے آجاتی۔ یہ حال یہ دیکھ کر اب لینا ہی تھا۔

میں نے پینے کے لیے دروازے کھولے  
 کی کوشش کی مگر کوئی داخلہ نہیں ہوا۔ یہ تعجب خیز تھا۔ یوں  
 محسوس ہوتا تھا کہ ”ریموٹ“ ڈیڈ ہو گیا ہے۔ مجبوراً میں نے  
 تالے میں چابی کھسائی اور اس کے ذریعے دروازے کو کھولا  
 پایا۔ مگر یہ طریقہ بھی ناکام ہوا۔ مجھ پر انکشاف ہوا کہ  
 گاڑی کے اگلے حصے کو نقصان پہنچنے کے سبب اس کے  
 سسٹم میں کوئی نقص پیدا ہو گیا ہے جس کی وجہ سے  
 ریموٹ کام کر رہا ہے اور نہ چابی کے ذریعے دروازے کھل  
 رہا۔

یہ بڑی مایوس کن صورت حال تھی۔ میں کافی خطرہ  
 دل لے کر یہاں جیت تک پہنچا تھا اور یہ سب مجھے سود  
 ہاتھا۔ اب ایک ہی طریقہ رہ جاتا تھا کہ دلاکسین والے  
 دروازے کو بڑا کر کے وہاں سے اندر گھسنے کی کوشش کی جاتی۔  
 وہی سورج خاں جس سے ایک چمکاؤر اندر بھیجی اور اس  
 نے جھلمکے چایا تھا۔ میں نے ایک بڑے پتھر کے ذریعے  
 کمرے پر پے در پے پتھر چرائیں لگا دیں اور اس میں کافی بڑا  
 کاف ڈالنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس عمل کے دوران میں  
 گھڑی میں دھڑکاؤ تھا کہ کہیں گاڑی کا الارم آن نہ ہو  
 گئے یا پھر پتھر سے لگنے والی شربوں کی آواز اٹھائیں تک نہ  
 بچ جائے۔ جو بھی مناسب محال نہیں پیدا ہوتی میں یونٹ پر  
 دھڑکاؤ کی کے اندر تک میرا پشتوں پر ہر طرف شیشے  
 کی چپیاں بھری تھیں۔ ششمان زدہ سے رہی اور اس کے  
 کمرے کا الارم اس طرح بجنا شروع ہوا کہ میں

پایا سہیہ گئے اس میں سے نکالی گئی (پوری تیاری کے  
جد میں رہا تے کے قریب کھڑا ہو گیا۔ میری نگاہ بار بار آسمان  
کی طرف اٹھ رہی تھی۔

ہے؟“ قسطنطین نے پوچھا۔

”ہاں، یہ تو ہے۔“ وہ بولی۔

میری نگاہ ایک بڑی بدلی کی طرف مچی جو آہستہ آہستہ اندکی جانب بڑھ رہی تھی۔ یہ چاند کو ڈھانپ لیتی تو میرے دیکھے جانے کا شعور بہت کم ہو جاتا۔ قطعیاً میرا نقطہ نظر سمجھ گئی۔ بولی۔ ”گنگا ہے خرم نے چھاپا مار ڈینگ مگی لی بولی ہے۔ ایسی چم اور طرے کوورے ملا لائی کی تربیت میں لھائے جاتے ہیں۔“

سب سے بڑی حریت کلی میدان کی ہوتی ہے  
 طین اور یہ میدان بہت جھگڑا ہوا ہے میں نے

وہ جاکوئی سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔ بدی نے  
 اندکی روشنی کو ذرا چاہ لیا تو جبکہ کافی کم ہو گئی۔ میں چند  
 لم بجک کر چلا اور پھر پیٹ کے مل لپٹ گیا۔ پھر علی  
 مین پر کراؤ لگ کرنا ہوا میں دھڑکے دھڑکے چپ کی  
 طرف بڑھ لگا۔ یہاں کوئی خاص آواز موجود نہیں تھی۔ اگر  
 لک سمٹ سے فاصلہ آتا تو میرے پیچھے کے امکانات بہت  
 کھتے۔ وہ تیس میٹر کے لگ بھگ فاصلہ تھا مگر مجھے میں کلو  
 میٹر کی طرح لگا۔ مجھے پتا تھا کہ اگر مجھ پر فاصلہ ہوا تو پہلا پھٹکا  
 اسپرسمیر سے جسم میں اترے گا، دھماکے کی آواز بعد میں  
 آئے گی۔

بالآخر یہ ثابت ہو گیا کہ خطرناک فاصلہ طے ہوا اور میں جیپ  
بچھڑ گیا۔ اس کا پوٹ اور اگلہ بھر بڑی طرح چٹکا ہوا  
جیپ کے آگے دونوں پہیے گڑھے میں تھے اور وہ لوگ  
پہینا لیں گا زانو بہنا رہی گا۔ جیپ کی اوٹ میں بچھڑ  
مجھے قدرے غصہ کا احساس ہوا۔ میں نے خود کو گھٹنوں  
پر اٹھایا اور آگے دروازے کے پینڈل پر ہاتھ رکھا۔  
درازے کو ہولے سے اپنی طرف کھینچا لیکن مایوسی ہوئی۔  
قع کے برعکس دروازہ لاک تھا۔ شاید اس کے سکیورٹی  
سٹم نے اسے خود بخود لاک کر دیا تھا۔ میں نے ہچکچا  
ازہ چیک کیا، وہ بھی "سیٹھ لاکنگ" کے سبب بند تھا۔  
میں نے احتیاط سے اپنی پینٹ کی اکلی جیب میں ہاتھ گھسایا  
جیپ کی چابی نکال لی۔ اس امر کا اندیشہ بھی موجود تھا کہ



دوبارہ وہی صورت حال پیدا ہوئی تو ہم اپنا دفاع کیسے کریں گے؟

قطیفیہ کے چہرے پر بھی تشویش کے سائے نظر آنے لگے۔ کھوکھو کا یہ دہانہ قریباً چھ فٹ بلند تھا مگر بیٹھنی شکل میں تھا۔ اس کی چوڑائی چار ساڑھے چار فٹ سے لگ بھگ تھی۔ اونچائی کی طرف سے کچھ کم تھی تو دو دھن بڑے پتھروں نے اُصاحب رکھا تھا۔ باقی کئی جگہ پر کوئی چیز بتائی جا سکتی تھی۔

”دارج کے نیچے ڈبل پانی کا بڑا سیل موجود ہے۔“

قطیفیہ نے تجویز پیش کی۔

”لیکن اسپورٹنگ گولڈ پر سونے والا وہ شہزادہ بھی زمین پر کیسے لیٹ سکے گا۔ اس کے خواں پہلے ہی ٹھکانے پر نہیں ہیں، مزید اوپر شروع کر دے گا۔“

حب میرا دھیان ایک زمین کے اس ”میت“ کی طرف گیا جو تباہ حال جیپ سے نکلا تھا۔ اس کی لمبائی چوڑائی ایسی تھی کہ اسے پرندوں یا چمکاؤروں کے متوقع حملے سے بچنے کے لیے استعمال کیا جا سکتا تھا۔ سعید کھوکھو کے پاس ایک میڈیکل باکس موجود تھا۔ اس میں کچھ چھوٹی قیچیاں، دو تین ششدر اور کس وغیرہ موجود تھے۔ اگلے دن پندرہ صحت میں، میں نے سعید کے ساتھ مل کر کوشش کی اور ایک زمین و نوم کے اس منصوبہ ”میت“ کو کھوکھو کی چھت سے یوں لٹکا دیا کہ بوقت ضرورت اسے نیچے سے تمام کر ہم اپنا بچاؤ کر سکتے تھے۔ میت کو چھت سے ٹھکانے کے لیے میں نے نیچویں وغیرہ کو میٹوں کی طرح استعمال کیا تھا، تاہم قطیفیہ اور سعید نے میری اس ”کارنگری“ کو تعریف نظروں سے دیکھا تھا۔

دارج کی حالت میڈیکل کے بعد تھوڑی دیر کے لیے مستحیل تھی لیکن اب دوبارہ اس نے ہائے دانے شروع کر دی۔ وہ کھوکھو کے عقبی حصے میں فرشی بست پر لیٹا تھا۔ تاجور کے سامنے کی طرح اس کے ارد گرد موجود کسی اور گاہے بگاہے اس کی ڈانٹ بھی سن رہی تھی۔ دارج غالباً ان مردوں میں سے تھا جو غولڑے کے حصول سے پہلے اس کے پاؤں چھوئے کو بھی تیار رہتے ہیں لیکن وہی عورت جب انہیں حاصل ہو جاتی ہے، اسے اپنے پاؤں کی جوتی کا درجہ دے دیتے ہیں۔

دو دھیرے دھیرے دارج کا دواؤں زیادہ ہوتا چلا گیا۔ سعید کھوکھو نے کچھ سے کہا۔ ”جس وقت جیپ کھدے میں گئی، ان کی کمر کو شہید دھچکا لگا ہے۔ میرے خیال میں اب ان کو مکمل میڈیکل ٹرینٹ منٹ کی ضرورت ہے۔ ورنہ ان کا حال زیادہ خراب ہو جائے گا۔“

”ہوئے دو۔“ قطیفیہ نے سپاٹ لہجے میں لیکن دھیمی آواز میں کہا۔ ”اس طرح کے بندے کو تو اسی طرح تڑپتے رہنا چاہیے۔ شاید اسے دوسروں کی تکلیف کا کچھ احساس ہو۔ جو کچھ یہ دینی منکوحہ بیوی کے ساتھ کر رہا ہے، اس کو تو باقاعدہ جوتے مارنے چاہئیں۔“

دارج کی دہنگ والدہ دور بخشی ہمیں گھور رہی تھی۔ اسے سنائی تو کچھ نہیں دے رہا تھا لیکن اسے یہ اندازہ ضرور ہو رہا تھا کہ ہم اسی کے فرزند ارجمند کے بارے میں بات کر رہے ہیں، دارج کی تکلیف بڑھنے کے بعد وہ ایک بار پھر بہت پریشان نظر آنے لگی تھی۔ میں نے دیکھا تاجور کھوکھو کے ایک گوشے میں چادر بچھ کر نماز پڑھنے میں مشغول تھی۔ اس نے دوپٹے کو اس طرح سر پر باندھا ہوا تھا کہ فقط دو تہائی چہرہ ہی نظر آتا تھا۔ میں نے دل ہی دل میں سوچا۔ وہ کس کے لیے دعا کر رہی ہوگی۔ قطیفیہ اپنے شوہر کے لیے۔ اور پھر اپنے بھراؤوں کے لیے، اپنے والدین کے لیے اپنے چھوٹے بھائیوں اسفند اور اسٹیل کے لیے۔ میرے ذہن میں خیال آیا۔ کیا کبھی اس کی دعاؤں میں میرا نام بھی آتا ہے؟ کیا کبھی وہ میرے بارے میں بھی سوچتی ہے؟ کیا اسے اب کچھ بھی۔ کچھ بھی یاد نہیں۔ وہ مجھ سے کس قدر قدم کی دوری پر تھی لیکن درمیان میں ہزاروں میل کا فاصلہ تھا۔

رات کو ہمارے ارد گرد کرتے والوں کے درمیان دو دفعہ مزید فائرنگ ہوئی۔ دونوں دفعہ ہم نے انہیں اچھی طرح باور کرا دیا کہ ہم انہیں آسانی سے اپنے قریب نہیں آنے دیں گے۔ کچھ دیر کے لیے میں سو گیا تھا اور کچھ دیر کے لیے قطیفیہ نے آنکھ لگائی تھی۔ رات کو کوئی چمکاؤروں کی طرف سے ایک کھٹکنا سا دھچکا تھا مگر اس سے میرے غمزہ گزری تھی۔ اب یہ سیدہ سحر نمودار ہوئے والا تھا۔ دارج کے بارے میں جو کچھ سعید کھوکھو نے کہا تھا، وہ درست ثابت ہو رہا تھا۔ اس کا اب بڑا حال تھا۔ بہن کلر بھی اس پر کچھ زیادہ اثر نہیں کر رہی تھی۔ اس کی والدہ اپنے جسم کو جھلاتی ہوئی میرے پاس آئی اور بولی۔ ”مجھ سے یہ سب کچھ برداشت نہیں ہوتا۔ وہ بہت تکلیف میں ہے۔ ہم۔۔۔ میں کسی بھی طرح اسے لے کر یہاں سے جانا چاہتی ہوں۔“

”نور درست۔“ میں نے کہا۔ ”آپ اپنی بجلی کو لے کر یہاں سے چلی جائیں۔ اور آپ کا نتیجہا کھیل دار اب اسی کھوکھو کو ہمارا مقبرہ بنائے گا۔“

”تو تمہیں کیا چاہیے ہو؟“ وہ روٹا ہوا ہو کر بولی۔

”یہاں سے نکلنے کا کھنڈر راستہ۔ اگر واقعی ہمارے دونوں ساتھی ان لوگوں کے پاس ہیں تو انہیں ہمارے خزانے کر دیا جائے۔“ میرا اشارہ قارن اور فخر کی طرف تھا۔ (ویسے مجھے بہت کم امید تھی کہ وہ دونوں ان کے پاس ہوں گے)۔

”ٹھیک ہے۔۔۔ تم۔۔۔ میری بات کرنا کھیل سے۔ وہ کوئی زندگانی راستہ نکال لے گا۔“

”راستہ کیا نکالے گا؟ یہ سب کچھ اسی کا کیا دھرا تو ہے۔ دوسری بات یہ کہ آپ اس سے بات کیسے فرمائیں گی۔ جو ایک سیل فون یہاں کارآمد تھا وہ تو آپ کے فرزند نے خود اپنے ہاتھوں سے توڑ دیا ہے۔“

وہ سر ہل کر بیٹھ گئی۔ کچھ دیر کم مہم رہی۔ پھر میری طرف دیکھ کر ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولی۔ ”تم مجھے جانے دو ان کی طرف۔ میں خود جا کر ان سے بات کرنی ہوں۔ یہ لوگ تمہیں یہاں سے جانے دیں گے۔ کوئی فائرنگ نہیں ہو گی تم پر۔ میں تمہیں یقین دلاتی ہوں۔“

”مجھے نہیں لگتا کہ آپ ایسا کر سکیں گی۔ اگر کر لیں تو میں بھی یقین دلاتا ہوں کہ آپ کو اور آپ کی بجلی کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا اور ہم یہاں سے چلے جائیں گے۔“

اب باوجود اچھا لپٹنا شروع ہو گیا تھا۔ اونچے نیچے نیلے اور گھائیاں دور تک دکھائی دے رہی تھیں۔ یا مین بیگم یہاں سے جانے کے لیے تیار نظر آنے لگی۔ میں نے کہا۔ ”آپ ایک بار پھر اچھی طرح سوچ لو۔ یہ نہ ہو کہ کوئی اور مصیبت پھڑی ہو جائے۔ یہ سرخ کپڑوں والے بڑے خطرناک کردہ کے لوگ ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ یہ کھیل سے آپ کا رابطہ ہی نہ ہونے دیں۔ ان سے کچھ بھی بچہ نہیں ہے۔“

”تم گھرنہ کرو۔۔۔ میں پیٹریل کر لوں گی۔“ وہ رعب سے بولی۔

میں نے کہا۔ ”اگر ارادہ کر لی لیا ہے تو پھر تھوڑی دیر صبر کریں۔ روشنی اچھی طرح پھیل جائے دیں۔ یہ نہ ہو کہ کسی غلط فہمی کی وجہ سے وہ آپ پر بھی گولی چلا دیں۔“

یا مین بیگم نے میری یہ بات مان لی۔ اور یہ بھی کہا کہ وہ ایک ”سیل فون“ ساتھ لے کر آئے گی تاکہ ہم کھیل دھیرے سے براہ راست بھی بات کر سکیں۔

سورج طلوع ہونے والا تھا جب یا مین بیگم نے خال کھینچی اور کہتے ہوئے دارج کو پرتشوش نظروں سے دیکھ کر کھوکھو سے نکل کھڑی ہوئی۔ وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھنے

انکارے

گئی۔ ساتھ ساتھ وہ اپنی سفید شال کے پلو کو ایک ہاتھ سے لہرا بھی رہی تھی۔ کچھ ہی دیر میں وہ کافی آگے نکل گئی۔

قطیفیہ بولی۔ ”یہاں تک میں سمجھ سکتی ہوں، یہ عیسائی گینگ والے تو کسی وعدے، معاہدے کی پاسداری کر ہی نہیں سکتے۔ ان پر پھر دساکر تباہی دینی ہوگی۔“

میں نے پرسوج لہجے میں کہا۔ ”مجھے نہیں لگتا کہ اتنی جلدی یہ لوگ کوئی شرط مان لیں گے لیکن اگر ایسا کچھ ہو بھی تو ہم اپنی سائڈ محفوظ رکھیں گے۔ دارج یا پھر یا مین بیگم میں سے کوئی ایک ہمارے ساتھ رہے گا اور ہم اسے حب چھوڑیں گے جب خود کو بالکل محفوظ محسوس کریں گے۔“

قطیفیہ نے پتھری دیوار سے ٹک لگاتے ہوئے کہا۔ ”تم یہ کیوں کہہ رہے ہو کہ کسی طرح کی شرائط طے ہونا مشکل ہے؟“

”اس لیے کہ میں ان اٹلیس زاووں کو ضرورت سے زیادہ جانتا ہوں۔ شکاری جانوروں کی طرح ان کی نظر بس اپنے ڈارگٹ پر ہوتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کسی سوچ پر وہ کھیل دار اب کی بات ماننے سے بھی انکار کر دیں۔ کل میں نے اس اختلاف کی ایک چھوٹی سی جھلک دیکھی تھی۔ نیلی اسکوپ میں وہ بائیں زاویہ کی طرف نظر آئی تھی۔ کھیل کے کارندے سے سیل فون چھین رہی تھی۔“

اسی دوران میں دارج کی آہ و بکا نے ہمیں اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ وہ دھیمی دھیمی آواز میں نکال رہا تھا۔ سعید غالباً بیٹھاب وغیرہ کے لیے کھوکھو سے باہر نکلا ہوا تھا۔ اکیلی تاجور دارج کے سر ہانے موجود تھی۔ میں نے اندازہ لگایا کہ دارج تکلیف کے سبب کروٹ بدلنا چاہ رہا ہے۔ تمہا تاجور کے لیے ممکن نہیں تھا کہ وہ زور لگا کر بھاری بھر کم دارج کو کروٹ کے بل کر سکتی۔ وہ اسے پس دکھائی دے رہی تھی۔ میں اس کی مدد کے لیے گیا۔ میں نے دارج کو ہاتھ لگایا تو اس نے اپنے جسم کو سمیٹا۔ جیسے میرا چھوٹا بھی اسے گوارا نہ ہو۔ لیکن اس کی مجبوری اس کے ٹھہر اور خوت کی دیوار کو ڈھارہی تھی۔ میں نے تاجور کے ساتھ مل کر اس کی کروٹ بدلی۔

وہ ابکیاں ہی لے رہا تھا۔ مجھے لگا کہ وہ دھیرے دھیرے لگے۔ میں نے جلدی سے ایک شدہ کپڑا اس کے منہ کے سامنے کر دیا۔ اس نے دھیمی دھیمی کی جس کا زیادہ تر مواد شدہ کپڑے میں سما گیا۔ کچھ کھل کر گر۔ میں نے اسی کپڑے سے پہلے سیل کو پوچھا۔ پھر اپنے رومال سے دارج کا منہ صاف کر دیا۔



# کیا آپ لبوب مقوی اعصاب کے فوائد سے واقف ہیں؟

کھوئی ہوئی توانائی بحال کرنے۔ اعصابی کمزوری دور کرنے۔ ندامت سے نجات، مردانہ طاقت حاصل کرنے کیلئے۔ کستوری، عطر، زعفران جیسے قیمتی اجزاء سے تیار ہونے والی بے پناہ اعصابی قوت دینے والی لیوب مقوی اعصاب۔ یعنی ایک انتہائی خاص مرکب خدا را۔۔ ایک بار آزما کر تو دیکھیں۔ اگر آپ کی ابھی شادی نہیں ہوئی تو فوری طور پر لیوب مقوی اعصاب استعمال کریں۔ اور اگر آپ شادی شدہ ہیں تو اپنی زندگی کا لطف دوبالا کرنے یعنی ازدواجی تعلقات میں کامیابی حاصل کرنے اور خاص لحاظ کو خوشگوار بنانے کیلئے۔ اعصابی قوت دینے والی لیوب مقوی اعصاب۔ آج ہی صرف ٹیلیفون کر کے بذریعہ ذاک VP وی پی منگوالیں۔

**المسلم دار الحکمت (چٹوڑی)**

(دہلی قلعہ یونانی دواخانہ)

ضلع و شہر حافظ آباد پاکستان

0300-6526061

0301-6690383

فون صبح 10 بجے سے رات 8 بجے تک کریں

”ہم صرف اس لیے تاجور اور دارج کے پیچھے آئے تھے کہ دارج کو ان خطرات کا درد کا نہیں تھا جو اس کے اور تاجور کے ارد گرد منڈلا رہے تھے۔ اب پچھلے چار پانچ روز میں جو کچھ اس شخص پر ہوتی ہے، اس کے چودہ بیٹے روشن ہو چکے ہوں گے۔“

”چلو مان لیتے ہیں کہ اب تاجور کی جان کو پہلے جتنا خطرہ نہیں ہوگا مگر یہ بیم دیوانہ شخص جس طرح اس بے چاری کی روح کو چھین رہا ہے، یہ زندوں میں کہاں شہر ہوگی۔“

”یہ بلا اس نے خود اپنے گلے ڈالی تھی قسطنطین۔۔۔ اور اب بھی شاید وہ اسی میں خوش ہے۔“

قسطنطین عجیب لہجے میں بولی۔ ”اگر میں یہ کہوں کہ وہ خوش نہیں ہے اور وہ اب بھی تم سے اتنی ہی محبت کرتی ہے جتنی پہلے کرتی تھی۔۔۔ شاید اس سے بھی زیادہ تو بھر؟“

”آپ اپنے حساب سے اور اپنے ماحول کے حساب سے سوچ رہی ہیں قسطنطین اور آپ غلطی پر ہیں۔“

”اگر میں ثابت کر دوں کہ میں غلطی پر نہیں ہوں تو بھر؟“

اس سے پہلے کہ میں جواب میں کچھ کہتا، غودگی کی حالت میں زمین پر پڑے کو تھامتا ہوا اس نے کہا کہ ہمارا شریعہ کر دیا۔ وہ اپنی ٹانگ رہا تھا۔ وہ بدترین دشمن ثابت ہوا تھا مگر زخمی تھا اور ہمارے رحم و کرم پر تھا۔ میں نے اٹھ کر اسے پانی پلا دیا اور اس کے سر کی پٹی درست کی جو خون سے بھیگ چکی تھی۔

قسطنطین نے رست و راج دیکھتے ہوئے کہا۔ ”دارج کی والدہ کو گے اب دو گھنٹے پہلے ہو گئے ہیں۔ ابھی تک کوئی رسپانس سامنے نہیں آیا۔“

میں نے کہا۔ ”مجھے رسپانس کی زیادہ جلدی نہیں لیکن اٹھ کر سے یہ رسپانس جب بھی آئے، اچھا ہو۔“

”تمہارا کیا خیال ہے اگر یا سمن بیگم کال کرے گی تو کھین اور اذاب یہاں پہنچ جائے گا۔“

جس طرح کے سنگین حالات ہیں، اسے پہنچنا تو چاہیے لیکن وہ بھی داؤد بھاؤ کی طرح پیچھے رو کر کام کرنے والا بندہ ہے۔“

قسطنطین نے پتھر کی اوٹ سے دور نیچے نشیب میں دیکھا۔ بڑے بڑے چٹان نما پتھروں کے عقب میں ڈھبھہ اکواڈ کے لوگوں کی کم و بیش آٹھ پوزیشنیں تھیں۔ ٹھیک کے کابندے بھی ان میں شامل رہے ہوں گے۔ وہ جن گاڑیوں

ریگ زمین کی اس مضبوط چٹانی کو نیچے سے قحط لیا۔ چٹانی کی درز سے میں نے دیکھا۔۔۔ یقیناً ٹھوٹوں ہی کی کوئی قسم تھی لیکن یہ سائرس میں قدر سے بڑے نظر آرہے تھے۔ مجھے عجیب ہوا کہ ان کے انداز میں جارحیت نہیں ہے۔ وہ کھوکھلے قریب پہنچے اور پھر ہمارے سروں کے اوپر سے پرداز کرتے ہوئے آگے نکل گئے۔

میرے سینے سے ایک طویل سانس خارج ہوئی۔

”کیا ہوا؟“ قسطنطین نے پریشان کن آواز میں پوچھا۔

”نو نویز آرگٹھ نو۔“ میں نے جواب دیا اور چٹانی

پھر سے اوپر چڑھا۔ یاد دن کی روشنی کھوکھلے اندر آگئی۔ قسطنطین مطمئن نظر آئی۔ تاجور، دارج اور سعید کے چہروں کے آڈے ہوئے رنگ بھی واپس چلت آئے۔ کچھ دیر کھوکھلے میں ایک باہمی خاموشی طاری رہی۔ میں نے کہا۔

”کچھ کہتے ہیں کہ سانس کا دباؤ اس سے بھی ڈرتا ہے۔“

”اور ڈرتا چاہیے بھی۔“ قسطنطین نے تقریر دیا۔

میں نے کھوکھلے سے سر باہر نکال کر دیکھا۔ ان آزاد پرندوں کا چھنڈ پر داز کرتا ہوا بہت دور نکل چکا تھا۔ میں واپس قسطنطین کے قریب آن بیٹھا۔ دو ایک فوٹی کی سی استقامت کے ساتھ اس مورچے پر ڈلی بیٹھی تھی۔ میں نے اسے بھڑکایا کہ وہ غودگی دیر کے لیے کمر بستہ کر لے۔

وہ کسی کے سامنے سے بہت گریز نہیں کرتی اور مجھ سے کچھ فاصلے پر کھردری دیوار سے ٹک لگا کر بیٹھ گئی۔ غاروں کے بارے میں اس کی تک نہیں کچھ پتا نہیں تھا اور وہ اس کے لیے پریشان ہی بودہ کی چیز اسے پریشان کر رہی تھی، ذوق دارج و اذاب کی مسلسل ڈانٹ ڈپٹ تھی جو وہ تاجور اور سعید سے جاری رکھے ہوئے تھا۔

وہ بولی۔ ”شاہزاد اب اگر یہ سوز اس زخمی حالت میں بھی ایسا رویہ اپناتے ہوئے تو بہت مستند میں کیسا ہوتا

ہوگا۔ تاجور کس طرح برداشت کر رہی ہے اسے؟“

”مجھے تو محسوس ہوتا ہے کہ یہ اپنے حالات کا بدلہ خود اپنے آپ سے لے رہی ہے۔ جانتے تو مجھے خود کو اذیت دے رہی ہے۔“

”اور تمہیں بھی۔“ وہ مجھے کن اکھیوں سے دیکھ کر بولی۔

”میری اذیت تب تک ہے جب تک یہ سب کچھ میرے سامنے ہے۔ ایک بار یہاں سے نکل جائیں پھر اس کی اپنی دنیا میری اپنی۔“

”یعنی تاجور کو اس کے حال پر چھوڑ کر چلے جاؤ

”آپ رہتے ہیں۔ میں کر لیتی ہوں۔“ تاجور رو ہائی آواز میں کہتی رہی۔

میں نے کپڑا لپیٹا اور کھوکھلے سے باہر ایک نشیب میں پھینک دیا۔ کھوکھلے میں بائیں جانب چند چٹانوں کی آڑ میں جو کچھ اور وہاں فائر آنے کا کوئی خطرہ موجود نہیں تھا۔ سعید بھی انہی چٹانوں کی اوٹ سے پلاسٹک کی خالی بوتل لیے ہوئے برآمد ہوا۔ میں نے اسے بتایا کہ وہ جلدی پہنچے دارج کو اس کی ضرورت ہے۔

چٹانوں کے پیچھے وہ چند قدم جھک کر چلنے کے بعد میں کھوکھلے عقب میں آ گیا۔ میں نے کل شام کو بھی اس جگہ کا معائنہ کیا تھا۔ یہاں سے کھوکھلے کی طرف آنا ناممکن تھا۔ یہ مثلاً رنگ کی ایک سیدھی سیات دیوار تھی جس نے گہری کھائی کا ایک کنارہ بنا رکھا تھا۔ دور دور تک ٹیلے اور چٹانیں تھیں۔ سعید کھوکھلے خوشاب کا رہنے والا تھا اور اس نے کل مجھے بتایا تھا کہ یہ سارا وادی سون کا علاقہ ہے۔ کئی پچھلی زمین۔ گھاٹیاں، غار، جھرنے، ٹالے۔ یہ سب کچھ یہاں دور تک دکھائی دیتا تھا۔ سورج کی روشنی کروٹوں نے ہر منظر کو ایک اجلی کی دلکشی دی تھی۔ مجھے یہاں جتنی اچھی اور پیر و غیرہ کے درخت نظر آئے۔۔۔ اور کہیں کہیں چٹانوں کی گزر گاہوں میں پکودار جھاڑیاں دکھائی دیں۔ کوئی اور موقع ہوتا تو شاید میں اس وسیع و عریض منظر سے لطف اندوز ہوتا لیکن اس وقت تو ہم بے رحم قاتلوں کے گھیرے میں تھے اور قضا میں بارود اور خون کی بو محسوس ہوتی تھی۔

اچانک میری نگاہ آسمان کی طرف اٹھی اور میں بڑی طرح چونک گیا۔ دور فاصلے پر پرندوں کا ایک چھنڈ دکھائی دیا جو بڑی تیزی سے ہماری پناہ گاہ کی طرف آ رہا تھا۔ میری دھڑکنیں سرایت ہو گئیں۔ میں واپس مڑا اور چٹانوں کی آڑ لپٹا ہوا کھوکھلے داخل ہو گیا۔

”کیا ہوا شاہزاد اب؟“ قسطنطین نے ہراساں لہجے میں پوچھا۔

میں نے جواب نہیں دیا۔ میری نگاہ بدستور کھوکھلے دہانے سے گزر کر بندگی کا جائزہ لے رہی تھی۔

قسطنطین کی نگاہ نے میری نگاہ کا تعاقب کیا۔ پھر اس نے بھی پرندوں کا حیز رفتار چھنڈ دیکھ لیا۔ ”وہ گاؤں کیسے ہے شاہزاد اب؟ اچھے تو طوطے لگ رہے ہیں۔“

”شاہزاد۔“ میں نے کہا اور ریگ زمین کی چٹانی کو چٹن کی طرح نیچے گرا کر کھوکھلے کا ہانڈا تھاپ دیا۔

سعید بھی دارج کو چھوڑ کر میری مدد کو لپکا اور ہم نے



پر یہاں پہنچے تھے، وہ بھی اوٹ کے طور پر استعمال ہو رہی تھیں۔ کافی زیادہ فاصلے کے باوجود گاڑیوں کی ساخت اور ان کے باؤل وغیرہ پہچانے جا رہے تھے۔

قسطنطین بولی۔ "میرا خیال ہے کہ اگر ان لوگوں نے اب تک ہم پر زیادہ سخت حملہ نہیں کیا تو اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ داراج ہمارے ساتھ ہے۔ اگر یہ باہر ضرور ہوتا تو یہ تین اطراف سے ہم پر فوٹ پڑتے۔"

"آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں اور دوسری اہم وجہ یہ ہے کہ یہ شیب میں ہیں۔ انہیں پتا ہے کہ پتھروں کی اوٹ سے انھیں گوتے تو نشانے پر آجائیں گے۔ ممکن ہے کہ یہ آج اندھیرا پھیلنے کے بعد کوئی کارروائی کریں۔"

قسطنطین بولی۔ "لیکن ایک اسٹریٹیجی یہ بھی ہو سکتی ہے کہ یہ ہمیں محصور رکھیں۔۔۔ اور یہ سوچیں کہ ہم بھوک پیاس سے مجبور ہو کر باہر نکل آجائیں گے۔"

ہوئے کے دوش پر تیر کر کسی گتے کی دھم آواز بھونک پانچیں۔ میں بڑی طرح ٹھٹھک گیا۔ یہ عام گتے کی آواز نہیں تھی۔ یہ وہی خوفناک ڈیڑھاؤ تھا جن کا ایک پورا غول ہم نے رائے دہ کے قریب ایک گولی میں دیکھا تھا۔ دشووان کا گوشت کاٹ کاٹ کر انہی ڈیڑھاؤ بندڑ کے سامنے پھینکا گیا تھا۔ وہ منظر یاد کر کے اب بھی دل کا پ جاتا تھا۔

قسطنطین نے بھی آواز سن لی تھی۔ وہ بولی۔ "گتے ہے کہ لاہور کی کوئی مین پتھر سے کے اندر نظر آنے والے وہی باؤنڈز یہاں بھی پھینکے گئے ہیں۔ یہ بڑی تیز رفتار سے حملہ کرتے ہیں۔ ہمیں مزید جو کچھ رہتا ہوگا۔"

میں نے نیلی اسکوپ کی مدد سے دیکھا۔ ایک پتھری اوٹ سے مجھے ایک قد آور باؤنڈ کا منہ اور گردن کا کچھ حصہ دکھائی دیا۔ اس نے اپنے کان کھڑے کر رکھے تھے اور بے حد بے تاب نظر آتا تھا۔ بہر حال مجھے زیادہ پریشانی نہیں تھی۔ جب تک داراج یہاں موجود تھا، ہم پر کوئی سخت ہتھ نہیں بولا جاسکتا تھا۔ اس بات کی کافی امید تھی کہ بیگم یا سکین رو پیٹ کر اپنے فرزند کو بچانے کے لیے کوئی درمیانی راستہ تلاش کر لے گی۔۔۔ شرط جس اتنی ہی تھی کہ ریڈ کیٹ اور ڈیجھ اسکواڈ کے دیگر کارکن کوئی رکاوٹ نہ ڈالیں۔

یہ سننا ان علاقہ تھا۔ چاروں طرف ایک بڑا سرداری خاموشی تھی۔ کچھ اندازہ نہیں ہو رہا تھا کہ ہمیں گھیرا ڈالنے والے اب کیا سوچ رہے ہیں۔ یا سکین بیگم کے وہاں پہنچنے کا کوئی رد عمل ابھی تک تو سامنے نہیں آیا تھا۔

قسطنطین نے آنکھیں سکڑ کر غور سے سامنے دیکھا اور

انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے بولی۔ "شاہ ذرا سب! وہ ان لوگوں کی سفید ٹیوٹیاں جیپ کی چھت پر کیا چھ نظر آ رہی ہے؟" میں نے بھی دیکھا۔ نیلی لگا کہ چھت پر کوئی فٹ بال سا دھرا ہے۔ تب میں نے اسپر گمن کی نیلی اسکوپ ہتے آکھ لگائی اور اپنی نگاہ کو اس چیز پر مرکوز کیا میری ریڈنگ بڑی میں ایک سرولر دوڑ گئی۔ اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہوئے منظر پر بھر دسا نہیں ہوا۔ ٹیوٹیاں جیپ کی چھت پر داراج کی والدہ یا سکین بیگم کا کٹنا ہوا سر دکھتا تھا۔۔۔ میں پہچانتے میں غلطی نہیں کر رہا تھا، یہ اسی کا سر تھا۔ مچکلا ہوا، تراشیدہ بال منتشر اور رخسار پر خون کے داغ۔ خون کی چند گھیریں گاڑی کی چھت پر بھی دکھائی دے رہی تھیں۔

قسطنطین نے میزے تاثرات بھانپ لیے۔ مجھے لگے میں بولی۔ "کیا ہوا شاہ ذرا سب؟" اس کے ساتھ ہی اس نے میرے ہاتھ سے اسپر گمن بھٹکی۔ گمن کی نیلی اسکوپ سے آکھ لگا کر اس نے بھی وہی دھڑکن منظر دیکھا جو میں نے دیکھا تھا۔ وہ بھی سیکڑے زدہ رہ گئی۔ تھی ہی ویر ہم کم سم پیٹے رہے۔

میں نے کہا۔ "قسطنطین اس کا مطلب صرف ایک ہی ہے۔ یہاں ٹھیکیں داراب کا کوئی بندہ موجود نہیں۔ اگر کچھ بندے تھے بھی تو انہیں ان سرخ پوش درندوں نے ذبح کر ڈالا ہے۔ میں نے آپ سے کہا تھا کہ ان کے خون آشام پھیلنے لگے ہیں اور بیگم یا سکین کا دوست یا ساتھی نہیں ہوتا۔"

قسطنطین نے کہا۔ "اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ ہم اس وقت فیکساری گینگ کے ڈیجھ اسکواڈ کے گھیرے میں ہیں اور انہیں اس بات کی کوئی پروا نہیں کہ داراج یا اس کی نیلی ہماری تحویل میں ہے۔"

"میرا اندازہ ہے قسطنطین کہ ان لوگوں میں جھگڑا بھی اسی بات پر ہوا ہوگا۔ ٹھیکیں داراب کے ساتھیوں نے کہا ہوگا کہ داراج اور اس کی نیلی کے ہوتے ہوئے ہماری ہتھ گاہ پر اندھا دھند ہلا نہیں بولنا چاہیے لیکن ڈیجھ اسکواڈ والوں نے یہ بات نہیں مانی ہوگی۔"

"تم نے بتایا تھا کہ ان کی انجارج ریڈ کیٹ، ٹھیکیں داراب کے کارندے سے جھگڑ رہی تھی اور اس نے اس سے مو بائل چھین لیا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ ٹھیکیں کا کارندہ ٹھیکیں بدایاں لیتا جا رہا ہوگا۔"

"موسو فیصد یہی بات ہے۔ ان آفت زادوں نے ٹھیکیں کے کارندوں کو کسی سے رابطہ نہیں کرنے دیا۔ ان کو بے بس کر کے یا بندہ یا بے پا کھڑے ہی مار ڈالا ہے۔"

دو درے مسلسل کر اور ہاتھ پھر میں نے سفید کھوکھر کو اپنی جانب آتے دیکھا، ہمارے پاس آکر وہ بولا۔ "صاحب پوچھ رہے ہیں کہ ان کی والدہ کی طرف سے کوئی اطلاع آئی ہے؟"

"ہاں آئی ہے۔ وہ خیر خیریت سے ہیں۔" میں نے زہرے لکھے میں کہا۔

"دو پوچھتے ہیں کہ وہ اب تک آئی کیوں نہیں؟"

انکارے

"آجائیں گی، تم کوشش کرو کہ یہ کسی طرح سو جائے۔ سکون بخش دوا کی زیادہ ڈوز دو اور ساتھ میں درد کش کی بھی ٹیبل ڈوز دے دو۔"

سفید نے ٹھیکیں انداز میں سر ہلایا اور داراج کی طرف چلا گیا۔ میری نگاہ اور نگاہ سے ٹکرائی۔ اس کی نگاہ میں ممنونیت تھی۔ میں نے کل رات جس طرح خود کو خطرے میں ڈال کر داراج کی میڈیسن گاڑی سے نکال کر یہاں پہنچائی تھی، اس نے اسے بہت متاثر کیا تھا۔

اچانک قسطنطین نے نیلیوں میں کچھ فاصلے پر کوئی چیز دیکھی اور ایک دم چوک ہو گئی۔ گمن کے کنٹرول پر اس کی گرفت مضبوط ہوئی اور اس نے انہی رنگ پر رکھ دی۔

"کیا ہوا؟" میں نے اسپر گمن کا پیٹنی کچ بٹاتے ہوئے پوچھا۔

"کوئی ہے وہاں، میں نے حرکت دیکھی ہے۔"

"کوئی جانور تو نہیں؟"

"جانور کچڑے نہیں پیٹتے۔" اس نے مختصر جواب دیا۔ اس کی ساری توجہ سوڈو بڑھ سو فٹ دور ایک ابھرے ہوئے پتھری کی طرف تھی۔ میں نے بھی وہاں ایک تحریک جسم دیکھا۔ میں نے اسے نشانے پر رکھ لیا۔ نیلی اسکوپ میں مزید واضح منظر دکھائی دیا۔۔۔ کسی کا کریم کمر لباس دکھائی دیا۔ یوں لگا کہ اس پر خون کے دھبے بھی ہیں۔ "کوئی زخمی لگ رہا ہے۔" میں نے کہا۔

دو ہم دونوں کے نشانے پر تھا۔ سیکڑے کے چوتھے حصے میں ہم اس پر گولیوں کی بارش کر سکتے تھے۔ پھر میں نے دیکھا کہ وہ کھس کھس چو پائے کی طرح ہاتھوں اور ٹخنوں کے بل چلا اور ایک ڈھلوان پر اترنے کی کوشش کی۔ دس پندرہ فٹ چل کر وہ لڑھک گیا اور پلٹیاں کھاتا ہوا مزید پیچے چلا آیا۔ ایک دو منٹ تک وہ وہیں بے حرکت پڑا رہا، تب پھر چو پائے کی طرح چلا ہوا اور دھکی کر الٹ کر ہوا آگے آنے لگا۔ اس کی خوش قسمتی تھی کہ وہ لڑھک کر کسی حد تک شیب میں چلا گیا تھا۔ یہاں جھار جھکاڑ بھی زیادہ تھا۔ یوں وہ ڈیجھ اسکواڈ کے سرخ پوشوں کی نظروں سے بچا ہوا تھا۔

"کون ہو سکتا ہے یہ؟" قسطنطین نے پوچھا۔

"اس کا چہرہ بڑی طرح خون اور مٹی میں اٹھتا ہوا ہے۔ پہچانا نہیں جا رہا۔ ہو سکتا ہے کہ ٹھیکیں کے بندوں میں سے کوئی ہو۔"

ہم سے ساتھ بترفت کی دوری پر وہ ایک بار پھر ڈھلوان سے لڑھک کر کسی چیز سے ٹکرایا اور ساکت ہو گیا۔



کمانڈر ہیں جو پروٹائی سے آئی ہیں؟“

میں نے وضاحت کی کہ یہ پروائی سے کہیں ایک قریبی جزیرے جامائی سے آئی ہیں۔ پاشانے بتایا کہ ان سرخ لباس والے شیطانوں کی انچارج لڑکی ہے، وہ تمہاری اس فوجی ساتھی کے خلاف پیش سے بھری ہوئی ہے۔ بدلہ لینے کا تمہیں کر رہی تھی، کہہ رہی تھی کہ اس فوجی کی وجہ سے ایئرٹرن اور اس کے ساتھی ان کے قبضے سے نکلے ہیں۔ میں سمجھ گیا کہ پاشا لاہور والے واقعے کی بات کر رہا ہے۔ پھر مجھے دارج کی جنگ والدہ کا خیال آیا۔

میں نے پاشا سے پوچھا۔ ”کیا یا سمین بیگم تمہاری موجودگی میں وہاں پہنچی تھیں؟“

اس کے چہرے کا کرب بھکا ہوا بڑھ گیا۔ ”تم دارجہ صاحب کی والدہ کی بات کر رہے ہو؟“ میں نے اثبات میں جواب دیا۔ وہ لکڑیاں آواز میں رک رک کر بولا۔ ”اس وقت..... میں ساتھیوں کی لاشوں کے پیچھے پڑا تھا۔ مجھے بس ان کی آواز ہی سنائی دے رہی تھی..... وہ..... وہ ان کے کپڑے پھاڑ رہے تھے، ان کے بال کھینچ رہے تھے پھر وہ..... جان بچانے کے لیے بھاگیں..... اور اسی کمرے میں آگیں جہاں میں..... سانس روکے پڑا تھا۔ وہ بڑی حالت میں تھیں..... وہ بلند آواز میں ہستے اور چلاتے ہوئے ان کے پیچھے آئے اور کھینچ کر لے گئے۔ ادھ کھلے دروازے میں سے مجھے..... سب کچھ..... نظر آیا۔“

وہ سانس لینے کے لیے رکا۔ اس کا چہرہ خوف سے سفید ہو رہا تھا۔ میں نے اسے مزید دو گھنٹے پانی پلایا۔ اس پانی میں سعید نے فوری انجری کا کوئی سیرپ بھی ملایا تھا۔ ایک دو منٹ بعد پاشا نے سلسلہ کلام جوڑے ہوئے کہا۔ ”میں نے تم ایک بار پھر خود کو چھڑا لیا اور اب میں چاہتا ہوں کہ تم مجھے سیرپ کی طرح کی طرح سے چھڑا لیں۔ ان کا سر کسی پتھر سے ٹکرایا۔ مجھے لگتا ہے کہ وہ..... اسی وقت ختم ہوئی تھیں۔ ان وحشی جانوروں نے ان کا گلا کاٹا اور ان کا خون ایک فلاسک میں جمع کیا۔ جسے بعد میں وہ دسکی میں ملا کر پیتے رہے۔ وہ انسانوں کے روپ میں بلیا گئے ہیں۔ وہ کچھ بھی کر سکتی ہیں، ان کے قد کاٹھ۔ ان کے چہرے۔ ان کی خصلتیں، سب کچھ ایک جیسا ہے۔“ پاشا وحشی آواز میں بول رہا تھا اور ساتھ ساتھ نظر اٹھا کر دور دیکھنے والی طرح کی طرف دیکھ رہا تھا۔ یقیناً ہماری طرح وہ بھی سمجھ رہا تھا کہ وہ انسانی کی بات کر رہا تھا۔ درونک انجاس اس کے علم میں نہ آئے۔

اشا؟ کسے زخمی ہوئے ہو؟“

پاشا کی آنکھوں میں خوف اور دہشت نے ڈیرے  
 ڈال رکھے تھے۔ اٹک اٹک کر بولا۔ ”وہ بہت ظالم  
 ہیں۔ شاید انسان ہی نہیں ہیں۔ انسانوں کے روپ میں  
 چھپنے پھانڈنے والے جانوروں۔“

”کن کی بات کر رہے ہو؟“ میں نے انہماں جھٹے ہوئے پوچھا۔

”وہی..... مجھے سروں والے..... جن کے ساتھ ہم  
 یہاں پہنچے تھے..... ٹھیک صاحب کا خیال تھا..... اور ہمارا بھی  
 تھا کہ..... یہ ہمارے دوست ہیں لیکن..... یہ بُرے سے  
 بُرے دشمنوں سے بھی برے ہیں..... انہوں نے..... مار ڈالا  
 ہے.....“

”سب کو۔ بنارس کے علاوہ ہم کل آٹھ بندے تھے جو ان کے ساتھ وہاں مندر میں پہنچے تھے۔۔۔۔۔ بعد میں ہم تم لوگوں کے پیچھے یہاں پہنچے۔۔۔۔۔ تم ہم لوگوں پر فائر کھولنا نہیں چاہتے تھے۔ ہمیں پتا تھا کہ دارج صاحب اور ان کے گھروالے۔۔۔۔۔ یہاں تم لوگوں کے ساتھ ہیں۔ ہم گھلی صاحب کو بھی۔۔۔۔۔ یہاں جانا چاہتے تھے مگر یہ سفید سوار نہیں مانے۔۔۔۔۔ انہوں نے ہم سے جھگڑا کیا۔ ہمارے سواگل جھین لے لیے۔۔۔۔۔ پھر ایک دم ہم پر گولیاں چلا دیں۔۔۔۔۔ انہوں نے ایک طرح سے ہم آنکھوں کو بھی مار ڈالا تھا۔ وہ مینہ کی طرح ہم پر گولیاں برسار رہے تھے۔ پورا کمر خون سے بھر گیا تھا۔ میں لاشوں کے نیچے آ گیا۔ اور شاید اچھا وچہ سے۔۔۔۔۔ اب تک سانس لے رہا ہوں۔“

”یہ کل کتنے لوگ ہیں وہاں؟“ میں نے پاشا سے پوچھا۔

”ایک درجن سے کم تو تئیں ہیں..... زیادہ ہی ہوں گے..... چنانچہیں کہ تم لوگ ان کے بارے میں ٹھیک سے جانتے ہو یا نہیں۔ یہ عام انسانوں کی طرح نہیں ہیں۔ یہ بغیر کسی وجہ کے شوق سے بھی..... بندے کو مار دیتے ہیں.....“ کرب کے عالم میں اس نے آنکھیں میڑ کر لیں۔

دو گھنٹہ پانی پینے کے بعد اس کے ہونٹ ذرا تر ہوئے تو اس نے جھپٹتایا کہ کس طرح مندر کی طرف جاتے ہوئے ان شرابی چانوروں نے ایک گدھا سوار راہ گیر کو بغیر کسی وجہ کے گولیاں مار دی تھیں۔ سوار اور اس کا گدھا موقع بری کر کر رہے تھے۔ چاشا بغور قسطنطنیہ کی طرف بھی دیکھ رہا تھا۔ مجھ سے پوچھئے گا..... کیا یہی وہ اونچی

کیلیبر و مال سے اس کے چہرے کو ہوا دی۔ چہرہ ٹھنک گیا کر  
اس کے جواں کچھ بحال ہوئے۔ ”تخت..... تم..... شاہ  
عجب ہوتا ہے؟“ اس نے میری طرف انگلی اٹھائی اور نہایت  
کمزور آواز میں کہا۔

”اور تم پاشا ہو۔ میں نے پہچان لیا ہے۔ اب ہمت کرو۔ زیادہ فاصلہ نہیں ہے۔ چند میٹر کی بات ہے۔ تم محفوظ ہو جاؤ گے۔ اسی طرح لیٹے لیٹے میرے ساتھ آگے گورہ سکتے ہو۔“

”مجھ میں اب ہمت نہیں ہے۔ مجھے لگتا ہے میری  
سنگوں..... سے جان نکل چکی ہے۔“

”میں تمہیں سہارا دوں گا۔ میں نے اس کی فریاد اور  
سلی سہرا کے گرد اچھا مازو لپیٹے ہوئے کہا۔

اس کے جسم کا بہت سا خون خارج ہو چکا تھا۔ رنگ  
دی کی طرح تھا۔ ہم رکھتے ہوئے آگے بڑھے۔ وہ چند  
مڑکا قاصد بہت طویل محسوس ہوا۔ ہر گھڑی نیلی وند کا تھا کہ  
میں ایک تڑپا ہٹ گونجی کی اور ہم چلتی ہو کر نہیں پڑے۔  
وہ جاکیں گے۔ قطبیا جوانی فائزنگ کے لیے پوری طرح  
آمادگی۔ بہر طور خیریت گزری اور ہم کھوہ میں داخل ہو کر  
دروں کی اوٹ میں پہنچ گئے۔

یہ نگہیں کا قریبی ساتھی پاشا ہے۔ "میں نے قسطنطنیہ کو  
ملکہ دی۔"

”کیا پوزیشن ہے؟“  
 ”دونوں ناعلوں میں گولی لگی ہے۔ بہت خون خرابی  
 کیا ہے۔ ایک کوئی چھتیس کی ہے اور دوسری گتھٹھے کا  
 دوشٹ چہرہ رکھ گئی ہے۔“ میں نے قسطی سے انگلیش میں  
 بت کی تھی۔ میرا خیال تھا کہ پاشا انگلیش سے جا بلد ہے لیکن  
 نہیں تھا۔

پاشا نے کراچی ہوئے کہا۔ ”بابا جی! ٹانگ والی گولی  
 آ کر پار ہو گئی ہے مگر گردا گدیاں ٹانگ والی اندر ہی ہے۔“  
 میں نے سید کو کھر کے ساتھ مل کر سب سے پہلے  
 شاکہ کے جسم سے خون کا اخراج روکا۔ اپنے جسم کا کچھ پانی تو  
 میں مائرس کو پلا کر چھانچا، باقی پاشا کو پلا دیا۔ وارج کے سامان  
 میں دو دھ کے دو تین چھوٹے پیکٹ بھی موجود تھے۔ اس  
 دھ کے چند گرنٹ پیئے کے بعد پاشا کی حالت قدرے  
 تھوڑی بہتر ہوئے گی، لیکن میں جانتا تھا کہ یہ عارضی بہتری  
 ہے اور سید کا خیال بھی یہی تھا۔ پاشا کو قابل طانی نقصان  
 چکا تھا۔ اسے اس وقت اسپتال میں بونا چاہیے تھا۔ وہ  
 کھ بولنے کے قابل ہو تا تو میں نے پوچھا۔ ”نرس کہا ہے

شاید اس کی بہت جواب دے گئی تھی۔ وہ بہت اہتر حالت میں تھا۔ سفید قمیص اور کریم کلر کی چٹان مٹی اور خون میں لٹھری ہوئی تھی۔ اس کی عمر تیس سال سے زائد ہی گئی تھی۔ وہ ہنسنے پاؤں تھا۔ مجھے لگا کہ وہ نیم بے ہوش ہو گیا ہے۔ میں نے قسطنیہ سے کہا۔ ”میں اس کی طرف جاتا ہوں، یہ نہ ہو کہ یہ ختم ہی ہو جائے۔“

”بہت احتیاط سے جانا ہوگا۔ کہیں یہ ان لوگوں کی کوئی چال نہ ہو۔“ قسطنطین نے جواب دیا۔

”خدا کی تعریفیں، میرا اعزاز ہے کہ اس کی دونوں  
 ٹانگوں میں گولیاں لگی ہوئی ہیں۔ ایک گولی یا دو شاید پیٹ  
 میں بھی لگی ہوئی ہیں۔“

سکھو کے گوشے سے دارج نے پکار کر پوچھا۔ ”کون آتا ہے؟“

”تمہاری والدہ نہیں ہے کوئی اور ہے۔“ میں نے  
سات لکھ میں جواب دیا۔

”وہ بھائی شکیل کا آدمی ہوگا، بلاؤ اُسے۔“ وارج نے کہا۔

”وہ بلائے جانے کے قابل نہیں ہے۔ مجھے خود ہی

وہ چٹا نہیں کیا کیا بڑبڑاتا رہا۔ اس مرتبہ قسطنطنیہ نے

پہنائی۔ وہ مجھے غلگ لگیں کسی نہ کسی طرح اسے ایڈ جسٹ کر لیا۔ یہ دو پہر قریب ایک بجے کا وقت تھا۔ کل رات کی نسبت دن کی روشنی میں خطرہ زیادہ تھا۔ بہر حال میں کھوہ سے باہر نکلا۔ کسی وقت ہاتھوں اور ٹخنوں کے مل چلتا اور کسی وقت کراٹک کرتا اس مضروب شخص تک پہنچ گیا۔ وہ دو تین فٹ گہرے گڑھے میں پڑا تھا اور غشی کی سی حالت میں تھا۔

میں بوس میں بھڑک اُسا پانی لے کر گیا تھا۔ میں نے رومال گھسلا کر کے اس کے چہرے پر پھیرا۔ خون اور گردوغبار کے اندر سے اس کے نقوش نظر آئے تو میں چونکنے پر مجبور ہو گیا۔ میں گھٹیل کے اس سامی کو جانتا تھا۔ اس بندے کے ساتھ آغا ز میں ہی میرا نکرا ہو گیا تھا اور خشک ٹھاک ہوا تھا۔ یہ درمیانی عمر اور پست اخلاق کا مالک پاشا تھا۔ وہ بندہ تھا جس نے شراب نوشی اور عیش کوشی کے عوض اپنی ”نچر بیوی“ تاجید کو گھٹیل و داراب کے حوالے کر دیا تھا۔ اب اس بندے کی حیثیت گھٹیل و داراب کے مستقل بالو کی سی تھی۔ اس نے خون آلود پگلیں اٹھا کر خالی غالی نظروں سے میری طرف دیکھا۔ میں نے پانی کی بوتل اس کے منہ سے لگائی۔ اور



میں کا پتہ پڑا اور ایک بار پھر سنا دی میرا وہ  
 میری سہیلی۔ اگر اس کے پیٹ کی سر جڑی نہ ہوتی تو اگلے پانچ چھ  
 کھٹوں تک اس کا زہر دہتا حال نظر آتا تھا۔ وہ عادی نشے

میں نے جھوٹ بولا۔ ”والدہ کے بارے میں اُسے  
 کچھ پتا نہیں۔ خود بڑی مشکل سے جا کر یہاں تک آیا ہے۔  
 مگر کچھ رہے ہو اس کی دونوں ٹانگوں میں گریبان لگی ہوئی  
 لہا اور پیٹ میں گھسی۔“

ابھی قطعیہ کا فقرہ مکمل بھی نہیں ہوا تھا کہ ہمیں اپنی  
پیشی ہوئی جیب کے قریب حرکت نظر آئی۔ شیطان زادوں  
میں سے کوئی ایک جیب کے عقب میں موجود تھا۔ وہ ہمیں

بارش کو دیکھتا رہا۔ شاید اسے بھی یہی لگ رہا تھا کہ وہ اپنی زندگی کی آخری بارش دیکھ رہا ہے۔ وہ مکمل طور پر ایک بھگا ہوا شخص تھا، لیکن اس وقت موت کے گھبرے میں تھا۔ رک رک کر بولا۔ ”میرا اندازہ ہے کہ شام کے بعد..... اندھیرا



بہترین تحریریں، کا جواب رد و ادارہ  
اہلی داستانیں پڑھنے والوں کے لیے  
سرگزشت کا مطالعہ ضروری ہے

سرگزشت  
ماہنامہ

شمارہ نومبر 2018ء

کی جھلکیاں

جوش امینی

اس شخص کا زندگی نامہ جس نے حرمت رسول

کے کام پر پناہی چڑھنا قبول کیا

فاریقی مطالعہ

ان اہم مقابلوں کا تذکرہ جو آج

بھی ہو کر کم کر دیے ہیں

قصہ ہارینہ

فلسی دنیا کی کہانی ان کیا باتیں جو یادوں

کے درکھول دیتی ہیں

موت کا ہر کارہ

انسانوں سے انتقام لینے والے ہاتھی کا شکار خود کشی

کے مترادف تھا کیونکہ کسی شکاری جان گنوا چکے تھے

کڑوا سہ

بیٹوں کو بیٹیوں پر فوقیت دینے کا انجام، ایک ایسی کج

بیانی جیسے پڑھتے ہوئے انھیں نم ہو جائیں گی

اسی کے علاوہ

بہت سی کج بیابانیاں، بچے قصے اور کج داستانیں،

وہی کچھ جس کی توقعات سرگزشت سے ہے۔

بہن ایک بار سرگزشت پڑھیں،

گردیدہ آپ خود ہو جائیں گے

چار، چار، کچھ الٹ ہوا گیا۔ تاجور کسی اور کی بن گئی  
اور میں نے وہ زور لگائی سے پہلو ان شہت کے حوالے  
کر دیا۔ میرا خیال تھا کہ وہ اس سے اپنے معاشی حالات کچھ  
بہتر کر لے گا مگر وہ اب بھی پتا نہیں کس امید کے سہارے ان  
زعمات کو سنبھالے بیٹھا تھا۔ لاہور میں قیام کے دوران  
میں ایک دن میں نے اس سے کہا تھا۔ ”پہلو ان جی، آپ وہ  
زور نیچے واپس دے دیں۔“

وہ ثابت بولا تھا۔ ”جب ایک دفعہ خند دے دیوت  
ہیں تو پھر واپس نہیں لیتے۔“ میں نے بھی یہی کہوت ہیں کہ نیکی  
کر اور دریا میں جا کر اپنے من مایاں ٹھونک دیں۔  
”آپ فتنے کی بات کر رہے ہو لیکن آپ نے یہ خند  
لڑائی کب ہے۔ اس کو پوچھنا ہی نہ کر دیکھا ہوا ہے۔“  
”یہ اب میری مرضی ہے کہ میں اسے کیسے استعمال  
کرنا ہوں۔“

”میں جانتا ہوں، آپ ایک ایسی امید بال رہے ہیں  
جس کا پورا ہونا ممکن نہیں۔۔۔ اور شاید اب میں بھی نہیں جانتا  
کہ ایسا ہو۔ براہ مہربانی آپ ان مجھوں کو کچھ کر یا تو استعمال  
کریں یا پھر مجھے واپس کر دیں۔“

”میں کہہ رہا تھا کہ تم انہیں کسی گندے ڈالے میں پھینک دو۔ اس  
سے بہتر ہے کہ میرے پاس ہی پڑے رہیں۔“ پھر اس  
نے ایک شعر پڑھا تھا جس نے سارا ماحول ہی بدل دیا تھا۔

”میں پہلو ان کی باتوں کو یاد کر رہا تھا اور قسطنطین پاشا کے  
پاس بیٹھی اس کے پیٹ کے زخم سے رنے والا خون بند کر  
رہی تھی۔ ساتھ ساتھ وہ پاشا سے باتیں بھی کر رہی تھی۔ پاشا  
تو بیٹھ کر انکشاف میں اس کے سوا لوگوں کے جواب دے رہا  
تھا۔ وہ کہہ رہا تھا۔ ”وہ بدروحوں کی طرح ہیں۔ کسی وقت تو  
لگتا ہے کہ وہ بدروحوں ہی ہیں۔ عام لوگوں کی جھکیں ایک  
دوسرے سے اتنی ملتی جلتی کیسے ہو سکتی ہیں۔“

قسطنطین نے کہا۔ ”تم اس لڑکی کا بتا رہے تھے جیسے یہ  
لوگ راستے سے بکڑ کر لائے تھے۔“

”وہ لڑکی نہیں تھی، انہاں تیس سال کی جوان عورت  
تھی۔ اپنے خاوند کے ساتھ سوک کے کنارے کھڑی  
تھی۔ اس وقت ہم آپ لوگوں کو گھیرنے مندر کی طرف  
جارے تھے۔ بتائیں بے گازی دروگ کر مندر کا راستہ پوچھا  
تھا۔ ان لال کپڑوں والے شیطانوں نے لڑکی کو اٹھا کر  
گازی میں ڈال لیا۔۔۔ اور راستہ بتانے والے کے پیٹ  
میں چھرا مار کر اس بے چارے کی استریاں باہر نکال دیں۔“  
”وہ لڑکی اب کہاں ہے؟“

اب شہت کی شکل اختیار کر گئی تھی۔ پیٹ میں جیسے مٹی سے  
پڑے ہوئے تھے۔ توڑی دی پر پہلے تاجور نے داراج کی فخر  
بہا کر قسطنطین کو شکس کی پیشکش کی تھی۔ یہ وہی شکس تھے  
جو داراج کے ذاتی سامان میں موجود تھے۔ قسطنطین نے یہ  
پیشکش قبول نہیں کی تھی۔ وہ جانتی تھی یہ بہت توڑی مقدار  
میں ہیں اور داراج کے علاوہ وہی پاشا اور بتائیں کو بھی ان کی  
ضرورت پڑ سکتی ہے۔

میں نے کھوکھ کی دیوار سے ٹک لگا لی۔ ایم جی تھری  
اسٹینڈ پر تھی۔ میں نے شہادت کی انگلی گن کے ٹریگر پر رکھی  
ہوئی تھی اور ریڈارٹ تھا۔ بارش ٹیلوں، گھائیوں اور  
ڈھلوٹوں پر تو اسے برس رہی تھی۔ اس کا شور ایک عجیب  
ی گونج پیدا کر رہا تھا۔ میرا دھیان اپنے ہدم سے ہٹا کر  
سیالکوٹی کی طرف چلا گیا۔ اسے بھی پہاڑی چلا سکتے تھے  
موسلا دھار بارشیں بہت پسند تھیں۔ کیا وہ اب بھی ایسی  
بارش نہیں دیکھ سکے گا۔ اب یہ لڑکی جو منہ کو نہیں دیکھ سکتے  
گا؟ وہی خورس جس سے اس نے بھی گل کر اختیار رحمت نہیں  
کیا تھا لیکن جسے وہ دل و جان سے چاہتا تھا۔ اسے اور اس  
کے بچے کو بچانے کے لیے اس نے بڑی قربانی دی تھی۔ اگر  
ہم بروقت نہ پہنچ جاتے تو شاید وہ اپنی جان بھی ہار چکا ہوتا۔

اب بھی وہ چائیں کس حال میں تھا؟ اس کی داراج مٹی کی یاد  
نے میرا دل درد سے بھر دیا۔ اس کے ساتھ ہی ہاتھ والی کا  
مگر وہ چہرہ نہ دکھائی میں ٹھونکنے لگا۔ میں جلد از جلد اس  
بذات عورت کا سامنا کرنا چاہتا تھا لیکن درمیان میں یہ  
شیطان صفت لڑکی ایک پڑے تھے۔ ان کی کمر ٹوٹ چکی  
تھی لیکن وہ اپنی عمل کو بدھ کرے نہیں تھے اور حالات کی  
ستم ظریفی نے وادی ہون کے ان ویران ٹیلوں میں ہمیں  
ان کے حصار میں دے دیا تھا۔

پھر میری سوچ تھی رضوان اور پہلو ان شہت وغیرہ  
کی طرف چلی گئی۔ مجھے یقین تھا کہ وہ لڑکی کے راوی فارم  
میں وہ بالکل محفوظ ہوں گے اور رضوان کا علاج بھی شہک  
سے ہو رہا ہوگا۔ یہ بھی ممکن تھا کہ وہ لڑکی نے سہیل کو بھی  
راوی فارم میں ہی پناہ دیا ہو۔ مجھے امید تھی کہ وہ لڑکی اور  
پہلو ان شہت بہت اچھی طرح ان کی دیکھ بھال کر رہے  
ہوں گے۔ پہلو ان شہت ایک نہایت انسان دوست اور  
بے لوث شخص تھا۔ اپنی جان خطرے میں ڈال کر بھی  
دوسروں کے کام آنا اس کی خوبی تھی۔ مجھے یاد آیا کہ اس نے  
کس طرح ابھی تک تاجور کا زور سنبھال کر رکھا ہوا تھا۔ یہ  
وہی زور تھا جو میں نے کراچ سے پہلے تاجور کے لیے بنوایا

ہوتے ہی۔۔۔ یہ لوگ یہاں ہلا بول دیں گے۔ ان کے  
پاس سات آٹھ جدید رائفلیں تھیں۔ اس کے علاوہ پستول  
تھیں۔ ان کی سرخشا لڑکی ہے۔ اس کے پاس تقریباً ایک فٹ لمبا  
تیز دھار چھرا بھی ہے جس کے ایک طرف دندانے ہیں۔ وہ  
ان میں سب سے زیادہ خطرناک ہے۔“

پھر وہ رک کر مزید دھمے لگنے میں بولا۔ ”میں نے کل  
رات آخری پہر ان شیڈوں کی باتیں سنیں تھیں۔ وہ ایک  
دوسرے کو بہت گندے لپٹے ستارے تھے اور ماں بہن کی  
گالیاں دے رہے تھے۔ ان کی باتوں میں داراج صاحب  
کی وائف کا ذکر بھی خاص طور سے آیا۔ وہ بڑے لوفرا انداز  
میں ان کی خوب صورتی کے بارے میں باتیں کر رہے تھے۔  
کسی انکشاف رسالے میں بھیجی ہوئی تصویر ان کے پاس تھی،  
یہ داراج صاحب کی وائف کی تصویر تھی۔۔۔ وہ مزید بھی کچھ  
کہنا چاہتا تھا مگر پھر چپ رہا۔

میرا یہ اندازہ بالکل درست ثابت ہو رہا تھا کہ اگر  
میں خود کو ان کے حوالے کر بھی دوں تو اس سے کچھ حاصل  
نہیں ہوگا۔ وہ باتوں کو پھر بھی صاف نہیں کریں گے۔ ان کا  
واحد علاج ان کی موت تھی۔ جیسے موڈی جانوروں کو بے  
جھجک قتل کر دیا جاتا ہے۔

یقینی بات تھی کہ پاشا کے جسم کے اندر بھی بیڈنگ  
ہو رہی ہے۔ نیکی وجہ تھی کہ اس کا بچھا ہوا سا چہرہ مزید بگڑ رہا  
تھا۔ رنگ زرد ہوتا چلا جا رہا تھا۔ اس نے دھندلائی ہوئی سی  
ظہروں سے ساری کھوکھ کا جائزہ لیا اور بولا۔ ”تمہارے  
ساتھ تمہارا ساتھی فخر بھی تو تھا، اس کے علاوہ ایک لمبے قد کا  
چٹان تھا؟“ وہ فارسی زبان کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔

پاشا کے اس سوال نے اس بات کی تصدیق کر دی کہ  
شیطان زادی نے فخر اور فارسی کے حوالے سے جھوٹ بولا  
تھا۔ وہ دونوں ان کے قبضے میں نہیں تھے۔ میں نے پاشا کو  
بتایا کہ چنگا دروہوں کے حملے کے وقت سب تاجر ہو گئے تھے  
اس لیے شاید وہ بھی کسی طرف نکل گئے ہیں۔

بارش موسلا دھار تھی اور مسلسل ہو رہی تھی۔ اب شام  
بھی ہو چکی تھی اس لیے اندر آکر آہو گیا تھا۔ قسطنطین اور میں  
دونوں جانتے تھے کہ اب ہمیں زیادہ چوکس رہنے کی  
ضرورت ہے۔ وہ خون آشام بلائیں جن کے نزدیک اپنی  
زندگی اور موت کی بھی کچھ زیادہ اہمیت نہیں تھی، کسی بھی  
وقت ہم پر چھپ سکتی تھیں۔

میں نے قسطنطین کو کچھ دیر کے لیے ایم جی تھری کے  
سامنے سے ہٹا دیا اور یہ ڈیوٹی خود سنبھال لی۔ بھوک نے



”ان کے پاس ہی ہوگی۔ اس کا جرحال ہوا ہوگا وہ بتانے کی ضرورت ہی نہیں۔“ پاشا نے خیف آواز میں کراہتے ہوئے کہا۔ یوں لگتا تھا کہ اب اس پر غشی طاری ہو رہی ہے۔

بادلِ زور سے گر جا اور بارش تیز ہوئی۔ چند سیکنڈ بعد ایک بار پھر بجلی چمکی اور کھوکھ کے سامنے تاریک شب و فرناز اور نیلے دور تک روشن ہو گئے۔ ان نیلوں میں ہی کہیں ایک گاڑی کی چھت پر یا سمن نیلم کا کتا ہوا سر بھی دھرا تھا۔ یا عین ممکن تھا کہ گاڑیوں کی جگہ جیل کرتے وقت دوسرے لڑکھک گیا ہو اور ڈیزل پمپ کے پائپ لے کر اپنے کپیلے دانتوں سے اس کے بھی پیچھے ترے اڑا چکے ہوں۔ یہ سارا تصور ہی بے حد لرزہ خیز تھا۔

”کوئی آ رہا ہے۔“ یکا یک قسطنیہ نے چرگی ہوئی آواز میں کہا۔

وہ ٹھیک کہہ رہی تھی۔ چمکتی بجلی میں، میں نے بھی کسی متحرک چیز کو دیکھا تھا۔ وہ برقی رفتار سے ہماری طرف بڑھ رہی تھی۔ میں نے گن کے دستے پر گرفت مضبوط کی۔ اسے ہماری خوش قسمتی ہی کہنا چاہیے کہ بجلی ایک بار پھر دور سے چمکی۔ ہمارے سامنے کوہِ دوکن دور تک روز روشن کی طرح عیاں ہو گئے۔ میں نے دو ڈیزل پمپ کو دیکھا جو خوفناک انداز میں جاری طرف بھجھتے رہے تھے۔ ان کے چھریرے بدن، بجلی گرد میں اور کئی تھوکتھوکیاں، سب کچھ واضح دکھائی دیا۔ ہماری کھوکھ سے ان کا فاصلہ تیس چالیس میٹر سے زیادہ نہیں تھا۔ ہاں میں اسے اپنی بڑی خوش قسمتی ہی کہوں گا۔ اگر آسانی ملی کے سبب میں اٹھیں دیکھ نہ سکتا تو ان کی خوشی یورش کا پتا اس وقت چلتا جب وہ ہمارے سروں پر پڑنے لگے ہوتے اور اس وقت شاید ایم جی تھری جی میں بھی ان کا پچھتہ لگا دے سکتی۔

”تاکر و شاہِ زائب۔“ قسطنیہ چلائی۔

میں نے اندھیرے میں اندازے سے ہی نشان لے کر گولیوں کی بوچھاڑ کر دی۔ ”ہیلٹ پر لگی گن“ کی میں گرج سے قریب و جوار لڑ گئے۔ میرے دل نے کوئی ادنیٰ کم از کم ... وہ دونوں کے تھوڑے نشان بن گئے ہیں۔

لیکن وہ دو نہیں تھے۔ ایک تیسری پر چھا میں مجھے کھوکھ سے صرف دس بارہ قدم کی دوری پر نظر آئی۔ میں نے ایک بار پھر ٹریگر کا دیاؤ بڑھایا۔ خونخوار جالور نشان بنا اور لڑکھک ہوا وہاں کے عین سامنے گرا۔ یہی وقت تھا جب چوتھا کتا بلائے ناگہانی کی طرح کھوکھ میں داخل ہوا اور قسطنیہ

پر چھپا۔ یہ سب کچھ اتنا غیر متوقع تھا کہ قسطنیہ پشت کے غشی زخمی بتاریس کے قریب گری۔ میری دانی اسپر گن اس کے ہاتھوں میں تھی لیکن اس کے پاس گن استعمال کرنے کی مہلت ہی نہیں تھی۔ مگر تے وقت میں اس کی گرفت سے نکل گئی۔ میں نے اسے پھرے ہوئے گتے کے ساتھ برسرِ پیکار دیکھا۔

میں اس کی کوئی مدد نہیں کر سکتا تھا۔ یہی وقت تھا جب سامنے سے اندھا حد فائرنگ شروع ہوئی۔ یہ فائرنگ کافی قریب سے کی جا رہی تھی۔ میں نے ایم جی تھری کے ساتھ بھرپور جواب دیا۔ کھوکھ کے اندر بھی قسطنیہ اور ڈیزل پمپ کے درمیان محسوس کارن پڑا ہوا تھا۔ یہی وقت تھا جب میں نے تاجور کو کسی جیل کی طرح ڈیزل پمپ پر جھپٹے دیکھا۔ اس کے ہاتھوں میں وہی میری دانی اسپر گن تھی جس کو اس نے اس کے لیے بریل کی طرف سے چلائی تھی۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے گتے کی جو پڑی پر ایک دھاتی ضرب لگائی۔ پھر دوسری۔ گتے نے قسطنیہ کو پھوڑا اور پست کر تاجور کی طرف آیا۔ اس کے دھکے سے تاجور گن سمیت دور جا گری۔ قسطنیہ نے وہ غشی ڈگریکال لیا تھا جس سے اس نے جنون زدہ چنگاؤ کوکھ چنچ کیا تھا۔ وہ جست لگا کر عقب سے ڈیزل پمپ پر جا پڑی۔ گتے کے جواں شہرے کھوکھ میں پھینکے گئے۔

سامنے سے گولیوں کی بوچھاڑ آ رہی تھی۔ ہر طرف چنگاؤ باریاں پھوٹ رہی تھیں۔ صاف پتا چلتا تھا کہ دو تھوڑے اسکوڈ والوں نے پالٹاری دکھائی ہے۔ پہلے ڈیزل پمپ کو ہم پر چھوڑ گیا ہے اور جب ہم ان سے برسرِ پیکار تھے تو اسکوڈ کے بدنام کمانڈر شرفِ ہمارے سروں پر پڑنے لگے لیکن یہاں بھی کامیابی ان کے لیے کھلی نہیں تھی۔ ان کا مقصد ایمیشن ٹنگ سے تھا اور بے مثال ایم جی تھری گن سے تھوڑے ایم جی تھری کا یہ نیا ماڈل نہایت شاندار تھا۔

میں نے ڈٹ کر جوابی حملہ کیا۔ مخالف سمت سے جاتی جانے والی گولیاں اب کھوکھ کے اندر ٹنگ آ رہی تھیں۔ پاشا کے لیے خطرہ تھا۔ اس سے پہلے کہ اس کے لیے کچھ کر جا سکا، کھوکھ کا ایک برست اس کے سینے اور گردن کو چھتی کر گیا۔

”ہمت سے شاہِ زائب! میں آگئی ہوں۔“ قسطنیہ کی پرجوش آواز مجھے اپنے ہاتھ قریب سنائی دی۔

وہ ڈیزل پمپ کا خاتمہ کرنے کے بعد میرے قریب آن بیٹھی تھی۔ اس کے ہاتھوں میں آٹو میک آٹھ ایم اینے رائفل تھی۔ ہم نے تم ک فائرنگ شروع کی۔ تازہ تو برقی

بارش اور دھارتے بادلوں میں یہ ایک زوردار معرکہ تھا۔ سید کھوکھ لڑائی بھڑائی والا آدمی نہیں تھا، شاید اسے ٹھیک سے رائفل تھا مگر بھی نہیں آتی تھی۔ کھوکھ کا سب سے محفوظ حصہ یعنی کوش تھا جہاں دارج اور تاجور موجود تھے، وہ بھی ان کے پاس بیکو اسٹن کھڑا تھا۔

خلفہ آدروں میں سے کوئی ایک شیطان زادہ کھوکھ کے ہاتھوں میں پھنچ چکا تھا۔ وہ کسی پتھری اوٹ میں تھا اور بڑی کارگر فائرنگ کر رہا تھا۔ وہ مجھے مخاطب کر کے دہاڑا۔ ”تجھے چھوڑیں گے نہیں! انٹرن۔“ جو کچھ تو نے ہمارے ساتھ کیا، اس سے بڑا کرنا بڑا تیرے ساتھ کریں گے۔ تجھے ایک دردناک کہانی بنا دیں گے۔“

وہ پتھری اوٹ سے نکل کر کھوکھ کی طرف آنے کی بھرپور کوشش کر رہا تھا مگر قسطنیہ نے اسے پوری طرح پارٹ کیا ہوا تھا اور ایک ٹھیک کی مہلت بھی نہیں دے رہی تھی۔ میں نے اپنی ساری توجہ بائیں جانب میڈل کر رہی تھی جہاں میرے اندازے کے مطابق شیطان زادوں کی کم از کم پانچ پوزیشنیں موجود تھیں۔ ریڈ کیٹ بھی یقیناً اسی طرف تھی۔

یہ اندھا حد فائرنگ کم و بیش پانچ منٹ جاری رہی۔ ہم نے ذبحہ اسکوڈ والوں کی آگے بڑھنے کی ہر کوشش ناکام بنا دی۔ کچھ دیر بعد اندازہ ہوا کہ وہ پسپا ہو رہے ہیں۔ وہ فائرنگ تو اب بھی کر رہے تھے مگر اب ہم ٹھیک پھنچنے والی گولیوں کا ڈاؤ۔ اتنا خطرناک نہیں رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد فائرنگ ختم ہوئی۔ بارش کی شدت میں بھی تھوڑی سی کمی واقع ہوئی تھی مگر ابھی اس طرح چمک رہی تھی اور بادل دہاڑے سے تھے۔ ایک ڈیزل پمپ کی لاش کھوکھ کے عین سامنے پڑی تھی۔ اس کا خون بارش کے پانی کے ساتھ مل کر تھپ تھپ کی طرف جا رہا تھا۔ دوسرا ڈیزل پمپ کھوکھ کے وسط میں اوٹھ نیچے انگاروں کے قریب پڑا تھا۔ قسطنیہ نے اس کی پٹیلیوں اور پیٹ میں کم از کم پانچ جگہ زخمی خنجر گھونپا تھا۔ تاجور نے گتے کے سر پر اسپر گن کے دستے سے جو ضرریں لگائی تھیں۔ ان میں سے ایک نے اس کی آنکھ کو گھر ڈھمک دیا تھا۔ شاید یہی زخم تھا جس نے اسے قسطنیہ پر توجہ دینے پر مجبور کیا تھا۔

قسطنیہ ایم جی تھری کے سامنے آن بیٹھی۔ میں نے آگے بڑھ کر سب سے پہلے پاشا کو دیکھا۔ وہ دم جان تو پہلے ہی تھا اب ہر تکلیف سے آزاد ہو گیا تھا۔ میں نے اسے اٹھا کر کھوکھ کی دیوار کے ساتھ لٹا دیا اور ایک کپڑا ڈال دیا۔

انگاہ

کھوکھ میں جگہ جگہ خون تھا اور گولیوں کے خول بکھرے تھے۔ سعید نے میرے قریب آتے ہوئے کہا۔ ”نیکم صاحبہ کے کندھے پر بھی کافی چوٹ آئی ہے، خون نکل رہا ہے۔“ نیکم صاحبہ اس کی مراد تاجور تھی۔

میں نے دیکھا وہ دارج کے پاس کھڑی تھی اور اپنے کندھے پر ایک کپڑا رکھ کر دبا دیا ہوا تھا۔

سعید نے کہا۔ ”جب کتا ان پر چھپتا تو یہ پیچھے کی طرف گری نہیں، اس وقت کسی پتھری نوک ان کو لگی ہے۔“ ”زخم زیادہ تو نہیں؟“

”نہیں۔۔۔ لیکن تھوڑا گھبراہٹ۔ خون نکل رہا ہے۔“

سامنے سے اکا دکا فائر اب بھی آ رہے تھے جن کا جواب قسطنیہ بڑی مستعدی سے دے رہی تھی۔ دارج نے ایک بار پھر بڑھتے ہوئے درد کی وجہ سے دادیلا شروع کر دیا۔ اس مرتبہ سعید کی شامت آئی۔ اس نے سعید کے اہل خانہ سے تازہ بارش سے جوڑے۔ اسے سخت برا بھلا کہا کہ وہ اس کا درد کم کرنے کے لیے کچھ کر نہیں پارا۔

سعید لرزتا کہتا اس کے پاس پہنچ گیا۔ پہلے اسے عین اپنی ناف میں دارج کی ایک زوردار گولی کھانا پڑی، پھر دارج کی پیچھے ہوئی ایک ہیلت اپنی ہی اس کے سر پر لگی۔ جب وہ اپنے میڈیکل باکس کی طرف توجہ ہو گیا اور کوئی دوا یا آکسیجن ڈھونڈنے لگا۔ وہ کل شام سے قریب مسلسل اس کی تیمارداری میں لگا ہوا تھا۔ میں جانتا تھا کہ وہ تھک کر ہلکا ہو چکا ہے، اس کے علاوہ دارج کی صورت حال کے سبب بے حد دھشت زدہ بھی تھا، اس کے باوجود وہ ”کروٹ کے ٹل لینے دارج“ کی پشت کے مساج میں مصروف ہو گیا۔ اس کی سالونی پیشانی سینے سے تھمتی۔

پھر میری نگاہ تاجور کے کندھے پر پڑی۔ کندھے کی پچھلی جانب گردن کے قریب چوٹ آئی تھی اور خون رس رہا تھا۔ اس کی اٹلی ہڈی اس جگہ سے سرخ دکھائی دینے لگی تھی۔ کیونکہ وہ پشت کے ٹل گری تھی اور چوٹ کندھے کی عضلی سمت میں تھی اس لیے اسے خود بھی ٹھیک سے اندازہ نہیں تھا کہ خون کا رساؤ زیادہ ہے۔ میں اس کے پاس گیا اور کہا۔ ”مسز دارج! آپ کو کافی چوٹ آئی ہے۔ خون نکل رہا ہے۔“

میں نے میڈیکل باکس کھولا۔ ملٹی امداد کا کافی سامان اس میں موجود تھا۔ میں نے پانچوین، کاشن اور میڈیکل ٹیپ وغیرہ نکالی۔ تاجور پچھلا رہی تھی مگر یہ بات وہ بھی جان چکی تھی کہ اس کے زخم سے بہنے والا خون اس کو کم کر رہا ہے۔

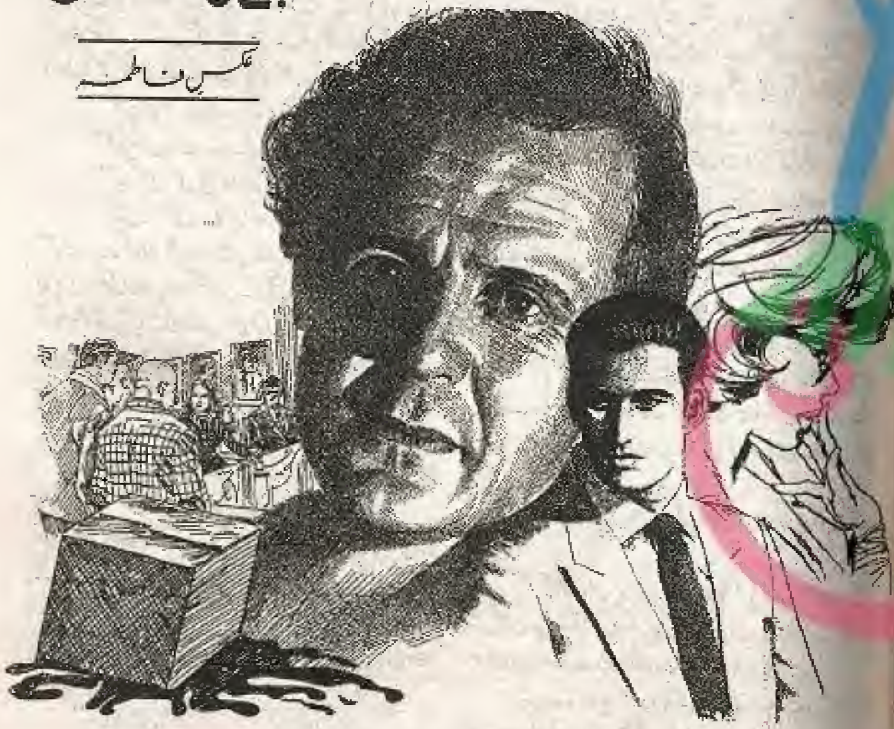


## ڈاک کے ذریعے ملنے والی لاش کا متاثرہ عورت.....

ہر علاقہ... ہر شہر کی اپنی ایک پہچان ہوتی ہے... یہ پہچان اور شناخت کسی نہ کسی بات سے تجڑی ہوتی ہے... اور وہاں کیے لوگوں کے اوصاف میں شمار ہونے لگتی ہے... ایک ایسی ہی جگہ سے تعلق رکھنے والی عورت کا ماجرا... جس نے ثابت کر دیا تھا کہ اپنی آباؤی جگہ سے دوری کے باوجود اسے نسبت اسی سے بے دلیوں میں پلنے والے خدشات... جو بڑھتے بڑھتے سہاپ کی صورت اختیار کر گئے تھے...

## بے وفائی

عکس فطی



میں دفتر میں بیٹھا ڈاک چیک کر رہا تھا کہ ولف کمرے میں داخل ہوا۔ اس نے ایک خوش رنگ پھول اپنی میز پر رکھا اور بولا۔ ”صبح بخیر آرہی۔ امید ہے کہ رات تمہیں اچھی نیند آئی ہوگی؟“

اس کے چہرے پر خوشی اور نرمی دیکھ کر مجھے کوئی چیز نہیں ہوئی۔ اسے حال ہی میں ایک کلائنٹ سے بڑی رقم ملی تھی جو یہ جاننا چاہ رہا تھا کہ اس کے ادارے میں کون غائب کر رہا ہے، اسی وقت دروازے کی گھنٹی بجی۔ میں اٹھ کر

جاسوسی ڈائجسٹ 131 نومبر 2018ء

ہو سکے گا۔ اس کا زندہ رہنا ضروری تھا تاکہ پتا چلتا کہ پڑاؤ کے گینگ میں اور کون کون سی کالی بھیڑ موجود ہے۔

دفعتاً ایک بلڈ آواز نے ہم سب کو چوکا دیا۔ یہ آواز ہماری اس جیب کے قریب سے آئی تھی جو منہ کے بل ایک گڑھے میں دھکی ہوئی تھی اور جس پر ایک شیطان زاد نے بہت سا جھڑکاڑ پیچک دیا تھا تاکہ جیب کو نقصان میں سے نہ دیکھا جاسکے۔ میں نے پہچان لیا۔ یہ آواز بدنام زمانہ ریڈ کیٹ کی تھی۔ اپنے ٹیسٹ ٹیوب بھائیوں کی طرح وہ بھی فٹے میں دھت محسوس ہوتی تھی۔ وہ پکار کر بولی۔ ”او باسٹر! لومڑی، اس طرح اپنے بل میں گھس کر کیوں بیٹھی ہوئی ہے۔ ہمت ہے تو باہر نکل میرے ہاتھوں میں ہاتھ ڈال میں تجھے بتاؤں اسکا ڈالوں سے لکر کیسے لی جاتی ہے۔“

اس نے ہتھ قسطیا کو بھی غائب کیا تھا۔ اس سے پہلے پاشا نے بھی کس نہیں بتایا تھا کہ وہ قسطیا کے خلاف فٹس سے بھری ہوئی ہے اور زخمی تاگن کی طرح بلی کھا رہی ہے۔ آج شاید وہ مزید برداشت نہیں کر سکی تھی۔ خاصے کی طوالت نے اسے سچ پایا کیا ہوا تھا اور وہ ہمارے قریب آ کر قسطیا کو لاکر شروع ہوئی تھی۔

رام جیم بری بارش میں اس کی کمرخت آواز ایک بار پھر ٹیلوں میں گئی۔ ”کسی چوہے کی اولاد! باہر نکل۔ کھلے میدان میں مجھ سے دو دو ہاتھ کر۔ میں وعدہ کرتی ہوں ہماری طرف سے تجھ پر کوئی گولی نہیں بیلے گی۔ ایک فارنگی نہیں ہوگا۔ اور یہ بھی وعدہ کرتی ہوں اگر تو نے مجھے مار لیا تو میرے لوگ تمہارا کھیرا پھوڑ کر چلے جائیں گے۔ جان بخشی کر دیں گے تم کو لوگوں کی۔“

میں جانتا تھا کہ وہ اسکا ڈاک کے لوگ ان میں سے نہیں جن کے وعدوں کا اعتبار کیا جاسکے۔ یہی بات جب میں نے قسطیا سے کہی تو وہ بولی۔ ”لیکن شاہ زاعب! ان کی یہ بھی تو بات ہے کہ اگر وہ مجھ پر فارنگ کریں گے تو یہ حرام زوالی ریڈ کیٹ بھی جو ابلی فارنگ سے قی نہیں سکے گی۔“

”کیا مطلب؟“ آپ اس کے سامنے جانا چاہتی ہیں؟“ میں نے پوچھا۔ وہ کوئی کوئی سی آواز میں بولی۔ ”تمہاری کیا رائے ہے؟“

خونریزی اور بربریت کے خلاف  
صف آرا نوجوان کی کھلی جنگ  
باقی واقعات آئندہ ماہ پڑھیں

جہاں پر چوٹ لگی تھی وہاں سے قیس پھٹ بھی گئی تھی۔ میں نے قیس کا یہ شکاف تھوڑا سا مزید کھلا کیا۔ اس کے لیے رہنمی بالوں نے کندھے اور گردن کو عقب سے ڈھانپ رکھا تھا۔ ”اپنے بالوں کو ذرا ہٹائیں۔“ میں نے کہا۔

اس نے دونوں ہاتھ پیچھے کی طرف موڑ کر بالوں کو گردن سے ہٹایا۔ میری قریبیت نے اس کے جسم میں ہلکی سی لرزش پیدا کر دی تھی۔ مجبوری تھی ورنہ میں اس کو چھونے سے اجتناب ہی کرتا۔

دارج تکلیف میں تھا، اس کے باوجود اسے میرا ہوں تا جوڑ کے قریب آنا برداشت نہیں ہوا۔ اس نے گردن موڑی اور ہتھ کر سمیعہ کھوکھر سے مخاطب ہوا۔ ”یہاں بیٹھے منہ کپا دیکھ رہے ہو۔ جاؤ ان کی ڈورینگ کرو۔“ اس کا اشارہ تا جوڑ کی طرف ہی تھا۔

سمیعہ جو دارج کی کمر کا مساج کر رہا تھا۔ لوکھڑاتا ہوا سا اٹھا اور میرے ہاتھوں سے ڈورینگ کا سامان لے لیا۔ میں نے بھی آواز میں کہا۔ ”تا جوڑ! آپ نے جرأت کا مظاہرہ کیا۔ قسطیا آپ کا شکر یہ ادا کرتی ہیں۔“

میرے الفاظ دارج کے کانوں تک نہیں پہنچے۔ اسے یہی لگا ہوگا کہ میں سمیعہ کھوکھر سے کچھ کہہ رہا ہوں۔ اس کے باوجود وہ مجھے مسلسل ٹھوکر رہا تھا۔ اس کی نگاہوں میں جیسے رقابت اور نفرت کی بجلی کووند رہی تھی۔ میں واپس قسطیا کے پاس ہٹ گیا۔ کچھ کے وسط میں بڑی کتے کی لاش نے ماحول غمزدہ کر رکھا تھا۔ میں نے اس لاش کو کھینٹ کر کچھ سے باہر پھینکا۔ دوسرے کتے کی نیم نیم لاش کو بھی وہاں کے سامنے سے ہٹا دیا۔ خشک لکڑیوں سے ہم نے جو آگ جلائی تھی اس کی تدم روٹی میں کچھ کے فرش پر چابجا خون کے نشانات نظر آرہے تھے۔ میں نے ان پر بھری نما سنگر اور ریت وغیرہ پھینک کر انہیں جزوی طور پر چھپا دیا۔ فارنگ اب رک چکی تھی مگر ہم پوری طرح چوکے تھے۔

☆ ☆ ☆ جو بارش کل شام کو شروع ہوئی تھی، اس نے پھر کتنے کا نام نہیں لیا۔ وہ ساری رات برتی رہی، اب دن کا اجالا پھیلنا شروع ہو گیا تھا لیکن بھی ہلکی اور بھی تیز بارش اب بھی ہو رہی تھی۔ پیاس کا مسئلہ اب مل ہو چکا تھا مگر بھوک پیاس ہمارا دم آگھوں میں کیا ہوا تھا۔ داؤد بھاؤ کا گھدار سامنے بنارس، جس کی وجہ سے ہم سب اس گھیرے میں پھنسے تھے اب مکمل طور پر بے ہوش ہو چکا تھا۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ اگر آج رات تک اسے کبلی بخش طبعی امداد نہ ملے تو وہ جانبر نہیں

جاسوسی ڈائجسٹ 130 نومبر 2018ء



مکيا تو دیکھا کہ دو آدمی ایک بڑے اور طویل کپس کے ساتھ کھڑے ہوئے تھے۔ ان میں ایک سرخ بالوں والا اور دوسرا گھٹا تھا۔ میں نے سوالیہ انداز میں ان کی جانب دیکھا۔ ”آرچی گڈون کے لیے یہ فیڈیکس ڈیلیوری آئی ہے۔“ سمجھے سر والا بولا۔

”میں ہی آرچی ہوں۔ اس باکس میں کیا ہے؟“

”یہ میں کیسے بتا سکتا ہوں۔ یہاں دھکا کر دو۔“ اس نے ایک فارم میری طرف بڑھا دیا۔

میں نے دھکا کر دے اور اس باکس کو کھینچا ہوا ہال میں لے گیا۔ وہ خاصا وزن تھا اور میں سوچنے لگا کہ اس میں کیا ہو سکتا ہے۔ میں جتنی لیے دفتر میں گیا پھر خیال آیا کہ اس وزن کی باکس کو کھولنے کے لیے چاقو بہتر رہے گا۔

”کون تھا؟“ وولف نے پوچھا۔

”فیڈیکس۔ میرے لیے ایک پارسل آیا ہے۔“

”کیا تمہیں کسی چیز کا انتظار تھا؟“

”نہیں۔“ میں نے کہا اور چاقو لے کر ہال میں چلا گیا۔ اسے کھولنا آسان نہیں تھا۔ جب میں نے اس کا اوپری ڈھکنا اٹھایا اور گھٹنوں کے بل جھک کر اس میں دیکھا تو دم بخود رہ گیا۔ مجھے نہیں معلوم کہ میں اس حالت میں کتنی دیر وہاں رکا رہا۔ بہر حال ہمت کر کے کھڑا ہوا اور دفتر میں چلا گیا۔

دولف نے مجھے فوراً دیکھا اور بولا۔ ”کیا رپورٹ ہے؟“

”میں نے باکس کھول لیا ہے۔“ میں نے تھوک نلگتے ہوئے کہا۔ ”اس میں ایک لاش ہے۔“

میرا خیال تھا کہ وہ یہ سنتے ہی اچھل پڑے گا لیکن وہ بڑے پرسکون انداز میں بولا۔ ”کیا وہ ہمارے کسی جاننے والے کی لاش ہے؟“

میں نے اشیات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ”ہاں، وہ ایک پولیس والا ہے۔“

”وروی میں؟“

”نہیں، وہ سادہ لباس میں ہے۔“

”کیا تمہیں کچھ اندازہ ہے کہ یہ لاش تمہیں کیوں بھیجی گئی؟“

”نہیں۔ شاید اس لیے کہ یہ لیفٹیننٹ راک ویل کی لاش ہے۔“

وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور تیزی سے باکس کی طرف گیا اور آنکھیں پھاڑ کر لاش کو دیکھنے لگا۔ میں بڑی مشکل سے اسے دایں دفتر میں لے کر آیا۔

”یہ ناقابل برداشت ہے۔“ اس نے کرسی پر بیٹھ کر کہا۔

”تم کیوں پریشان ہو رہے ہو۔ لاش تو مجھے بھیجی گئی ہے۔ لیکن میرے گھر میں؟“ اس نے اپنے گلاس میں مشروب ڈالتے ہوئے کہا۔ ”آرچی تم فوراً سالوں کی بولاؤ میں ابھی انسپکٹر کمر کے پاس جاؤں گا۔“

میں تیزی سے کارنگ گیا۔ سالوں دہاں موجود رہا اس نے مجھے دیکھتے ہی پوچھا۔ ”کیا بات ہے آرچی؟“

”دولف تمہارے ساتھ کمر کے پاس جانا چاہتا ہے۔“

”لیکن کیوں؟ تم کیوں نہیں جا رہے؟“

”مجھے یہاں رہ کر کچھ کی ڈاک دینی ہے۔“

لگتا تھا کہ اسے میری بات پر یقین نہیں آیا۔ شاید وہ رہا تھا کہ میں اس سے کچھ پچھا رہا ہوں۔ دولف کے جانے کے بعد ابھی میں نے اپنا کونٹا ہی نہیں اتارا تھا کہ فرخ نے مجھ پر چڑھائی کر دی اور چلائے ہوئے کہا۔ ”پلیز رپورٹ۔“

مجھے ہنسی آئی۔ میں نے اس سے کہا کہ وہ باکس میں جھانک کر دیکھ لے۔ اس نے ایسا ہی کیا اور اچھلتے ہوئے بولا۔ ”یہ تو راک ویل کی لاش ہے۔“

”میں نہیں سمجھتا تھا کہ اسے پہچان لوں۔“

”بالکل۔ میں اسے پہچانتا ہوں۔ اس نے ہمیشہ ہمیں تکلیف دی اور مشر وولف بھی اسے پسند نہیں کرتے تھے۔“

جب سے وہ میری وزارت لے کر آیا تھا اور اس نے پورے گھر کی تلاشی لی۔

”لیکن بعد میں اس نے وولف سے معافی بھی مانگ لی تھی۔“

”کیونکہ اس پر اوپر سے وباؤ آیا تھا۔ دیکھو آرچی میں نہیں چاہتا تھا کہ وہ مر جائے لیکن اس کی لاش کی یہاں موجودی ہمارے لیے مشکلات کا سبب بن سکتی ہے۔“

میں نے سوچا کہ وہ ٹھیک ہی کہہ رہا ہے۔ ہم ازم میرے لیے ضرور ایک مشکل کھڑی ہو جائے گی۔

☆ ☆ ☆

دولف کی واپسی ایک گھنٹے بعد ہوئی۔ اس کے ساتھ انسپکٹر کمر اور سارجنٹ بیورے اسٹیفون بھی آئے تھے۔ انہوں نے ایک نظر باکس پر ڈالی اور فیصلہ کیا کہ طبی عملے کا انتظار کیا جائے جو تھوڑی دیر بعد آئیں گے۔

کمر سرخ رنگ کی چڑے والی کرسی پر بیٹھ گیا جبکہ بیورے نے ہمیشہ کی طرح زرد رنگ کی کرسی کا انتخاب کیا۔ انسپکٹر مضطرب انداز میں ایک بغیر بٹے ہوئے سگار سے کھیل رہا تھا۔

رہا تھا۔ جب میں نے انہیں مشروب کی پیشکش کی تو دونوں نے ٹیک کافی کا انتخاب کیا جبکہ وولف نے اپنے لیے بیئر پسند کی۔ میں خود اس کاچ چٹا چاور ہاتھ لیکن ارادہ ملتوی کر دیا کیونکہ کھانے کا وقت قریب تھا۔ وولف نے انہیں بھی اپنے ساتھ کھانے کی دعوت دے دی۔ کمر نے سگار ٹوکر کی میں بیٹھ کر اور کہنے لگا۔ ”بہت بہت شکریہ وولف لیکن پہلے ہمیں کچھ گفتگو کرنی چاہیے۔“

دولف نے کہا۔ ”وہ تو ٹھیک ہے لیکن جب تک میڈیکل انسپکٹر کی رپورٹ نہ آجائے۔ میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتا جو میں تمہیں پہلے بتا چکا ہوں۔“

”وہ تمہیں مل جائے گی۔ میں تمہاری اس بات سے بہت متاثر ہوا کہ سید میرے پاس چلے آئے ورنہ عام حالات میں تم گھر سے باہر قدم نہیں نکالتے۔ اس کے لیے میں تمہارا شکریہ ادا کرتا ہوں۔“

”تمہاری تعریف کا شکریہ۔ کیا اب ہم کھانا کھا لیں۔“

”تمہیں تو میرا اصول معلوم ہے کہ کھانے کے دوران کوئی کام کی بات نہیں کرتا۔“

”ہاں، مہربانی کیا ہے؟“

اس سے پہلے کہ وولف جواب دیتا، بیورے نے مداخلت کی۔ ”معافی چاہتا ہوں لیکن تمہارے لیے یہ جانتا ضروری ہے۔“

”کیا کہنا چاہ رہے ہو سارجنٹ؟“

”یہ بات میں نے گڈون سے سنی تھی۔“

اس نے آرچی کے بجائے گڈون کہا۔ میں جانتا تھا کہ وہ کیا کہنے والا ہے۔ ہم ایک دوسرے کو کافی عرصے سے جانتے تھے اور ہمارے درمیان کافی بے تکلفی تھی۔ وہ میری طرف ہنرتے ہوئے بولا۔ ”کیا میں بتا دوں؟“

میں جانتا تھا کہ اب اسے منع کرنے کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ اس طرح کمر اور وولف دونوں کو ہی شک ہو جاتا کہ میں نہ جانے کیا چھپاتا چاہ رہا ہوں۔ اس لیے میں نے بے خوف ہو کر کہا۔ ”بالکل بتا دو۔“

وہ کمرے ہوتے ہوئے بولا۔ ”میں مختصر بات کروں گا۔ تم نے جو کچھ کہا تھا وہ مجھے لفظ بے لفظ یاد ہے۔“

”لیکن بارے میں بات ہو رہی ہے؟“ کمر نے پوچھا۔

”معافی چاہتا ہوں۔ یہ بات کچھ عرصہ پرانی ہے۔ دوران گفتگو گڈون نے مجھ سے کہا۔ میں اس کی تکثیر کرتا پسند کروں گا اگر وہ راک ویل جیسے شخص کا ہو۔“

کمر نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”کیا یہ سچ

ہے؟“

”ہاں۔“ میں نے اعتراف کیا۔ گوکہ بیورے نے پوری بات نہیں بتائی۔ ”میں نے کہا تھا۔ میں راک ویل کے قتل سے لطف اندوز ہونا پسند کروں گا اور تم بھی۔ اس سے میرا مطلب بیورے تھا۔“

”یعنی تم اس سے لطف اندوز ہو رہے ہو؟“

”بالکل نہیں۔“

فرخ نے کھانا کھانے کا اعلان کیا اور ہم سب کھانے کے کمرے میں چلے گئے۔ فرخ نے اس روز خاصا اہتمام کیا تھا اور کئی مزیدار چیزیں بنائی تھیں۔ سب نے تعریف کی اور انسپکٹر نے اس کے گلاس میں دائیں ڈالتے ہوئے کہا۔ ”تم میں امن کے بہترین لگ ہو۔“

کھانے کے بعد ہم دفتر میں واپس آ گئے۔ اسی وقت میڈیکل انسپکٹر بھی آ گیا اور بولا۔

”جس مرنے والے کے بدن پر تشدد کا کوئی نشان نہیں ملا۔“

”پھر اس کی موت کیسے واقع ہوئی؟“ کمر بولا۔

”میرا خیال ہے کہ اسے زہر دیا گیا ہے لیکن لیبارٹری رپورٹ آنے تک ہم اس کی تصدیق نہیں کر سکتے۔“

”ٹھیک ہے پھر اسے پوسٹ مارٹم کے لیے لے جاؤ۔ میں دفتر میں تمہاری رپورٹ کا انتظار کروں گا۔“ پھر وہ وولف سے بولا۔ ”ہمارے یہاں بیٹھے کا کوئی فائدہ نہیں۔ آرچی پہلا آدمی نہیں جس نے مرنے والے کے بارے میں یہ بات کہی۔“

بیورے نے تاکید میں سر ہلایا لیکن کچھ بولا نہیں۔

”بہر حال۔“ کمر بولا۔ ”اس شاعرانہ کچھ کے لیے شکریہ۔ یہ ہم پر ادھار رہا۔“

جب وہ جانے لگے تو وولف بولا۔ ”کیا تم مجھے پوسٹ مارٹم رپورٹ کے بارے میں بتانا پسند کرو گے؟“

”ضرور۔“

ان کے جانے کے بعد میں نے وولف سے پوچھا۔

”تم نے اس سے پوسٹ مارٹم رپورٹ کیوں مانگی۔ تمہیں اتنا جس کیوں ہو رہا ہے؟“

”میں قاتل کو پکڑنا چاہتا ہوں۔“

”لیکن ہم سے کسی کلکٹ نے اس بارے میں نہیں کہا۔“

”ہمیں اس کی ضرورت نہیں۔ یہ سراسر اشتقاقی کارروائی ہے۔“



”پھر تم کیا کرو گے؟“  
”یہ میں بعد میں بتاؤں گا۔ کیا تم جانتے ہو کہ راک  
وہیں شادی شدہ تھا اور اس کے سکنے کے لیے ہیں؟“  
”مجھے نہیں معلوم۔“  
”پتا کرو اور یہ بھی کہ اس کی کسی سے دشمنی تو نہیں تھی؟“  
شاید اس نے کسی مجرم کو سزا دلوانے میں مدد کی ہو۔“

☆☆☆

جب وہ چھ بجے گھر سے واپس آیا تو میں نے اسے  
بتایا۔ ”راک وہیں نہیں شادی کر چکا ہے، اس کی پہلی بیوی  
ڈیانا ایک اڑھائی سو سالہ عورت تھی جو اپنے دو بچوں کے ساتھ طیارے  
کے حادثے میں ہلاک ہو گئی۔ اب اس نے ایک سابق  
اداکارہ ایشی جاسن سے شادی کی ہے۔ راک وہیں کی کوئی  
اولاد یا بہن بھائی نہیں ہیں اور والدین بھی فوت ہو چکے  
ہیں۔“

”میں سمجھتا ہوں کہ ان حالات میں یہ اچھا ہی ہے۔“  
”میرے حال یہ اس کی تیسری شادی ہے۔ دوسری بیوی  
ایلیون فورسٹر کچھ اختلافات کے سبب اس سے علیحدہ ہو گئی  
تھی۔ اس کے علاوہ تین افراد ایسے ہیں جو اس کی وجہ سے  
جیل گئے اور ان دونوں بیروں پر ہیں۔ ان میں سے ایک  
اس سے انتقام لینے کا خواہش مند تھا۔“

دولف نے ایک گہری سانس لی اور بولا۔ ”گلتا ہے  
کہ ہمیں کوئی مشتبہ شخص نہیں مل رہا اس کے علاوہ کوئی اور  
بات؟“

”نہیں، البتہ پورے کافون آیا تھا۔ اس نے بتایا  
کہ اس کی موت نہ ہر سے واقع نہیں ہوئی۔ کسی اور وجہ سے  
اس کی آنتیں کٹ گئیں اور زیادہ خون بہہ جانے کی وجہ سے  
وہ موت کے منہ میں چلا گیا۔“

”یہ تو بہت افسوسناک بات ہے۔“  
”لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ کیسے ہوا؟ اور اس  
کی لاش مجھے کیوں بھیجی گئی؟“

”میں اس سوال کا جواب نہیں دے سکتا۔“ اس نے  
بیزمگوانے کے لیے گھٹی بھائی۔ ”لیکن میں سمجھتا ہوں کہ یہ  
کیسے ہوا ہوگا۔“

یہ کہہ کر وہ دوبارہ کتاب کی طرف متوجہ ہو گیا جو اس  
نے تھوڑی دیر پہلے میز پر سے اٹھائی تھی۔ میں نے بھی مزید  
کوئی بات نہیں کی اگر وہ مجھے نہیں بتانا چاہا تھا تو مجھے کیا  
ضرورت تھی کہ اس سے کچھ پوچھتا۔  
رات کے کھانے کے بعد اس نے مجھ سے کہا۔

”آرچی اپنا بیٹا اٹھاؤ۔“ پھر کہنے لگا۔ ”فیڈیکس سے تفصیل  
معلوم کرنے کی کوشش کرو۔ یقیناً کریمر نے بھی ان سے  
پوچھ چکے ہوں گی، اس سے اس بارے میں پوچھو۔“  
”تم سمجھتے ہو کہ وہ ہم سے تعاون کرے گا۔“  
اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”میں اسی کے الفاظ  
دہراتا ہوں۔“ میں تمہارا ادھار چکا دوں گا۔“  
”اس کے علاوہ کوئی بات؟“

”نوں کوہن کو ڈنر پر مدعو کرو اور سارا جنٹ اسٹیبلش  
کو بھی۔“

”اور کریمر؟“

”نہیں، شاید اس کی وجہ سے سارا جنٹ نہ آئے۔“

”ٹھیک ہے۔ میں ابھی انکس فون کروں گا۔“

”ایک منٹ۔“ دولف نے کہا۔ ”ایک بات اور۔“

میں مسروراک وہیں سے ملنا چاہتا ہوں، اسے بھی مدعو کرو۔“

”لیکن وہ سوگ میں ہے۔“

”اسے بتادو کہ میرا مقصد قاتل کو پکڑنا ہے۔“

میں نے غصہ پی سانس لیتے ہوئے کہا۔ ”ٹھیک  
ہے۔ میں کوشش کرتا ہوں۔“

نوں کوہن کو بلاؤ کوئی مسئلہ نہیں تھا اور پورے بھی تیار ہو گیا  
جب میں نے یقین دلایا کہ اسے پاس کے بیورو کو بلا دیا جا رہا  
ہے۔ ”مسٹر دولف تم سے کچھ آف دیر کا رڈ بائیں کرنا  
چاہتے ہیں۔“

”کس بارے میں؟“

”راک وہیں سے ملنا۔“

اس نے کچھ سوچتے کے بعد کہا۔ ”ٹھیک ہے، میں  
آ جاؤں گا۔“

میں نے اس سے پوچھا کہ کیا اس کے پاس راک  
وہیں کی بیوی کا نمبر ہے تو اس کا جواب اثبات میں تھا۔ جب  
میں نے اس نمبر پر فون کیا تو اس نے بیورو سے نہ صرف یہ کہ  
دعوت قبول کر کے حیران کر دیا بلکہ یہ بھی کہا۔ ”میں اس کی  
خاطر دیا کو نہیں چھوڑ سکتی۔“

☆☆☆

اگلے روز جب شام چھ بجے دولف گھر سے آیا تو میں  
نے اسے بتا دیا کہ کریمر آج پورے دن اندرون شہر ہونے  
والے ایک قتل کی وجہ سے اپنے دفتر میں موجود نہیں تھا لیکن  
چند منٹ پہلے میری اس سے بات ہوئی ہے۔

”پھر اس نے کچھ بتایا؟“

”وہ باکس دو آئی فیڈیکس کے دفتر میں لے کر آئے

تھے۔ دو گوری پر کام کرنے والے مزدور ہیں۔ پوچھ چکے  
کرنے پر انہوں نے بتایا کہ انہیں یہ باکس فیڈیکس تک  
پہنچانے کا معاوضہ دیا گیا تھا۔“  
”انہیں معاوضہ کس نے دیا اور اس شخص سے ان کی  
ملاقات کہاں ہوئی تھی؟“

”گوری پر جہاں وہ کام کرتے ہیں۔ انہیں ایک  
چھوٹے قد کے آدمی نے معاوضہ دیا جس نے چہرے پر  
ہلکے رنگ کا ہوا تھا۔ وہ اس کا چہرہ نہیں دیکھ سکے۔“

”کیا اس وجہ سے انہیں محسوس نہیں ہوا؟“

”یقیناً ہوا تھا۔ کریمر کے کہنے کے مطابق انہیں باکس  
میں سے بدبو آ رہی تھی لیکن انہیں ملنے والا معاوضہ اتنا زیادہ  
تھا کہ وہ اپنا اعتراض بھول گئے۔“

”کیا انہوں نے یہ بتایا کہ اس آدمی کی آواز کیسی  
تھی؟“

”ہاں، ان کے کہنے کے مطابق اس کی آواز گہری  
اور جھنسی ہوئی تھی۔“

”شاید وہ روپ بدل کر ان سے ملا ہو۔“ یہ کہہ کر  
دولف نے بیزمگوانے کے لیے گھٹی بھائی اور ایک کتاب  
اٹھا کر اسے دیکھنے لگا۔

میں نے پوچھا۔ ”فیڈیکس کے بارے میں کیا کرنا  
ہے۔“

”کچھ نہیں، وہ کیا بتائیں گے۔“

”ٹھیک ہے لیکن آج رات کے لیے کیا ہدایات  
ہیں؟“

”اگر مسروراک وہیں پہلے آجائے تو اسے سامنے  
والے کمرے میں بٹھانا۔“

سب سے پہلے آنے والا نوں کوہن ہمیشہ کی طرح  
خوشگوار موڈ میں تھا۔ وہ صرف ہمارا دوست ہی نہیں بلکہ  
امریکا کے پانچویں بڑے اخبار ڈیٹنٹ، میں کام کرنے کی  
وجہ سے ہمارے لیے معلومات کا ذریعہ بھی تھا۔ اس نے  
اپنے لیے زبردستی کی گریختب کی اور اپنی پسندیدہ برانڈ کی  
سے شعل کرنے لگا۔

دوسرے نمبر پر آنے والا سارا جنٹ بیورو سے تھا۔ اس  
نے آتے ہی پوچھا۔ ”آرچی، سب کیا ہے؟“

میں نے اسے بتایا کہ مجھے دولف کی پلاننگ کے  
بارے میں کوئی اندازہ نہیں ہے اور بار کی طرف اشارہ  
کرتے ہوئے کہا۔ ”ابھی مدد خود کرو۔“

اس نے میرا ٹھکانہ دیا اور اپنے لیے سنگل مائٹ کا

بے وفائی

گلاس بھر لیا۔ کچھ دیر بعد دوبارہ گھنٹی بجی۔ میں نے پپ  
ہول سے جھانک کر دیکھا۔ وہاں ایشی راک وہیں کھڑی  
ہوئی تھی۔ میں اسے پہلی بار کچھ پر ہاتھ دیا۔ وہ ماضی میں اداکارہ  
رہی ہوئی لیکن راک وہیں سے شادی کرنے کے بعد اس نے  
فلسوں میں کام کرنا چھوڑ دیا تھا۔ اس کے لیے سہرے پال  
شالوں پر بھول رہے تھے۔ سبز آنکھیں اور جسم ایسا جس پر  
جنگ شروع ہو جائے۔ میں نے دروازہ کھولا تو اس نے  
دفتر پر مسکراہٹ ہنسنے پر لاتے ہوئے کہا۔

”تم آرچی ہو؟“

”ہاں، میں ہی آرچی ہوں۔“

”میں نے جارج سے تمہارے بارے میں سنا  
تھا۔“

”مجھے یقین ہے کہ کچھ اچھا نہیں سنا ہوگا۔“

”نہیں لیکن میں نے ہمیشہ یہی سوچا کہ میں تمہارے  
جیسی ہوں۔“

میں اسے دفتر میں لے کر آیا اور اپنے مہمانوں سے  
اس کا تعارف کروایا۔ وہ دونوں تعظیماً کھڑے ہو گئے اور  
اسے مشروب کی پیشکش کی۔ وہ ان کا ٹھکانہ ادا کر کے سرخ  
رنگ کی کرسی پر بیٹھ گئی۔

میں نے گھٹی بھاکر دولف کو مہمانوں کے آنے کی  
اطلاع دی۔ وہ فوراً ہی آ گیا۔ پہلے اس نے اپنے لیے بیئر کا  
ایک گلاس بنایا پھر ایشی سے مخاطب ہوتے ہوئے بولا۔

”مسز راک وہیں۔“

”مس پلیز۔“ اس نے بات کاٹتے ہوئے کہا۔

”لیکن تم مجھے ایشی کہہ سکتے ہو۔“

”ٹھیک ہے۔ میں اپنے الفاظ پر معذرت چاہتا ہوں۔

اب ہم موضوع پر آ رہے ہیں تو میں تمہارے شوہر کا پورا  
نام جانتا چاہوں گا۔ یہ میں اس لیے پوچھ رہا ہوں کہ چند  
سال قبل میں نے اپنے ایک ساتھی سے اس کے بارے میں  
کچھ سنا تھا لیکن اس نے جارج کے بجائے اس کا نام جے ایم  
راک وہیں بتایا تھا۔“

”اس کا پورا نام جارج جیمس مسٹر راک وہیں تھا لیکن  
وہ اپنے نام کے ساتھ جارج لگا پاند نہیں کرتا تھا۔“

”اس وضاحت کے لیے ٹھیک ہے۔ مجھے تمہارے شوہر  
کی موت کا افسوس ہے لیکن مجھے بڑی حیرت ہوئی جب  
آرچی نے بتایا کہ تم ہمارے ڈنر میں شرکت کرنے کی  
خواہش نہیں۔“

”ہائیک، میں نے تمہارے کہن کی بہت شہرت سنی



ہے۔

میں اس وقت فرار نے اعلان کیا کہ ڈرنیٹار ہے۔  
کو کہ جون کا مینا شروع ہوا تھا لیکن موسم شدید گرم  
ہو چکا تھا۔ فرار نے اسی مناسبت سے میچ کا انتخاب کیا۔ اس  
نے جہن ہوئی بلج کا گوشت کی سلاد کے ساتھ پیش کیا۔ اسے  
دیکھتے ہی ایشی نے کہا۔ ”مجھے بلج پسند ہے۔“

”یہ سن کر خوش ہوئی۔“ دلف بولا۔ ”میرا خیال تھا  
کہ آج رات ہم بحری جہاز باؤنٹی، پر ہونے والی بغاوت  
کے بارے میں گفتگو کریں گے۔“  
ایشی نے کچھ کہنے کے لیے اپنا ہاتھ بلند کیا تو وہ  
بولا۔ ”ہاں کہہ سزا ایشی؟“

”مجھے یہ ایک دلچسپ موضوع لگتا ہے لیکن اس سے  
پہلے میں کچھ کرنا چاہتی ہوں۔“  
”کہو۔“

”میں نے تمہارے کیسوں کے بارے میں آرہی کی  
کئی کتابیں پڑھی ہیں اور میں نے ان میں ایک بات نوٹ  
کی کہ تمہارا پسندیدہ رنگ زرد ہے۔“  
”یہ درست ہے۔“

”پھر کیا وجہ ہے کہ تم اپنے منگوں اور بعض اوقات  
اسپیکٹر کے کمر کو بھی سرخ رنگ کی کرسی چن کر لے ہو؟“  
دلف نے جواب دیا۔ ”میں نے کبھی انہیں کسی  
مخصوص کرسی پر بیٹھنے کے لیے نہیں کہا۔ یہ محض ایک اتفاق ہی  
ہو سکتا ہے۔“

اس کے بعد اس نے ہمیں باؤنٹی، پر ہونے والی  
بغاوت کے بارے میں بتانا شروع کر دیا۔ میں پہلے یہ قصہ  
سن چکا تھا لیکن اب بھی اس میں دلچسپی محسوس ہوتی تھی۔  
اسی دوران سویت ڈش اور کافی کا دور بھی چلا پھر ہم سب  
آہٹ میں داخل آ گئے۔ جہاں ایک بار پھر شراب و بات سے  
دل بہلایا گیا تاہم ایشی نے فحش کافی پر انکشاف کیا۔

دلف نے اپنا گلاس ہونٹوں سے لگاتے ہوئے لون  
سے پوچھا کہ کیا اس کے پاس مرنے والے لیفٹیننٹ کے  
بارے میں کچھ معلومات ہیں۔

”اے شائد ارڈر کے بعد اس بارے میں سوچتے  
ہوئے بھی شرم آتی ہے۔“ اس نے کہا۔ ”لیکن ایک معافی  
کے نقطہ نظر سے میں یہی کہہ سکتا ہوں کہ یہ ایک دلچسپ خبر  
نہیں سن کر حالانکہ میرے خیال میں اس سے بہتر سن سرنی  
اس سے پہلے کبھی نہیں ملی ہوگی۔ اب اگر اس میں کوئی نیا موڑ  
آیا ہے تو مجھے بتاؤ تاکہ میں اس پر لکھ سکوں۔“

”ابھی نہیں۔“ دلف نے جواب دیا۔ ”لیکن جب  
کچھ سامنے آیا تو ہمیشہ کی طرح سب سے پہلے تمہیں بتاؤں  
گا۔“ پھر وہ پورے سے راک ویل کی موت کے بارے  
میں اس کے خیالات پوچھنے لگا۔

”آرہی نے ٹھیک ہی کہا ہے۔“ سارنٹ بولا۔  
”اس کی شہرت اچھی نہیں تھی۔ اسی لیے اس کی موت پر کسی کو  
افسوس نہیں ہوگا۔“  
اس موقع پر اسے اتنی صاف گوئی سے کام نہیں لیا  
چاہیے تھا۔ اسی لیے دلف نے موضوع بدلتے ہوئے سز  
راک ویل سے پوچھا کہ کیا وہ اپنے شوہر کے کسی دشمن کو  
جاتی ہے۔

اس نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ”میں صرف اتنا  
جانتی ہوں کہ وہ اپنے دوسرے ساتھیوں میں مقبول نہیں تھا۔  
اس کے علاوہ اس کا بھی اس کے ساتھ نہیں تھا۔ لیکن اس  
کی وجہ نہیں جانتی۔“

”چنانچہ؟“ دلف نے مجھے گھورتے ہوئے کہا۔ ”مجھے تو  
یہ بتایا گیا تھا کہ تمہاری کوئی اولاد نہیں ہے۔“

”ہاں، یہ سچ ہے۔ میں بے اولاد ہوں۔ میں اس کی  
دوسری بیوی کے بطن سے ہے اور ویسٹ پوائنٹ میں کیڈٹ  
ہے۔“

”چند سوالات اور۔“ اس کے لیے معافی چاہتا ہوں  
لیکن کیا راک ویل عمر میں تم سے خاصا بڑا نہیں تھا؟“  
”ہاں، لیکن مجھے اس میں کشش محسوس ہوئی۔ کم از کم  
شروع شروع میں۔“

”کیا وہ بہت زیادہ شراب پیتا تھا اور اسے سب سے  
زیادہ کون ہی پسند تھی؟“

”وہ بھی بھار شراب پیتا تھا۔ بالعموم خاص موقعوں  
پر۔“ اس نے جواب دیا۔ ”اے پور ہن، جن، ریم یا اسکات  
پسند نہیں تھیں۔“

”اس کے بعد تو کیڈٹ بن و سکی، آئرش و سکی اور رانی  
ہی رہ جاتی ہیں۔“

”ہاں لیکن اسے صرف رانی و سکی ہی پسند تھی۔“  
دلف نے کہا۔ ”سن راک ویل۔ میں جانتا چاہوں  
گا کہ وہ رانی و سکی کس طرح پیتا تھا۔ کچھ ملائے بغیر یا اس  
میں برف، پانی اور سوڈا وغیرہ ڈالا تھا؟“

”ایشی منہ بناتے ہوئے بولی۔ ”یہ اتنا اہم کیوں  
ہے؟“

”ہمارے لیے چھوٹی سی بات بھی اہم ہوتی ہے۔“

”وہ ہمیشہ کچھ ملائے بغیر پیتا تھا۔“

دلف نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”تم سب لوگوں کی  
آہ کا شکر یہ۔“ آرہی، مہمانوں کو دروازے تک رخصت کر  
کے آؤ۔“

وہ سب جانے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے پھر اس  
نے پورے سے کہا کہ وہ کچھ دیر کے لیے رک جائے۔ میں  
باقی دونوں مہمانوں کو دروازے تک چھوڑ کر واپس آیا لیکن  
ان دونوں کے درمیان ہونے والی سرگوشیاں سن سن سکا۔  
پورے کے جانے کے بعد وہ دلف بھی سونے کے لیے جانے  
لگا۔ میں نے اس سے پوچھنے کی کوشش کی کہ وہ پورے سے  
کیا باتیں کر رہا تھا لیکن وہ کوئی جواب دے بغیر چلا گیا۔

اگلے روز میں جلدی اٹھ گیا لیکن میرے پاس کرنے  
کے لیے کچھ نہیں تھا۔ گیارہ بجے دلف دفتر آیا تو میں نے  
پتہ اٹھایا اور اس کی ہدایات کا انتظار کرنے لگا۔

”سب سے پہلے یہ معلوم کرو۔“ اس نے کہا۔  
”راک ویل کی آخری رسومات کب اور کہاں ادا کی جائیں  
گی۔“

”جب تک انہیں موت کی وجہ معلوم نہیں ہو جاتی۔ وہ  
لاش تدفین کے لیے روتا کے حوالے نہیں کریں گے۔“  
”مجھے امید ہے کہ اب تک انہیں یہ معلوم ہو گیا ہو  
گا۔“

”اور کچھ؟“ میں نے پوچھا۔  
”سائمن کو فون کر کے کہو کہ وہ فوراً یہاں پہنچ  
جائے۔ اس کے بعد ان لوگوں کے بارے میں معلوم کر دو جو  
حالی میں جیل سے رہا ہوئے ہیں۔ کوشش کرو کہ ان میں  
سے کسی ایک کی مجھ سے ملاقات ہو جائے۔“

میں نے سب سے پہلے پورے کا نمبر ملا یا اور اس  
سے معلوم کرنے کے بعد دلف کو بتا دیا کہ راک ویل کی  
آخری رسومات اگلے روز دوپہر میں اپٹن ہاؤس میں ادا  
کی جائیں گی۔ جو چورانوے دیں اسٹریٹ پر واقع ہے۔

اس کے بعد میں خود پیدل چل کر پورے سے ملنے گیا جس  
نے مجھے بتایا کہ کس طرح ان تین میں سے دو سابق قیدیوں  
سے میرا رابطہ ہو سکتا ہے۔ تیسرے کو ٹیل سے براہ راست  
ہسپتال لے جایا گیا جہاں وہ زیر علاج تھا۔

وہ دونوں ٹھیک چھ بجے دلف کے دفتر پہنچ گئے۔  
میں نے اسکات سے ان کی تواضع کی اور ابھی انہوں نے دو  
کھنٹ ہی لیے ہوں گے کہ دلف بھی آ گیا۔ اس نے  
حسب عادت اپنے لیے بیئر منگوائی اور ان دونوں کا شکر یہ

بے وفائیاں  
ادا کیا۔ میں نے ان دونوں کا تعارف بلیئر سیکر اور ڈیوک  
شیر جلا کے نام سے کر دیا۔ بلیئر نے گہرے رنگ کا سوٹ  
اور سیاہ ٹائی باندھ رکھی تھی جبکہ ڈیوک کے سر پر ایک بال بھی  
نہیں تھا۔ اس نے نیلے رنگ کی ٹیٹ اور اسی رنگ کی جینز  
پکٹن رکھی تھی۔

دلف نے کہا۔ ”تم جانتے ہو کہ میں نے تمہیں کیوں  
بلا یا ہے؟“

”اسی باسٹر ڈراک ویل کے بارے میں۔“ ڈیوک  
نے کہا۔

”مجھے بتایا گیا ہے کہ تم میں سے کسی ایک نے اسے  
جان سے مارنے کی بات کی تھی۔“

”وہ میں تھا۔“ ڈیوک نے کہا۔ ”لیکن کسی اور نے  
میری جگہ یہ کام کر دیا۔ اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ وہ کون ہے  
تو میں اسے ڈر کر داؤں گا۔“ اس نے بلیئر کی طرف دیکھتے  
ہوئے کہا۔ ”کیا وہ تم تھے؟“

”نہیں۔“ اس نے جواب دیا۔ ”اس نے مجھے بالکل  
سچ کر فدا کر دیا تھا۔ مجھے اس سے کوئی شکایت نہیں تھی۔“

دلف نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”واقعی یہ قابل  
تعریف رویہ ہے۔“

”لیکن تم اس میں اتنی دلچسپی کیوں لے رہے ہو؟“  
ڈیوک نے پوچھا۔

دلف نے مجھے اشارہ کیا۔ میں نے کہا۔ ”اس کی  
لاش ایک باکس میں بند کر کے قیڈیکس کے ذریعے یہاں  
بھیجی گئی اور اس پر پیر انام درج تھا۔“

”یہ بہت بڑی سہ عزتی تھی۔“ دلف نے کہا۔ ”اور  
ساتھ ہی ہمارے لیے لپٹ بھی، چاہے قاتل کا یہ مطلب نہ  
ہو۔“

”مجھے امید ہے کہ تم مجھ پر شک نہیں کر رہے ہو  
گے۔“ بلیئر نے پریشان ہوتے ہوئے کہا۔

”نہیں، میں نہیں سمجھتا کہ تم دونوں میں سے کسی نے  
اسے قتل کیا ہوگا۔ میرا خیال ہے کہ میں قاتل کو جانتا ہوں۔“

یہ میرے لیے ایک نئی اطلاع تھی۔ ان دونوں نے  
ایک ساتھ پوچھا۔ ”وہ کون ہے؟“

”ابھی کچھ کہنا نکل از دقت ہوگا۔“ دلف نے جواب  
دیا۔ ”کوکہ میں اپنے آپ کو درست سمجھتا ہوں لیکن  
دوسرے امکانات بھی ہو سکتے ہیں۔ اس لیے مجھے مزید  
معلومات درکار ہیں۔“

”جب تم اسے پکڑ لو تو مجھے بتا دینا۔ میں اس کی مدد  
کے لیے ہوں گا۔“



کرنا چاہتا ہوں۔“

”کیسی مدد؟“

”میں نے کئی سالوں کی بچت کے بعد کچھ پیسے جمع کیے ہیں۔ میں اس کے لیے کسی اچھے دیکل کا انتظام کرنا چاہتا ہوں۔“

”ٹھیک ہے جب وہ وقت آیا تو تم دونوں کو بلاؤں گا۔ اب تم جا سکتے ہو۔“

ان کے جانے کے بعد میں نے وولف سے قاتل کا نام پوچھا تو وہ بولا۔ ”ابھی نہیں آرہی۔ فی الحال مجھے صرف شک ہے۔ کیا تم نے سالوں کو کون کیا؟“

”ہاں، وہ کسی جگہ مصروف ہے۔ تھوڑی دیر میں پہنچ جائے گا۔“

سالوں نے آتے ہی کھانے کے بارے میں پوچھا۔ اسے بہت زور کی جھوک لگ رہی تھی۔ جب وہ کھانے سے فارغ ہو گیا تو وولف نے اسے اس کام کے بارے میں بتایا جس کے لیے اسے بلایا تھا۔ میرا خیال تھا کہ اس کے جانے کے بعد وہ حسب معمول مطالعے میں مصروف ہو جائے گا لیکن اس کے بجائے اس نے مجھ سے کہا۔

”تمہیں معلوم ہے کہ کل صبح کیا کرتا ہے۔“

”میرا خیال ہے کہ تم مجھے راک ویل کی تدفین میں شرکت کے لیے کہو گے۔“

”نہیں، تمہیں جو کام کرنا ہے۔ وہ تدفین کے دوران ہی ہو سکتا ہے۔ اس کے لیے تمہیں چاہیوں کی ضرورت ہو گی۔ میرا خیال ہے کہ تم مجھ کے ہونے۔“

اس کا اشارہ بالکل واضح تھا۔ مجھے راک ویل کے مگر میں داخل ہونا تھا۔ اس میں کوئی مشکل پیش نہیں آئی۔ تالا آسانی سے کھل گیا۔ میں ایک بڑے اپارٹمنٹ میں قدم رکھ چکا تھا جس میں جگہ کی مناسبت سے بہت کم فرنیچر تھا۔ ایک کاؤچ، آکرام کرسی، ایک بڑی میز اور بار۔ یونٹ روم میں ایک بڑے سائز کا ٹی وی رکھا ہوا تھا۔ باقی گھر کا بھی یہی حال تھا۔ البتہ بڑے بیڈ روم کی دیواریں پر کچھ فلمی پوسٹر لگے ہوئے تھے، ان میں انیسویں نمایاں تھی۔

وولف نے مجھے جن چیزیں تلاش کرنے کے لیے کہا تھا۔ اسے امید تھی کہ ان میں سے ایک تو مجھے ہی مل جائے گی۔ ان میں سے ایک ڈسکی کی بوتل تھی جو مجھے بار کے پیچھے ایک شیلف میں رکھی ہوئی تھی۔ وہ آدمی بھری ہوئی تھی۔ میں نے اسے ایک چھوٹے سے سفری تھیمے میں رکھ لیا جو میں اپنے

ساتھ لایا تھا۔ مجھے نہیں معلوم کہ وولف کو اس کی ضرورت کیوں پیش آئی جبکہ راک ویل کو ہر شے دیا گیا تھا۔

اس کی فہرست میں دوسرا نام شیٹے کے ٹوٹے ہوئے گلاس کا تھا جو مجھے کہیں نہیں ملا جبکہ میں نے کمرے کے ڈبے میں بھی دیکھ لیا۔ تیسری چیز کے بارے میں اس نے ایک اندازہ لگا دیا تھا لیکن اسے شاید کرایہ میں اسے تلاش نہ کر سکوں لیکن ہماری خوش قسمتی تھی کہ میں نے اسے تلاش کر لیا۔ وہ چیز مجھے ماسٹر بیڈ روم کی دروازے سے ملی۔

جب میں واپس آیا تو وولف اپنے کمرے میں جا چکا تھا۔ میں نے دسکی کی بوتل اس کی میز پر رکھی اور کچن میں جھانک کر دیکھا۔ فرنیچر نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”تم ٹھیک وقت پر آئے۔ کھانا تیار ہے۔“

اس وقت تک سالوں بھی واپس آ چکا تھا۔ اس نے رپورٹ دیتے ہوئے کہا۔ ”این راک ویل نے اس خبر کا گہرا اثر لیا ہے۔ جب میں نے بتایا کہ اس کے باپ کا کٹن ہو گیا ہے تو وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔“

”اور اس کی ماں؟“

”اس کے بارے میں کچھ کہنا مشکل ہے۔ لیکن یہی ہے کہ وہ اب بھی اپنے سابق شوہر سے محبت کرتی ہے۔“

”یہ تم کیسے جانتے ہو؟“

”اس نے مجھے بتایا تھا۔ یہ سن کر وہ بہت پریشان ہوئی کہ راک ویل کا کٹن ہو گیا ہے۔“

سالوں کے جانے کے بعد میں توقع کر رہا تھا کہ اب وولف اپنا باقی وقت میرے اور کوئی کتاب پڑھنے میں گزار دے گا لیکن اس کے بجائے اس نے کہا۔ ”آرہی مگن رات نو بجے ایک مینٹگ رکھ لو۔ اس میں مزر راک ویل، سیٹر، بیٹر، ایکسچر کریم اور سارنٹ اسٹیکر کو بھی بلاؤ گے۔“

”اس کے علاوہ کوئی اور؟“

”جیسا کہ تم نے سن لیا ہوگا کہ سالوں اپنے ساتھ این راک ویل اور اس کی ماں این فورم کو لے کر آئے گے۔“

میں نے دوسرے دن صبح دس بجے ان لوگوں سے ٹیلی فون پر رابطہ کیا اور اس میں مجھے کوئی دشواری نہیں ہوئی۔

بلیئر اور ڈیوک نے فوراً ہی آئے پر رضامندی ظاہر کر دی۔ اسی طرح کریم نے بھی آئے کا وعدہ کر لیا۔ اب میری فہرست میں آخری نام انیسویں کا تھا اور مجھے یقین تھا کہ اسے بھی آنے پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا لیکن میرا خیال غلط نکلا۔ وہ کہہ رہی تھی۔ ”آرہی! میں نہیں آسکتی۔ آج رات ساڑھے آٹھ بجے میں لندن جاری ہوں۔“

”لیکن کیوں؟“

”اب میرے لیے یہاں کچھ باقی نہیں رہا۔ مجھے امید ہے کہ لندن یا اس کے قریب وجہ میں رہنے کے لیے کوئی جگہ مل جائے گی۔“

میں نے اس سے ہمدردی کا اظہار کیا لیکن مجھے اپنا کام بھی کرنا تھا۔ اس لیے میں نے اس سے کہا۔ ”کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ تم مینٹگ کے بعد کسی پروانے سے چلی جاؤ؟“

اس نے ایک گہری سانس لی اور بولی۔ ”ٹھیک ہے آرہی، میں کوشش کروں گی۔“

”تمہیں معلوم ہے۔“ میں کہنے والا تھا کہ وولف اس مینٹگ میں اس کے شوہر کے قاتل کی نشاندہی کرے گا لیکن اس نے اس سے پہلے ہی فون رکھ دیا۔

گیارہ بجے وولف دفتر آیا تو میں نے اسے ان چاروں سے ہونے والی گفتگو کے بارے میں بتا دیا۔ میری بات سننے کے بعد اس نے کہا۔ ”کریم کو کون کر دو۔“

”دوبارہ؟ مگر کیوں؟“

”دیکھن ہے کہ یہ غیر ضروری ہو لیکن میں کوئی خطرہ ہول لین نہیں چاہتا۔“

☆ ☆ ☆

کریم ہمیشہ کی طرح وقت سے پہلے آ گیا لیکن اس مرتبہ وہ تنہا تھا۔ اس کے بعد آنے والا سالوں تھا۔ اس کے ہمراہ ایک درمیانی عمر کی پریشش عورت اور فوجی وردی میں لمبوس ایک لوجوان شخص بھی تھا۔ میں نے انہیں شروپاٹ پیش کیے اور مہمانوں کا استقبال کرنے کے لیے دوبارہ بیرونی دروازے پر چلا گیا۔

بلیئر، سیٹر اور ڈیوک شیر بلا تھے۔ انہوں نے کوئی تکلف نہیں کیا اور خود ہی اس کاچ بنا کر چپے لگے۔ وہ سب زورورنگ کی کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔

”میزبان کہاں ہے؟“ ڈیوک نے کہا۔

”سب لوگ آ جا رہے تو وہ بھی یہاں ہوگا۔“ میں نے کہا۔

”ہاں، ایک مہمان کا انتظار ہو رہا ہے۔“

میں انی وقت دروازے کی کھنٹی بجی۔ میں نے پیپ ہول سے دیکھا۔ وہ انیسویں ہی تھی اور اس کے برابر میں سارنٹ بیڈرے کھڑا ہوا تھا۔ میں نے ان کے لیے دروازہ کھولا اور وولف کو بلانے کے لیے کھنٹی بجادی۔ وہ فوراً ہی آ گیا۔

”تم سب لوگوں کی آمد کا شکریہ۔“ اس نے اپنی کرسی پر بیٹھے ہوئے کہا۔ ”تم میں سے زیادہ تر لوگ جانتے ہیں کہ ٹیفینٹ جارج راک ویل کی لاش ایک باکس میں بند کر کے لیڈ ٹیکس کے ذریعے مسٹر گڈون کے نام پر یہاں بھیجی گئی تھی۔“

یہ وفانی

ایسی خوف زدہ نظر آنے لگی۔ ”مجھے یہ بات معلوم نہیں تھی۔“

”ٹھیک ہے۔ اب تو معلوم ہو گئی۔“ وولف نے جواب دیا۔ ”میں بڑی سنجیدگی سے قاتل کو تلاش کر رہا تھا۔ سب سے پہلا کام میں نے یہ کیا کہ کچھ مشتہر افراد سے ملنے کا پروگرام بنایا اور ان سے انٹرویو کرنے مسٹر جنرل کو بھیجا۔ ان میں سے دو اس وقت یہاں موجود ہیں۔ میں آرہی سے کہوں گا کہ وہ سب لوگوں کا تعارف کروا دے۔“

تعارف کا مرحلہ ختم ہوا تو اس نے دوبارہ بولنا شروع کیا۔ ”میں نے ایک نظریہ قائم کیا تھا کہ یہ قاتل کس طرح ہوا ہوگا لیکن وہ محض ایک نظریہ ہی تھا۔“ پھر وہ کریم سے مخاطب ہوتے ہوئے بولا۔ ”کیا میڈیکل ایگزامینر نے تصدیق کر دی کہ یہ قاتل کس طرح کیا گیا؟“

”ہاں، تمہارا خیال درست تھا۔“

”اب ہم اس کے متقدد اور طریقے پر بات کرتے ہیں۔ اس میں عرق کی کمی محسوس ہو رہی تھی کہ آرہی کی کوشش سے اس کا بھی پتا چل گیا۔“

”کافی حسید ہو گئی۔“ کریم نے چڑچڑے پن سے کہا۔ ”اب اصلی بات بتاؤ۔“

وولف نے میز کا کھونٹ لیٹے کے بعد دراز کھول کر رائی دسکی کی بوتل نکالی اور اسے میز پر رکھ دیا۔ پھر اس نے وہ چیزیں نامیں جو مجھے راک ویل کے اپارٹمنٹ سے ملی تھیں کو کہ سالوں کی معرفت راک ویل کی دوسری بیوی یہ بیان دینے پر تیار ہو گئی تھی کہ وہ یہ چیزیں وولف کو دینے کے لیے لائی تھی تاکہ کم پر لقب زنی اور راک ویل کے گھر میں داخل ہونے کا الزام نہ آئے۔ میں نے وہ کاغذ کا تھیلہ وولف کو دے دیا۔

اس نے دوبارہ کہنا شروع کیا۔ ”جب یہ راک کے میڈیکل ایگزامینر نے راک ویل کی لاش کا معائنہ کیا تو معلوم ہوا کہ اس کی آنتیں بری طرح کی ہوئی تھیں۔ جس کی وجہ سے خون تیزی سے بہا اور اس کی موت واقع ہو گئی۔“

یہ سنتے ہی دونوں خواتین یعنی راک ویل کی دوسری بیوی اینیلین اور انیسویں نے رونا شروع کر دیا۔ وولف کا منہ بن گیا۔ اس نے گلاس میں موجود بیئر ختم کی اور بولا۔ ”کیا تم دونوں اپنے آپ پر تباہ نہیں رکھ سکتیں؟“ انیسویں نے فوراً رونا بند کر دیا اور اینیلین بھی رومال سے آنکھیں صاف کرنے لگی۔

”مگر یہ۔“ اب میں جو کچھ بتانے جا رہا ہوں، وہ تم میں سے کچھ لوگوں کے لیے باعث حیرت ہوگا۔ کیونکہ اس

جاسوسی ڈائجسٹ 139 نومبر 2018ء

جاسوسی ڈائجسٹ 138 نومبر 2018ء

https://reading.caretotofun.net for more digests and novels



# انوکھا انتقام

تمسکین رضا

جذبہ اضی لوگ انتہائی حساس طبیعت کے مالک ہوتے ہیں... ذرا سی ٹھنہ لگنے سے وہ ٹوٹ پھوٹ جاتے ہیں... ایک ایسے ہی محبت گزیدہ کا ماجرا... وہ محبت کے سونے میں دو بار دھوکا کھا چکا تھا... اس ستم طریقے نے اس کے ذہن و دل کو ہلا کر رکھ دیا...

سوچیں ہی سوچیں میں علی صورت اختیار کرنے والی سنسنی خیز واردات

سراسر رساں انسپکٹر کرشن کینیڈی اپنے باس سپرنٹنڈنٹ تھامس کیسل کے ساتھ اس کے دفتر میں میٹنگ کر رہا تھا کہ انہیں اس پراسرار موت کی اطلاع ملی۔ مرنے والا جون سالہ ایڈم ایڈمز کیڈن ٹاؤن اور ریجنٹ پارک کے درمیان واقع ایک عمارت کی بالائی منزل کے فلیٹ میں مقیم تھا۔ کینیڈی کے خیال میں یہ ممکنہ حد تک ایک آسان کیس تھا جس میں انہیں پہلے ہی کس جوڑی جوڑی کو ایسی مل گئی تھی اور اس کے نتیجے میں کینیڈی بڑی آسانی سے ایک



آکر کھڑا ہو گیا۔ کریم بھی اس کے پاس آ گیا اور اس کے حقوق پڑھنا شروع کر دیے جو کس مزم کو گرفتاری کے وقت سنائے جاتے ہیں۔ ڈیوگ نے اپنی جگہ سے اٹھ کر اسٹیشی کا ہاتھ پکڑا اور کہنے لگا۔

”میں تمہارا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں۔ میں خود اسے قتل کرنا چاہ رہا تھا لیکن تم نے مجھ سے بہتر طریقے پر یہ کام انجام دیا۔ اب میں تمہارے وکیل کی فیس ادا کرنا چاہتا ہوں۔ تم پر اسے واپس کرنے کی فتنے داری نہیں ہوگی۔ یہ میری طرف سے تمہارے لیے ایک تحفہ ہے۔“

دولف نے ایک خط ڈیوگ کو دیتے ہوئے کہا۔ ”یہ مسٹر بارکر کے لیے ہے۔ وہ میرا وکیل ہے اور میں چاہوں گا کہ تم اس کیس میں اس کی خدمات حاصل کرو۔“

میں نے پہلی بار دولف کو ایسا کرتے ہوئے دیکھا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ واقعی اسٹیشی کو پسند کرتا ہے۔ کوکر اس نے راک ویل کی لاش نہیں بھیج کر اسے غصہ دلا یا تھا لیکن اس کا مطلب یہ تھا کہ اب انسپکٹنٹ ہم دونوں میں سے کسی کو بھی پریشان نہیں کر سکے گا۔

کریم اور ہنور سے، اسٹیشی کو پولیس اسٹیشن لے جانے لگے تو دولف بولا۔ ”جانے سے پہلے میں اسٹیشی سے ایک سوال پوچھنا چاہوں گا۔“

”ضرور؟“ کریم نے کہا۔ ”لیکن مجھے یقین ہے کہ اس کے پاس تمہارے کسی سوال کا جواب نہیں ہوگا۔“

”اسٹیشی، تم نے اپنے شوہر کی لاش ڈیوگس کے ذریعے آر جی کو کیوں بھیجی؟“

وہ مسکراتے ہوئے بولی۔ ”تاکہ اس کے ثبوت کو معلوم ہو جائے کہ اس کی لاش ایسے دو لوگوں کو بھیجی گئی جن سے وہ نفرت کرتا تھا۔“

اس کا یہ بے معنی جواب مجھے مطمئن نہ کر سکا اور میں سمجھ گیا کہ اس نے صرف پولیس کو چمکانا دینے کی کوشش کی تھی کیونکہ اگر اس کے گھر سے لاش برآمد ہوتی تو پولیس جانتے و قعد کا معائنہ کرتی اور تلاش کے دوران سارے ثبوت ہاتھ آ جاتے جو میں بعد میں دہان سے لے کر آیا تھا۔

جانے سے پہلے اس نے دولف سے کہا۔ ”شاید تم یہ جانتا پسند کرو کہ میں بھی آدمی سسٹین ہوں اور سسلی کے لوگ کسی نہ کسی انداز میں مانگا سے جڑے ہوتے ہیں جو اپنے مجرم کو بھی معاف نہیں کرتے۔ راک ویل نے مجھے دھوکا دیا۔ وہ اسی سزا کا مستحق تھا۔“

سے پہلے بالکل اسی طرح ایک قتل ہو چکا ہے اور انسپکٹنٹ راک ویل ہی جانتا تھا کہ مقتول یا مقتولہ کس طرح قتل ہوئی تھی۔“

کریم نے تائید کرتے ہوئے کہا۔ ”تم کر دینی کیس کی بات کر رہے ہو۔“

”ہاں۔“ دولف نے کہا۔ ”میں نہیں اس کی تفصیل یاد ہے؟“

”ہاں، جو لیس کرومی ایک سرمایہ کار تھا۔ اس کی بیوی کو معلوم ہو گیا کہ وہ اس سے بے وفائی کر رہا ہے۔ وہ سسلی کی رہنے والی تھی اور تم جانتے ہو کہ ان کے بارے میں کیا کہا جاتا ہے؟“

میں نے جواب دیا۔ ”اگر تم مانیا میں نہیں ہو تو تمہارا بھائی اس میں ضرور ہوگا۔“

”ہاں، لہذا مسز کوئی نے شوہر سے انتقام لینے کی خاطر اس کی دسکی میں شیش پھینک دیا اور جب کوئی نے وہ مشروب پیا تو چند لمحوں بعد اس کا سر بھی راک ویل جیسا ہوا۔ اس کی استریاں بڑی طرح پھٹ گئیں۔“

اس مرحلے پر اسٹیشی بے ہوش ہو گئی۔ میں جلدی سے برف لے کر آیا اور اسے ایک ٹینک میں لپیٹ کر اس کے ہوتوں پر ملنا شروع کیا۔ اس نے چند سیکنڈ بعد آنکھیں کھول دیں۔ اس دوران دولف بڑے غور سے ایلین فورسٹر کو دیکھتا رہا جو اسٹیشی کو غصے اور نفرت سے گھور رہی تھی۔

جب سب لوگ دوبارہ اپنی جگہ پر بیٹھ گئے تو دولف بولا۔ ”مجھے امید ہے کہ آج کے ذرائع کا اہتمام قریب آ گیا ہے۔ یہ تو ہمیں معلوم ہو گیا کہ یہ قتل کس طرح کیا گیا۔ اب ہمیں یہ جانتا ہے کہ یہ قتل کس نے کیا اور اس کا محرک کیا تھا۔“ یہ کہہ کر اس نے غصوں کا بٹل اٹھایا اور ایلین فورسٹر کو دیتے ہوئے بولا۔

”کیا تم انہیں پہچانتی ہو؟“

”اوہ ہاں۔ یہ وہ خطوط ہیں جو میں اور جارج ایک دوسرے کو لکھتا کرتے تھے۔ اس نے مجھے بتایا تھا کہ وہ اپنی موجودہ بیوی کو چھوڑ کر مجھ سے دوبارہ شادی کرنا چاہتا ہے۔“

”پھر تم نے اسے کیا جواب دیا؟“

”ظاہر ہے کہ میرا جواب ہاں میں تھا۔ میں اس سے علیحدہ ہونے کا باوجود حجت کرتی تھی۔“

دولف نے کریم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ”اب تمہیں قتل کا محرک بھی معلوم ہو گیا۔“

ہنور نے اپنی جگہ سے اٹھا اور اسٹیشی کے عقب میں



مطہ شخص ڈیرن برہمن تک پہنچ سکتا تھا۔  
 کینیڈی کو اطمینان تھا کہ وہ جانے دوغہ پر پہنچے کے  
 چہرہ منوں کے اندر ہی یہ معاملہ کر لے گا۔ اسے اس بات کی  
 خوشی تھی کہ ہاس کے سامنے اسے اپنی بھارت دکھانے کا  
 موقع مل رہا ہے۔ وہی پیرٹنڈنٹ کیسل اس کے دفتر میں  
 بیٹھا ہفتہ واری میٹنگ کر رہا تھا جس میں مختلف پیشہ ورانہ  
 امور پر گفتگو ہوتی تھی۔ اس وقت ان کا خاص موضوع کینیڈن  
 ٹاؤن کے علاقے میں بڑھتے ہوئے اسٹریٹ کرانم پر تھا۔  
 اس سے پہلے کہ کینیڈی اس بارے میں اپنا موقف بیان کرتا  
 کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بجی اور انہیں بتایا گیا کہ اس علاقے میں  
 ایک اور واردات ہو گئی ہے۔  
 چند منٹ بعد ہی وہ ریجنٹ پارک ٹیرس کے باہر  
 کھڑے ہوئے تھے۔ یہ جگہ تاریخہ برج ہاؤس سے بہت  
 قریب تھی جو کینیڈن سی آئی ڈی کا مرکز تھا۔ کینیڈی نے  
 علاقے کے بیشتر مکانات پر برائے فردخت کے بورڈ لگے  
 دیکھے اور سوچے لگا کہ پولیس کی نقل و حرکت اور ایک لاش کی  
 برآمدگی سے شاید ان مکانات کی قیمت گر جائے۔  
 کینیڈی اور کیسل سب سے پہلے جوڑی جونز سے  
 ملے گئے۔ وہ ایک پرنکشن اور چائیں پیتا بیس سالہ  
 عورت تھی اور اسے دیکھ کر لوگ یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتے کہ  
 وہ ابھی تک منگل کیوں ہے۔ اس عورت نے سبے رنگ کا  
 بیل باؤم اور بلاؤڈ جین رکھا تھا جس میں اس کے جسمانی  
 خطوط نمایاں ہو رہے تھے۔ اس نے فوٹ کیا کہ کیسل کی  
 نظرس اس کے کھلے ہوئے گلے پر جم کر رہ گئی ہیں۔  
 کینیڈی کو حیرت ہو رہی تھی کہ کیسل اس نظارے میں  
 اشتباہ ہوا کہ اس کا دھیان اصل مقصد سے مٹ گیا چنانچہ  
 مجبوراً اسے ہی کہنا پڑا۔ ”میرا خیال ہے کہ ہم شروع سے  
 ابتدا کرتے ہیں۔“  
 جوڑی نے کہا شروع کیا۔ ”وہ ہمیشہ لاتے رہتے  
 تھے۔ جب بھی ان دونوں کا میز چھوٹا پر سامنا ہوتا تو ایڈم  
 اسے بڑا بھلا کہنا شروع کر دیتا۔ اس عمارت میں ہم تین  
 افراد ہی رہتے ہیں۔ اس لیے آئے دن کا یہ بھڑا میرے  
 لیے ناقابل برداشت تھا۔“  
 ”شروع سے تھا، ہم پوری بات جانتا چاہتے ہیں۔  
 عام طور پر ان کے درمیان کیا بحث ہوتی تھی؟“  
 ”میری وجہ سے۔“ اس نے سادگی سے جواب دیا۔  
 ”وہ ہمیشہ میری وجہ سے لاتے تھے۔“  
 ”تمہاری وجہ سے؟“ کینیڈی نے پوچھا۔

جوڑی نے بھوس اچکاتے ہوئے کہا۔ ”کیا تمہیں  
 یقین نہیں آ رہا کہ دوسرے لیے بھی لاسکتے ہیں؟“  
 ”نہیں۔ یہ بات نہیں۔“ کینیڈی جلدی سے بولا۔  
 ”میرا مطلب یہ تھا کہ تم اپنے آپ کو بولنے کے لیے تیار  
 کر لو۔“  
 ”اس میں کچھ نہ بولنے والی کوئی بات ہے۔“ اس  
 نے مزید عار کے جواب دیا۔ ”لیکن میں تمہیں شروع  
 سے پوری بات بتا سکتی ہوں۔ یہ کوئی بہت بڑا راز نہیں ہے۔  
 تم خود بھی اپنے طور پر نہیں سے معلوم کر سکتے ہو۔“ پھر اس  
 نے تفصیل بتائی شروع کی۔  
 ”میں نے یہ تلیٹ تقریباً گیارہ برس قبل خریدی تھا۔“  
 اس نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ ”اس وقت  
 قیشیں کچھ زیادہ زیادہ نہیں تھیں، اگر میں بھی ایڈم کی طرح خوش  
 قسمت ہوتی اور پانچ سال پہلے تلیٹ خرید لیتی تو مجھے بہت  
 فائدہ ہوتا لیکن میرے تلیٹ خریدنے کے بعد قیشیں گریں  
 اور اسے مال آجائیں اس کی تلافی نہیں ہو سکی۔ جیسا کہ میں نے  
 بتایا کہ ایڈم مجھ سے پہلے اس عمارت کی بالائی منزل میں  
 آ گیا تھا لیکن ہم پہلے چار برس ایک دوسرے کو نظر انداز  
 کرتے رہے۔“  
 اس بار کیسل نے جوڑی کی جانب بے یقینی سے  
 دیکھا۔ جوڑی اس کی نظروں کا مقہوم سمجھتے ہوئے بولی۔  
 ”ایسا ہو سکتا ہے، جب آپ کسی نئی جگہ شفٹ ہوں تو اپنے  
 آپ کو اپنی محسوس کرنے لگتے ہیں۔ اس سے قطع نظر کہ آپ  
 کا پہلے سے دوستوں کا حلقہ موجود ہے۔ اس لیے آپ نے  
 تعلقات بنانے کی کوشش نہیں کرتے اور جب آپ کو اس کی  
 ضرورت محسوس ہوتی ہے تب تک کافی دقت گزار چکا ہوتا  
 ہے۔ میرے ساتھ بھی یہی ہوا۔ اس طرح چار سال مضام  
 ہو گئے۔“  
 جوڑی نے پہلے کیسل اور پھر کینیڈی کی طرف دیکھا  
 اور بولی۔ ”ہاں، میں اس سے اتفاق کرتی ہوں کہ کیا ایک  
 مرد اور عورت کو چار سال تک ایک دوسرے کو نظر انداز  
 کرنے کے بعد چنانک ہی تعلق قائم کرنے کی طرف بڑھنا  
 چاہیے تھا؟“  
 کینیڈی سوچنے لگا کہ کیا وہ اس سوال کا جواب جانتا  
 چاہ رہی ہے لیکن پھر توقف کے بعد خود ہی بول پڑی۔  
 ”اوہ میں سمجھتی ہوں کہ زندگی کے سوڈ پر ہم اپنے آپ کو  
 غیر محفوظ سمجھتے ہیں اور ہمیں کسی کے سہارے کی ضرورت  
 محسوس ہونے لگتی ہے۔ اس وقت ہم دونوں کی یہی کیفیت

تھی۔ میری ایک شادی شدہ مرد کے ساتھ طویل رفاقت ختم  
 ہوئی تھی جس کے ساتھ میں کام کر رہی تھی۔ آٹھ سال تک  
 تعلق نبھانے کے بعد مجھے احساس ہوا، اور میں نے اس  
 حقیقت کو قبول کر لیا کہ وہ بھی ابھی اپنی بیوی کو نہیں چھوڑے  
 گا۔“  
 ”تمہارے کام کی نوعیت کیا تھی؟“ کینیڈی نے  
 پوچھا۔  
 ”اس وقت میں پورٹریٹ ڈاکی ایٹر ٹریول ایجنسی  
 میں کام کر رہی تھی۔ وہ بہت اچھی ملازمت تھی۔ میں پورے  
 براعظم میں سفر کر کے ایسے مقامات اور ہوٹل تلاش کرتی  
 جہاں تعلیمات کے دوران ہمارے گاہک وقت گزار سکیں۔  
 بد قسمتی سے جب میری اس شخص سے ٹھیکہ ہوئی تو اسی نے  
 مجھ پر زور دیا کہ اب ایک ہی جگہ پر ہم دونوں کا کام کرنا  
 مناسب نہیں ہے اور یہ کہ میں ملازمت سے استعفا دے  
 دوں۔ میں اگر چاہتی تو انکار کر سکتی تھی اور کسی اور سے تعلق  
 قائم کر کے اسے شرم دلاتی لیکن اس وقت میں ذہنی طور پر  
 اس کے لیے تیار نہیں تھی۔ اس لیے وہ ملازمت چھوڑ دی۔  
 اس کے بعد سے میں ایک تجارتی فرم پر سٹل اسسٹنٹ  
 کے طور پر کام کر رہی ہوں۔ یہ نوے پانچ کی جاب ہے اور  
 مجھے معمولی تنخواہ مل رہی ہے۔“  
 کیسل نے بے یقینی سے پہلو ہلانے وہ مطلب کی  
 بات سننے کے لیے بے چین تھا لیکن جوڑی اپنی ہی ذہن میں  
 بولنے جاری تھی۔ ”میں ملازمت ملنے کے بعد میرے پاس  
 اتنا وقت تھا کہ میں ادھر ادھر دیکھ سکوں۔ اتفاق سے ایک  
 دن میرا ایڈم سے ٹکراؤ ہو گیا اور وہ مجھ سے بڑے اخلاق  
 سے پیش آیا۔ ہم گاہے بگاہے میز چھوٹ پر رک کر ایک  
 دوسرے کی حیرت معلوم کرنے لگے۔ وہ دوستانہ انداز میں  
 میری طرف بڑھا اور ہماری گفتگو طویل ہونے لگی۔ ایک  
 شام وہ خاص طور پر مجھ سے ملے بیٹھے آیا تو میں نے اسے  
 اندر بلا لیا۔ اس روز ہم نے ڈنر ساتھ کیا اور کافی دیر باتیں  
 کرتے رہے۔ اس نے مجھے اس عورت کے بارے میں  
 بتایا جس سے اس کی حال ہی میں ٹھیکہ ہوئی تھی۔ وہ بارہ  
 سال سے ڈیننگ کر رہے تھے پھر اس نے کسی اور مرد کی  
 خاطر ایڈم کو چھوڑ دیا اور تین ماہ بعد اس مرد سے شادی کر  
 لی۔ میں نے بھی اسے اپنے بارے میں بتا دیا اور اس کے  
 بعد میں اپنے آپ کو قدرے پرسکون محسوس کرنے لگی۔  
 ”ایک وقت بعد اس نے مجھے ڈنر پر چلنے کی دعوت دی  
 اور اس شام ہمارے درمیان تعلق کا آغاز ہوا۔ پھر ہم

انوکھا انتقام  
 باقاعدگی سے ملے گئے اور میں ہفتے میں دو راتیں اس کے  
 ساتھ گزارتی۔ یہ سلسلہ اگلے تین سال تک چلتا رہا۔ ہم  
 دونوں اس تعلق سے مطمئن تھے۔ مجھے ایک مرد کی رفاقت  
 میسر تھی۔ زندگی کے اس سوڈ پر مجھے احساس ہونے لگا کہ  
 اب میں مرد کے بغیر نہیں رہ سکتی۔  
 ”ایک سال پہلے میں نے اس میں کچھ تبدیلی محسوس  
 کی۔ وہ بہت جلدی بھلانے لگا۔ وہ کمزور ہوتا جا رہا تھا اور  
 آئے دن کسی نہ کسی بیماری کی شکایت کرتا رہتا۔ وہ کئی کئی  
 دن غائب رہتا اور وہاں آ کر بتاتا کہ وہ علاج کے لیے گیا  
 ہوا تھا۔ مجھے اعتراف ہے کہ میں نے اسے مختلف انداز سے  
 دیکھنا شروع کر دیا۔ مجھے احساس ہونے لگا کہ ہمارا تعلق  
 کمزور بنیادوں پر قائم تھا اور ہمارے قریب آنے کی صرف  
 ایک ہی وجہ تھی کہ دونوں ہی ذہن خوردہ اور محبت میں چوٹ  
 کھائے ہوئے تھے۔  
 ”اس کے بعد میں اس سے ناراض رہنے لگی اور اس  
 کی چھوٹی چھوٹی غلطیوں پر ٹوکنا شروع کر دیا اور اپنی غلطیوں  
 پر نظر ڈالنے کی زحمت نہیں کی۔ اس نے دگ لگی تو مجھے اس  
 پر بھی اعتراض ہوا۔ میں چاہتی ہوں کہ عورتیں اپنے میک  
 اپ اور ظاہری آرائش پر کھنٹوں لگا دیتی ہیں لیکن اگر کوئی  
 مرد یہ سب کرے تو وہ غیر فطری لگتا ہے۔“  
 ”یعنی تم دونوں میں ٹھیکہ ہو گئی؟“ کینیڈی نے  
 پوچھا۔  
 ”یہ اتنا آسان نہیں تھا۔“ جوڑی نے کہا۔ ”کیونکہ ہم  
 دونوں ایک ہی عمارت میں رہتے تھے۔ میں نے اس کا صل  
 یہ نکالا کہ ایڈم کو چھوڑ کر چکی منزل پر رہنے والے ڈیرن  
 برہمن سے ملنے لگی۔“  
 ”مسٹر ایڈم سے تعلق ختم ہونے کے کتنے عرصے بعد تم  
 نے مسٹر برہمن سے ملازمت شروع کیا؟“  
 ”یہ تمہاری میری بات ہے کہ اس طرح تم مجھے شک کا  
 فائدہ دے رہے ہو لیکن یہ حقیقت ہے کہ میں نے چند ایک  
 مرتبہ ایڈم سے تعلق ختم کرنے کی ناکام کوشش کی لیکن جیسا  
 کہ بتا چکی ہوں کہ یہ بہت مشکل ہو جاتا ہے جب آپ ایک  
 ہی چھت کے نیچے رہ رہے ہوں اور خاص طور پر اس وقت  
 جب دوسرا فریق ٹھیکہ کی میں مزاحمت کر رہا ہو، میں نہیں  
 چاہتی کہ وہ ساتھ رہے۔ یہ کیوں بعد تھا جبکہ ہمارا تعلق بے حد  
 کمزور ہو چکا تھا۔ لیکن ہے کہ وہ اس معمول کا عادی ہو گیا  
 ہو۔ دیے بھی اس کے خاندان یا قریبی دوستوں میں کوئی  
 نہیں تھا۔ ان حالات میں فرہنگیں ایک دوسرے پر انحصار



”جھجک رہی ہے۔“  
”اس کی ضرورت نہیں۔ میں ٹھیک ہوں۔ ڈیرن بھی آدھے گھنٹے تک گھرا جائے گا۔“ وہ بھی اپنی جگہ پر کھڑی ہو گئی تھی۔

”ٹھیک ہے۔“ کینیڈی نے دروازے کی طرف جاتے ہوئے کہا۔ ”لیکن میں تمہیں یہ بتا دوں کہ ہم تمہارے دروازے کے باہر ایک لیڈی کا نشیل کو ضرور چھوڑیں گے شاید تمہیں اس کی ضرورت پڑ جائے۔“  
چند سیکنڈ بعد کینیڈی اور کیمیل ایڈمز کے قلیٹ کے باہر کھڑے ہوئے تھے۔ ”بظاہر تو یہی لگتا ہے کہ وہ اپنے ہوائے فریڈ کو بچانے کی کوشش کر رہی ہے۔“ کیمیل نے کہا۔

”یہ تم کیسے کہہ سکتے ہو؟“  
کیمیل نے دروازے کی چوکت میں اکھڑی ہوئی کلوزی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ”صاف نظر آ رہا ہے کہ دروازہ توڑا گیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ اندر سے بند تھا اور اسے زور کے ساتھ بند کیا گیا ہوگا جیسا کہ جوڑی نے بھی اعتراف کیا ہے کہ جب اوپر یا نیچے کے قلیٹ کا دروازہ بند کیا جائے تو اسے آواز آتی ہے۔“  
”ممکن ہے۔“ کینیڈی نے تسلیم کیا لیکن وہ اس سے متفق نظر نہیں آ رہا تھا۔

”کیا تم ایسا نہیں سوچ رہے؟“ کیمیل نے پوچھا۔  
”نی الحال کچھ کہنا قبل از وقت ہوگا۔“  
”کیا تم نہیں سمجھتے کہ وہ اس واقعے میں ملوث نہیں ہے ورنہ وہ ہم سے اس کی موت کے بارے میں پوچھتی۔ اسے پہلے سے معلوم تھا کہ وہ مر چکا ہے۔ وہ اور اس کا ہوائے فریڈ اوپر گئے اور انہوں نے ایڈمز کا خون کر دیا۔ اس کے بعد انہوں نے باہر کا دروازہ زور سے بند کیا اور اپنے قلیٹ پر جا کر ہمیں اطلاع دی جبکہ اس کا ہوائے فریڈ جانے دعوہ سے اپنی غیر موجودگی ظاہر کرنے کے لیے کہیں چلا گیا۔“

”بہت دلچسپ کہانی ہے۔“ کینیڈی نے کہا۔  
”تمہارے خیال میں اس کل کا محرک کیا ہو سکتا ہے؟“  
”اس قلیٹ کی قیمت کیا ہو گی؟“ کیمیل نے دروازے کی دالیز پار کر کے ہال کی چھت پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا۔ ”پانچ لاکھ ڈالر یا چھ لاکھ بھی ہو سکتی ہے اور یہی اس کل کا محرک ہو سکتا ہے۔“  
”مجھے یقین ہے کہ جوڑی نے اپنے صحن کا چادو چلا کر ایڈمز کو بھجور کر دیا ہوگا کہ وہ اپنی وصیت میں یہ قلیٹ اس کے نام کر دے۔“

”میں ایسا لگا کر بے پروائی سے سامان بٹایا جا رہا ہے۔ کچھ زوردار دم کی آوازیں، جھوڑی سی تیز چٹخ چٹا اور پھر اس میں اضافہ ہو گیا۔“  
”کیا تم انداز آتا سکتی ہو کہ اوپر کتنے لوگ تھے اور وہ کیا کہہ رہے تھے؟“ کینیڈی نے پوچھا۔

”میرا خیال ہے کہ وہ دو آدمی تھے لیکن میں یہ نہیں سن سکی کہ کیا کہا جا رہا تھا۔ البتہ جتنے چلانے کی آواز ایڈمز کی تھی پھر میں نے واضح طور پر سنا۔“ نہیں، نہیں، یہ مت کرو“  
پھر ایک زوردار بھیا بک فتح سنائی دی اور اس کے بعد خاموشی چھا گئی۔ ”جوڑی نے کہا اور مزید کچھ کہنے سے پہلے کھڑی پر نظر ڈالی۔ ”میں خوف زدہ ہوئی تھی۔ ڈیرن آٹھ بجے کام سے واپس آئے۔ اس لیے میں نے پولیس کو فون کر دیا اور جم لوگ فوراً ہی آ گئے۔“

”کیا تم یہ آوازیں سننے کے بعد اوپر مچی تھیں؟“  
کینیڈی نے پوچھا۔  
”ہاں، میں فون کرنے کے بعد میں اوپر مچی تھی لیکن اس کے قلیٹ کا دروازہ قفل تھا۔ لہذا میں واپس نیچے آ کر تمہارا انتظار کرنے لگی۔“

”کیا تمہارے پاس اس کے قلیٹ کی چابی نہیں تھی؟“  
”نہیں، ایک دفعہ ہم نے چابیوں کے تبادلے کے بارے میں گفتگو کی تھی لیکن اس کی کوئی خاص ضرورت نہیں تھی۔ اس لیے اس پر زور نہیں دیا۔“  
”کیا تم نے اوپر یا نیچے کے قلیٹ کے کسی دروازے کے بند ہونے کی آواز سنی تھی؟“

”جب مسٹر ایڈمز یا مسٹر ڈیرن اپنے قلیٹ کا دروازہ بند کرتے ہیں تو ہمیں اس کی آواز آتی ہے؟“

”ہاں، جب وہ دروازے کا تالا لگا رہے ہوتے ہیں تو انہیں جھوڑی سی زانگ قوت لگتا ہوتی ہے تاکہ یہ اطمینان ہو جائے کہ دروازہ پوری طرح قفل ہو گیا ہے۔“  
”جس وقت یہ گڑبڑ ہوتی تو تمہارا ریڈیو یا بی وی چل رہا تھا؟“

”نہیں، جیسا کہ میں بتا چکی ہوں یہ ہنگامہ میرے کچنے کے جھوڑی دیر بعد ہی شروع ہو گیا تھا اور بمشکل پانچ منٹ جاری رہا۔“  
”کھڑی ہوئی۔“ کینیڈی نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ ”ہم تمہاری حفاظت کے لیے ایک لیڈی کا نشیل

کیا۔ میں زخم خوردہ اور پریشان تھی۔ میں نے اس سے کہا کہ وہ رات کو میرے پاس ہی رہے کیونکہ ڈرکی وجہ سے میں تنہا نہیں رہنا چاہتی تھی۔ مجھے غلط سمجھا۔ میں اس کے علاوہ کچھ نہیں چاہ رہی تھی کہ کوئی میرے ساتھ رہے۔ ڈیرن اس پر تیار ہو گیا لیکن اس کا کہنا تھا کہ وہ صوفے پر سونے گا۔ اس کے بعد ہم بہت اچھے دوست بن گئے اور رفتہ رفتہ ایک دوسرے سے محبت کرنے لگے۔“

”اوہ۔۔۔۔۔“ کینیڈی نے چمکتے ہوئے کہا۔  
”میں نے ہمیشہ ایسی ہی محبت کا خواب دیکھا تھا۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ ڈیرن نے مجھے شادی کی پیشکش کر دی جسے میں نے فوراً ہی قبول کر لیا کیونکہ میں تو یہی چاہتی تھی۔ اس کے بعد ہم نے آئندہ زندگی کے بارے میں منصوبے بنانا شروع کر دیے۔ ہم اس پر متفق ہو گئے کہ دونوں قلیٹ فروخت کر کے کہیں اور چلے جائیں گے یا ایڈمز کا قلیٹ خریدنے کی کوشش کریں گے۔ جب ایڈمز سے بات کرنے کا وقت آیا تو میں وہاں سے چلی آئی اور ڈیرن کے ذمے یہ کام لگا دیا۔“

”اور مسٹر ایڈمز کو یہ کیسی یاد نہیں آیا ہوگا؟“  
”ہاں، یہ جارحانہ ہفتے پہلے کی بات ہے جب ڈیرن نے یہ قصہ چھپا کر ایڈمز نے غصے میں آ کر اسے اپنے قلیٹ سے نکال دیا۔ اس کے بعد جب بھی ان کا آتنا سامنا ہوتا تو ان کے درمیان جتنے چلانے کا مقابلہ شروع ہو جاتا لیکن ایک ہفتے قبل ایڈمز کے کچے میں واضح تبدیلی نظر آئی۔ اس نے ڈیرن کو اپنے قلیٹ میں بند کر دیا اور اس کی بہت اچھی طرح خاطر بردارادت کی۔ اس نے کہا کہ وہ اپنی خند ارادہ کو ہمیشہ پشت ڈال کر معاہدہ کرنے پر تیار ہے۔ ہمارے درمیان بے طے پایا کہ ہم اس کا قلیٹ یا وہ ہمارے دونوں قلیٹ خرید لے۔“

”اس معاہدے کے تحت ہمیں کسی اسٹیٹ ایجنٹ سے رابطہ کرنا تھا تاکہ وہ ان قلیٹوں کی قیمت لگا سکے۔ اس کے لیے ایک قریبی ایجنٹ میک کیلے ایڈ ایسوی ایش کی خدمات حاصل کی گئیں۔ قیمتوں کا تعین ہونے کے بعد ہم پہلے اسے یہ فیصلہ کرنے کا موقع دیں گے کہ وہ ہمارے قلیٹ خریدنا چاہتا ہے یا اپنا قلیٹ فروخت کرنے پر رضامند ہے۔“

”یہ آج شام کی بات ہے۔ مجھے اپنے قلیٹ میں آئے ہوئے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ میں نے بالائی منزل سے شور کی آوازیں سیں۔ شروع میں یہ اتنی پریشان نہیں

کرتے تھے ہیں جبکہ میں علیحدگی پر بعد تھی۔“  
”وہ سانس لینے کے لیے رگی پھر اس نے کہا شروع کیا۔“ میں نے سوچ لیا تھا کہ یہ میرے لیے آخری موقع ہے کہ ایڈمز سے علیحدگی اختیار کر کے کسی دوسرے شخص سے شادی کر لوں یا اپنی زندگی کے بہترین سال ایڈمز کے ساتھ رہ کر ضائع کر دوں۔ اس سوچ نے مجھے طاقت دی اور میں نے ایڈمز کے ساتھ رہنے سے انکار کر دیا۔

”ایک روز میرا اس سے بہت جھگڑا ہوا۔ میں نے اسے اپنے قلیٹ سے جانے کے لیے کہا۔ وہ مجھ پر بری طرح چلا رہا تھا۔ اس کی آوازیں کہ ڈیرن اوپر آیا اور اس نے میرے دروازے پر دستک دی۔ ایڈمز نے چلا کر اسے چلے جانے کو کہا لیکن ڈیرن نے بلند آواز میں کہا کہ وہ اس وقت تک نہیں جائے گا جب تک وہ یہ بند کچے کے کہ جوڑی کو جسمانی طور پر کوئی تکلیف تو نہیں پہنچی۔ ایڈمز مجھے دروازے تک جانے سے روک رہا تھا۔ میں نے اسے ایک طرف ہٹایا تاکہ دروازہ کھول سکوں لیکن اس نے مجھے اتنی زور سے دھکا دیا کہ میں قالین پر گر گئی۔ میری چیخ سن کر ڈیرن نے زور زور سے دروازہ کھٹکھٹا شروع کر دیا جس سے ایڈمز بدحواس ہو گیا اور دروازے کی طرف بڑھنے لگا، جیسے ہی اس کی پشت میری جانب ہوئی تو میں نے چھلانگ لگی اور دوڑ کر دروازہ کھول دیا۔

”ڈیرن جیسے ہی اندر آیا میں دوڑ کر اس سے لپٹ گئی اور ان دونوں کے درمیان جتنے چلانے کا مقابلہ شروع ہو گیا۔ ایڈمز غصے سے کھول رہا تھا۔ وہ اوچی آواز میں بولا۔ ”تم پھٹاؤ گی جوڑی۔ تمہیں بالکل بھی احساس نہیں کہ کتنی بڑی گٹھی کر رہی ہو۔ یہ کہہ کر وہ میرے قلیٹ سے چلا گیا۔“

”اور اس طرح تمہاری ریلیشن شپ کا خاتمہ ہو گیا؟“ کینیڈی نے پوچھا۔

”ہاں۔“ جوڑی نے کہا۔ ”میں کسی ایسے مرد کو برداشت نہیں کر سکتی جو محرومت کے خلاف جسمانی طاقت استعمال کرے۔ اس نے دوسرے روز مجھے پھول بھیجے لیکن میں سمجھتی ہوں کہ یہ ایک طرح سے میرے حق میں اچھا ہی ہوا۔ اس کے جارحانہ رویے کی وجہ سے میرے لیے فیصلہ کرنا آسان ہو گیا۔“

”اس کے بعد ڈیرن بریٹین۔۔۔۔۔؟“ کینیڈی نے پوچھا۔  
”ہاں، ڈیرن نے میرے ساتھ بہت شریفانہ برتاؤ



نکل نہیں ہوا۔ ایڈمز نے خود کشی کی ہے۔  
اس سے پہلے کہ کیسل بکھ کہتا۔ کینیڈی بول پڑا۔  
"میں جہیں سب کچھ بتا دوں گا تم مجھے روٹ دے دو تاکہ  
میں ڈاکٹر ٹیلر سے ایک بات کی تصدیق کر سکوں اور اس کے  
بارے میں سارا جنت آؤ دین کو کچھ سکوں پھر ہم نارجھ برج  
ہاؤس جائیں گے اور میں راستے میں سب کچھ وضاحت سے  
بتا دوں گا۔"

تین منٹ بعد کینیڈی دوبارہ کیسل کے پاس آگیا  
جو ابھی تک بے چینی کی کیفیت میں تھا۔ کینیڈی نے اس کے  
ساتھ میز صافاں اترتے ہوئے کہا۔ "جہاں تک میں سمجھتا  
ہوں کہ ایڈمز ایک نر اور مجیدہ شخص تھا۔ اس نے خود کشی کی  
اور اسے قتل کا رنگ دے دیا تاکہ اس کا الزام اس شخص پر  
آجائے جس نے اس سے اس کی بیوی کو چھینا تھا۔"

"اودہ کرسی چیلز کیا تم بالکل ہی اپنے ہوش و حواس  
کھو بیٹھے ہو۔ میں ہاں ہوں گرل فرینڈ سے محرومی پر کوئی شخص  
حاسد ہو سکتا ہے لیکن صرف اپنے رقیب سے انتقام لینے کے  
لیے کوئی خود کشی کیسے کر سکتا ہے۔ یہ بعد از قیاس ہے۔ تم  
صرف تصویر میں ایسا سوچ سکتے ہو، سرائی رساں انپیکٹر۔"

کینیڈی نے سوچا کہ شاید باس اس سے ناراض ہو گیا  
ہے۔ وہ جب بہت غصے میں ہو چکی اسے سرائی رساں انپیکٹر  
کہہ کر مخاطب کرتا ہے۔

"اگر سرائی مز کو معلوم ہو گیا تھا کہ وہ صرف ایک  
مبینہ کامیابان ہے۔ اس صورت میں تم کیا کہو گے؟"

کیسل چلتے چلتے رک گیا۔ وہ بیو ڈرائیون بلڈنگ  
جانے والی سڑک پار کرنے والے ہی تھے جہاں کیڈن  
ٹاؤن ریکارڈز کا دفتر ہے۔ وہاں سے وہ ریجنٹ پارک روڈ  
کراس کرتے اور نارجھ برج ہاؤس پہنچ جاتے جو کیڈن  
ٹاؤن کی آئی ڈی کا ہیڈ کوارٹر تھا۔

کینیڈی نے براہ راست کیسل کی آنکھوں میں دیکھتے  
ہوئے کہا۔ "ایڈمز کو کینیڈی تھا۔ جہیں یاد ہے کہ جوڈی  
نے کیا کہا تھا کہ وہ بیماری کی وجہ سے اس سے نہیں ملتا اور  
غلامی کے لیے لیے عرصے تک غائب رہتا ہے۔"

کیسل اس سے متعلق نظر نہیں آ رہا تھا۔ کینیڈی نے  
کہا۔ "میں نے ابھی ابھی ڈاکٹر ٹیلر سے تصدیق کی ہے۔ اس  
نے اس کے جسم پر کچھ علامات دیکھی ہیں۔ مثلاً بالوں کا گرنا،  
منہ کا السر، اس کے کپڑے کے جسم کے لحاظ سے بڑے تھے اور  
پھر میں نے اس کی میز پر طاقتور درد دور کرنے والی دوا  
دیکھی۔ ڈاکٹر ٹیلر کو یقین ہے کہ پوسٹ مارٹم میں کیفر کی

نہیں تھا۔ میز سے متصل دیوار میں ایک آتش دان ہوا تھا  
اور اس کے اوپر ایک بڑے سائز کی تصویر آویزاں تھیں۔  
آتش دان کے بالکل سامنے دو آرام کرسیاں رکھی ہوئی  
تھیں۔

اس کام سے فارغ ہو کر کینیڈی لاش کا معائنہ کرنے  
ہال میں گیا۔ مگر پرنٹ کے ماہر نے اسی وقت اپنا کام ختم کیا  
تھا۔

"کچھ نشانات ملے؟" کینیڈی نے لاش پر سے  
نظریں ہٹاتے بغیر پوچھا۔

"جی جاب، ایک بہت ہی واضح سیٹ ملا ہے۔"  
تو جوان پولیس آفیسر نے لاش کے برابر میں آنکڑوں پیٹھے  
ہوئے کہا۔ "یہ دیکھو۔" اس نے دستے کے سرے کی طرف  
اشارہ کرتے ہوئے کہا جو چاقو کے چھل کے قریب تھا۔  
"یہاں ایک واضح انگوٹھے کا نشان ہے اور دستے کے بائیں  
جانب شہادت کی انگوٹھی کا نشان نظر آ رہا ہے اور اس کے نیچے  
دستے پر تین تین انگلیوں کے نشانات موجود ہیں۔"

یہ نوٹ کرنے کے بعد کینیڈی لاش کے پاس سے اٹھا  
اور اسٹری میں واپس اس جگہ گیا جہاں لاش دریافت ہوئی  
تھی۔ وہ اس کے بالکل عقب میں آسانی رنگ کی دیوار کو  
قریب سے دیکھ رہا تھا اور پھر اسے دو نظر آخر کی جس کی  
اسے حلاش تھی۔ دیوار پر ایک ہلکا سا کھانا نیچے کی جانب  
جا رہا تھا جو پورے اسٹری پر فرش سے اٹھارہ انچ اوپر رک گیا۔  
کینیڈی دیوار سے ایک قدم پیچھے ہٹا اور اس نشان کو ایک  
منٹ تک دیکھتا رہا۔

"ٹھیک ہے سر۔" اس نے کیسل سے کہا۔ "یہاں  
ہمارا کام ختم ہو گیا۔ اب ہم واپس نارجھ برج ہاؤس جاسکتے  
ہیں۔"

"لیکن۔" کیسل نے حیران ہوتے ہوئے کہا۔  
"کیا تم ڈیرن کے والدین آنے کا انتظار نہیں کرو گے تاکہ  
اسے اور جوڈی کو گرفتار کر سکو۔"

"اس کی ضرورت نہیں۔" کینیڈی نے جواب دیا۔  
"جہیں کیا ہو گیا ہے کینیڈی؟ کیا تم مجھے مجبور کر رہے  
ہو کہ میں خود یہاں رک کر اس کیس کو انجام تک پہنچاؤں اور  
ان دونوں کو قتل کے الزام میں گرفتار کر لوں۔" کیسل نے  
چونکا کرتے ہوئے کہا۔

کینیڈی نے کیسل کا بازو دیکھا اور اسے ہال کی طرف  
لے جاتے ہوئے بولا۔ "نہیں، میں جہیں یہ ذمت نہیں  
دوں گا۔ انہیں گرفتار کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ یہاں کوئی

کر دیا تھا کہ الگ الگ یونٹ کی قیمت زیادہ ہے اور اگر  
انہیں نیجا کر کے ایک عمارت کی شکل میں فروخت کیا گیا تو  
ان کی مجموعی قیمت میں لاکھ پاؤنڈ کے قریب ہوگی۔

جب نوٹ کر افرے تمام زادیوں سے لاش کی تصاویر  
اتار لیں تو ڈاکٹر ٹیلر نے سرائی رساں سارا جنت آؤ دین سے  
لاش کو لے جانے کی درخواست کی۔ وہ اس پوزیشن میں  
لاش کا صحیح طرح معائنہ نہیں کر سکتا تھا۔ کیونکہ جائے وقوعہ کا  
معائنہ کرنے والی ٹیم کا ابھی کافی کام باقی تھا۔ اس لیے یہ  
ملے کیا گیا کہ لاش کے ہاتھ پیروں پر پلاسٹک لپیٹ کر ہال  
میں منتقل کر دیا جائے تاکہ جتنی ثبوت محفوظ رہیں۔ لاش کو  
وہاں سے ہٹائے جانے کے بعد بھی کینیڈی نے میز کا معائنہ  
جاری رکھا۔ بائیں جانب پیلا ڈون (دوا) کی چند شیشیاں،  
ایک پیالی جس میں کئی قسم کے چٹن، پیسلیں اور مارکر رکھے  
ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ وہاں کوئی ڈائری، درجسٹر، فائل یا  
کوئی کاغذ نظر نہیں آیا۔

میز کے درمیان۔۔۔ جوڈی جونز اور ایڈمز ایڈمز کی  
فریم شدہ تصویر رکھی ہوئی تھی جس میں وہ ہاتھوں میں شراب  
کے گلاس پکڑے ہوئے تھے اور ان کے گالوں کی سرخی بتا  
رہی تھی کہ وہ پوری طرح مدھوش ہیں۔ تصویر کے دائیں  
جانب ایک سبز رنگ کے شیعہ کا ٹیکل یسپ ابھی تک روشن  
تھا۔

اس کے بعد کینیڈی نے میز کی درازیں دیکھا شروع  
کیں۔ ایک دراز میں اسے ایک فائل ملی جس میں ایڈمز  
کے کام سے متعلق کاغذات تھے۔ دو ریٹے میں انچھتر  
تھا۔ ان کاغذات میں زیادہ تر رپورٹیں اور سفری اخراجات  
کی تفصیل تھی۔ دوسری دراز میں تحریری رسالے اور تیسری  
دراز میں اسے دو درجن کے قریب بدنام زمانہ لمبے لمبے  
میگزین ملے۔ ایک خفیہ خانے میں اسے دس ضرب آٹھ کا  
ایک لفافہ ملا جس میں ایک انتہائی اہم ثبوت تھا۔ یہ ایڈمز کی  
دست تھی جس پر صرف پانچ روز کی دھتلا کے تھے تھے۔  
اس دست میں ایڈمز نے اس قیث سمیت اپنے تمام  
اجاثوں کا وارث جوڈی جونز کو بنایا تھا۔ گویا تھا اس کیسل کا  
خیال درست نکلا۔

کمرے کے کونے میں میز کے دائیں جانب ایک  
سوئی فی دی اور اس کے نیچے ڈی ڈی پیٹر رکھا ہوا تھا اور  
اس کے نیچے مگر کی کے شلف میں تقریباً تین درجن فی ٹیٹوں  
کی ڈی ڈی ڈی حروف تہجی کے اعتبار سے ترتیب کے ساتھ  
رکھی ہوئی تھیں۔ اس کمرے میں کوئی اسٹیریسوسیم یا کمپیوٹر

"ہم۔" کینیڈی نے جواب میں صرف یہی کہا۔ اب  
اس کی بے چینی بڑھتی جا رہی تھی اور وہ جلد از جلد اپنی  
حقیقتات مکمل کرنا چاہ رہا تھا۔

"یہ انتہائی گھناؤنی حرکت ہے۔" کیسل نے کہا۔  
"ہمیشہ خوب صورت عورتیں ہی اس طرح کی سرگرمیوں میں  
کیوں ملوث ہوتی ہیں۔ کیا یہ اپنے آپ کو شائع کرنے والی  
بات نہیں ہے۔"

"اچھا۔" کینیڈی نے ہال میں داخل ہوتے ہوئے  
کہا۔ "جہیں فائل بند کرنے سے پہلے مزید سرائی تلاش  
کرنے چاہئیں۔"

وہ کیسل کے ساتھ اس کمرے میں گیا جہاں ایڈمز کی  
لاش عجیب و غریب حالت میں پڑی ہوئی تھی۔ اس کے کھٹنے  
اوپر کی جانب اٹھے ۷ کی شکل میں مڑے ہوئے تھے اور  
اس کا سر اوپر کندھے سے ان کی جانب جھکے ہوئے تھے۔ اس  
کے ہاتھ دونوں جانب پھیلے ہوئے تھے اور ان کی ہتھیلیاں  
اوپر کی طرف تھیں۔ وہ ایک ایسی کھ پتلی کے مانند نظر آ رہا تھا  
جس کا آپریشن کا پیسہ گیا ہو۔

اس کے کندھوں سے ڈراپنگے ایک چاقو کا دست نکلا ہوا  
نظر آ رہا تھا اور خون میں نیکی ہوئی تھیں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ  
چاقو کا پھل اس کی پشت میں گہرائی تک گیا ہے۔ اس کا  
زادہ بتا رہا تھا کہ اس کے جسم میں چاقو اوپر کی جانب سے  
داخل کیا گیا ہے۔ لاش کے بائیں جانب ایک بڑے سائز کا  
سرخ رنگ کا صوفہ تھا۔ کینیڈی نے فائلیں کے فرش پر پڑی  
سلٹوں سے اندازہ لگا کر حال ہی میں صوفے کو اپنی جگہ  
سے دو وقت اس جانب گھسکا یا کیا ہے جہاں ایڈمز کی لاش  
پڑی ہوئی تھی۔

صوفے کے برابر میں ایک چوکور کانی ٹیکل اور اس پر  
ایک یسپ رکھا ہوا تھا جو صوفے کو گھسکاتے ہوئے گر گیا تھا۔  
اس میز کے کونے ایک دوسری پڑھنے کی میز سے رگڑ لگاتے  
تھے جو صوفے کی دیوار سے ٹوٹے درجے کے زاویے پر  
کمرے کی واحد کھڑکی کے ساتھ رکھی ہوئی تھی۔

کینیڈی نے ہاتھوں پر پلاسٹک کے دستانے  
چڑھا لیے اور میز پر رکھی ہوئی چیزیں دیکھنے لگا۔ میز کے وسط  
میں ایک کاغذ رکھا ہوا تھا۔ اسٹینڈ انٹ کی جانب سے بھیجا  
گیا ایک خط تھا جس میں فلیٹوں کی قیمت لگی تھی۔ اس  
کے مطابق گراؤنڈ فلور کی قیمت سات لاکھ پندرہ ہزار فرسٹ  
فلور کی سات لاکھ پچانوے ہزار اور بالائی منزل کی سات  
لاکھ پچاس ہزار پاؤنڈ لگی تھی۔ اسٹینڈ نے یہ بھی واضح



کیا تو دیکھا کہ دو آدمی ایک بڑے اور طویل بکس کے ساتھ کھڑے ہوئے تھے۔ ان میں ایک سرخ بالوں والا اور دوسرا گھٹا تھا۔ میں نے سوالیہ انداز میں ان کی جانب دیکھا۔ ”آرپی گڈون کے لیے یہ فیڈیکس ڈیوری آئی ہے۔“ مجھے سروالا بولا۔

”میں ہی آرپی ہوں۔ اس باکس میں کیا ہے؟“  
”یہ میں کیسے بتا سکتا ہوں۔ یہاں دھچکا کرو۔“ اس نے ایک فارم بری طرف بڑھا دیا۔

میں نے دھچکا کر دیے اور اس باکس کو کھینچا ہوا ہال میں لے گیا۔ وہ خاصا وزن تھا اور میں سوچنے لگا کہ اس میں کیا ہو سکتا ہے۔ میں بیچی لینے دفتر میں گیا پھر نیال آیا کہ اس وزنی باکس کو کھولنے کے لیے چاقو بھرتے گا۔

”کون تھا؟“ وولف نے پوچھا۔  
”فیفیکس۔ میرے لیے ایک پارسل آیا ہے۔“  
”کیا تمہیں کسی چیز کا انتظار تھا؟“

”نہیں۔“ میں نے کہا اور چاقو لے کر ہال میں چلا گیا۔ اسے کھولنا آسان نہیں تھا۔ جب میں نے اس کا اوپر کی دھکن اٹھا یا اور گھنٹوں کے بل جھک کر اس میں جھانکا تو دم بخور ہو گیا۔ مجھے نہیں معلوم کہ میں اس حالت میں کتنی دیر وہاں رکا رہا۔ بہر حال بہت کر کے کھڑا ہوا اور دفتر میں چلا گیا۔

وولف نے مجھے فوراً دیکھا اور بولا۔ ”کیا رپورٹ ہے؟“  
”میں نے باکس کھول لیا ہے۔“ میں نے تھوک گھٹے ہوئے کہا۔ ”اس میں ایک لاش ہے۔“

میرا خیال تھا کہ وہ یہ سنتے ہی اچھل پڑے گا لیکن وہ بڑے پرسکون انداز میں بولا۔ ”کیا وہ ہمارے کسی جاننے والے کی لاش ہے؟“

میں نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ”ہاں، وہ ایک پولیس والا ہے۔“  
”دروہی میں؟“

”نہیں، وہ سادہ لباس میں ہے۔“  
”کیا تمہیں کچھ اندازہ ہے کہ یہ لاش تمہیں کیوں بھیجی گئی؟“

”نہیں۔ شاید اس لیے کہ یہ لیفٹیننٹ راک ویل کی لاش ہے۔“

وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور جڑی سے باکس کی طرف گیا اور آٹھیں میا کر لاش کو دیکھنے لگا۔ میں بڑی مشکل سے اسے واپس دفتر میں لے کر آیا۔

”یہ ناقابل برداشت ہے۔“ اس نے کرسی پر بیٹھ کر ہونے کہا۔

”تم کیوں پریشان ہو رہے ہو۔ لاش تو مجھے بھیجی گئی ہے۔ لیکن میرے گھر میں؟“ اس نے اپنے گلاس میں شروب ڈالتے ہوئے کہا۔ ”آرپی تم فوراً سالوں کو بلاؤ۔“

میں جڑی سے کارنگ کیا۔ سالوں وہاں موجود تھا اس نے مجھے دیکھتے ہی پوچھا۔ ”کیا بات ہے آرپی؟“  
”وولف تمہارے ساتھ کریم کے پاس جانا چاہتا ہے۔“

”لیکن کیوں؟ تم کیوں نہیں جا رہے؟“  
”مجھے یہاں رہ کر کس کی ڈاک دینی ہے۔“  
”لگتا تھا کہ اسے میری بات پر یقین نہیں آیا۔ شاید وہ کچھ

رہا تھا کہ میں اس سے کچھ چھپا رہا ہوں۔ وولف کے جانے کے بعد ابھی میں نے اپنا کوٹ بھی نہیں اتارا تھا کہ فرخ نے مجھ پر حملائی کر دی اور چلائے ہوئے کہا۔ ”پلیز رپورٹ۔“

مجھے ہی آئی۔ میں نے اس سے کہا کہ وہ باکس میں جھانک کر دیکھ لے۔ اس نے ایسا ہی کیا اور اچھلتے ہوئے بولا۔ ”یہ تو راک ویل کی لاش ہے۔“

”میں نہیں سمجھتا تھا کہ اسے پہچان لوں گے۔“  
”بالکل، میں اسے پہچانتا ہوں۔ اس نے ہمیشہ تمہیں تکلیف دی اور سسر وولف بھی اسے پسند نہیں کرتے تھے۔“

جب سے وہ سرخ دارنٹ لے کر آیا تھا اور اس نے پورے گھر کی تلاشی لی۔  
”لیکن بعد میں اس نے وولف سے معافی بھی مانگ لی تھی۔“

”کیونکہ اس پر اوپر سے ریا آ گیا تھا۔ دیکھو آرپی میں نہیں چاہتا تھا کہ وہ مر جائے لیکن اس کی لاش کی یہاں موجودی ہمارے لیے مشکلات کا سبب بن سکتی ہے۔“

میں نے سوچا کہ وہ ٹھیک ہی کہہ رہا ہے۔ کم از کم میرے لیے ضرور ایک مشکل کھڑی ہو جائے گی۔  
☆☆☆

وولف کی واپسی ایک گھنٹے بعد ہوئی۔ اس کے ساتھ انسپکٹر کریم اور سارجنٹ جیورے انسپکٹر بھی آئے تھے۔ انہوں نے ایک نظر باکس پر ڈالی اور فیصلہ کیا کہ میں محلے کا انتظار کیا جائے جو تھوڑی دیر بعد آئے۔

کریم سرخ رنگ کی چوڑے والی کرسی پر بیٹھ گیا جبکہ جیورے نے ہمیشہ کی طرح زرد رنگ کی کرسی کا انتخاب کیا۔ انسپکٹر مضطرب انداز میں ایک بغیر چلے ہوئے سگ سے مکمل

رہا تھا۔ جب میں نے انہیں مشروب کی پیشکش کی تو دونوں نے ٹیک کافی کا انتخاب کیا جبکہ وولف نے اپنے لیے بیئر پسند کی۔ میں خود کاج پیتا چاہ رہا تھا لیکن ارادہ ملتوی کر دیا کیونکہ کھانے کا وقت قریب تھا۔ وولف نے انہیں بھی اپنے ساتھ کھانے کی دعوت دے دی۔ کریم نے سگ ٹوکری میں بیٹھا اور کہنے لگا۔ ”بہت بہت شکریہ وولف لیکن پہلے ہمیں چورنگو کھینا چاہیے۔“

وولف نے کہا۔ ”وہ تو ٹھیک ہے لیکن جب تک میڈیکل انسپکٹر کی رپورٹ نہ آجائے۔ میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتا جو میں تمہیں پہلے بتا چکا ہوں۔“

”وہ تمہیں مل جائے گی۔ میں تمہاری اس بات سے بہت متاثر ہوا کہ سیدھے میرے پاس چلے آئے ورنہ عام حالات میں تم گھر سے باہر قدم نہیں نکالتے۔ اس کے لیے میں تمہارا شکریہ ادا کروں۔“

”تمہاری تعریف کا شکریہ۔ کیا اب ہم کھانا کھا لیں۔“  
”جیہیں جو میرا اصول معلوم ہے کہ کھانے کے دوران کوئی کام کی بات نہیں کرتا۔“

”ہاں، سمجھ گیا ہے؟“  
اس سے پہلے کہ وولف جواب دیتا ”میرے نے مداخلت کی۔“ معافی چاہتا ہوں لیکن تمہارے لیے یہ جاننا ضروری ہے۔“

”کیا کہنا چاہ رہے ہو سارجنٹ؟“  
”یہ بات میں نے گڈون سے سنی تھی۔“  
اس نے آرپی کے بجائے گڈون کہا۔ میں جانتا تھا کہ وہ کیا کہنے والا ہے۔ ہم ایک دوسرے کو کافی عرصے سے جانتے تھے اور ہمارے درمیان کافی بے تکلفی تھی۔ وہ میری طرف مڑتے ہوئے بولا۔ ”کیا میں بتا دوں؟“

میں جانتا تھا کہ اب اسے منع کرنے کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ اس طرح کریم اور وولف دونوں کو ہی شک ہو جاتا کہ میں نہ جانے کیا چھپاتا چاہ رہا ہوں۔ اس لیے میں نے بے خوف ہو کر کہا۔ ”بالکل بتا دو۔“

وہ کھڑے ہوتے ہوئے بولا۔ ”میں تمہاری بات کروں گا۔ تم نے جو کچھ کہا تھا وہ مجھے لفظ بے لفظ یاد ہے۔“  
”یہ کس بارے میں بات ہو رہی ہے؟“ کریم نے پوچھا۔

”معافی چاہتا ہوں۔ یہ بات کچھ عرصے پرانی ہے۔ دوران گفتگو گڈون نے مجھ سے کہا۔ میں اس محل کی کنجیشن کرنا پسند کروں گا اگر وہ راک ویل جیسے شخص کا ہو۔“

کریم نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”کیا یہ سچ رہا تھا۔ جب میں نے انہیں مشروب کی پیشکش کی تو دونوں نے ٹیک کافی کا انتخاب کیا جبکہ وولف نے اپنے لیے بیئر پسند کی۔ میں خود کاج پیتا چاہ رہا تھا لیکن ارادہ ملتوی کر دیا کیونکہ کھانے کا وقت قریب تھا۔ وولف نے انہیں بھی اپنے ساتھ کھانے کی دعوت دے دی۔ کریم نے سگ ٹوکری میں بیٹھا اور کہنے لگا۔ ”بہت بہت شکریہ وولف لیکن پہلے ہمیں چورنگو کھینا چاہیے۔“

وولف نے کہا۔ ”وہ تو ٹھیک ہے لیکن جب تک میڈیکل انسپکٹر کی رپورٹ نہ آجائے۔ میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتا جو میں تمہیں پہلے بتا چکا ہوں۔“

”وہ تمہیں مل جائے گی۔ میں تمہاری اس بات سے بہت متاثر ہوا کہ سیدھے میرے پاس چلے آئے ورنہ عام حالات میں تم گھر سے باہر قدم نہیں نکالتے۔ اس کے لیے میں تمہارا شکریہ ادا کروں۔“

”تمہاری تعریف کا شکریہ۔ کیا اب ہم کھانا کھا لیں۔“  
”جیہیں جو میرا اصول معلوم ہے کہ کھانے کے دوران کوئی کام کی بات نہیں کرتا۔“

”ہاں۔“ میں نے اعتراض کیا۔ گوکہ جیورے نے پوری بات نہیں بتائی۔ ”میں نے کہا تھا۔ میں راک ویل کے محل سے لطف اندوز ہونا پسند کروں گا اور تم بھی۔ اس سے میرا مطلب پورے تھا۔“

”یعنی تم اس سے لطف اندوز ہو رہے ہو؟“  
”بالکل نہیں۔“

فرخ نے کھانا کھانے کا اعلان کیا اور ہم سب کھانے کے کمرے میں چلے گئے۔ فرخ نے اس روز خاصا اہتمام کیا تھا اور کئی مزیدار چیزیں بنائی تھیں۔ سب نے تعریف کی اور انسپکٹر نے اس کے گلاس میں دائیں ڈالتے ہوئے کہا۔ ”تم

میں بہن کے بہترین لگ ہو۔“  
کھانے کے بعد ہم دفتر میں واپس آ گئے۔ اسی وقت میڈیکل انسپکٹر بھی آ گیا اور بولا۔

”ہمیں مرنے والے کے بدن پر تشدد کا کوئی نشان نہیں ملا۔“  
”پھر اس کی موت کیسے واقع ہوئی؟“ کریم بولا۔

”میرا خیال ہے کہ اسے زہر دیا گیا ہے لیکن لیبارٹری رپورٹ آنے تک ہم اس کی تصدیق نہیں کر سکتے۔“

”ٹھیک ہے پھر اسے پوسٹ مارٹم کے لیے لے جاؤ۔ میں دفتر میں تمہاری رپورٹ کا انتظار کروں گا۔“ پھر وہ وولف سے بولا۔ ”ہمارے یہاں بیٹھے کا کوئی فائدہ نہیں۔

آرپی پہلا آدمی نہیں جس نے مرنے والے کے بارے میں یہ بات کہی۔“  
جیورے نے تنبیہ میں سر ہلایا لیکن کچھ بولا نہیں۔

”بہر حال۔“ کریم بولا۔ ”اس شاندار جگہ کے لیے شکریہ۔ یہ ہم پر ادھار ہا۔“

جب وہ جانے لگے تو وولف بولا۔ ”کیا تم مجھے پوسٹ مارٹم رپورٹ کے بارے میں بتانا پسند کرو گے؟“  
”ضرور۔“

ان کے جانے کے بعد میں نے وولف سے پوچھا۔ ”تم نے اس سے پوسٹ مارٹم رپورٹ کیوں مانگی۔ تمہیں اتنا تجسس کیوں ہو رہا ہے؟“

”میں قاتل کو پکڑنا چاہتا ہوں۔“  
”لیکن ہم سے کسی کا بیٹھنے اس بارے میں نہیں کہا۔“

”ہمیں اس کی ضرورت نہیں۔ یہ سراسر اشتباہ کا ردوائی ہے۔“



تصدیق ہو جائے گی۔ وہ یہ نہیں بتا سکا کہ اس کا مرض کس  
انچ پر تھا لیکن اس کے حساب سے ایڈمز کے پاس زیادہ  
سے زیادہ چھ مہینے تھے۔  
”نہیں؟“

”ہاں۔“ کینیڈی نے فوراً ہی جواب دیا۔ ”اور اس  
کے نتیجے میں سب کچھ ایک ترتیب سے ہوتا چلا گیا۔“  
کیسل کچھ نہیں بولا۔ کینیڈی نے کہا۔ ”میں تمہیں  
پورا منظر نامہ بتاتا ہوں۔“

انہوں نے سڑک پار کر لی اور کینیڈی اپنی بات جاری  
رکھتے ہوئے بولا۔ ”ایڈمز کو اس کی گرل فرینڈ نے چھوڑ دیا۔  
یہ اس کی لگا تار دوسری ناکامی تھی۔ اس سے پہلے بھی ایک  
لڑکی اسے چھوڑ چکی تھی جس کا انتقام اس نے یوں لیا کہ اس  
لڑکی کی گاڑی کے چاروں بائزر چاڑ دیے۔ اس نے جوڑی کو  
یہ بھی بتایا کہ اگر وہ پریشان نہ ہوتا تو پھر مارکر اس کی کار کا  
شیشہ بھی توڑ دیتا۔ پھر اس نے جوڑی سے تعلق استوار کیا  
لیکن اسے اپنی بیماری کے بارے میں نہیں بتایا اور ایک  
طرح سے اس نے جوڑی سے دھوکا کیا۔“

کیسل نے کچھ کہنا چاہا لیکن کینیڈی نے اسے روک  
دیا اور اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ ”اس کا طریقہ  
واردات دیکھو۔ حالانکہ وہ ڈیرن برٹن اور جوڑی جوڑ  
سے لڑ رہا تھا لیکن پھر ایک دم ہی اس کا ذہن بدل گیا اور اس  
نے فلیٹ کی فروخت کے بارے میں گفتگو کرنے کی غرض  
سے ڈیرن کو اپنے گھر بلایا اور جب وہ شراب اور پیئرے  
دل بہلا رہے تھے تو غالباً اس نے ذہنی ردائی کا شے کے لیے  
ڈیرن کو چاقو پیش کیا اور اس طرح اس کی انگلیوں کے  
نشانات چاقو پر آ گئے۔“

”اس شام جب اس نے جوڑی کو اپنے فلیٹ میں  
دائیں جاتے دیکھا تو اس نے دیوار کے ساتھ والی جگہ خالی  
کرنے کے لیے صوفے کو تھوڑا کھسکایا۔ ایسا کرتے ہوئے  
فلیٹ پر سلوٹوں کے نشان آ گئے۔ اس نے لیپ بھی گر دیا  
اور کافی جھل کو کھسکاتے ہوئے اس کی میز پر گڑ لگ گئی۔  
اس کے بعد اس نے پیچھا اور چلا تا شروع کر دیا، یہ ظاہر  
کرنے کے لیے کہ جیسے اس کا کسی سے جھگڑا ہو رہا ہے اور  
اس طرح جوڑی اس جانب متوجہ ہو جائے۔ اس مقصد کے  
لیے اس نے نقلی آواز بھی بنائی۔“

”اپنے منصوبے کے اگلے مرحلے پر عمل کرنے کے  
لیے وہ اس جگہ دیوار کے ساتھ گر لگا کھڑا ہو گیا جو اس نے  
صوفہ ہٹا کر خالی کی تھی۔ اس نے انگوٹھے اور انگشت شہادت

سے چاقو کا پھل پکڑا اور کر کے بل جبک کر اسے پیچھے  
گیا پھر اس نے چاقو کے دسے کو دیوار پر لٹکایا اور جبک کر  
اس کی نوک اپنی کمر میں لگا دی۔ اس کے ساتھ ہی اس نے  
اپنے جسم کا وزن چاقو پر ڈال دیا تاکہ وہ اس کے جسم میں چلا  
جائے۔ ڈاکٹر ٹیلر نے بھی تصدیق کی ہے کہ چاقو اس زاویے  
سے جسم میں داخل کیا گیا کہ وہ دل کو زیادہ سے زیادہ نقصان  
پہنچائے۔ اس طرح اس کی موت واقع ہو گئی۔ ایڈمز کا جسم  
بے جان ہو گیا اور وہ دیوار کے ساتھ پھسلتا ہوا نیچے فرش پر  
آ گیا۔ دیوار پر گڑ کے نشان سے اس کی تصدیق ہوئی  
ہے۔ ڈاکٹر ٹیلر کا اندازہ ہے کہ چند منٹوں میں ہی اس کی  
موت واقع ہو گئی۔

اس نے قتل کا ڈراما کرنے کی کوشش میں سب سے  
بڑی غلطی یہ کی کہ اپنے فلیٹ کا دروازہ اندر سے قفل کر دیا  
کہ نہیں جوڑی شور و غل کی آواز سن کر نہ آجائے لیکن یہ بھول  
گیا کہ دروازہ قفل ہونے کی صورت میں قفل کیسے آ سکتا  
ہے۔“  
”لیکن تمہیں یہ سب کیسے معلوم ہوا؟“ کیسل نے  
پوچھا۔

”کچھ ایسی باتیں سامنے آئیں جن کی بدولت میں  
اس نتیجے پر پہنچ سکا۔“ کینیڈی نے کہا شروع کیا۔ ”میں  
بات تو یہ کہ جوڑی جوڑنے کے دروازہ بند ہونے کی آواز نہیں  
سنی جبکہ اس نے خود بتایا کہ جب بھی اوپر یا نیچے کا دروازہ  
بند ہوتا ہے تو اسے آواز آ جاتی ہے پھر وہ جھوٹ کیوں بولے  
گی۔“  
”اچھا نکات ہے۔ میں نے واقعی اس پر غور نہیں کیا  
تھا۔“

”اگر ہم فرش کو غور سے دیکھیں تو ہمیں تین اہم  
سراخ ملتے ہیں۔ جب ایڈمز دیوار کے ساتھ نیچے کی  
جانب پھسلتا تو چاقو کے دسے سے دیوار پر نشان چلا  
گیا۔ اگر کوئی شخص آپ کی کمر میں چاقو گھونپے تو اسے  
لاحالہ آپ کے پیچھے ہوتا چاہیے۔ ایڈمز کی لاش دیوار کے  
ساتھ بڑی ہوئی تھی اور وہاں کسی دوسرے کے لیے اس  
کے پیچھے گھرے ہونے کی جگہ نہیں تھی پھر اس پر کوئی کیسے  
حملہ کر سکتا ہے۔“

”ہاں، یہ بات سمجھ میں آتی ہے۔“ کیسل نے کہا۔  
”آخری اور سب سے اہم نکات چاقو کے دسے پر  
انگلیوں کے نشانات کی پوزیشن ہے۔“ یہ کہہ کر اس نے  
اپنی جیب سے پین نکالا اور اسے اس طرح پکڑا جیسے وہ

کوئی چاقو ہو۔ اگر کسی شخص نے اس پر چاقو سے حملہ کیا ہوتا  
تو وہ چاقو کو اس انداز میں پکڑتا اور اس کے انگوٹھے کا  
نشان دسے کے اس حصے پر ہوتا جو بلینڈ سے سب سے  
زیادہ دور ہے لیکن ہمارے ماہر کو انگوٹھے کا نشان اس جگہ  
پر ملا۔“ کینیڈی نے دوبارہ پین کی جانب اشارہ کرتے  
ہوئے دسے کے اس حصے کی نشاندہی کی جو چاقو کے پھل  
سے بالکل غلط ایک تھا۔

کیسل نے غور سے یہ سب دیکھا اور تائید میں سر ہلا  
دیا۔  
”لہذا اگر میں چاقو کا دسے اس طرح پکڑوں جیسا کہ  
انگلیوں کے نشانات سے ظاہر ہو رہا ہے تو یہ ممکن ہی نہیں کہ  
چاقو کو سر سے اوپر لے جا کر حملہ کیا جائے۔“

”تم بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو۔“ کیسل نے اس سے  
اتفاق کرتے ہوئے کہا۔  
”اس کے علاوہ بھی کچھ واقعاتی شہادتیں ہیں۔“  
کینیڈی نے کہا۔ ”مثلاً یہ کہ کوئی شخص کسی پر چاقو سے حملہ  
کرے اور اس کے دسے پر اپنی انگلیوں کے نشانات  
چھوڑ دے۔ اسی طرح سے مسٹر ایڈمز نے بھی تمام  
انگٹھے اپنی سائیں گرل فرینڈ کے نام کر دیے جس نے  
حال ہی میں اس سے علیحدگی اختیار کر لی تھی اور کسی  
دوسرے شخص سے شادی کرنے والی تھی۔ یہ وہی شخص تھا  
جس سے مسٹر ایڈمز نے سرعام جھگڑا کیا؟ آخر کیا وجہ تھی  
کہ مسٹر ایڈمز نے اپنی موت سے صرف ایک ہفتے قبل  
وصیت کے ذریعے اپنی تمام دولت جوڑی کے نام کر دی  
کیونکہ وہ جوڑی اور اس کے ہونے والے شوہر کے لیے  
ایک منصوبہ تیار کر چکا تھا۔“

”کیا تم اس کی وضاحت کرنا پسند کرو گے؟“ کیسل  
نے کہا۔

”وہ کیئر کا مریض تھا اور جانتا تھا کہ زیادہ عرصے  
زندہ نہ رہ سکے گا۔ شروع شروع میں اس نے علاج پر توجہ  
دی اور جوڑی کو زیادہ وقت دے سکا۔ بیماری کی وجہ سے  
وہ بہت چڑچڑا اور بد مزاج ہو گیا تھا۔ اس کا آنے دن  
جوڑی سے جھگڑا ہونے لگا۔ جوڑی بھی اس سے تنگ آ چکی  
تھی۔ ایک دن دونوں کا زبردست جھگڑا ہوا۔ جیجیکار سن کر  
گرڈنڈر پر رہنے والا ڈیرن اوپر آ گیا۔ ایڈمز کو اس کی  
غاضبت کا گوارا نہ تھی۔ اس نے ڈیرن سے چلے جانے کو کہا  
لیکن اس نے انکار کر دیا۔ پینیں سے ان کے درمیان دشمنی کا  
آغاز ہوا۔“

انوکھا انتقام

”ڈیرن کے حسن سلوک سے جوڑی بہت متاثر  
ہوئی۔ آہستہ آہستہ وہ دونوں قریب آئے گئے۔ جوڑی  
نے ایڈمز سے مکمل طور پر قطع تعلق کر لیا اور ڈیرن سے  
شادی پر تیار ہو گئی۔ ادھر ڈاکٹروں نے ایڈمز کو بتا دیا کہ  
وہ زیادہ سے زیادہ ایک ماہ زندہ رہ سکے گا۔ اپنی زندگی  
سے مایوس ہو کر اس نے وصیت تیار کی اور اپنا سب کچھ  
جوڑی کے نام کر دیا لیکن وہ ڈیرن کو معاف کرنے پر تیار  
نہیں تھا جس نے اس کی گرل فرینڈ جیمین کی تھی۔ اس نے  
سوچا کہ ویسے ہی مرنے والا ہے تو کیوں نہ خودکشی  
کر لے۔ اس طرح کہ وہ قتل نظر آئے۔ لاحالہ اس کا  
الزام ڈیرن پر ہی آئے گا۔“

”گویا یہ سب کچھ اس نے ڈیرن سے انتقام لینے  
کے لیے کیا تھا؟“

”ہاں لیکن اس منصوبے میں کچھ خامیاں رہ گئیں جن  
کی وجہ سے یہ ڈراما کامیاب نہ ہو سکا۔ ان کی نشاندہی میں  
پہلے ہی کر چکا ہوں۔“

”بہت عمدہ کر سٹی، بہت عمدہ۔ ہمیں جانے دو تو وہ  
آئے ہوئے زیادہ دیر نہیں ہوئی اور تم نے قتل کا معاملہ کر  
لیا۔“ کیسل نے گرم جوش سے کہا۔

”قتل نہیں خودکشی۔“ کینیڈی نے جھجکتے ہوئے کہا۔  
”ہاں، ہاں وہی۔“ کیسل نے کہا۔ ”میں نے  
تمہارے ساتھ اس کیس پر کام کر کے بہت لطف اٹھایا۔ یہ  
میرے لیے ایک انمول تجربہ تھا۔ آج مجھے تمہاری کامیابی کا  
راز معلوم ہو گیا۔“

”کیا واقعی؟“ کینیڈی نے حیران ہوتے ہوئے کہا۔  
”ہاں جب تم جوڑی کا انٹرویو کر رہے تھے تو اس  
دوران اس نے ایک مرتبہ بھی تمہارے پیچھے پر سے  
نظر نہیں ہٹایا۔ وہ مکمل طور پر تمہاری شخصیت سے  
مغروب اور تمہارے لفظوں کے جال میں آ گئی تھی اور تم اس  
سے جو چاہتے انگوٹھے تھے۔“

کینیڈی نے مسکراتے ہوئے اپنے پاس کو خدہ حافظ  
کہا۔ وہ اسے کیسے بتاتا کہ جانے دو تو وہ پر لاش کا معائنہ  
کرنے سے پہلے وہ خود بھی یہی سمجھ رہا تھا کہ جوڑی اپنے  
سابق ہوائے فرینڈ کی موت میں پوری طرح ملوث ہے لیکن  
اسے اپنی تربیت کا پہلا اصول یاد تھا کہ جانے دو تو ہم کسی  
معمولی بات کو بھی نظر انداز نہ کیا جائے۔ اس کیس میں بھی  
یہی ہوا تھا۔



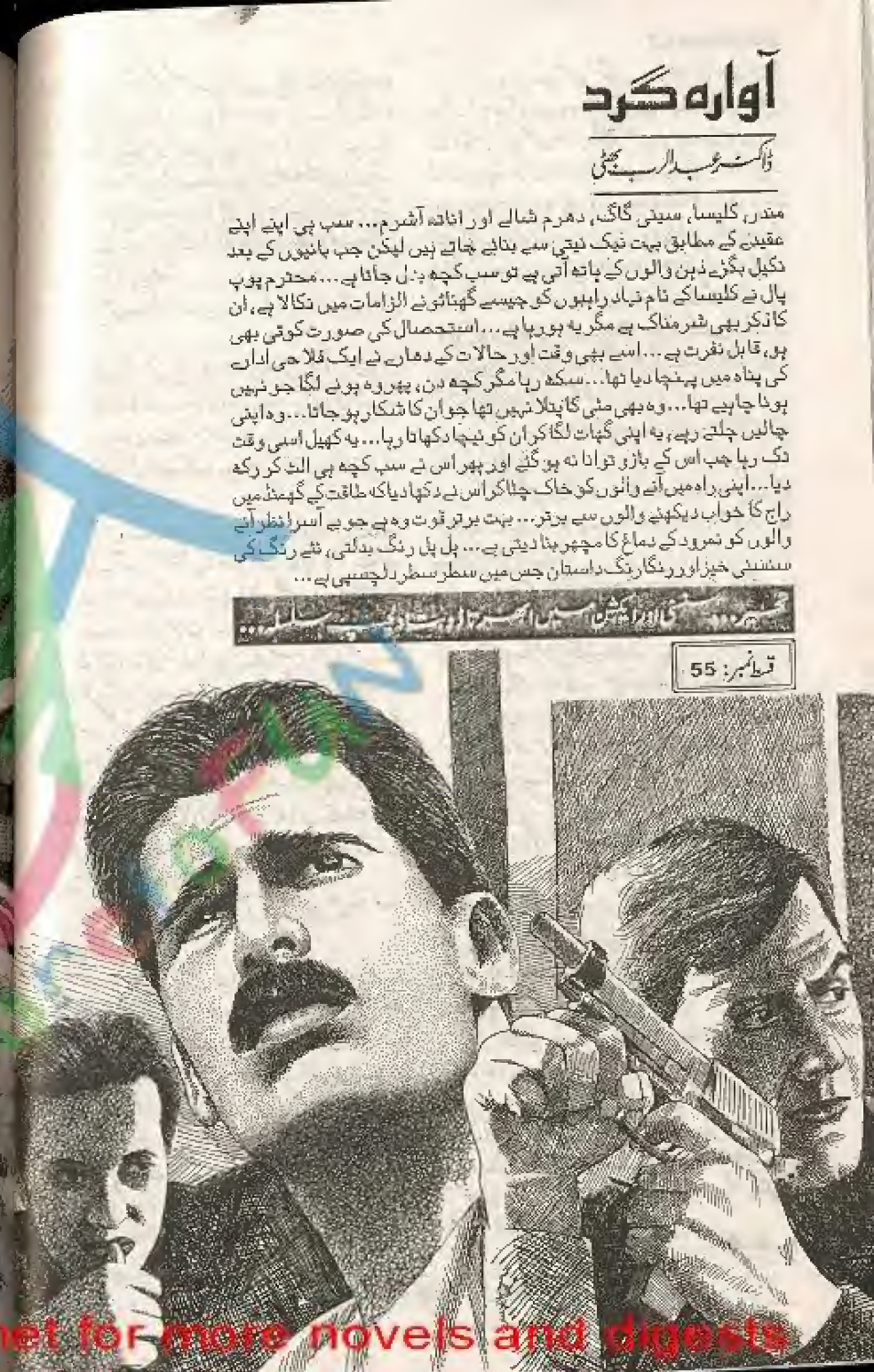
# آوارہ گرد

ڈاکٹر عبدالرشید

مندر، کلیسا، سینی گانگ، دھرم شالے اور اٹاتھ آشرم... سب ہی اپنے اپنے عقیدے کے مطابق بہت نیک نیتی سے بنائے جاتے ہیں لیکن جب ہاتھیوں کے بعد نکیل بگڑے ذہن والوں کے ہاتھ آتی ہے تو سب کچھ بدل جاتا ہے... محترم پوپ پال نے کلیسا کے نام نہاد راہبوں کو جیسے گھنٹوں نے الزامات میں نکالا ہے، ان کا ذکر بھی شہر مناک ہے مگر یہ یورپا ہے... استحصال کی صورت کوئی بھی ہو، قابل نفرت ہے... اسے بھی وقت اور حالات کے دھارے نے ایک قلاہی ادارے کی پناہ میں پہنچا دیا تھا... سیکھ رہا مگر کچھ دن، پھر وہ بولے لگا جو نہیں ہونا چاہیے تھا... وہ بھی مٹی کا پتلا نہیں تھا جو ان کا شکار ہو جاتا... وہ اپنی چالیں چلتے رہے، یہ اپنی گھات لگا کر ان کو نیچا دکھاتا رہا... یہ کھیل اسی وقت تک رہا جب اس کے بازو توانا نہ ہو گئے اور پھر اس نے سب کچھ ہی الٹ کر رکھ دیا... اپنی راہ میں آنے والوں کو خاک چٹا کر اس نے دکھا دیا کہ طاقت کے گھونٹ میں راج کا خواب دیکھنے والوں سے بڑتر... بہت بڑتر قوت وہ ہے جو بے آسرا نظر آنے والوں کو سرود کے دماغ کا مچھر بنا دیتی ہے... ہل پل رنگ بدلتی، نئے رنگ کی سنسنی خیز اور رنگارنگ داستان جس میں سطر سطر دلچسپی ہے...

محترم... خفاور ایڈیشن اس میں اسرار اور ہنر کا عجیب سا ملاپ ہے...

قسط نمبر: 55









چنانچہ... کی آواز یا یسین خانم کی تھی جبکہ میں اس وقت کوہارا کو جنم حاصل کرنے کے بعد اپنے اندر ایک گہری طنزیت اور سکون محسوس کر رہا تھا۔ اس لمحے پر دوبارہ میرے اعصاب لیخت تن گئے اور میں کوہارا کی لاش کو چھوڑ کر آٹھا۔ ساتھ ہی میں نے ڈاکٹر ہیرالڈ اور پروفیسر ڈین گروہن کو بھی حرکت میں آتے دیکھا۔ میری طرح ان کا رخ بھی ٹھانڈے کے مقبرے والے چپوڑے کی طرف تھا۔

پروفیسر ڈین عمر رسیدہ ہونے کے باوجود بڑی قوتِ ارادی اور ہمت سے کام لے رہا تھا۔ اس پرستار وہ دہائی بھی تھا، جیسا کہ ظاہر ہو چکا تھا کہ کوہارا کی چلائی ہوئی گولی نے اس کے کسی نازک مقام کو نہیں چھیدا تھا۔

گولی اس کے دائیں بازو کے گوشت کو چھیدتی ہوئی مژدہ مٹی تھی۔ نازک حالت اس کی جب ہوتی جب دیکھ کر بڑی ہیرالڈ سے بے لاک کرنے کے بعد کوہارا ڈین کا بھی اسی طرح گلا دبا کر یا گردن کو چھٹکا دے کر مٹا توڑنے والا ٹھانڈا عمل کرتا، مگر عین وقت پر میں نے کوہارا پر یہی داؤ آزماتے ہوئے اسے داخل جنم کر ڈالا تھا۔

چپوڑے کی طرف میں نے جست بھری اور وہ بھی اسی طرف لپکے تھے۔

اندر یا یسین خوف زدہ ہی ایک طرف کوسہنی ہوئی تھی۔ ایک سیاہ کوڑیالا ناگ خوفناک چمن کاڑھے اس کی طرف بھاگ رہا تھا۔

یا یسین کو اتنا ادا رک تھا کہ حرکت کرنے کی صورت میں سانپ لپک کر اسے ڈس سکتا ہے، یہی وجہ تھی وہ اپنی جگہ جامد و ساکت رہی، تاہم اوپر سامنے کے رخ پر اس نے قدرے سر اٹھا کر میری جانب دیکھا۔

میں نے اپنے ہونٹوں پر آنکلی رکھ کر اسے اسی طرح بے حس و حرکت رہنے کا اشارہ دیا۔

حقیقت یہ تھی کہ میرا دماغ اس اچانک مصیبت پر ماؤف سا ہو گیا تھا۔ میں نہتا تھا، میری ناگ کا ڈھم بھی جاگا ہوا تھا۔ یا یسین موت کے دہانے پر کھڑی تھی۔

اس کوڈیا نے سانپ نے جیسے مجھے اور یا یسین کو پتہ ناز کر دیا تھا۔ سانپ ٹھانڈے کے پتھر تلے تابوت پر کھڑی مارے بیٹھا تھا۔

یا یسین کے لیے اس موڈی نے مفری کوئی راہ نہیں چھوڑی تھی۔ بادی النظر میں یہی نظر آ رہا تھا کہ جیسے ہم سانپ کے حملے کے خطر ہوں اور خود اس پر حملہ کرنے سے قاصر ہوں۔

اچانک سانپ نے زور کی چٹکار ماری، یا یسین کے حلق سے خوف زدہ سسکاری خارج ہوئی۔ یا یسین اور سانپ کی آنکھیں گویا ایک دوسرے پر چمکا رہی تھیں۔ دونوں ایک دوسرے کے ترس میں آئے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔

تب ہی سانپ نے اپنا چمن سٹیر اور پتھر تلے تابوت پر لٹکا یا اور۔۔۔۔۔ اس کے ایک رخنے سے اندر کی جانب ریخت گیا۔ میں نے ہی نہیں یا یسین نے بھی یقیناً سکون کی سانس لی ہوئی۔

”اوپر آنے کی کوشش کرو۔“ میں نے آہستگی سے یا یسین کو مخاطب کیا اور قدرے جھک کر اپنا ایک ہاتھ ٹھانڈے کی اس گتھی قبر کے اندر بڑھا دیا۔

اس نے میرا ہاتھ تمام لی اور میں نے اسے اوپر کھینچنے میں ایک لمحے کی بھی دیر نہیں لگائی۔ مقبرے سے نکلنے ہی وہ میرے ساتھ لپٹ کر یوں گہرے گہرے سانس لینے لگی جیسے طویل مسافتیں طے کر کے آئی ہو۔ سانپ نے اسے واقعی دہشت میں مبتلا کر دیا تھا۔

ہم چپوڑے سے نیچے اتر آئے تو ڈاکٹر ہیرالڈ، پروفیسر ڈین کوہارا دے اسی طرف آ رہا تھا۔ وہ کوہارا کی لاش کے پاس کھڑے شاید اس کی موت کی تسلی کرنے میں مصروف ہو گئے تھے۔

”کیا ہوا؟ یہ چیخ کس کی تھی؟“ ڈاکٹر ہیرالڈ نے پوچھا۔ میں نے اسے بتا دیا کہ اندر سانپ تھا۔

”جنگ میں اتم بہت بھارہ ہو۔ ہمارے اس عظیم مشن کو اس مردود کوہارا نے سبوتاژ کرنے کی پوری کوشش کی تھی۔“ پروفیسر ڈین مجھ سے بولا۔ ”لیکن میری سمجھ میں نہیں آیا کہ آخر اسے ٹھانڈے کی برسوں پرانی مٹی۔ کیا مردہ کا ہو سکتا ہے؟ تو مجرمانہ ذہنیت کا آویں مظلوم ہوتا تھا؟“

”آپ کی بات سچ ہے۔“ میں نے جواب میں جلدی سے کہا اور کن آنکھوں سے یا یسین کی طرف دیکھا۔ اس کی حالت اب کافی تسکین مٹی تھی۔ ظاہر ہے اب انہیں کیا معلوم تھا کہ کوہارا ٹھانڈے کے تابوت میں رکھے ان پر ہمارے ہتھیاروں کو اپنے قبضے میں لینا چاہتا تھا جن کے حصول کے لیے وہ نجائے کہاں کہاں کی خاک چھانتا ہوا یہاں پہنچا تھا لیکن میں ان دونوں کو یہ حقیقت نہیں بتانا چاہتا تھا۔

”میرا خیال ہے اب ہمیں آخری کام بھی جلدی کرنا ہے چل دینا چاہیے۔ اس سے پہلے کہ کوئی اور مصیبت ہمیں آن دوے۔“ ڈاکٹر ہیرالڈ نے متفقد بات کی۔

”یقیناً۔“ میں نے اپنے سر کو اثبات میں ہنسن دی۔

”لیکن ذرا محتاط رہ کر، کیونکہ ٹھانڈے کی قبر کے اندر ایک خطرناک سانپ موجود ہے۔ ہو سکتا ہے اندر اور سانپ بھی ہوں۔“

ایک لمحے توقف سے میں نے کہا۔ ”آپ دونوں ادھر ہی موجود رہیں۔ میں اور یا یسین دوبارہ مقبرے میں اتر کے ٹھانڈے کی مٹی کو باہر لانے کی کوشش کرتے ہیں۔“

ایسا میں نے دانستہ کہا کیونکہ میں نہیں چاہتا تھا کہ ان دونوں یوزموں کو ٹھانڈے کے سرہانے رکھے تنھیا روں کا علم ہو۔

ہم دونوں ایک بار پھر روشنی کے ہٹے سے تھاے بہت احتیاط کے ساتھ ٹھانڈے کے مقبرے میں اتر گئے۔

میں نے دیکھا کہ وہ دونوں بڑھے بھی چپوڑے پر آ کر کھڑے ہوئے اور قدرے جھک کر نیچے دیکھنے کی کوشش کر رہے تھے۔

”خانے نکلی بڑھے ہیں۔“ میں ہولے سے بڑبڑایا۔

یا یسین کے دھول سے اٹے پھرے پر ایسے میں بھی سکر اہٹ ہی آئی۔

میں نہیں جانتا تھا کہ ٹھانڈے کے سرہانے ہزاروں سالہ پرانی تاریخ کے وہ تین تنھیا موجود تھے یا نہیں۔

بہر طور۔۔۔۔۔ ہم دونوں ایک بار پھر مٹی کے پتھر تلے تابوت کے نیچے اور ساٹھ روڈہ ڈھلکے کے گلاؤں کو دھیرے دھیرے ہٹاتے گئے۔ ان پر برسوں کی گرد اور مٹی کی موٹی سی پاؤڑ نما دھجی ہوئی تھی۔ ایک ٹکڑے کو بھی ہلاتے تو وہ تہ غبار کی صورت میں اٹھتی۔

مقبرہ چپوڑے سے کوئی چار پانچ فٹ کی گہرائی میں تھا اور اندر سے کئی جگہ دستار یک راستے مختلف بھول بھلیوں میں جا گئے دکھائی دیتے تھے۔ یعنی آگے اور بھی لوہی چنگی گہرائیاں تھیں۔

ہم ہی کا تابوت پوری طرح کھول چکے تھے۔ ٹھانڈے کی مٹی کی پچان کے لیے اس کے باپ پروفیسر جوشید جیدی نے اپنی بیٹی یا یسین کو جو ٹھانڈیاں بتائی تھیں، وہ اس کی تسلی کر چکی تھی۔ کیونکہ ضروری نہیں تھا کہ یہاں صرف ٹھانڈے ہی کی مٹی ہوئی، اور مٹی میاں نظر آسکتی تھیں۔

اب دھول اور گرد کے علاوہ ایک عجیب سی ناگوار بو بھی ہمارے منتھوں سے نکلا رہی تھی۔ مٹی اگزری ہوئی تھی۔ ابھی اس کی قیر نہیں ہو سکتی تھی کہ یہ مرو کی مٹی بھی پاورت کی۔ ہزاروں برس قدیم مٹی کو کیچہ کر میرے دل و دماغ کی عجیب سی کیفیت ہونے لگی۔

اس کا بھی کوئی دقت ہوگا جب یہ زمی کی ہماروں

آوارہ گرد۔

سے لبریز ہنسی کھینچی رہی ہوگی۔ دنیا کو اس نے کن کن خوب صورت رنگوں میں دیکھا ہوگا۔ آف۔۔۔۔۔ وقت کس قدر ظالم ہوتا ہے۔ اب یہ برسوں سے اہراموں کے کھنڈر زدہ تہ خانوں میں باہر کی روشنیوں سے دور۔۔۔۔۔ بے حس و حرکت پڑی مٹی۔

ہم نے سب سے پہلے مٹی کے سرہانے کو جانچنے کی کوشش چاہی اور مٹی کوہاں سے ٹھوڑا اوپر اٹھایا۔ میرا دل تیز تیز دھڑک رہا تھا، یا یسین کی بھی یقیناً ایسی ہی حالت ہوئی۔

مٹی کے سر اور کندھوں کے نیچے سے جگہ ٹھوڑی ابھری ہوئی محسوس ہوئی مٹی جبکہ نیچے کمر اور ٹانگوں وغیرہ کی طرف کا حصہ قدرے ”تختی“ تھا۔ گویا اس کے نیچے تابوت کی شبیہ ہی ایسی بنائی گئی تھی۔ لیکن ایسا ہی تھا جیسے تابوت بنانے والے نے دانستہ ہی کے سرہانے کی جانب کوئی خلا بنایا تھا۔

ہم دونوں کی کوہاں پر نکالنے کی تنگ دو دھیں تھیں۔ ایسے میں ہمیں پروفیسر ڈین اور ڈاکٹر ہیرالڈ کی مدد کی بھی ضرورت محسوس ہوئی۔ انہوں نے بھی یہ محسوس کر لیا تھا اور ہماری مدد کو جھک آئے تھے۔

ٹھانڈے کی مٹی کا وزن زیادہ نہ تھا لیکن اسے چھوٹے اور تھامے ہوئے ہیرا ”اندو“ ضرور پوچھل اور بھاری ہونے لگا تھا۔

بالآخر مٹی کو ہم باہر نکالنے میں کامیاب ہو گئے۔ وہ دونوں بوڑھے تو مٹی کو پا کر ایک دوسرے کو مسرت بھرے انداز میں مبارکباد دیتے ہیں مصروف ہو گئے، انہوں نے اپنا مقصد پایا تھا جبکہ میں اور یا یسین خود کو ٹھانڈے سے

تابوت کے سرہانے کو کھٹکالنے کے دوران میں سب سے پہلے یا یسین کے ہاتھ سے قدرے گہرائی میں کوئی سخت شے گہرائی مٹی۔

”شش۔۔۔۔۔ شیزی! ادھر۔۔۔۔۔ کلک۔۔۔۔۔ کچھ رکھا ہے۔“ یا یسین نے جوش سے ترس آواز میں کہا۔ میں نے بھی وہ حصہ چھوا۔

تابوت کی پتھر مٹی۔ ابھی نیچے تھی۔ اس پر کھالوں کی کوئی تہ در تہ چڑھی ہوئی تھی۔ کھالیں بھی کیا تھیں بس پرش ہی تھیں۔ انہیں پر سے کیا اور اندر میری انگلیاں کسی سخت شے سے ٹکرائیں۔ جانے کس خیال کے سخت میں نے فوراً اپنا ہاتھ پیچھے کھینچ لیا۔

”کیا ہوا؟“ یا یسین نے سرگوشی کی۔ ایک لمحے کو میرے دل میں یہ خدشا بھرا تھا کہ بجائے بے وحیائی میں میرا ہاتھ کسی ایسی دھنکی شے کو نہ چھو جائے جو میرے لیے



ہم تک ثابت ہو۔ کیونکہ قلعہ اور اقلطوس سے متعلق مجھے ان خطرناک ہتھیاروں کا علم تھا۔

”میری آنکھوں نے کسی سخت شے کو چھوا تھا۔“ میں نے اسے جواب میں کہا۔

”تم دونوں اب اندر کیا ڈھونڈ رہے ہو؟“ اچانک اوپر سے آواز آئی۔ یہ ڈاکٹر بیر اللہ تھا۔ ”یہاں کوئی خزانہ نہیں رکھا۔ اوپر آ جاؤ، ہمارا مقصد پورا ہو چکا۔ اب واپسی کی تیاری کرو۔“

ہم نے کوئی جواب نہ دیا اور پھر تھک و دو میں لگ گئے۔ میں نے یاسمین کو بین اس مقام پر روشنی مرکوز رکھنے کی ہدایت کی اور بہت احتیاط کے ساتھ اٹلا ہلا ہٹانے لگا تو اس کے پیچھے سے مجھے وہ سخت سی شے نظر آ گئی۔

جائزہ لینے پر عقدہ کھلا کر وہ کسی برسوں پرانے ایک چھوٹے سے صندوق نما ڈبے کی فولادی تھی۔ جس کی سطح بھر بھرائی ہوئی تھی۔ اس پر کچھ لپٹا ہوا پڑا تھا، وہ احتیاط سے میں نے باہر نکالا اور سل پر پھیلا دیا۔

کھال نما کپڑے پر وہ چیزیں لپٹی ہوئی تھیں۔ ہم نے بہت احتیاط اور دھیرے سے کھولا اور بھونک بار بار کر مٹی اڑائی تو یاسمین کے حلق سے سسکاری نکل گئی، خود میری رگوں میں خون کی گردش یکثرت تیز ہو گئی۔

ہم دونوں کی دم بخود نظروں کے سامنے عظیم فرعون مصر کے برسوں پرانے وہ ہتھیار تھے جو نوادری کی صورت میں رکھے ہوئے تھے۔ روڈلف نے غلط نہیں کہا تھا۔

ہیلڈ واٹر تو بالکل تباہ ہو چکا تھا۔ وہ ٹکڑوں کی صورت میں نظر آ رہا تھا لیکن انگوٹھی اور سنہری بھونڑا چمکا اور درست حالت میں دکھائی دے رہا تھا۔

میں نے انگوٹھی کی طرف ہاتھ بڑھایا تو واضح طور پر میرا ہاتھ کھینکا رہا تھا۔ میں جو خود کو بے حد مضبوط اعصاب کا مالک خیال کرتا تھا، ان دونوں اشیاء، بالخصوص انگوٹھی کو چھوتے ہوئے میرا وجود تک مرتعش تھا، اس کی وجہ شاید یہی تھی کہ روڈلف نے مجھے انگوٹھی کی بلاکت خیزی کے بارے میں بتا رکھا تھا۔

بقول روڈلف کے..... یہ کوئی ماورائی ہتھیار نہیں تھے، کسی ایسے سیارے کی مخلوق کے ایجاد کردہ تھے جو سپر طور پر مائنس اور ٹیکنالوجی میں ہم سے کہیں آگے تھے۔

یاسمین بھونڈے کا یہ غور جائزہ لے رہی تھی۔ میں انگوٹھی کو اب ہاتھ میں پکڑ کر دیکھنے لگا۔ اس پر ایک قرقری رنگ کا منر کے دانے کے برابر گول بڑا ہوا تھا۔

یہ یقیناً اس کے سولر سنسز کے طور پر کام کرتا ہوگا۔ انگوٹھی کی شیب سانچ کے نیچے پچھن سے مٹا پتلی جس کی لپٹائی زبان میں گھولنا پڑتا تھا، روڈلف نے مجھے ان ہتھیاروں کے استعمال کے بارے میں بتایا تھا۔

اس کے ایک مخصوص گوشے پر ہلکا دباؤ ڈالنے سے پچھن کی قسم کا زہر نہیں چھوڑتا تھا، بقول روڈلف کے اس کے اندر سے ایسی اثرات نکلتے والی ایسی شعاعوں کا اخراج ہوتا تھا جو مد مقابل کے جسم میں دوڑتے خون کو یکثرت مجسمہ کر کے پل کے پل اُسے موت سے ہمکنار کر دیتی تھی۔

ہم دونوں حیرت لگا ہوں سے ان دونوں انوکھے مگر انتہائی ہمکنگ ہتھیاروں کا جائزہ لینے میں سوچتے۔ پھر میں نے سنہری بھونڈے کا جائزہ لیا۔ وہ ایک عام سے سیاہ بھونڈے کی شکل کا ہی تھا لیکن سنہرا تھا۔ اس کے دونوں پر ہلکے سیاحی مال سنہرے تھے۔ دو ٹھنی مٹی انہرہاں آگئیں تھیں۔

ان دونوں نیچے اور ہمکنگ ہتھیاروں کا اچھی طرح جائزہ لینے اور روڈلف کے مطابق، ان کے میکینزم سمجھنے اور چلانے کے بعد مطمئن ہو کے میں نے انگوٹھی اپنے بائیں ہاتھ کی درمیانی انگلی میں پچھن کی جگہ بھونڈے کو پہلے میں نے اسی پاؤچ میں سنہال کر رکھنے کا ارادہ کیا لیکن پھر کچھ سوچ کر اسے سوراخ میں کی ضرورت پڑ گئی تھی، میں نے اسے پاؤچ میں رکھنے سے بچائے جب میں ڈال لیا۔

میں نے اسے ابھی تک نہیں کہہ سکا تھا کہ یہ کارآمد بھی تھے یا نہیں؟ لیکن مجبوری یہ کہ ان کی آزمائش بھی کسی زندہ انسان پر ہی کرنا پڑتی جو بدست میں نہیں کر سکتا تھا۔

بہر کیف..... یاسمین پر جوش تھی اور میں متحیر..... کیونکہ یاسمین کا خیال تھا کہ ان خلائی ہتھیاروں کی موجودی بتائی تھی کہ ثناء کا باپ اقلطوس واقعی ایک خلائی انسان تھا۔ اس کے بعد میں اور یاسمین مقبرے سے باہر آ گئے۔ نئی کو سنبھالے ہوئے ہم لوگ ڈارک گریٹ ہیرو لاء سے باہر آئے تو شام امہرا سوں پر ایک غزدہ اور ناداسی کی چادر پھیلائے لگی تھی۔

ہامسوں ابھی تک نیچے کے اندر مقید، دمن بستہ حالت میں پڑا تھا۔ اسے وہیں چھوڑ کر ہم نے گاڑیوں کا جائزہ لیا۔ ان میں ایک گاڑی قابل استعمال بھی جوان کی ہی تھی، جیسے کہ مذکور ہو چکا اس کی باڈی پر اس کی تحقیقی ادارے ”ڈسکوڈ“ کا مونو گرام چسپاں تھا۔

ہم سب اس میں سوار ہوئے اور روانہ ہو گئے۔

☆☆☆

میراے نو بیان میں اب کی بار چاراپ واپسی کا سفر تھا جو قہرہ شہر کی جانب بہت دور عافیت تمام ہوا۔ پروفیسر ذین اور ڈاکٹر ثناء کی کمی کی دریافت کے بعد بے حد پر جوش اور خوش نظر آرہے تھے۔ وہ اس کی دریافت کا سہرا اپنے سر لینا چاہتے تھے۔ اس پر مجھے اور یاسمین کو کوئی اعتراض نہ تھا۔

تاہم میری اور کسی حد تک اپنی بھی مدد اور غیر خودی کے سلسلے میں یاسمین نے ان سے مدد کی مشروط درخواست کرتے ہوئے کہا تھا کہ ہم دونوں بھی ان کے ساتھ ثناء کے تحقیقی مشن میں شامل رہیں گے۔

”شامل رہیں گے نہیں بلکہ تم دونوں شامل ہو۔“ پروفیسر ذین نے پر زور لہجے میں کہا۔ اس پر ڈاکٹر بیر اللہ نے بھی اسی جوش مسرت سے جواب دینے ہوئے کہا۔

”بالکل! کیونکہ میں یاسمین تو خود بھی ایک بڑے اور قابل شخص پروفیسر جشید کی بیٹی ہیں اور ان کے ساتھ کسی سہماں میں شامل رہ چکی ہیں ثناء نے تو ہم دونوں باپ بیٹی نے بھی کافی تحقیق کی تھی اور اب بھی اسی مقصد سے ہم باپ بیٹی نے ایران سے یہاں تک کا سفر کیا تھا۔“

”جی ہاں!“ یاسمین نے اثبات میں اپنا سر ہلاتا تھا۔ ہم لوگ ان کی مونو گرام والی لمبی سی جیب میں سوار تھے۔ سب سے آخری نشست پر ثناء کی کمی کو لایا ہوا تھا۔ درمیانی سیٹوں پر یاسمین اور میں براہمان تھے۔ ڈاکٹر بیر اللہ نے سٹرنگ وکیل سنہال لیا ہوا تھا جبکہ پروفیسر ذین ان کے برابر والی سیٹ پر براہمان تھے۔

جب میرا کی ٹیلوں کے درمیان بے مل کھاتے راستے پر مناسب رفتار سے دوڑی جارہی تھی۔ جھپٹا ہونے لگا تھا۔

اس دوران میں ہمارے اچھی اسی قسم کی گفتگو ہوئی رہی اور یاسمین نے بڑی ذہانت اور ہوشیاری سے انہیں اعتماد میں لے کر اپنا اور میرا معاملہ ان سے اس انداز میں ڈسکس کیا تھا کہ وہ ہمیں اپنے ساتھ امریکا لے جانے پر رضامند ہو گئے۔

باقی کو بار اور امریکی مسافر برادر جہاڑ..... سے متعلق یاسمین نے اسی کہانی کا نقشہ کھینچی تھا کہ بار ایک ایسی جرائم پیشہ تنظیم کا ہرکارہ تھا جو نوادرات کی چوریوں کرتا تھا۔ وغیرہ۔

یوں یاسمین خاتم نے انہیں ڈرا بھی دیا تھا کہ ثناء کی کمی والے قسے کو راز میں ہی رکھا جائے اور اسی رازداری سے قہرہ سے امریکا کی جانب جلد سے جلد کوچ کر جانا چاہیے۔ کیونکہ ذین اور بیر اللہ کی زبانی ہمیں یہ بات معلوم ہوئی تھی کہ یہ لوگ امریکا سے اپنی تنظیم کے ساتھ کھینچی کے ہی ایک

آوارہ گرد

خصوصی چارٹرڈ جیٹ طیارے میں آئے تھے جو قہرہ کے ایئر پورٹ کے نکل پر کھڑا تھا۔

شکر تھا کہ انہیں کو بار یا کسی اور کی زبانی ان خلائی ہتھیاروں کا علم نہیں تھا جو اب میرے قبضے میں تھے۔ یاسمین سے وہ دونوں ثناء کی تحقیق وغیرہ کے سلسلے میں مدد اور رضامندی کے تعلق تھے۔

میرا معاملہ چونکہ اور نوعیت کا تھا اسی لیے یاسمین نے ان کے سامنے مجھے اپنا صرف ایک مہلچر یا ساسی کے طور پر ہی ”ڈیکلیر“ کیا تھا۔

یاسمین ان دونوں سے اسی طرح کی گفتگو میں مصروف رہی اور ساتھ ساتھ مجھ سے بھی باتیں کر لیتی جاتی تھی جو عمومی نوعیت ہی کی ہوتیں۔ لیکن مقصد ان کا، بالخصوص پروفیسر ذین اور ڈاکٹر بیر اللہ کو یہی بتانا تھا کہ وہ پہلے بھی اس طرح کے تحقیقاتی مشن میں یہاں آچکی تھی اور بہت سی معلومات رکھتی تھی، یوں بھی وہ ایک ملیر مصریات کی بیٹی تھی۔

یہی وجہ تھی کہ ذین اور بیر اللہ اس سے بے حد متاثر نظر آ رہے تھے۔ یاسمین نے ان پر مزید اپنا رعب بھاڑتے ہوئے یہ بھی بتایا تھا کہ وہ ثناء، اس کی ماں اور بالخصوص باپ اقلطوس کے بارے میں بھی بہت کچھ جانتی تھی، یوں بھی کافی حد تک اس کی بات غلط بھی نہ تھی۔ چنانچہ ذین اور بیر اللہ، یاسمین سے بے حد متاثر ہو چکے تھے اور اسے ثناء سے متعلق اپنی آئندہ کی تحقیق میں شامل رکھنے کا پکا حلیہ کر چکے تھے، یہی وہ چاہتی تھی بھی، اپنے لیے نہیں بلکہ میرے لیے.....

آفرین ہے اس عورت پر جو میرے ذاتی اور اہم ترین ”کاز“ کے سلسلے میں کسی قدر تعلق بھی کرکیوں.....؟“ اس میں اس کے کسی اخلاقی جذبے کا دخل تھا یا بات کچھ اور تھی؟

بہر کیف..... ہم جیسے جیسے شہر کے قریب بڑھتے جاتے، ایسے میں کچھ اور ولادوں کے آثار بھی دیکھنے میں آتے تھے۔ ان میں ایک وادی کے بارے میں یاسمین نے مجھے بتایا تھا کہ یہ ”وادی آف کنکھ.....“ کہلاتی تھی، یعنی بادشاہوں کی وادی..... وجہ اس کی یہ بتائی کہ قریب قریب یہی فرعونوں نے اس جگہ کو اپنی آخری آرام گاہ کے طور پر پسند کیا تھا اور یہاں بہت کچھ تعمیر کرایا تھا، لیکن وہ بے نیل کے مغربی کنارے پر بھی ایک ”لگاؤں کی وادی“ ہے۔

”بادشاہوں کی وادی کی وجوہات تو سمجھ آ گئیں ہنگ لیڈی!“ پروفیسر ذین نے، جو ڈاکٹر بیر اللہ سمیت یاسمین کی بات بڑے غور اور انہماک سے سن رہا تھا، منکھرتے ہوئے



درمیان میں یا کمین کو مخاطب کرتے ہوئے بولا۔

”لیکن..... یہ ملکوں کی وادی کی وجہات کیا تھیں؟“

یا کمین نے سنجیدہ اور بردبارانہ لہجے میں اسے بتایا۔ ”وجہات اس کی بعض حوالوں سے یہی سامنے آتی ہیں کہ اس وادی میں ملکہ شپ شیپ کا ایک مندر موجود ہے۔ یوں قدیم مصر کی تاریخ میں وہ واحد ”خاتون فرعون“ تھی۔“

شام کے ایسے ہی جھٹ چنے میں سفر جاری تھا۔ سورج غروب ہونے والا تھا شہر کی حدود میں داخل ہونے سے پہلے ہم نے اپنی حالت کو بہتر کرنے کے لیے ایک آبادی والے علاقے میں رک کر منہ ہاتھ دھوئے اور اپنی حالت قدرے بہتر بنائی، باقی مہر مہی وغیرہ کا سامان گاڑی میں موجود تھا جس میں ڈاکٹر بیرالفک بھی سیٹ بیکل باکس رکھا تھا۔

یہ سارا کچھ ایک محنت میں ہنسا کر ہم ایک بار پھر روانہ ہو گئے۔

چند سڑکوں سے گزر کر ہم ایک نسبتاً کشادہ سڑک پر آ گئے۔

سڑکوں کی روشنیاں بھی جل چکی تھیں۔ وہ بے حد چمکی لگ رہی تھیں۔ چپ سے ایک موٹر گاڑا اور ایک انتہائی حسین منظر ہماری نگاہوں کے سامنے تھا۔

سڑک قدرے بل کھاتی ہوئی ایک کشادہ پل کی بلندی کی طرف جاری تھی اور درمیان میں دریائے نیل بہہ رہا تھا۔ اس جگہ دریا کا پات خوب چوڑا تھا اور یہاں دریائے نیل کا حسن آج بھر ہوا تھا۔

سڑکوں اور اس پاس کی عمارتوں کی جگہ گاتی ہوئی روشنیوں نے عجیب و غریب سا پیرا کر دیا تھا۔ پس منظر میں آسمان پر شفق چھوٹی نظر آتی تھی۔ قاہرہ کا حسن و جمال پوری آب و تاب کے ساتھ دکھانوں کے سامنے تھا۔

سفر کے اسی دورانے میں یا کمین بتائے گی۔ ”قاہرہ میں دریاے نیل کو جوہر کرنے کے لیے چھ پل ہیں، اس پل کو اکتوبر برقع اور یہ سب سے خوب صورت پل ہے۔“

یہ حقیقت تھی کہ ہم سب ہی جیسے جیسے آمدہ حالات کی کشمکش کو بھلا کر دم بخود سے بیٹھے اس انساوی منظر کو دیکھ رہے تھے۔ کم از کم مجھے تو آج اندازہ ہوا تھا کہ آخر قاہرہ کی ساری دنیا میں اتنی دھوم کیوں ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ اپنی تاریخی یادگاروں، قدیم محلات و عظیم الشان مساجد اور شاندار گرجا گھروں سے قطع نظر قاہرہ بذات خود ایک متوجہ اور دل میں اتر جانے

والا شہر ہے۔

ابہرام کی تو خیر بات ہی الگ تھی مگر ایک سچ یہ بھی تھا کہ یہ قاہرہ کا حصہ نہیں ہے بلکہ اس کی حدود کے باہر واقع ہے۔

بقول شاعر..... ابھی تو جہاں اور بھی ہیں..... کے مصداق جب ہماری جیب پوری طرح قاہرہ شہر میں داخل ہوئی تو پھر بھی نہ سفر ختم ہوا نہ یا کمین کی قاہرہ سے متعلق تقریر پر تعریف، وہ ان دونوں امریکی اور فرنیج سائنسٹ پر اپنی علمیت اور قابلیت کا رعب بدستور چھڑا دے جا رہی تھی۔

لہذا ہم اس وقت قاہرہ شہر کی سب سے بڑی، لمبی اور مشہور سڑک ”شارع الابرہام“ پر آئے تو خیرانی مراکز، سر پر ہفتک اور ہائی فیشن اجیل عمارتوں کو دیکھ کر میں بھی دنگ رہ گیا تھا لیکن جب اسی سڑک پر ایک ٹائٹ کلب کے آثار نظر آئے تو پروفیسر ذین گزین نے برملا کہا۔

”اُوو..... شارع الابرہام کی اس سڑک کے جسے کو میں بڑے آرام سے نیو یارک کے فوٹو ایجنٹ سے مشابہت دے سکتا ہوں۔“

کوئی شبہ بھی نہ تھا اس میں..... کہ قاہرہ کا حسن دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔ سڑکیں، دکانیں، عمارتیں، سبکی روشنی سے جگمگاتی ہوئی نظر آتی تھیں۔ قطار در قطار ٹائٹ کلب موجود تھے۔ ان کی جلتی جھجکی اور جگمگاتی ہوئی رنگین روشنیاں ایک عجیب سا پیرا لگے ہوئے تھیں۔

فٹ یا کمین پر کافی رش تھا۔ ہر قسم کے عرب وہاں چلتے پھرتے نظر آ رہے تھے۔ شاید سیاحوں کا سیرن تھا۔ مغربی لباس والے بھی نظر آ رہے تھے اور مشرقی لباس والے بھی، فیشن ایبل اسکرٹ میں ٹیوس خواتین، لمبے چوٹیں لپٹی ہوئی خواتین، مزیدادہ اور غریب لباس کی بھی۔ بعض خواتین خوش وضع بھی تھیں مگر یہ محسوس کیا کہ وہی بلی عورتیں برائے نام تھیں۔ میں انہیں یہ غور سمجھ رہا تھا، جلد ہی میں اس بات کی تصدیق کر چکا تھا کہ یہاں کی خواتین و لڑکیاں عموماً گداؤں میں جھپٹی ہوئی ہیں۔ لگتا ایسا ہی تھا جیسے لڑکیوں سے جوانی کی منزل تک پہنچنے کی بجائے ہی موٹاپے کی طرف مائل ہو جاتی ہیں۔ اب خدا جانے یہ آب و ہوا کا اثر تھا یا خورداک کا۔

ایسے موقع پر یا کمین خام کو میں نے پروفیسر ذین سے یہ کہتے سنا اور مسکراتے بغیر نہ رہ سکا۔

”پروفیسر اتم نے یہ تشبیہ تو دی لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ یہاں نیو یارک کی طرح جرائم جیسے پھیلنے لگوں کا وجود نہیں ہے۔ حالانکہ یورپ اور امریکا کے شہروں میں ایسے علاقے

ہمیں کے اڈے بن جاتے ہیں۔“

دونوں سائنسٹ یا کمین کی اس بات پر کھینچ انداز میں اپنے سر کو دھیرے دھیرے چشم دینے لگے۔

تھوڑی دیر بعد ہم ایسے ہی ایک علاقے کے ہوٹل آ پہنچے۔ یہ ہوٹل انٹرپورٹ کے قریب تھا۔ خدا جانے یہاں کتنے تھکے ان دونوں بزرگوں نے یا کمین سے کیا کہا تھا کیونکہ میں تو باہر کا حسن دیکھنے میں گھٹا (شاید مسکین آوارہ گردی کے سبب میری بھی عادتیں خراب ہونے لگی تھیں) کہ وہ دونوں جیب سے اتر گئے مگر ہمیں وہیں بیٹھ رہنے کا کہہ گئے۔

”کیا پھر ہے؟ ہمیں کیوں نہیں اترنے کا کہا گیا؟“

ان کے جیب سے اترتے ہی میں نے یا کمین سے قدرے چونک کر پوچھا تو وہ مسکرا کر جواب میں بولی۔

”تمہارا دھیان کہاں تھا مسٹر شہزی؟“

”کیا مطلب؟ میں سمجھا نہیں؟“ میں نے اسے گھورا۔

”یہ دونوں ہوٹل چھوڑ کر اسی وقت انٹرپورٹ کی طرف کوچ کرنے کا ارادہ رکھے ہوئے ہیں، کیونکہ میں نے انہیں یہ کہہ دیا ہے۔ یہ دونوں بھی بڑے شاندار کی کمی کے معاملے میں پکڑاؤ یا وہ بھی سنی ہو رہے ہیں۔“

”کیا یہ دونوں جے ہیں؟ کیا یہ سب کچھ اتنی جلدی ممکن ہے اور آسان بھی؟“ میں نے کہا۔

”جے اور پورے ایک ہی تو ہوتے ہیں۔“ مضاعف و آلام اور کوارڈیمس سمیت سے چھٹکارا پانے کے بعد یا کمین بھی شاید اب حالات سے خدا اٹھانے کے موڈ میں نظر آ رہی تھی۔ میں اسے یوں مسکراتے اور مذاق کرتا دیکھتے ہوئے معنوی غصے سے گھورنے لگا۔ وہ فیس دی اور اسی لہجے میں مزید کو پیا ہوئی۔

”میں بیوقوفوں کے دن لہجے مسٹر شہزی اب کوچ کی تیاری کرو، تمہارے پاس دنیا کے عجیب اور طاقتور ترین ہتھیار موجود ہیں۔ دیکھنا اب ہم امریکا جیسے جاؤ پھرے ملک میں ایسے دشمنوں کو کس طرح خاک چٹاتے ہو، روڈ ٹف گلاب غم دھاتیں ہی رہتے رہ گئے۔“

”اگر اس کی بخشش فرمائے لیکن یہ سب اتنی جلدی کیسے ہوگا؟“ میری سوئی ابھی تک وہیں اٹکی ہوئی تھی۔

”سب ممکن ہو جائے گا۔“ وہ بدستور اسی طائیت سے بولی۔ ”اس ہوٹل میں ان کے کمرے پہلے ہی سے ریزروڈ لگے۔ لہذا اپنے کمرے میں جا کر سب سے پہلے ڈاکٹر بیرالفک پروفیسر ذین کی مہر مہی کو کریں گے، پھر دونوں اپنا سامان لے کر وہیں آئیں گے اور ہوٹل چھوڑ کر باہر نکل آئیں گے۔ انٹرپورٹ

آوارہ گرد۔

کے مثل فور میں ان کا چارڈز اسٹیل جیٹ طیارہ موجود ہے، اس کا سسٹم بالخصوص ہے۔“

”وہیں سے ہم دونوں کی انٹرنیشنل شٹلڈی جائے گی۔ تمہارے پاس تو یوں بھی ملٹی پل ویزا ایک خلیہ رقم کی بینک اسٹینٹ کے علاوہ مختلف ممالک کے ویزا اسٹیپ بھی ہیں۔“

”باقی جو تھوڑا بہت معاملہ خراب بھی ہوا تو یہ دونوں خرائٹ بڈے کب کام آئیں گے؟ یہ امریکی ادارے سے وابستہ ہیں اور امریکا یوں بھی اس وقت ان ممالک پر اپنی جو دھرا ہٹ قائم کیے ہوئے ہے، انہیں روکنے کی کوئی جرات نہیں کرے گا۔“

یا کمین نے رواں لگی کا عجیب ہی نقشہ کھینچا جو میرے لیے بہر حال غیر عملی بخش تھا۔ میں نے موضوع بدلتے ہوئے اچانک اس سے سوال کر ڈالا۔ ”کیا تم بھی امریکا جانا چاہتی ہو؟“

”ہاں۔“

”کیوں؟“

”تم جو جا رہے ہو۔“ وہ میری آنکھوں میں اپنی غزال چشم کو جیسے حیر کی طرح پیوست کرتے ہوئے بولی۔

”میں مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں۔ خاتم“ اے اختیار میرے منہ سے ”خاتم“ نکل گیا جس نے یا کمین کے چہرے کو گھٹا سا بنا دیا۔

”کاش اتم مجھے ہمیشہ اسی نام سے پکارو، تمہارے منہ سے مجھے یہ نام پکارنا بے حد اچھا لگا ہے۔“ یہ سب کہتے ہوئے میری نظریں اس کے شاداب سے چہرے پر بدستور جمی رہی تھیں۔ اس کے عشق رنگ گال دیکھنے لگے تھے۔

میرا اندر جب اچھل کھل کا شکار ہونے لگا تو میں نے منہ بسور کر چہرہ دوسری جانب گھمایا۔

”نازعل کیوں ہوتے ہو؟ شوہری؟ میں تمہاری خاطر تھوڑی جا رہی ہوں۔ اپنے مرحوم والد کا مشن پورا کرنے جا رہی ہوں۔“ وہ ایک دم متانت سے بولی۔

”لہذا اب میں تمہارے ساتھ نہیں بلکہ تم میرے ساتھ جا رہے ہو، شہزادی کی پر تحقیق کی ابتدا میرے پاپائے کی تھی۔ اس کا اختتام بھی میں ذین اور بیرالفک کے ساتھ کر کر دوں گی، میں نے انہیں یہ سب بتا دیا ہے۔ وہ بھی خوش اور مطمئن ہیں۔“

”اچھی بات ہے۔“ میں نے ہلے سے کہا۔

پروفیسر ذین اور ڈاکٹر بیرالفک کو اپنے کمروں میں گئے ایک گھنٹا تک چکا تھا۔ انہوں نے یا کمین کو اس بات کی کڑی



قاسمے پر پروفیسر ڈین اور ڈاکٹر ہیرالڈ بھی ہمارے شکر کھڑے تھے۔ انہوں نے جو معاملے کو خراب ہوتا دیکھا تو آگے بڑھے۔

عورت تو فون پر ہی بات کرتی رہی۔ جبکہ وہ دونوں محلے کے آدمی سے کچھ پوچھنے لگے۔

”یا جنی تھکر“ اچانک وہ مصری عورت ہم سے مخاطب ہو کر بولی۔

”سوزی ٹو سے ہمیں عربی نہیں آتی۔“ میرے بجائے یا یسین نے یکدم کھڑی ہوئی سنجیدگی سے کہا۔ تو وہ مصری خاتون انگریزی میں مخاطب ہو کر بولی۔

”میں نے اپنے آفیسر حیان سے رابطہ کیا ہے وہ یہاں پہنچ رہے ہیں۔ آپ دونوں کے کاغذات کی تصدیق وہی کریں گے۔“

”کیوں؟ کوئی مسئلہ ہے؟ یہ تو میرے ساتھ ہی تھے؟“ پروفیسر نے کہا۔ ”میرے ہم نمبر ہیں یہ۔“ دوسری پہلے سے ختم تھی۔

”آپ کی بات اپنی جگہ، لیکن ایک بات کی تصدیق نہیں ہو پارہی ہے، اسے آفیسر حیان ہی کریں گے۔“ سوزی بولی۔

”کیسی تصدیق؟ کیا ہمارے ہوتے ہوئے بھی کسی تصدیق کی ضرورت ہے؟“ اس بار ڈاکٹر ہیرالڈ نے بارعب محلے میں خاتون سے مخاطب ہو کر کہا۔

”بالاؤچ ہمارا وقت ضائع کرنے والی بات ہے یہ، ہمیں اپنی انکسی سے رابطہ کرنا پڑے گا۔ ہم کوئی مکمل بازو نہیں آئے ہیں یہاں؟“

اسی وقت ایک کار کی ہیلڈ لائٹس ہم پر پڑیں۔ ہال کے دروازے کے سامنے باہر ایک مخصوص رنگ اور نمونہ کی کار رکی۔ اس کے اندر سے دو افراد اترے۔ ہم ان کی طرف دیکھنے لگے۔

ان میں ایک لبا ترنگ عربی تھا جس کے بدن پر مخصوص نشانات دالی وردی اور شولڈر بچوڑے محلے کا کوئی بڑا آفیسر ظاہر کرتے تھے۔ دوسرا اس کا کوئی ساتھی تھا۔ وہ اس کا کوئی ماتحت ساتھی ہی دکھتا تھا۔

وہ اندر آیا۔ اس نے پروفیسر اور ڈاکٹر کو دیکھ کر بڑی خوش اخلاقی سے مصافحہ کیا۔ انہوں نے اس سے کچھ کہا تھا مگر آفیسر انہیں کھٹ دلا دیا۔ دینے والے انداز میں سر ہلاتا ہوا کاؤنٹر پر موجود اپنے ان دونوں ماتحت افراد کی طرف بڑھ گیا۔

یا یسین نے مجھے بتایا تھا کہ ان کے اپنے دو پائلٹ ہیں جو ہمارے جیٹس کے مستقل رکھوالی پر تعین تھے۔

نفل کے ایک جانب سسٹم اینڈ انٹگریشن ہال بنا ہوا تھا۔ ایریا پر انجینئرنگ طیاروں کی آؤٹ جاؤگ کی چیکنگ

ایئر کے لیے مخصوص تھا۔ باری باری ہم اندر گئے۔

یا یسین اور میں نے ایک بات خصوصی طور پر مخصوص کی تھی کہ قلم پروفیسر ڈین اور ڈاکٹر ہیرالڈ کو بے حد عزت و توقیر کی نگاہ سے دیکھ رہا تھا۔ اسی سبب مجھے اور یا یسین کو پوری

توجہ تھی کہ ہم دونوں کے سلسلے میں کوئی ایسی دیکھ بات نہیں ہو گی، یا ہم ملنے کی طرف سے خدشات اپنی جگہ موجود تھے۔

جب میری اور یا یسین کی باری آئی تو ہم دونوں دھڑکنے والے کے ساتھ کاؤنٹر کی جانب بڑھے۔ وہاں دو دردی پوش افراد موجود تھے۔ ایک عورت بھی تھی ان میں۔

ڈین اور ہیرالڈ کی وجہ سے انہوں نے بڑے احترام و عزت کے ساتھ ہم سے ہمارے کاغذات مانگے۔ ہم نے انہیں دو تھما دیے۔

میرے تو ہمارے متعلق سفری کاغذات پر سرسری نظر ڈال رہی تھی لیکن جب اس نے اپنی ساتھی کو بھی چیکنگ کے لیے وہ کاغذات تھمائے تو وہ اسے یہ غور دیکھنے لگی۔ جانے

کیوں کسی انجانے خدشات تلے میرا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ میں نے اس دوران کن انکسیدوں سے پاس کھڑی یا یسین کی طرف دیکھا۔ اس کی بھی آنکھیں اٹھی تھیں لیکن بھی کسم خاتون پر بھی مجھ پر جم جاتی تھیں۔

متعلقہ عملے کی دو خاتون ہمارے کاغذات کو کھولے بڑے غور و خور سے اس کے معائنے میں مصروف تھی اور کبھی وہ براؤننگ کریم دونوں کے چہروں پر بھی ایک برائی سی نگاہ ڈال لگتی تھی۔

اسی وقت میری آتی جاتی سائیں جیسے یک لخت حلق میں اٹک گئیں جب میں نے اسے ایک گہری سانس لیتے ہوئے وہ کاغذات اپنے ساتھی مرد کی طرف بڑھاتے اور اس سے کچھ کہتے دیکھا۔

اب وہ مرد بھی دوبارہ ہمارے کاغذات کو دیکھ رہا تھا۔ تب ہی اس نے قریب رکھا ہوا فون کا ریسپونڈر اٹھایا اور کسی سے بات کرنے لگی۔ میرا دل اچھل کر حلق میں اٹکا،

دل میں پہلا فٹہ سی اُبھرا کہیں یہ پوئیس کو تو کال کر کے نہیں بلادی تھی؟

تاہم اس کا انداز نہایت منود بات تھا۔ واضح تھا کہ وہ اس وقت اپنے کسی بڑے آفیسر سے مخاطب تھی۔ ہم سے ذرا

ساتھ ہیں، حالات ہمارے لیور میں رہیں گے۔“ میں جہادی بات سمجھ رہا ہوں۔“ بالآخر میں نے اپنی اندرونی کیفیات پر قابو پاتے ہوئے بولے سے کہا۔

”اور..... میں پہلے ہی سمجھ گیا تھا کہ تم میری جی ڈیج سے یہ سب کر رہی ہو۔ بس اچھے میرے دوست ساتھی یاد آگئے۔

تھے جو میرے لیے کس قدر پریشان ہو رہے ہوں گے۔ جبکہ میرے دوست ساتھی مکمل داد اور تحلیہ جانے تھے دونوں سے سان ڈیا کو میں نے جینی سے میرے شکر پیٹے ہیں۔“

”اور..... عابدہ؟ کیا وہ تمہیں یاد نہیں آ رہی ہے؟“ وہ بولے سے دل لہانے والے اعداد میں مسکرائی۔

”ہاں۔“ ایک جھکی جھکی سی جگر پاش ہو کر وہ میرے حلق سے خارج ہوئی تھی۔ ”اس کی کیا بات ہے۔ وہ تو ہر وقت میرے اندر..... میری رنگوں میں، میری روح میں موجود رہتی ہے۔ یہ ساری تک و دو، یہ تجو، یہ دن رات کا ایک کرنا سب اسی کی خاطر ہے۔“

”ہاں! اس میں ہلکا سا شک ہے۔“ یا یسین بولی۔ اسی وقت ہمیں اپنی اس جذباتیت ہماری گفتگو کا سلسلہ

موقوف کرنا پڑا۔ کیونکہ پروفیسر ڈین اور ڈاکٹر ہیرالڈ کی سب سے پہلے آنکھیں نے سامان افکار کا تھا۔

لیکن جب سے ذرا ہی قاسمے پر انہوں نے انہیں اجرت و خیر دے کر وہیں سے چٹا کر دیا اور خود باقی سامان اٹھائے جب کے پاس آ گئے۔

ذرا دیر بعد جب ایک بار پھر روانہ ہو چکی تھی۔ اگر پورٹ چونکہ خراب ہی تھا۔ ہماری جیب دوسرے گیت سے اندر داخل ہو چکی تھی۔

ہوئی سے اگر پورٹ تک کے مختصر دورانیے کے قاسمے پر وہ مجھے اور یا یسین کو چند ضروری دایات دے چکے تھے۔ رات گہری ہو چکی تھی۔ اگر پورٹ کی جہاں روشن تھیں۔

مطلوبہ نفل کے پاس جب رگ کی جہاں چند دردی پوش کسم اینڈ انٹگریشن ہال کا کھڑے نظر آئے۔

وہاں سفید رنگ کا ایک نیکی فینوں والا جیٹ طیارہ کھڑا نظر آ رہا تھا۔ اس پر بھی ”سوسور“ کا دنیا والا کوئی مخصوص نمونہ کرنا تھا۔ طیارے کا عقبی حصہ کسی بڑے مہراج کی طرح کھلا ہوا تھا۔

صاف لگتا تھا کہ دونوں بوزموں نے ہوئی سے ہی شاید فون کے ذریعے اپنی قاہرہ انٹرینشل اگر پورٹ سے روانہ کی کا بندوبست کر رکھا تھا۔

تاکید کی تھی ہم دونوں جیب سے بالکل بھی نہ اتریں اور نہ ہی ہوں میں ان کے پیچھے داخل ہونے کی کوشش کریں۔

”دیسے میرا ارادہ تو یہی تھا کہ جہاد سے ساتھ رہتی۔ جہاد سے مشن میں مددگار بن کر لیکن تم..... بجائے کیوں یہ پسندی نہیں کرتے۔“

”تھوڑے تو وقف کے بعد اس نے کہا۔ میں نے اس کے چہرے کی طرف دیکھا، وہ اترا اترا اور بائیں سا نظر آ رہا تھا۔ انسان کا دل، جذبات بھی عجیب ہی

رنگ رکھتے ہیں۔ ذرا دیر کا کسی کا ساتھ اس قدر مانوسیت میں کیوں بدل جاتا ہے کہ جی چاہے وہ ہمیشہ ساتھ رہے، کبھی نہ جدا ہونے کے لیے..... یہ انسان کی اپنی حساسیت کی فطرت طبع ہی ہوتی ہے۔

یا یسین خانم میرے لیے ایسے ہی جذبات رکھے ہوئے تھی، وہ اگر میرے اندر جھانکتی تو اسے بھی میرے دل میں کبھی کچھ نظر آ جاتا۔

حالانکہ میرے پاس دوستوں کی کیا کی تھی؟ ذہرو پانو سے لے کر اول خیر اور مکمل داد، شکلیہ یہ سارے ایسی کی پوری کرنے کے لیے کافی تھے۔ لیکن عابدہ کا خلا ایک ایسی کی

کی صورت میں تھا کہ..... ہر خوشی اور مسرت کے باوجود میرا دل اداس ہی تھا۔

یہ سب سوچتے سوچتے..... میری آنکھیں شاید ہم آلودہ ہوئی تھیں۔

”او میرے خدا! کہاں پہنچ گئے تم..... شہزی!“ یا یسین لگا ایک میرے خاموش چہرے اور آنکھوں کو ترسٹھوس

کر رہے تھے ایک دم آہ میرے انداز میں بولی اور اس قدر رقیق ہی ہوئی کہ اس نے بے اختیار اپنا ایک منہ زری بازو

میری گردن کے گرد جا لک کر دیا۔ اور اسی بھگدور مجھ سے لہجے میں دوبارہ بولی۔

”مجھے معاف کر دینا، میں نے شاید تمہیں ہرٹ کر دیا۔ پلیز شہزی! میرا یہ مطلب نہیں تھا کہ تم مجھ سے خار کھاتے ہو، میں جانتی ہوں تم نہیں چاہتے کہ میں کسی مشکل کا شکار

ہوں۔ جبکہ خود میں یہ چاہتی ہوں کہ اس لگا میں عابدہ کے سلسلے میں بھی مجھ سے تمہارے لیے جو کچھ ممکن ہو سکے، وہ میں کروں..... کوئی ایک کھانا کوئی ایک راست اس شہر خرابا

اس لگا میں تو ہوتا ہی چاہیے کہ جہاں انسان کو سکون کی چند گھنٹیاں میسر آ سکیں۔



ایک نظر اس نے یاسمین اور مجھ پر بھی ڈالی تھی اور تھوڑی دیر پہلے ذہن اور میرا لہجہ کی طرف سے خوش اخلاقی کا مظاہرہ کرتے والا چہرہ ایک دم بخود ہو گیا تھا۔

اس نے خاتون سے ہمارے کاغذات لیے۔ انہیں ایک نظر دیکھا اور قریب سے ایک چھوٹے سے جیبی نما گھرے کی جانب بڑھ گیا۔

خدا جانے کیا معاملہ تھا، لیکن صاف نظر آتا تھا کہ کوئی گزربوئی ہے، یعنی یاسمین اور مجھ پر کسی قسم کا انکسیر ہو چکا تھا۔ اگر ایسا تھا تو ایک بڑی اور طویل شکل کے لیے ہمیں تیار ہو جانا چاہیے تھا۔

تھوڑی دیر گزری، کاؤنٹر پر رکھا ہوا بھلا۔ خاتون نے فوراً کال ریسیور کی اور پھر ”رائٹ سر“ کہتے ہوئے ریسیور رکھا پھر میری جانب دیکھتے ہوئے مذکورہ جیبی روم کی جانب اشارہ کرتے ہوئے بولی۔

”آفسیر آپ کو اپنے کمرے میں بلا رہے ہیں۔“  
میں نے ایک گہری سانس لی اور یاسمین کی طرف دیکھا۔ اس کا چہرہ دھواں دھواں ہو رہا تھا۔ میں آگے بڑھ گیا اور کمرے کے پاس پہنچ کر دروازے پر ہولے سے دستک دیتا ہوا اندر داخل ہو گیا۔

وہ آفسیر ایک بڑی سی میز کے پیچھے بڑے ٹیسے کے ساتھ کرسی پر براجمان تھا اور میری جانب ہنسی گھور رہا تھا۔ میرے اور یاسمین کے کاغذات اس کے سامنے کھلے پڑے تھے۔

اس نے مجھے اپنے سامنے والی کرسی پر بیٹھنے کی ہدایت کی۔ اس دوران میرا ذہن بہت تیزی سے کام کرنا شروع کر چکا تھا۔ ایک عجیب و غریب خیال تو مجھے بار بار لپک لپک کر ذہن میں ابھرتا تھا کہ کسی ایسی ویسی مشکل ٹھوڑی میں مجھے کون سا قدم اٹھانا ہوگا۔

”مجھے افسوس ہے سسر شہزاد! تم اور تمہاری ساتھی یاسمین خاتم کو ایک اہم نوعیت کی نقیشت میں شامل ہونا پڑے گا۔“ آفسیر نے مجھ پر ہنس مچاتے ہوئے کہا۔

”آسان لفظوں میں یوں مجھ کو تم امریکا نہیں جاسکتے۔“  
”نہیں۔۔۔ لیکن کیوں؟ آفسیر؟“  
”میں نے کہا۔ اس نے وہی امریکی جہاز والی کریش لینڈنگ اور اس کی جزوی تباہی وغیرہ کے بارے میں مختصر بتا دینا ویسی اور بھی باتوں کا ذکر کیا جس کی بنا پر وہ اگر ثابت ہو جائیں تو مجھے اور یاسمین کو یہاں کی جیل بھی بھجھتا پڑ جائی۔“

”آپ کو یقیناً غلط فہمی ہوئی ہے آفسیر!“ میں نے

بالآخر اپنے تیزی سے سوچنے والے میں ایک عجیب ترہ سے کہنے کا فیصلہ کرتے ہوئے کہا۔

”میں آپ کو ایک اور خوش بخت دکھاتا ہوں جسے آپ یقیناً مطمئن ہو جائیں گے۔“

”کیسا بخت؟“ وہ قدرے الجھی ہوئی سوالیہ نظروں سے میری جانب دیکھتے ہوئے بولا۔ تو میں نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈال کر وہ نکھاسا سنہری بیوڑا نکال کر اپنے ہاتھ میں پکڑ لیا۔

وہ اس قدر منفرد اور جداگانہ خوب صورتی اور کشش کا حامل تھا کہ دیکھنے والے کی قدرتی طور ہی آنکھیں پھیل جاتی کرتی تھیں۔

وہ میں نے اس کی جانب بڑھاتے ہوئے اس کے سنہرے پروں پر اپنی انگلی کا ہلکا سا ہاؤ ڈالا۔

بلاشبہ میرا ایک ایسا دیوانہ پن لگا تھا جیسے میں اندھیرے میں کوئی تیر چلا رہا ہوں۔

بیوڑے کا آپریٹنگ سسٹم جس قدر مختصر تھا اس قدر کمزور تقاضوں کا بھی حامل تھا ورنہ اس کا اثر متقابل پر ہی نہیں آتا۔ مجھے پھر بھی ہو سکتا تھا، اس کے لیے میں نے اپنے دونوں ہاتھوں میں بیوڑے کو تھام کر اس کے منہ والا حصہ آفسیر کی طرف کرتے ہوئے خود سے اس کا فاصلہ کم از کم ڈیڑھ فٹ کی دوری پر جبکہ آفسیر کے بالکل نزدیک کر کے اپنی انگلی سے اس کے پروں پر ہلکا ہاؤ ڈالا۔

آفسیر جرت سے آنکھیں پھاڑے ہوئے خود اپنا چہرہ بھی اس کے کافی حد تک بڑویک کیے ہوئے تھا۔ میرا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ گویا مجھے کے ہزاروں جیسے میں کوئی حیرتوں بھر اور اٹھ کھڑا اور تھوڑا سا ہونے والا تھا۔

”کی۔ی۔۔۔ کیا ہے؟“  
”نو اور ہے جناب! آپ کے لیے چھوٹے۔“ میں نے کہا۔

نظر میں میری بیوڑے کے پروں پر تھیں۔ ان میں ہلکا سا ارتعاش تھم تھم کر محسوس ہوا تھا مجھے۔

”یہ ضرور۔۔۔ تم نے کسی اہرام سے چوری۔۔۔“ آفسیر کے منہ سے ابھی اتنا ہی برآمد ہوا تھا کہ اسے ایک دم چپ لگ گئی اور یہی وہ وقت تھا جب مختصر سے اس کمرے میں پہلی ہی ہتھکڑیاں لگ گئیں۔

میری پیسے ساہیں رک گئیں۔ آفسیر کا چہرہ پہلے خنجر ہوا اس کے بعد یک دم سیاہ ہو گیا۔ یوں جیسے وہ ”معمول“ بن گیا ہو۔ جبکہ خود اس ہتھکڑیاں کو کمرے کے ایسے ران کی ریلیں بھی ہتھکڑیاں ہوئی محسوس ہونے لگی تھیں، بقول

روڈلف کے یہ ہتھیار خود مزیدہ بھی ہو سکتے تھے، یعنی عدم احتیاط کے پیش نظر ان کی بلاکٹ تیزی استعمال کرنے والے کو بھی نقصان پہنچا سکتی تھی۔ اسی سبب اس میں قابضے اور ہتھکڑی کا خاص خیال رکھنا پڑتا تھا۔

میں نے دوبارہ انگلی کو پروں پر ہلکا سا دپکس کیا اور جینٹل منہ کی آواز نکلتے ختم ہوئی۔

میں نے دھڑکی نظروں سے سامنے بیٹھے آفسیر کے پیچھے کود دیکھا۔ وہ میری جانب ہی کھٹکے جا رہا تھا۔

”آفسیر! میرے اور میری ساتھی یاسمین کے کاغذات فوراً لپیٹ کر ڈالنے کا حکم دو۔“ میں نے اس سے حکمت انداز میں کہا اور اسی وقت اس نے میز پر قریب کے بڑے کارٹریڈ پر اٹھایا اور کاؤنٹر۔۔۔ پر موجود اپنے دونوں ہاتھوں کو اندر آنے کا حکم دیا۔

ڈرائی ویر میں وہ اندر داخل ہوئے۔  
”ان کے کاغذات ایسی پڑ کر کے انہیں جانے دو۔“  
آفسیر نے ان سے سیٹ لے لی۔ پہلے وہ دونوں حیران سے ہوئے لیکن پھر ”اوکے سر!“ کہتے ہوئے فوراً پلٹ گئے۔

میں۔۔۔ ان کے پیچھے آگیا۔ کاؤنٹر پر آکر انہوں نے میرے اور یاسمین خاتم کے پاسپورٹس پر بڑی ہی مہر لگا دی۔ ہم علیارے کی طرف بڑھے۔ پروفیسر ذہن اور ڈاکٹر میرا لہجہ اس اچانک کا ایک بڑے عجیب تھے لیکن وہ بھی کچھ تھے کہ ان کی وجہ سے معاملہ دفع دفع کر دیا گیا ہوگا، کیونکہ فریڈر بعد ان کے بشروں پر دم آمیز مسکراہٹ ہو رہا ہونے لگی تھی۔

تاہم فی الحال وہاں سے جلد از جلد رو پھرنے کی گنجائش تھی۔

طیارہ اندر سے خاصا کشادہ اور آرام دہ تھا۔ ضرورت کی ہر شے موجود تھی۔  
یاسمین تو سمجھتی تھی کہ میں نے اندر آفسیر کے ساتھ کیا کھل کھلا یا ہوگا۔ خود میری اپنی حالت سرت وانو کے پن کے احساسات سے دیدنی ہو رہی تھی۔

ہتھیار کا کم کمرے تھے۔ ہتھیار انوکھی بھی اپنے وقت پر اسی طرح خاطر خواہ نتائج دے سکتی تھی۔  
جیب کو طیارے کے کچھلے جیسے سے اندر داخل کر دیا گیا تھا۔ شام کی بھی اس کے اندر موجود تھی۔

طیارے نے ٹیکسی کی اور دروازے پر آگیا۔ اس کے بعد گاڑی سے آخری ہدایت پاتے ہی اس نے دوڑنا شروع کر

دیا۔

پروفیسر ذہن اور ڈاکٹر میرا لہجہ تو ہولے سے تھوڑا بہت منہ ہاتھ دھو کر فریش ہو کر اور لباس تبدیل کر آئے تھے لیکن میری اور یاسمین کی حالت لباس وغیرہ کے معاملے میں خاصی ابتر تھی۔

طیارے میں ہر چیز موجود تھی۔ کچھ ذہن اور میرا لہجہ کے سامانوں میں بھی ایسے لباس تھے جو ہمارے کام آسکتے تھے۔

دارو روپ میں بھی کپڑے لگے ہوئے تھے، میں نے اور یاسمین نے اپنے اپنے سائز کے لباس کا انتخاب کر ہی لیا تھا، وہ کوئی بونیک تو تھا نہیں کہ ہمیں ٹھیک ٹھاک اور اپنے ہی سائز کا لباس ملتا تاہم گزراے لائق جو ملا، وہ بڑا نہیں تھا۔ دارو روپ کے پچھلے ریک میں جوتے بھی تھے۔

باری باری واش روم جا کر ہم نہا دھو کر نیا نیا لباس پہن کر خود کو تازہ دم محسوس کرنے لگے، لیکن ٹھکان اور نیند کا غلبہ اپنی جگہ جوں کا توں رہا، بلکہ غسل وغیرہ کے بعد تو اور بھی زیادہ ستانے لگا تھا، مگر پیش آمدہ حالات ہی ایسے تھے کہ ان سب کا ہوش ہی کب رہا تھا۔

میرے جیسے میں سیاہ ٹائٹ جینز کی چٹلون اور ڈاکٹر میرا لہجہ کی شرٹ تھی۔ جوتوں میں جوگز کا انتخاب کیا تھا میں نے۔ یاسمین نے بھی کوئی پلے کر کے لہجہ کی چست چٹلون اور اس پر چھلی ڈلی قل آسٹیوں والی شرٹ چڑھا لی تھی، جوتوں میں اس نے بھی جوگز ہی ”فٹ“ کر لیے تھے۔

یوں ان سب تیار یوں کے بعد میں اور یاسمین آرام دہ سیٹوں پر بیٹھ گئے تھے۔ ہم دونوں ہی اس قدر تھکے دمبو تھے کہ کوئی بات ہی نہیں ہو پا رہی تھی۔  
طیارہ امریکا کی جانب پرواز کر چکا تھا۔

☆☆☆

”دشش۔۔۔ شہزادی کیا واقعی۔۔۔؟“ یاسمین نے بظاہر کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے اردو میں سرگوشی کی۔

”ہاں! خود میں حیران ہوں۔“ میں نے بھی جواب میں ہولے سے کہا۔

”نا قابل یقین۔“

”مجھے بھی یقین کرنے کے لیے تھوڑا وقت درکار ہے۔“  
کاش! روڈلف زندہ ہوتا میں اس کا ہاتھ چوم لیتا۔ وہ مرتے مرتے ایک بڑا احسان کر گیا ہے مجھ پر۔“ میں نے تاثر انگیز لہجے میں کہا۔

”جبکہ تم اس کی بات پر بھروسہ کرنے پر بالکل بھی



تیار نہیں تھے۔" یا یسین بولی۔

"آہ..... روڈ لف! اللہ اس کی مغفرت کرے۔"

"آمین۔"

ٹیپار سے ملیں چھ نشستیں اور دو بیٹھے تھے۔ ایک بڑی صوفہ نما نشست بھی تھی۔ پروفیسر ذہین اور ڈاکٹر ہیر الذہی پر براجمان تھے۔ ان کے سامنے نصف قوس کی صورت میں میز تھی۔

پروفیسر ذہین ہماری طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے بولا۔ "گائڈ! سیلف سروس کرنا پڑے گی۔ جو کھانا پینا ہے فریج سے نکال لو۔" کہتے ہوئے وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ یا یسین اور میں نے اپنی نشستیں چھوڑ دیں۔

"میں اپنے ساتھیوں کی موت کا بے حد دکھ ہے لیکن ہماری ہم کامیابی سے ہمساز ہوئی ہے۔ اس کا کریڈٹ یقیناً ہم اپنے مرحوم ساتھیوں کو ہی دیں گے۔" ڈاکٹر ہیر الذہی نے کہا۔

"یقیناً، اس میں کوئی شک نہیں۔" یا یسین اور میں نے کم و بیش اسی قسم کا اظہار کرنا ضروری سمجھا۔

فریج کے اندر ڈبا بند خوراکیں، جوس وغیرہ تھے۔ قریب وائٹ کینٹ سے انہوں نے اپنے لیے دھکی نکال لی تھی۔ ہمیں بھی پیشکش کی گئی تھی لیکن ہم نے انکار کر دیا۔ ہم اب اپنی نشستوں پر دو بارہ براجمان ہو چکے تھے۔ دیوار پر ایل ای ڈی بھی نصب تھی۔ اس میں کوئی پروگرام چل رہا تھا۔

ذہین اور ہیر الذہی سے متعلق ہی گفتگو کرتے رہے اور یا یسین سے اس کے متعلق اور بھی وہ سب کچھ پوچھنے لگے جس پر پروفیسر جشید اپنے ایک حقیقی لائیو ٹی وی چینل میں اظہار کر چکا تھا۔

میں خاموش بیٹھا کھڑکی سے باہر کا نظارہ کرنے میں مگن تھا۔ جہاں تاریکی کے سوا اب کچھ نہیں نظر آتا تھا۔ میرے اندر آن گشت سوچوں کا جال بنا ہوا تھا۔ اٹوٹی اور بھونرا میرے پاس تھے۔ ان کی افادیت کا "نظارہ" میں کر چکا تھا۔

ان کی موجودگی میرے حوصلوں کو بلند کیے ہوئے تھی۔ امریکا میں میرے بہت دشمن تھے۔ کچھ نہیں کہا جاسکتا تھا کہ..... انہیں میری رواں آمد کا علم تھا مگر یا نہیں۔ اسنے بے خبر جو خیرہ بھی نہیں بیٹھے ہوں گے۔ ایک مسرت بھی تھی کہ جلد سے جلد میں عابدہ کو اب ان کے ٹرنے سے چھڑا لاؤں گا، لیکن دل ہی سوچ کر سوس بھی خراب تھا کہ وہ بے چاری

تجائے کس حال میں ہوگی؟

امریکا میں ایک طرف میرے دشمن و انت کو سے تھے تو دوسری جانب میرے خیر خواہ بھی بے شک تھے۔ لیکن میں اب تک نہ پاکستان میں ان سے رابطہ کر سکا نہ ہی امریکا میں۔

کبیل وادار اور خلیہ بھی میرے انتظار میں تجائے کر حال میں تھے، جبکہ عائدہ وہاں پہنچ چکی تھی۔ آئندہ خالدہ کچھ پتا نہیں تھا۔

میں نے تہیہ کر رکھا تھا کہ شکاگو پہنچنے ہی سب سے پہلے پاکستان زہرہ بانو سے رابطہ کروں گا اور ان سے کبیل وادار اور خلیہ..... وغیرہ کے بارے میں ان کا پتا اور ان کی سان ڈیاگو..... میں موجودہ پوزیشن کے بارے میں تفصیل سے پوچھوں گا۔

ہم تھکے ہوئے تھے لہذا سونے کا پروگرام بنایا گیا۔ میں تو صوفے پر ہی سو گیا۔ یا یسین بھی خالی نشستوں میں چڑ بنا کر لیٹ گئی جبکہ دو دونوں بڑے بیٹے پر جا کر لیٹ گئے تھے۔

ان کے مطابق قاہرہ سے شکاگو تک تیرہ سے پندرہ گھنٹے کا سفر تھا۔ ہمارا ایئر ٹیٹ اور دو ایجنوں والا جیٹ ٹیپار تھا۔ اس میں پندرہ گھنٹے لگ سکتے تھے۔ جبکہ ہم قاہرہ ایئر ٹیٹل ایئر پورٹ سے رات بارہ بجے روانہ ہوئے تھے اور مصر کی وقت شکاگو سے سات گھنٹے پہلے تھا۔

تھکے ہوئے تھے، لیکن ہی سو گئے۔

پاکٹ کے ساتھی نے ہی نہیں چکا تھا۔ واش روم جا کر فریج سے اس کے بعد یا یسین نے سینڈو چور اور کافی وغیرہ تیار کی۔ ذہین اور ہیر الذہی کھانے پینے اور کام کے معاملے میں خاصے ایکٹو تھے۔

میں کھڑکی طرف آکر بیٹھ گیا۔ پاکٹ کے مطابق ہمارا ٹیپارہ بحر اوقیانوس کی آخری حدود میں تھا اور اب امریکا کا عظیم کی راجدھانی میں داخل ہونے والا تھا، بلکہ یہ کہاں تھا، مناسب تھا کہ داخل ہو چکا تھا۔ میری منزل کبلی فورنیا تھی۔ جبکہ ان کی منزل شکاگو.....

ہمارا "اسنے" بہر حال شکاگو میں ہی تھا۔ یہ ایک مجبوری تھی۔ اس میں یا یسین کا بھی مشورہ شامل تھا کہ میرا چند روز شکاگو میں قیام کرنا مناسب ہوتا، کیونکہ وہاں رہتے ہوئے میں اسنے ہی خواہوں سے کبلی نو تک رابطے میں رہتے ہوئے پورے سکون کے ساتھ آئندہ کا لائحہ عمل تیار کر سکتا تھا۔ یوں بھی کسی دشمن کے سان گمان میں بھی نہ ہوگا کہ

میں کبلی فورنیا یا سان ڈیاگو کے بجائے شکاگو کا بھی رخ کر سکتا ہوں۔

تاہم میں یا یسین کی اس بات سے متفق نہیں تھا کہ زلوٹش اور باسل ہولارڈ سمیت میرے دیگر دشمن اس بات سے لاعلم ہوں گے کہ میں امریکا میں قدم رکھ چکا ہوں۔ انہیں ہر ایک ایک بات کی خبر پہنچتی رہی ہوگی۔

مجھے باسل ہولارڈ سمیت "کائیکر جگ" اور زلوٹش سمیت "اسکیٹرم" کو چھیننے کی ضرورت نہ تھی، مگر یہ لوگ بھی مایہ کو چھانے اور اس پر عمدہ حیات تنگ کرنے میں لاش رہے تھے، اسی لیے میں نے راہ کھولی ہوئے پر انہیں بھی جتنے کی قسم کھا رکھی تھی۔

اب چاہے امریکا میں رہتے ہوئے وہ میری قانونی جنگ بولی یا چہرہ ذاتی، اس کا فیصلہ وقت کو کرنا تھا، تاہم بلا سادہ کہا جاسکتا تھا کہ آخر الذکر دشمن اتنی آسانی سے میری اس ہم کو کامیابی سے سر نہیں ہونے دیں گے۔

میرا اول تا آخری مقصد صرف اور صرف عابدہ کو ان کے گھنے سے چھڑا کر کبیل وادار اور خلیہ سمیت بہ خیریت وطن واپس لوٹ جانا تھا اور میں.....

میں نے کھڑکی سے باہر دیکھا تو بڑا عجیب اور انوکھا منظر میری آنکھوں کے سامنے تھا۔

سورج نمودار ہوا تو زردی مائل روشنی میں جہازوں کے دھجوں کی لکیروں (جو کنڈیشن ٹریل یا کنٹرول کھلائی ہے) نے ایسا سا بان باندھ رکھا تھا جیسے پوشٹ آپ گلیسی فلموں کے منظر ہوتے ہیں۔

جھیل مٹی گن کے کنارے پر واقع..... شکاگو جہاں سے لیرڈے کا آغاز ہوا اور پولیس کے ہاتھوں شہید ہونے والے مزدوروں کے ذکر کے بغیر اس شہر کا تذکرہ ادھر اور اگلا ہے۔ پاکٹ کے مطابق ہم اس کے "اوبیر" نامی ایئر پورٹ پر دو تین گھنٹوں بعد ہی لینڈ کرنے والے تھے۔

مجھے اور یا یسین کو بڑی دلچسپی اور اظہار کے کھڑکی سے باہر کا نظارہ کرتے دیکھ کر پروفیسر ذہین گردن کی تجائے کوئی ہی رنگ بکری کہہ امریکا کے گن گاتے ہوئے لاف و گزاف پر اتر آیا۔

تقریبی گھنٹے میں اس نے بتایا کہ شکاگو کے اوبیر ایئر پورٹ کو دنیا کے چند بڑے اور معروف ترین ہوائی اڈوں میں شمار کیا جاتا ہے جو کئی ملبوں میں پھیلا ہوا ہے اور بلا سادہ ایک وقت میں ہیکڑوں جہاز اس کی فضا اور زمین پر موجود رہتے ہیں۔

آوارہ گرد

اس پر یا یسین اور میں نے ایک دوسرے کی طرف طنز یہ نظروں سے دیکھا اور میں نے مصلحہ پروفیسر ذہین کی طرف دیکھتے ہوئے ظاہری متاثر کن انداز میں اپنے سر کو اٹھاتی جنبش دی تھی مگر یا یسین سے اردو میں استہزاء کیجئے میں ایک ایک لفظ چبا کر کہا۔ "اگر مشرق وسطیٰ اور عرب ممالک، امریکا کا یہ "تیل پانی" بند کر دیں تو امریکا کے یہ جدید ترین اور بین الاقوامی ہوائی مستقر کھنڈرات کا منظر پیش کرنے لگیں، یہی نہیں امریکا..... کی پوری معیشت ہی ڈھس جائے گی اور امریکا خود بھی۔"

یا یسین بھی اس حقیقت کا اور اک رکھتی تھی اسی لیے اس نے بھی میرے اس مضبوط جغرافیائی تجزیے پر دھیرے سے مسکرا کر صاف کیا تھا۔

کچھ گھنٹوں بعد یہ سفر بھی تمام ہوا اور ہم بالآخر شکاگو کے "اوبیر" ایئر پورٹ پر لینڈ کر گئے۔

وہاں "ٹوکسوز" سے متعلق پانچ چھ افراد پر مشتمل ٹیم ہمارے استقبال کے لیے پہلے ہی موجود تھی۔ لاؤنج سے ایئر پورٹ تک پہنچنے تو الیکٹرک میڈیا سے متعلق رپورٹرز اور اسکرپٹس کا پورا جھٹا وہاں آن دھمکا..... ٹھکا ٹھک ہمارے چہروں پر فٹ پڑنا شروع ہو گئی۔

میں اور یا یسین اس اچانک افتاد سے گھبرا گئے۔ یہ بہت خطرناک صورت حال تھی۔ میرے دشمن کڑی نگاہ رکھتے ہوئے تھے۔ ان کے لیے میرا موجودہ ٹھکانا تلاش کرنا کیا مشکل ہوتا۔

ٹھکانہ کی کمی کی دریافت کا معاملہ بس ایک حد تک ہی خفیہ رکھنے کی کوشش کی گئی تھی..... پروفیسر ذہین اور ڈاکٹر ہیر الذہی نے فخر و انبساط کے ساتھ ڈھیروں سارے ہیکس کے آگے منہ لگا کر اپنی کامیابی اور اس پر فخر ہم کے بارے میں بتاتے چلے جا رہے تھے جبکہ میں اور یا یسین ان سے منہ چھپانے کی کوشش میں مصروف تھے۔

دقت..... اسی غل غبارے میں کوئی مجھ سے ٹکرایا اور میرے جھولنے ہوئے ہاتھ میں کوئی شے تھما لگا۔ میں غصا..... وہ ایک جوان اور دلکش عورت تھی، جو مقامی ہی محسوس ہوئی تھی مجھے۔

ہل کے پل ہی میری ایکسرے کرتی نظروں نے ایسے تاثر لایا تھا کہ وہ..... انہی رپورٹرز کے جتنے سے تعلق رکھتی تھی۔

"سمنر شہزی! میں سوئی ہوں۔ مجھ سے اس ایڈریس پر فوراً ملاقات کرو، ورنہ نہیں ہونی چاہیے۔"



# JASOOSI DIGEST PUBLICATIONS

Convey Your Message to  
Millions of Our Readers,  
World Wide  
Through



JASOOSI DIGEST SUSPENSE DIGEST MONTHLY PAKTEZA MONTHLY SARGUZASHI

63-C, PHASE II EXTN., D.I.L.A., MAIN KORANGI ROAD, KARACHI 75500-PAKISTAN.  
PHONES : (92-21) 35802552-35804200-35895313 FAX : (92-21) 5802551  
Email : jdpgrp@yahoo.com



شکا گو کا موسم معتدل تھا۔ سڑک پر ٹریفک رواں تھا۔  
آسمان پر کہیں کہیں سفید بادلوں کی ٹکڑیاں تیر رہی تھیں۔  
اس رنگ کا رقبہ ادراشی جس قدر وسیع ہے اسی قدر یہاں  
آپ کو کم لوگ ملیں گے۔ لوگوں کا تھوڑا بہت مجمع آپ کو  
صرف مخصوص جگہوں پر ہی نظر آئے گا۔ فٹ پاتھ یا دھڑا دھڑ  
مزاحمت کرتے لوگ خال خال ہی نظر آ رہے تھے۔  
”تم آنسو خالہ کی فریڈ ہونا۔۔۔۔۔“ کار کی رفتار  
بڑھاتے ہی اور ایک شاہراہ پر پہنچنے کے بعد میں نے اس کی  
طرف دیکھ کر کہا۔

”ہاں!“ اس نے سامنے وٹزا سکرین سے نگاہیں  
پٹائے بغیر جواب میں کہا۔ وہ خاصی سنجیدہ اور کسی حد تک  
گھبرائی ہوئی نظر آتی تھی۔  
”پاکستان زہرہ بانو کو تم نے ہی فون کیا تھا نا۔۔۔۔۔ آنسو  
خالہ کے کہنے پر۔۔۔۔۔! کہ وہ خود کہیں غائب ہو چکی تھی  
اور۔۔۔۔۔“

”جب مجھے پہچان ہی گئے ہو تو کیوں فضول باتوں  
میں وقت ضائع کر رہے ہو۔“ اس نے میری بات کا تس  
ہوئے جھٹکا کر کہا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ میرے اس اچانک  
ساتھ پر خوش نہ تھی۔ میں نے کن آنکھوں سے اس کا جائزہ  
لینے کی کوشش چاہی، اس پر کچھ کہہ امریکی ہونے کا اشارہ کرتا  
تھا لیکن اس کے چہرے کے نیچے نین نقش میں مخصوص قسم کا  
گداز پایا جاتا تھا، جلد کی رنگت صاف اور ملائم تھی۔

وہ کہیں سے غریبی اور نونان کا ملا جلا نمونہ لگتی تھی، جو کسی  
رخ سے امریکی، لہجہ اس کا پوئل سا مگر آواز میں وہاں دہلی  
تھا۔ اس کا چہرہ قدرے گول مگر کچھ بیضی تھا۔ بال لمبے تھے،  
مگر اسے دہن کیا ہوا تھا۔ اس نے ہلکے گرسے نظر کا شانور  
اسکرٹ پہنا ہوا تھا۔ شرٹ وائٹ اور کریان خاصا کشادہ  
تھا، جسمانی لحاظ سے وہ خاصی متناسب الاغضاء تھی۔ قد  
درمیانہ تھا۔

میرا ہی نہیں بلکہ میرے ساتھیوں کا بھی سوزی سے  
آنسو خالہ کے حوالے سے غائبانہ تعارف ہو چکا تھا۔ یہ اس  
وقت کی بات تھی جب میں کبیل ودا، اول خیر اور ٹکلیہ کے  
ساتھ انڈیا کی پرنسپلیم کے بعد انڈیا سے کراچی پہنچا تھا  
اور بہ غرض خیر خیریت میں نے لاہور تکم لانا فون کھڑکا دیا تھا۔  
پھر زہرہ بانو نے ہی مجھے سوزی کے فون کے بارے میں بتایا  
تھا جس کے مطابق آنسو خالہ کی کشمیری اور میرے بارے  
میں در یافت کرنا تھا۔ نیز سوزی نے زہرہ بانو سے میرے  
بارے میں بھی پوچھا تھا۔

غیر ارادی طور پر اس کی تنہائی ہوئی پرچی میں نے  
اپنی منہ میں جکڑ لی لیکن میرے دماغ میں بھڑکے برستا  
شروع ہو گئے تھے۔

”سوزی۔۔۔۔۔ سوزی۔۔۔۔۔ سوزی۔۔۔۔۔“  
میں یاد کرنے کے لیے اپنے ذہن پر زور لگا رہا تھا اور  
اسے ایک طرف کو جاتا ہوا دیکھتا رہا۔  
وہ لوگوں کے جھوم سے نکل کر تیز تیز قدموں سے ایک  
گیت کی طرف بڑھی چلی جا رہی تھی اور پھر دفعتاً ہی میرے  
ذہن میں ایک جھماکا ہوا۔ مجھے یاد آ گیا۔ یا سبین کو بھی کچھ ٹیڈ  
ہوا۔

”کیا کہہ رہی تھی یہ لڑکی تم سے؟“ اس نے پوچھ لیا۔  
”مجھے اس کے پیچھے جانا ہو گا۔ تم میری فکر نہ کرنا خاتم! میں  
جہاں کہیں بھی ہوں گا تم سے جلد رابطہ کروں گا تمہارا اس  
وقت ذہن اور ہیرالڈ کے ساتھ جانا ضروری ہے۔“ کہتے  
ہوئے میں نے اپنے سفری کاغذات کا وہ پانچ بج بھی کسی  
احتیاط کے پیش نظر جلدی سے اسے تھما دیا۔

”یہ سنبھال کر رکھنا، میں بعد میں تم سے ملوں گا۔“  
وہ کچھ کہتے کہتے رہ گئی اور میں یہ کہہ کر اسے ہٹا دیا  
چھوڑ کے ایک دم آگے بڑھ گیا۔ حالانکہ اس کا ایڈریس ایک  
کارڈ کی صورت میں میری منہ میں تڑا مڑا چھپا ہوا تھا مگر پھر  
بھی میں اس کے پیچھے چل پڑا۔

جلدی میں نے اسے گیت سے باہر پارکنگ لاٹ پر  
کھڑی ایک کار کی جانب بڑھتے دیکھ لیا اور اس کی جانب  
لیگا۔

”بے کس سوزی!“ قریب جا کر میں نے عقب سے  
ہولے سے پکارا۔ وہ بڑی طرح چونک کر میری جانب پلٹی۔  
اس کی خوبصورت سی آنکھوں میں حیرت اور پریشانی کی ٹلی  
جلی جھلک ابھری۔۔۔۔۔

”میں ابھی تمہارے ساتھ چلے کو تیار ہوں، کیونکہ میں  
تمہیں پہچان چکا ہوں۔“ میں نے اپنی بے ترتیب سامانوں  
پر قابو پاتے ہوئے اس سے کہا۔

وہ چند ثانیے کے لیے کچھ سوچتی رہ گئی۔ اس کے بعد  
اس نے صرف اثبات میں ہی اپنا سر ملائے پراکتفا کیا اور  
ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھول کر اس میں جا بیٹھی۔

میں بھی فوراً دوسری جانب سے تیزی کے ساتھ لپکا اور  
اس کے ساتھ والی سیٹ پر براہجان ہو گیا، میری طرف کا  
دروازہ وہ کھول چکی تھی۔ اس نے کوئی بات کیے بغیر کار آگے  
بڑھا دی۔



اس نے خود کو آئسہ خالدہ کی ساتھی بتایا تھا اور ہم بھی  
لاحالہ..... یہی سمجھتے رہے تھے کہ سوزی یقیناً آئسہ خالدہ کی  
گہری "راز دانا" دوست رہی ہوگی اسی لیے..... اسے  
ساری باتوں کا علم تھا۔

لیکن باوصف اس کے نبھانے یہ میری غیر معمولی بڑھی  
ہوئی چھٹی جس کا شائبہ تھا یا حد سے زیادہ احتیاط پسندی کہ  
مجھے سوزی کو قریب سے اور اس کی حرکات و سکنات دیکھ کر کسی  
گہری گزبڑ کا احساس ہو رہا تھا۔

سوزی نے گردن اٹھا کر میری جانب دیکھا اور پھر  
ساتھ ساتھ سر پر نظر پڑا جاتے ہوئے بولی۔

"تم بہت جلد باز ہو، جب میں نے تمہیں اپنا  
ایڈریس دے ہی دیا تھا تو اتنی جلدی کس بات کی تھی؟"

میں اب اس کی ایک ایک حرکات و سکنات سمیت اس  
کے لہجے اور انداز گفتگو کو آہستہ آہستہ یاد کرنے کی..... کوشش کر رہا تھا۔  
مجھے اس کی بات کچھ عجیب لگی۔ تاہم ہلکی سی مسکراہٹ سے  
بولی۔

"جلد بازی تو دور کی بات ہے، یہاں میرا ایک ذرا  
بھی کوئی جان پہچان کا فرد مجھ سے یوں اچانک مل گیا..... جائے  
تو میں اس سے ملنے میں ایک لمحے کی بھی دیر نہیں لگاؤں گا۔"  
"بہت خراب عادت ہے یہ..... اس نے مختصر تبصرہ کیا۔  
"بالآخر تم امریکا پہنچ گئے۔"

"ہاں!" میرا جواب مختصر تھا اور میرے اندر غور اور  
سوچ و خیال کا چال پنا شروع ہو چکا تھا۔ میرے ذہن کا کمپیوٹر  
مغفل کی کوئی پر بہت سے قیاسات اور "ممکنہ" انداز سے  
سرچ کرنے لگا تھا۔

"ہم اب کہاں جا رہے ہیں؟" بالآخر میں نے  
پوچھا۔

"جانا تو کہیں اور تھا..... لیکن اب تمہاری وجہ سے  
مجھے کسی اور جگہ کار کرنا پڑ رہا ہے۔"

"لہذا تو مجھے ویسے بھی قاتم سے، کیا ہوا جو ابھی  
تمہارے ساتھ چل پڑا۔ میرا خیال ہے تم کوئی اہم اطلاع  
دینا چاہتی تھیں مجھے۔"

"تمہارے یہاں قدم قدم پر دشمن موجود ہیں۔" وہ  
بولی۔

"اس کا تو مجھے بھی علم ہے۔" میں نے بے پروا انداز  
میں اپنے کندھے اچکائے۔ اس نے پھر ایک ذرا گردن اٹھا  
کر میری جانب دیکھا۔ اس کی نگاہوں میں مجھے کچھ عجیب  
سے تاثرات متوجہ ہوتے محسوس ہوئے۔

"تمہیں کیسے علم ہوا کہ میں شکاگو کے اوہیرا پورٹ  
پر اترنے والا ہوں؟"

میرے سوال پر وہ کچھ گھبرا کر جلد ہی اس نے اپنے  
چہرے کے تاثرات پر قابو پایا۔ بولی۔ "تم اتنے بد صورت نہیں  
ہو سکتے جیسا احقاد سوال کر رہے ہو۔"

"یعنی؟" میں نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف  
دیکھا۔

"دشمن تمہاری تھائی لینڈ والی مہمات سے لے کر مصر  
اور پھر وہاں سے اسرائیل تک کی روانگی سے پوری طرح واقف  
ہو چکے ہیں۔" اس نے جواب دیا۔

"ان کا مجھے اندازہ ہے، لیکن میں نے تمہاری بات کی  
ہے۔ تمہیں کیسے علم ہوا کہ میں....."

"مجھے ایسا کچھ نہیں معلوم تھا۔ میں تو دوسرے رپورٹرز  
کی طرح اپنی پیشہ ورانہ ذمہ داری نبھانے آئی تھی، لیکن  
تمہیں دیکھتے ہی..... کہتے کہتے وہ اچانک چپ ہو گئی،  
یوں جیسے اس کی کوئی چوری پکڑی جانے لگی ہو، میں بھی ایک  
دم بدک گیا۔

میں نے اپنے گرد خطرے کی بو محسوس ہونے  
لگی۔ وہ گھبرا گئی۔ میں نے فوراً انگلی دلا کر اس کی  
خوبصورت صحرائی دار گردن کے قریب کر لیا اور ہر لمحے لہجے  
میں سرسراتے ہوئے بولا۔

"اس وقت تم اپنی موت کے دہانے پر ہو۔ ابھر میری  
انگلی متحرک ہوئی اور ابھر اس انگلی سے لگی ہوئی آن دیکھی  
شعاع تمہیں پل بھر میں موت کی نیند سلا دے گی۔"

"مم..... کی..... کلک..... کیا کہہ رہے ہو تم؟" اس  
کے حلق سے خوف زدہ سے بے ربط الفاظ خارج ہوئے اور  
میری بھانپتی ہوئی نظروں نے تاڑ لیا کہ وہ عام اور خوف زدہ  
ہو جانے والی لڑکی کی اعلیٰ ادکاری کر رہی تھی۔

"تم نے آج تک میری شکل نہیں دیکھی تھی، یہی نہیں  
نے تمہاری، پھر مجھے شہزادی کی حیثیت سے کیسے پہچانیں گے؟"  
میں نے غراہٹ سے متنبہ آواز میں کہا۔

"تمہیں بڑی خطرناک غلط لگی ہوئی ہے مسٹر.....؟"  
وہ اس بار بڑے جس سے بولی۔ لگتا تھا کہ وہ خود کو اب پر اعتماد  
اور پرسکون رکھنے کی کوشش ہی نہیں کر رہی تھی بلکہ ہلکی اور  
طمأنیت بخش مسکراہٹ سے بھی کام لینے لگی تھی۔

"آئسہ خالدہ کے ساتھ تم اسکا پپر چینگ کرتے  
رہے ہو۔"

"لیکن میں نے کبھی بھی اپنی آنی ڈی پر تصویر نہیں

لگی تھی تاہم میری تھی۔" میں نے فوراً جواب دیا۔  
"افہ..... کہنے لگی مزاح ہو تم۔ میں تمہاری مدد کرنا  
چاہتی ہوں اور تم مجھ پر ہی شک کیے جا رہے ہو؟ اس کی کوئی  
خوشی و جگہ نہیں ہے تمہارے پاس؟"

"میری چھٹی جس میری رہنمائی کرتی ہے۔" میں نے  
کہا اور اس کی گردن سے ہاتھ ہٹا لیا۔  
"ہو سکتا ہے مجھے تم پر واقعی بلا وجہ کا شبہ ہوا ہو، لیکن یہ  
بتاؤ..... آئسہ خالدہ اور عابدہ کے بارے میں تم کیا جانتی ہو؟

اور مجھے بلائے کا تمہارا مقصد کیا تھا؟"

سوزی ہولے سے گردن موڑ کر میری جانب دیکھتے  
ہوئے مسکرائی۔ جواب میں، میں بھی مسکرایا۔

"یہی کچھ پوری تفصیل سے بتانے کے لیے میں تمہیں  
اپنے ساتھ لے جا رہی ہوں۔"

میں خاموش ہو رہا۔ تاہم اس کی جانب سے محتاط تھا۔  
یہ سچ تھا کہ مجھے اس پر کچھ شبہ ہوا تھا لیکن اس کی کوئی خفوس وجہ  
مجھ میں نہیں آ رہی تھی، بس اول میں ایک خیال ابھرا تھا اس  
کے بارے میں.....

ایک فلائی اور اور دو اندازہ ریاس سے گزرنے کے بعد  
ہم ایک راسخ ٹرک کے علاقے میں آ گئے۔

"یہ علاقہ ریڈ کھلتا ہے۔" فنیخ اونیو بائیس کمرشل  
اسٹریٹ..... وہ بولی۔ جیسے مجھ پر اپنا اعتماد جتنا چاہ رہی  
ہو، میں خاموش رہا۔ "میں ابھر ہی رہی ہوں۔"

"ہم....." میرے منہ سے فقط یہی برآمد ہوا تھا،  
البتہ میری نظریں چیزوں سے اطراف میں گردش کر رہی تھیں۔  
ایک بلڈنگ سے ہم اندر داخل ہو گئے۔ کار کو پارکنگ  
میں روک کر ہم نیچے آئے۔ میں اس کے ساتھ آگے

بڑھا۔ زینے سے کھڑے ہوئے ہم دوسری منزل کے ایک  
اپارٹمنٹ کے دروازے کے قریب پہنچ گئے۔ اس نے  
جایاں نکالیں اور داخل کھول کر اندر داخل ہو گئی، میں بھی اس  
کے پیچھے اندر چلا آیا۔

اپارٹمنٹ خاصا کشادہ اور لمبا ڈیکور بنڈ نظر آتا تھا۔  
"تم یہاں آرام اور سکون سے کچھ عرصے کے لیے رہ  
سکتے ہو۔" اس نے ایک صحنی تھی جس کی ہکاری خارج کرتے  
ہوئے کہا اور اس کے بعد دوسرے کمرے میں چلی گئی۔

لیکن جیسے ہی وہ اپنے جوتے بے پروا انداز میں ابھر  
اگرچہ پیچک کر ایک کمرے میں داخل ہوئی میں فوراً صوفے  
سے اٹھ کھڑا ہوا۔

بالکل ہی غیر متوقع انداز میں سوزی محض چند ہی سیکنڈ

## آوارہ گرد

میں دوبارہ نمودار ہوئی تھی اور اب اس کے ہاتھ میں سیاہ  
پستول نظر آ رہا تھا، اس کی بلی ٹال سے اندازہ لگانے میں  
مجھے مطلق دیر نہ لگی تھی کہ اس پر سامعین چڑھا تھا۔

سوزی کی پوری توجہ تھی کہ میں صوفے پر بڑے آرام  
سے پھیلا ہوا بیٹھا ہوں گا، لیکن..... وہاں سے وہ مجھے غائب  
یا کر بلا غیر پھرنی کے ساتھ چند قدم یوں آگے بڑھی جیسے اسے  
یقین ہو کہ میں اس وقت کسی طرف سے اس پر گھات لگائے  
کھڑا ہو سکتا ہوں۔

اس کا یہ محتاط انداز اسے عام عورت ثابت نہیں کرتا  
تھا، مگر میں بھی کوئی ناٹکار نہ تھا۔

اس کے سینے اور مجھ پر وار کرنے سے پہلے ہی میں  
نے کھڑی ہٹائی کا وار سب سے پہلے اس کے "خاموش"  
پستول والے ہاتھ پر کیا۔ وہ کراہنے والے انداز میں چپنی اور

حیرت انگیز طور پر اس نے اپنی تکلیف پر قابو پاتے ہوئے  
لیفٹ بک میرے جڑے پر رسید کر دیا۔

یہ وار میرے لیے غیر متوقع نہ تھی لیکن اچانک ضرور  
تھا۔

میرا داغ لحد بھر کو جھٹک گیا، سنبھلا تو اس نے یکفخت  
اپنی ایک ٹانگ کی اڑی پر پھر کر کی طرح نصف چکر لگایا، میں  
ہوش جانے دیتا تو یقیناً اس کا یہ داؤ میرے لیے کراہا ثابت

ہو سکتا تھا۔ کیونکہ مجھے اس کے بظاہر عام نظر آنے والے  
سینٹل کی "ٹو" میں ایک تیز دھار آنے کی چٹکتی ہوئی جھلک  
محسوس ہوئی تھی، وہ میرے جسم کے کسی بھی حصے میں پڑ جاتا تو

بڑا "قالم چکا" لگا جاتا۔  
جڑے پر پڑنے والی ضرب کے باوجود میں نے بجلی

کی سی پھرنی کے ساتھ جھکا کر دی۔ مگر میں نے اسی پر  
موقوف رہنے کی بجائے تھوڑی دیر کی تھی۔

جھکا کر دینے ہی میں نے اس پر وار بھی کیا تھا، میری  
دائیں ٹانگ اس کے بائیں پہلو پر اس زور سے پڑی تھی کہ  
وہ چٹ مار کے صوفے پر جا پڑی اور اسی سمیت دوسری جانب

اُلٹ گئی۔  
یہ ضرب اس کے لیے کاری ثابت ہوئی تھی، وہ درود کی

شدت سے کراہنے لگی لیکن دیکھا جاتا تو پھر بھی وہ سخت جان  
ہی ثابت ہوئی تھی، اور شاب تک بے ہوش ہو چکی تھی، یہ بات  
یقینی ہو چکی تھی کہ وہ کوئی تربیت یافتہ "شے" تھی اور اس

"شے" کا تعقل کن لوگوں سے تھا، ابھی یہ جانچنا پڑتا تھا۔  
میں نے جیتے کی طرح اس کی جانب لپک کر اسے

دیوچ لیا اور سب سے پہلے اس کی جامہ تلاشی کیے کے بعد



اسے ایک خنجر ہے، جو اس کی پشت پر پہلو کے قریب بندھا ہوا تھا دوسرے اس کے دونوں سینٹرز سے محروم کر دیا، جن کے تلے میں تیز دھارا آگ لگتھا۔

وہ چند لمحوں میں ہی اپنی تکلیف پر قابو پانے کے بعد پھر میری گرفت میں تڑپتی تو میں نے اسے بالوں سے پکڑ کر زوردار جھٹکا دیا۔ اس کے حلق سے لمبی جھسی جھسیانہ غراہٹ اُبھری۔ وہ اب تک بڑی فکاری کے ساتھ ”عام“ نظر آنے والی لڑکی کے روپ میں خود کو ظاہر کیے ہوئے تھی۔

اب بس ان زیادہ حرکت کرو گی تو جان سے چلی جاؤ گی۔ میں نے بھی بیٹھ کر چھٹی فرما دیتا ہوں۔ تم فون پر بے وقوف بناسکتی ہو لیکن حقیقی ملاقات میں نہیں، تمہارا پول کل چکا اب راہ راست پر آ جاؤ۔ یاد رکھو، میرا نام شہری ہے اور میں تم سب کی سائینوں والی سیڑھیاں توڑتا ہوں امریکا میں قدم رکھ چکا ہوں۔“

میرے لیے کی مہن مرنے پہلی بار اسی کی دلکش آنکھوں اور چہرے پر بخوف کی لہریں دوڑا دی تھیں لیکن دوسرے ہی لمحے ان چاٹرات میں غفرت کی چمک بھی ابھری تھی۔ وہ اسی لمحے میں بولی۔

”تمہاری موت ہی تمہیں یہاں پہنچا لاتی ہے شہزیادی“  
میں نے ہونٹ پہنچ کر اسے صوفے پر پٹایا۔ وہ  
کراہی۔ پہلو والی ضرب سے وہ ابھی تک نڈھال تھی،  
مزید برائیں میرے خطرناک تیوروں نے اس کی رہی سہی  
ہمت بھی فرو کر ڈالی تھی۔

”یہ فیملہ وقت کرے گا، مجھے تم سے صرف دو سوالوں کے جواب چاہئیں، پہلا یہ کہ تم کس لوگوں سے تعلق رکھتی ہو؟ دوسرا سوال کہ وہ خالہ کہاں ہے؟“ میں نے کہا۔

وہ جواب دیتے کہہ بجائے گھر سے سانس لیجی رہی۔  
جیسے اس پر ناہیگر ٹیک کا ٹھٹکا ہوا تھا، یہ کوئی سی آئی اے کی  
ایجنٹ تھی، کیونکہ ان کا طریقہ کار ایسا ہی ہوتا ہے، یہ عام  
لوگوں میں کھل کر کاروبار کرتے ہیں۔ ایک حد تک میرا اس  
پر اسرا نیکی خفیہ ایجنسی کی طرف سے بھی اظہار تھا اور..... تب  
ہی میرے ذہن میں اس کا مخصوص ناک نقشہ دیکھنے کی کھلیک  
پیدا ہوئی تھی۔ وہ یہودی ایجنٹ تھی، ہو سکتی تھی۔

”جواب دو۔“ میں نے اسے صوفے پر مگر دیا۔ وہ اپنا نام و گواہانِ قسم بار بار میرے ساتھ کسی کرنے کی کوشش کر رہی تھی، اس کا خیال تھا کہ میں موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ریشہ خلی کا اقلہاڑ کروں اور وہ میری پوری حوصلہ افزائی کرے پھر آج تک دوبارہ مجھ پر وار نہ کر ڈالے۔ (الغلاز

دنیا کی دو ہی بدنام زمانہ سکرپٹ ایجنسیوں کی حسین و جمیل خواتین کا ہونہ تھا، ایک ”را“ اور دوسرا اسرائیلی خفیہ ایجنسی کا۔ ”پپ..... پانی ا“ وہ پھر ایک سنگ پر اتر آئی۔ میں

نے ایک زرد دار پتھر اس کے چہرے پر سید کر دیا۔ پھر اس کی ناک گردن کو اپنے ایک ہاتھ کے نیچے میں اوجھ کر اس کا متور چہرہ اپنی خود ناک نظروں کے سامنے کرتے ہوئے غرا کے بولا۔

”میں سرے کفن باندھے ہوئے ہوں۔ مجھے میرے  
والوں کے جواب دل ہی چاہیے گئے، لیکن میں تمہیں بڑی  
جان کنی کے عالم میں موت کے کھاتے اُتاروں گا کہ پولیس  
اور انٹی بی آئی والے بھی اسے ایک عام گھریلو عورت کی  
حادثاتی موت سمجھنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ کیا کہتی ہو اب؟“  
میرا اندازہ دو ٹوک اور کڑھ تھا۔ اس کے حسین چہرے پر کچھ مہر  
کو حقیقت خوف کی ریش چلی تھی پھر اس نے اپنے ہونٹوں پر  
زبان پھیری اور بولی۔

”آئسہ خالدہ سے میرا ایک ہوائی فریڈ کے سلسلے میں جھگڑا چل رہا تھا، اسی رقابت کا وجہ سے۔۔۔“

جاری تھی اور میری متلاشی نظریں کسی کپڑے کے ٹکڑے کو متلاشے لگیں، جلد ہی مجھے ایک سینئر ٹیبل کے نیچے سے وہ رکھا نظر آیا۔

میں نے وہ لپک کر اٹھا لیا۔ اس کی فضول کوئی جارہی تھی، لیکن میری بے توجہی بھی اسے الجھانے لگی۔

میں نے اس کا منہ کھلوا کر کپڑے کا گولا بنا کر اندر بھجوا دیا۔

”تمہارا خیال ہے میں تمہاری اس سبواں پر پہل چاہوں گا۔“ بڑے ہی لہو رنگ لہجے میں یہ کہتے ہوئے میں نے اس پر تشدد شروع کر دیا۔

عورتوں پر ہاتھ اٹھانا میں اچھا نہیں سمجھتا لیکن جب معاملہ ایسا ہی خطرناک اور..... جیسا کہ ہو تو رحم میں بھی نہیں کرتا تھا۔

سانسے ہی ایک تپائی پر مجھے سگریٹ الٹا کر پڑا نظر آچکا تھا۔ میں نے ایک سگریٹ شعلہ لگائی۔ اس کی آگ میں چلنے لگیں۔ حلق سے نکلتی تھی آوازیں پر آمد ہوئیں لیکن میں نے اس کی کوئی پروا نہ کی اور سگریٹ کا جلتا ہوا "پھمل" (سرا) اس کے شفاف اور کورے نیچے گال پر رکھ دیا۔

دو ماہی ہے آپ کی طرح میری گرفت میں تڑپ رہی، لیکن میرا ایک ہی ہاتھ کا شکنجہ اس کے لیے کافی تھا۔ میں نے

سگریٹ کا کش لے کر اس کے بھل کو مزید تپایا اور پھر اس کے گال پر پہلے والے نشان کے نیچے لگا دیا۔

اس بار میں نے دانستہ مگر بیٹ کاسرو اور تنک اس کے نرم و نازک گال پر رکھا رہنے دیا تھا۔ اس بار کوشت جلنے کی بجائے اس کی بو اُبھری تھی۔ اس بار تو مجھے سوزی کے بہت سے وجود میں تبدیلی بھی پڑنے لگے۔ اس کی آنکھوں میں پانی اُتر آ رہا تھا۔

”آں..... ناں..... ناں..... ابھی تو ابتر ہے۔“ میں

نے سفاکی سے اور میرے حظ اٹھانے والے سچے میں کہا۔  
 "ابھی تو ایک گال دانا ہے، پھر دوسرے کی باری آئے گی  
 اس کے بعد ایک آنکھ کا فضا بھی جسم کروں گا تمہارا۔۔۔ تاکہ  
 لوگ تمہیں ایک حسینہ نہیں بلکہ باربرین کے زمانے کی کوئی  
 بیباک چوہل سمجھیں۔"

کہتے ہوئے میں نے ایس جھاڑی اور تھری بار دانست  
ذرا طویل کش لیا، سراسر پورا شلگ اٹھا۔ پھر میں اس کے  
دوسرے گال کو جتنی مشق بنانے لگا تو وہ میری گرفت میں پڑی  
طرح تڑپنے لگی۔ ساتھ ہی اس کے صق سے چپٹی چپٹی  
آوازیں بھی برآمد ہوئیں۔

ایک حسین و جلیل عورت ہی کیا بلکہ عام شکل و صورت والی لڑکی کے لیے بھی اپنا چہرہ داغ دار بنا کر کس قدر سہاواں رُوح ہوتا تھا، اس روایتی امر واقعہ سے سبھی واقف تھے۔

”او..... او..... او ہیں!“ میرے منہ سے طغریہ برآمد  
 ہوا۔ ”تم شاید اب رنجِ اُگنا چاہتی ہو۔“

وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اپنی گہری پلکیں جلدی جلدی جھپکنے کے ساتھ چہرے کو بھی اثبات میں جنٹیش دینے لگی۔

”لیکن دھیان رہے کہ میں دشمنوں کو ایک ذرا بھی موقع دینے کا قائل نہیں ہوں۔“ میں نے اسے تھپکڑی۔

”لہذا تم اس موقع کو غنیمت جانتے ہوئے میرے ساتھ اب بچ بولنا دوبارہ فصول چلنے کی کوشش چاہی تو اسی طرح بغیر دھمکائے شروع ہو جاؤں گا۔“

اس کے بعد میں نے اس کے منہ سے کپڑے کا گولا نکال دیا۔ وہ زور زور سے ہانپنے لگی۔ اس کا جھلسا ہوا گال ہلکا دھواں چھوڑ رہا تھا۔ وہ اسے سہلاتی تو تکلیف سے چیخ نکلتی جاتی اس کی۔

”بس! یہ ایک تنگ بعد میں کر لیا۔ پہلے مطلب کی بات پر آ جاؤ۔ کون ہو تم؟“ میں نے درستی سے کہا۔  
”مہم... میں سوڑی، منج... جے بی سی سے تعلق

”تمہاری مراد چیوش بزنس کیونہی سے ہے؟“

## آواره گرد

”ہاں.....! آہ.....“ دو کراہی۔ ”چلیے! اب تھوڑا سا مرہم لگا دو کہیں داغ گہرا.....“

”اداکاری نہیں.....“ میں نے اسے ٹوک دیا۔ ”یلتی  
رہو۔ تم ان کی الجھٹ ہو؟“

”ایجنٹ تو نہیں ہوں..... لیکن ان کے لیے کام کرتی ہوں۔“

”ایک روپو فر کے روپ میں.....“  
 ”ہاں!“

”لڑائی بھڑائی سے تو تم خاصی تربیت یافتہ لگتی ہو؟“  
 ”ہاں! یہ میں نے انہی کے کہنے پر.....“

”اگلا سوال۔“ میں نے اس کی بات کاٹ دی۔  
 ”آئیہ خالدہ کو کہا اس غائب کیا ہے؟“

”وہ..... وہ مجھے مار ڈالیں گے۔“ وہ خوف سے لرزی۔

”ممکن ہے، لیکن ان کی موت سے زیادہ جو میں تمہیں موت دوں گا اس میں تمہیں صرف موت میں ہی پناہ نظر آئے گی۔ چراپ دو اور ساری تفصیل بتاؤ۔ آنسو خاندان کے حوالے

سے تم نے کیسے بات کی تھی؟ جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے وہ تو نیویارک یا ٹیلی فون میں تھی۔“

”میں فقط انتظار کرتی ہوں کہ مجھے خالد کو واپس کرنے کے لیے کہا گیا تھا۔ انہی کے کہنے پر میں نے خالد کو دھوکے سے ان کے حوالے کر دیا تھا اور.....“

”کن کے حوائے کرو یا تھا؟“ میں نے اس کی بات کاٹی۔ وہ بڑی مکار تھی۔ میں بھی جانتا تھا کہ وہ گہرائی میں

جانی سے کتراری تھی۔ تاہم مجھے بھی ابھی فوری طور پر صرف مقصد کی ہی باتوں کا ہٹا لگانا تھا۔

”بچہ... جے بی سی کے حوالے...“ اس نے اٹکتے ہوئے جواب دیا تو میرے لبوں پر بھی... بے اختیار یہ سوال آگیا۔

”عابدہ کو بھی کیلی فورنیا کی پریٹن اسٹیٹ کورکوران سے خفیہ طور پر نکال کر چے لی سی کے خوالے لکرو یا گیا ہے؟“ عابدہ کے ذکر پر سوزنی کا چہرہ اچانک متغیر سا ہو گیا۔ ایک کی بجھے اس کی حرکات و سکنات میں شہرِ محسوس ہونے لگا،

یوں جیسے وہ میرے چنگل سے اسی وقت راہ فرار ہونے کا موقع تلاش رہی ہو۔ مگر میں بھی اس کی طرف سے مکمل محتاط تھا۔ لہذا اس بار پھر سفاکانہ درستی سے بولا۔

”میں تمہارے جواب میں بولنے کا زیادہ انتظار نہیں کر سکتا۔ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ تمہیں بہت ساری باتوں کا



علم ہے۔ سوچ سوچ کر بولو گی تو مجھے شبہ ہوگا کہ تم جھوٹ بول رہی ہو۔ جواب دو۔“

”ع..... ع..... عابده کے متعلق تو مجھے کچھ نہیں معلوم، مجھے صرف آفس خالہ کا ناسک دیا گیا تھا۔“

مجھے اندازہ تھا کہ وہ میرے کئی اہم سوالوں سے کترا جائے گی، اور بہت سی باتوں سے مجھے لاعلم ہی رکھے گی۔

یوں میرے پاس بھی نر یا وہ وقت نہ تھا، لہذا میں اس سے وہی سوال پوچھ سکتا تھا جن کے بارے میں مجھے کوئی اندازہ تھا اور فوراً ہی طور پر مجھے انہی کے جواب درکار تھے۔ آفس خالہ کا یہی کھوج لگ جاتا تو میں میرے لیے بہت تھا اسی لیے میں نے سارا زور اسی بات پر رکھ دیا کہ مجھے اس سے کہا۔

”ٹھیک ہے۔ اس کے بارے میں بتاؤ پھر وہ کہاں ہے؟“

سوزی جواب میں بولی۔ ”خالدہ کے ساتھ، ساتھ ہی رپورٹر کی حیثیت سے رہتے ہوئے میں نے اسے ٹرپ کیا اور جے بی کے ایک ایجنٹ کے حوالے کر دیا۔“

”میں نے بتایا تاکہ میں ان کی ایجنٹ نہیں صرف عمومی نوعیت کے کام کرتی ہوں۔“ کوڑی نے جواب دیا۔  
 ”خالدہ اس وقت بھی فورنیاس سے میڈیا پر ایک چٹائی تھی اور میں نے اس کے ساتھ ایک سماجی رپورٹر کی حیثیت سے راؤ دسم بڑھائے اور اس کی ایک ایک خبر ہے بی بی کو جوتی رہی۔  
 بالآخر انہی کے کہنے پر میں نے ایک دن خالدہ کو شہرپ کر کے ان کے ایجنٹ کے حوالے کر دیا اور انہی کے ایما پر پاکستان چھپا رکھے یہی خود اہوں کو اس کی ہمدردین کر مطلقاً بھی کر دیا۔ تاکہ وہ لوگ تم سمیت مجھ پر بھروسہ کر کے ہوسے مسلسل مجھے سے رابطے میں رہیں، لیکن ایسا نہ ہو سکا، کیونکہ میں ایک جگہ سے اور بار بار نمبر بدل کر بات نہیں کر سکتی تھی اور نہ ہی انہوں نے بھی مجھے اپنے یا چھپا رکھے کسی راز یا لائحہ عمل کے بارے میں بتایا۔“

”جو گویا تمام اس پہلے والے فون کے بعد بھی نہ ہرہ بانو سے رابطے میں رہیں؟“

میں نے ایک گہری سانس لی۔ سواری نے صرف دہائی کچھ اٹھا تھا جس کا مجھے بھی اندازہ تھا۔ لہذا میں نے اس پر مے رکھی اور کراتے ہوئے دونوں لمحے میں کہا۔

وہ ہماری امریکا میں بے حد اہم سماجی تھی۔ تہبازی وجہ سے وہ

ان کے ہتھے چڑھ گئی اور میں نہیں جانتا اور نہ تم کہو کہ وہ جاری اب زندہ بھی ہے یا نہیں۔ تم یہ کہ فرض شدہ جس طرح تم نے اسے پسندواری اسی طرح اسے ٹھکانے کے لیے بھی مجھ سے تعاون کرتے ہوئے خود کو موت کی سزا سے بچاؤ۔“

یہ کہتے ہوئے میں دوبارہ کپڑے کا گولہ بتانے لگا اور اسے منہ کھولنے کا کہا۔ وہ دہشت زدہ ہو گئی۔

”کنگ..... کیا کرتا چاہتے ہو تم؟ ہم..... میں نے.....“  
 تمہیں سارے سوالوں کے صحیح جوابات دے کر تو دیے ہیں۔“  
 ”ہاں! میں تمہیں چھوڑ دیتا اگر تمہاری وجہ سے خالدہ  
 بے بی کی جیسے سفاک بھیڑیوں کے ٹولے میں نہ پھنستی۔ تم  
 نے جرم تو کیا ہے؟ ناقابل معافی جرم۔ مگر نہ کرو، میں اتنا کرتا  
 ہوں کہ تمہیں بغیر کوئی تکلیف دے کر خاموشی سے موت کی نیند  
 سلا دیتا ہوں۔“ پھر میں نے اسے بچکارا۔

”چلو، تیار ہاں! اب اپنا منہ کھولو، تاکہ ہمیں غلام کوشت کرمانے میں مجھے آسانی ہو۔“

”خدا کے لیے مجھے مت مارو۔“ وہ مٹکیا نے گئی۔ ”مم۔۔۔ میری عمر تو ابھی صرف بائیس بیس سال ہے۔“

”آج خالہ کے سلسلے میں میری مدد کرتیں تو میں ضرور تمہاری جان بخشی کر دیتا۔“ میں نے سر دھجے میں کہا۔

”مٹھ کھولو۔“

”مم۔۔۔ میں تمہاری اس سلسلے میں مدد کرنے کو تیار ہوں۔“ یقین صوفت کے خوف سے وہ ایک دم بولی۔

اسی وقت مجھے اس سہری بھونے کا خیال آیا۔ بات حقیقت ہی تھی کہ ابھی مجھے ان انوکھے اور کارآمد ہتھیاروں کی "عادت" ہی کہاں پڑی تھی، تاہم باوصف اس کے میری آئندہ یہی کوشش ہوتی کہ مجھے ان کی "فہمائی" (استعمال) کم ہی کرنی پڑے، جہاں دماغ اور زور بازو کے کام چلتا، سرپرست وہی مناسب رہا لیکن مجبوری اور آئندہ ضرورت کی اور بات تھی۔

اور بات کی۔  
 یہ طور..... ابھی میں نے اس کے استعمال کی غلطی کر  
 میں اس کے ذریعے اسے ٹرانس میں لے کر کچھ اُگوانے کی  
 کوشش کرتا لیکن تاہم ابھی میرے علم یا تجربے میں یہ بات  
 نہیں آئی تھی کہ اس ہونڈے کی جینڈھنٹ کا قد متاثر ہو گیا  
 کیل اثر ہوتا؟ اگرچہ کھد میرے خیال میں، کیا تجربہ اس "نوعیت"  
 کے ٹرانس میں آنے یا مسمرائز ہونے کی کیفیت کچھ اور ہوتی  
 ہوں؟ کہ وہ آپ کا صرف معمول بن جاتا ہے، یعنی جہاں آپ  
 اسے حکم دو گے وہ مانتا چلا جاتا ہے، کسی کیفیت میں وہ اپنا

آپ بھول جاتا ہے اور دوسرا کوئی اسے کہاں یاد دہاتا ہوگا،  
جانہ میں نے پھر بھی ایک موجود ”سہولت“ سے کام لیا  
شہروری خیال کیا اور اپنی جیب میں ہاتھ ڈال کر وہ پھونکا نکال  
ایسا وہ حیرت سے اسے دیکھنے لگا۔

”غور سے دیکھو اسے..... شاید جہیں اس میں کچھ نظر آجائے۔“ کہتے ہوئے میں نے سنہری بھونے کو اس کے چہرے کے بالکل نزدیک کر دیا اور ساتھ ہی انگلی سے اس کے چہرہ پر ہلکا سا دباؤ ڈالا۔

”ہی..... کیا کہیے؟“ اس نے سوال کیا۔ میں خاموش رہا۔ تب ہی میں نے اسے جھوٹے دیکھا۔ ایک دو تارے بعد اس نے اپنے ہاتھ اپنی کنپٹیوں پر رکھ دیے اور اس کے بعد وہ افسوس منی۔

میں سمجھ گیا کہ وہ اب ٹرانس میں آچکی تھی۔ میں نے کسی ماٹن کی طرح اس سے سوال کیا۔

”کیا نام ہے تمہارا؟“

”ڈیلا لائٹ۔“ اس نے کسی معمول کی طرح جواب دیا۔ میرا دل یکایک گئی کہ مانی کی مسرت سے دھڑکا۔

”کی تمہارا اصلی نام ہے؟“

”موزی نام اختیار کرنے کی وجہ؟“  
مجھے اس سے سوالات کرنے میں دلچسپی پیدا ہونے لگی۔

”مجھ سے کہی کہا گیا تھا کہ آئندہ میرا یہی نام ہوگا۔“  
 ”اصل میں تم ہو کہوں اور کن کے لیے کام کرتی ہو؟“  
 میں نے اس کے سچاں مگر کھوئے کھوئے چہرے پر بدستور  
 اپنی نظرس گاڑ رہے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

وہ خاموش رہی۔ میں نے اپنا سوال دہرایا۔ مگر بے  
سور..... میں نے اسے دوسرے انداز میں آزا کر کے تسلی کر لی  
چاہی کہ آیا یہ ابھی تک میرے فرائض تھی یا نہیں، میں نے  
اسے حکم دیا کہ وہ چند قدم پیچھے ہٹ جائے اور دوبارہ میری  
طرف بڑھے۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ میں ایک گہری سانس  
لے کر رہ گیا۔

وہ غرائس میں تو قہمی لیکن اپنے یا کسی اور کے بارے میں زیادہ گہرائی تک کچھ بتانے سے قاصر تھی۔  
میں نے بیوز صاحب میں رکھ لیا اور صوفے پر چٹکے چٹکے سے انداز میں بیٹھ گیا۔

ذرا ہی دیر بعد وہ اپنے سر کو زور زور سے جھٹکے دینے لگا۔

## آواره گرد

اور پھر جیسے ہی اس نے مجھے صوفے پر بیٹھے اور خود کو آزاد پایا، وہ ایک دم دروازے کی طرف لپکی۔ میں اس کی اس حرکت کے لیے تیار تھا، مگر برعزت میں نے صوفے سے حرکت کی اور اسے راستے میں ہی دبوچ لیا۔

”مجھے آنسر خالدہ چاہیے، زندہ.....“ میں نے مٹھی میں اس کے بال کھڑک کر چہرہ اپنے قریب کرتے ہوئے ایک ایک لفظ چبا کر کہا۔ ”مگر وہ زندہ نہیں ہے تو.....“

اس کا صحن چہرہ میرے منہ کے اس قدر قریب آ گیا تھا کہ اس کی تیز تیز پھٹتی سانسوں کی گرمائش میرے چہرے پر پڑنے لگی اور ابھی میں اپنا جملہ بھی پورا نہ کر پاتا تھا کہ اس نے میرے ہونٹوں پر اپنے نرم و گلداز ہونٹ رکھ دیے۔ ایک لمحے کے لیے تو میں ہکا بکا سا رہ گیا۔

یہ حرکت ابی میر سے لیے عجیب و غریب تھی۔ جنگ و جدال کی اور بات تھی لیکن محبت کے اس انداز و رنگ میں ایک سردی وہی حالت ہوتی ہے جیسی کہ میری ہوتی تھی۔ مجھے یہ کہنے میں باک نہ تھا کہ سوزی نے میرا بڑا بھروسہ لیا تھا اور کچھ طویل تھی۔ میں نے سنبھلے ہی اسے پرے دھکا دیا۔ وہ دھتھو..... دھتھو..... کرتے لگی جیسے اپنے منہ سے کوئی ناپسندیدہ چیز باہر نکال چیکتا جا رہی ہو۔ بڑی عجیب حرکتیں کر رہی تھی لیکن دوسرے ہی لمحے میرا سر پھرانے لگا اور آنکھوں کے سامنے اندھیرا آگیا۔

میں نے سو کر دو تین بار جھٹکے دیکھنے چاہے کہ شاید اس طرح ہی یہ دوا بھی تھکد روز ہو جائے، لیکن بے سود، میری ڈوبتی آنکھوں نے اس میوہوں ایکسٹ کے چڑے پر زخمی ناگن جیسی مسکراہٹ رقصاں ہوتے دیکھی تھی، یوں میں نے ایک آخری کوشش میں چند قدم آگے بھی بڑھنا چاہا تھا کہ اس مکار ناگن کو چھپت لوں لیکن دوسرے ہی لمحے، میں لوٹھڑا کر گرا، کیونکہ میرے پیروں میں بھی کمرے کے ہونے کی طاقت نہیں رہی تھی۔ اس کے بعد مجھے کچھ ہوش نہ رہا۔

☆ ☆ ☆  
دوبارہ ہوش آیا تو ذہن سے نکھر چھپتے ہی مجھے ارد گرد  
کا ماحول جانا پہچانا لگا۔ لیکن اب وہاں..... صرف سوڑی  
(ڈیلا لاش) ہی نہیں تھیں اور افراد بھی چوکس کھڑے نظر  
آئے۔

وہ تینوں چست لباس میں جلوے تھے، چروں سے اُن کے برہمی اور نو ہری پائین ہو رہا تھا۔۔۔ وہ کلین شیو تھے۔ ان کا فاصلہ مجھ سے چھ سات۔۔۔ فٹ پر تھا۔ ایک تو میرے بالکل قریب ہی کھڑا تھا۔ اس کے ہاتھ میں پانی کی بوتلی تھی۔

173 ﴿نومبر 2018ء﴾



وہ دونوں اپنے ساتھی کی اس ہیئت کدڑی پر خوف زدہ سے نظر آنے لگے اور جب ہی پہلے والا آدمی مارے غیظ و غضب کے پستول اپنے ہاتھ میں اٹھاتا ہوا میری جانب لپکا۔ اسے یوں جارحانہ انداز میں اپنی طرف آتے دیکھ کر..... میں محتاط ہو گیا۔ میرے قریب آتے ہی اس نے قدرے جھک کر اپنی پستول کی ٹال میری پیٹی سے لگا دی اور غرا کر بولا۔

”کچھ بچاؤ..... میرے ساتھی کے ساتھ تم نے کیا کیا ہے؟ اور نہ بھی گولی مار دوں گا۔“

”مم..... میں نے تو کچھ بھی نہیں کیا ہے؟“ میں ایک دم بھولا بن گیا اور خوف زدہ نظر آنے کی اپنی جگہ کرنے لگا۔ تب ہی میں نے دیکھا کہ اس کا دوسرا ساتھی جو اپنے تیسرے ساتھی کی بھیا تک پڑی لاش پر جھکا ہوا تھا، اس کی نظر قریب قریب قائلین پر گرے سنہری بھونرے پر پڑی اور اسے..... اس نے لپک کر اپنے ہاتھوں میں اٹھالیا۔

اس کی بھی شاید موت ہی آئی تھی، لیکن وہ ہوشیار ثابت ہوا اور بھونرے کا شکار ہونے سے پہلے ہی کچھ ابتدائی اثرات محسوس کرتے ہوئے اس نے بھونرے کو نیچے قائلین پر جھپٹ دیا اور اپنے ہاتھ میں پکڑے ہوئے پستول کی ٹال کا رخ اس کی جانب کر دیا۔

لپکا ایک میرا دل اچھل کر حلق میں آن اٹھا۔ وہ بھونرے کو گولی مار کے اس کے نکلنے کو دینا چاہتا تھا بالفاظ دیگر اسے ”پیکار“ کر دینا چاہتا تھا کہ میں فوراً حرکت میں آیا۔ پہلا والا ساتھی ایسے میں اپنے دوسرے ساتھی کو دھیان میں رکھے ہوئے تھا کہ میں نے لینے لینے اپنی ٹانگ کو حرکت دی۔ وہ اس کے پہلو پر لگی، میری انتہائی کوشش یہی تھی کہ ضرب زور وار ہو، یہی ہوا، لاش کھائے ہی وہ لڑکھڑا کر اپنے دوسرے ساتھی پر جا پڑا، اس نے لڑکھڑا دیا تھا، خاموش پستول نے اپنے آئینے یلین سے شعلہ اگلا اور وہ ایک نیچے مار کے قائلین پر گرا۔ پستول اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔

پھر اس سے پہلے کہ وہ اب بھونرے کو نشانہ بنانے کے بجائے اپنے ساتھی کو گولی مارنے کا سارا مقصد اور غضب دوسری گولی کی صورت میں مجھ پر اتارنا، میں نے قائلین پر مثل پارا کی سی حرکت کی، اس نے دوسری گولی مجھ پر دالی..... جو اس سے آدھا کینڈ پہلے ہی میرے وہ جگہ چھوڑنے کے سبب مجھے گتے کے بجائے فرش میں دھنسنی گئی، اس نے سنبھل کر دوبارہ مجھے نشانہ بنانا چاہا لیکن تب تک

ماسوائے میرے..... بھونرے کے پڑوں کی زد میں آنے والا وہ آدمی ایک دم دم مسم ہو گیا تھا۔

ان دونوں نے کسی جانے انجانے خطرے کی کیڑو سونگھتے ہی اپنے لباس سے سائلنسر لگے پستول نکال لیے تھے۔ وہ دونوں ایک دم میری طرف سے چوٹے بھی نظر آ رہے تھے اور..... اپنے ساتھی کی ایک دم عجیب پڑتی حالت پر پریشان اور بوکھلا بھی گئے۔

ان کی آنکھوں میں ہلا کی اُلجھن عود کر آتی تھی۔ ان کی کبھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ ہوا کیا تھا؟ اور اس کے ساتھی کو کھڑے کھڑے اس طرح غش کیوں آ گیا تھا۔ یوں وہ میری طرف سے بھی مجھے کا شکار تھے، کیونکہ میں تو پہلے ہی ان کے ”زخم و گرم“ پر بظاہر بے بس سا فرش پر بیچے قائلین پر پڑا تھا۔

”اسے شاید مرگیا کوئی دورہ پڑا ہے۔“  
”جانتے کچھ پڑا۔“ اسے جوتے میں سرخ مہرچ ڈال کر سٹپاؤ، ابھی ٹھیک ہو جائے گا۔“

”کیا؟“ دوسرا پستول..... بدست مشککہ خیز انداز میں چمک کر بولا۔

”دوست کبہ رہا ہوں میں..... ہمارے ہاں، چھوٹے گاڈن اور ویہاتوں میں مرگیا کا ہی طرح ہی علاج کیا جاتا ہے۔“ کہتے ہوئے میری نظریں قائلین پر گرے ہوئے سنہری بھونرے پر پڑتی رہیں۔

”مگر یہ مرگیا کی نشانیاں ہرگز نہیں ہیں۔“ پہلے والا جھٹلا کر بولا۔

ابھی تک کسی کا دھیان اس بھونرے کی طرف نہیں گیا تھا۔ اس پر طرہ..... یہ تھا کہ اس کی زد میں آیا ہوا وہ آدمی یا بیودو ایجنٹ..... قائلین پر ہی بھونرے کے قریب ہی گرا تھا اور یوں اب اسے ایک بھیا تک اور حیرت ناک موت سے کوئی مشکل سے ہی بچا سکتا تھا، کیونکہ یہ ہونا کہ حقیقت میں ہی جانتا تھا کہ جب تک بھونرے کے پڑ گروش کرتے رہیں گے، اس کے قریب پڑے اس بیودو ایجنٹ کے دماغ کی نیٹیں جھٹکا کر پھینکے قریب ہو جائیں گی اور وہی ہوا۔

اسے برین مہرج ہو گیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس کے دونوں کانوں اور دماغ سے خون کی گلیں بہنے لگیں، اس پر دیکھنے لگے پڑنے لگے، حتیٰ کہ اس کی آنکھیں تک سوزم ہو کر سرخ ہو گئیں اور دونوں آنی باز (ڈیٹ) حلقوں سے باہر آئیں پڑے۔

کے اگلے دیا تھا۔ میں چونکہ اس سے بے خبر تھا ہی لینے وہ درس میرے منہ میں پہلے سے موجود لہجہ میں شامل ہو کر معدے میں اتر گیا۔ ہوسکتا ہے بعد میں اس کے اثرات سوزی پر بھی کچھ نہ کچھ پڑے ہوں اور شاید اب وہ اسی وجہ سے ختم بے ہوش، یا نیم غور وہی حالت میں صوفے پر لیٹی پڑی گئی، لیکن میں بہر حال بے خبری میں مار کھا گیا تھا۔

بعد میں سوزی نے فون کر کے اپنے ان ساتھیوں کو بلا لیا تھا۔ اندازہ کچھ ہوتا تو تھا کہ ان لوگوں کا تعلق میرے کون سے دشمنوں کے گروپ سے ہو سکتا تھا، تاہم ابھی میں ان کے متعلق یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔

”ہوش آ گیا نہیں..... مسٹر شہزی؟“

ایک گیسری آواز نے مجھے غسوچ خیالات کے بھنور سے نکالا۔ یہ وہی آدمی تھا جو اپنے بیل فون پر کسی سے گفتگو میں مصروف تھا۔

”تم دیکھ ہی رہے ہو۔“ میں نے بے پروائی سے اپنے شانے اچکائے۔

”کوئی اور موقع ہوتا تم ہم تمہیں امریکا عظیم کی سرزمین پر خوش آمدید کہتے۔“ وہ خار کھائے انداز میں طنزیہ بولا۔ ”لیکن..... تم ہماری دشمنی کا طوق اپنی گردن پر لٹکائے یہاں آئے ہو اسی لیے مبارکباد کے حق دار نہیں سمجھتے۔“

”میں نے کب کہا کہ مجھے ایسا کوئی شوق بھی ہے؟“

میں نے پورے اعتماد سے..... تری تری کر کے اسے جواب دیا۔ ساتھ میں کن آنکھوں سے اس شخص کی جانب دیکھ لیتا تھا جو ہنوز وہ بلاکت خیز سنہری بھونرہا تھا جس لیے اس کا جائزہ لینے میں مگن تھا۔ اب وہ اپنے دونوں ہاتھوں سے اسے الٹ پلٹ کر چھی طرح دیکھ رہا تھا۔

اس کی ہی حرکت اسے کسی بھی وقت ”ناغی مسکے“ سے دو چار کر سکتی تھی اور اگلے ہی لمحے وہی ہوا۔

اس نے شاید اپنی انگلی سے بالآخر بھونرے کے پڑوں کو چھو ہی لیا۔ کیونکہ اسی وقت میری متوجہ اور پزیرا ساتھیوں میں بھونرے کے پڑوں کی جھنجھٹائیں سنائی دینے لگیں۔ بھونرے کے مہلک پڑ..... متحرک ہو گئے تھے۔

وہ شخص اب بھر میں ہی بری طرح جھٹانے والے انداز میں چند قدم پیچھے لڑکھڑا اور بھونرہا اس کے ہاتھ سے گر پڑا۔

”اے..... شدت! تمہیں کیا ہوا؟ مجھے سے مخاطب ہونے والا اپنے ساتھی سے چونک کر بولا۔

”بچے قائلین پر بھونرہا تھا اور اس کے پردہ ستور حرکت کر رہے تھے، لیکن کوئی اس پر ابھی توجہ نہیں دے ہوئے تھا،

مجھے ہوش میں لانے کا سبب شاید یہی شخص بنا تھا، کیونکہ میں نے اپنے چہرے پر گیلیا پن محسوس کیا تھا۔ باقی دونوں میں سے ایک کسی سے بیل فون پر بات کرنے میں مصروف تھا، تاہم اس کا رخ میری ہی جانب تھا۔ وہ فون پر باتیں کرنے کے دوران میں میری جانب گتے جا رہا تھا۔

تیسرا شخص، اس بڑے سے صوفے کے پاس ہی چوکس انداز میں کھڑا تھا جس پر سوزی نیم دراز تھی۔ اس کے چہرے پر جہاں میں نے سکرپٹ داغے تھے، رولی کے بجائے رکھے ہوئے تھے۔ اس کے سر کے نیچے نیچے کے طور پر گھٹن رکھا ہوا تھا۔ مجھے وہ کچھ نیم غور وہی دکھائی دے رہی تھی۔

وہ تیسرا شخص جو سوزی کے صوفے کے قریب کھڑا تھا، میں نے دیکھا کہ وہ اپنے ہاتھ میں کوئی شے پکڑے اسے چہرے کے قریب کیے اس کا بڑے غور سے جائزہ لینے میں مصروف تھا۔ میں نے ذرا اپنی آنکھیں سکڑ کر دیکھا تو چونک پڑا، وہ وہی سنہرا بھونرہا تھا۔ مگر وہ وقت تھا جب غیر ارادہ میری نظر..... اپنے دائیں ہاتھ کی درمیانی انگلی پر پڑی تو بے اختیار میں نے سکون کی سانس لی، سانس والی وہ انگلی انگلی میں موجود تھی۔ اس پر انہوں نے شاید کوئی توجہ نہ دی تھی یا پھر ابھی ان کی نظر نہیں پڑی تھی۔

بھونرہا انہوں نے بے ہوشی میں میری حلقی کے دوران ہی نکالا ہوگا جبکہ اپنے سفر کی کاغذات وغیرہ جو یہاں امریکا میں میری قانونی پوزیشن مضبوط بنائے ہوئے تھے وہ میں پہلے ہی اسی ”اعتیاد“ کے پیش نظر اوپر ہائر پورٹ پر یا کمین کے سپرد کر آیا تھا۔

میں رکن بستہ حالت میں نہیں تھا اور سوچ رہا تھا کہ یہ اچانک سوزی نے میرے ساتھ کیا کھل کھلیا تھا کہ میں اچھا بھلا ایک دم ہی دنیا و مافیہا سے بے نیاز ہو کر رہ گیا تھا۔ اس پر مجھے چند سیکنڈوں کا ہی غور کرنا پڑا تھا۔ اس بیودو ایجنٹ نے اپنے منہ میں کوئی ایسا کپسول دبا رکھا تھا جیسے اس طرح کے ایجنٹ اپنی داڑھ کے قریب سرخ الا اثر زہر سا کتاخ کا زہر ملا کپسول دبائے رکھتے ہیں اور یہ وقت ضرورت اسے نکل کر خود بخود نکلتے ہیں۔

سوزی نے بھی یقیناً ایسا ہی کوئی کپسول اپنی داڑھ کے قریب چھپا رکھا ہوگا، جس میں فوراً بے ہوش کر دینے والا سٹوف شامل تھا۔ وہ اس نے میرا دوسرے لینے کے دوران نکالی ہو شکاری سے چہا کر اس کا رخ میرے منہ میں چھوڑ دیا تھا اور خود اس کے اثرات سے بچنے کے لیے..... ”تمو..... تمو..... کر



میں ہاں ہے آپ کی طرح تو پتا ہوا اس کے اتنا قریب تو آئی چکا تھا کہ اپنی ٹانگوں سے اسے "سوسپ" کروں اور یہی میں نے کیا، نتیجے میں وہ قالین سے چند انچ اچھلا اور نیچے آ رہا، میرے قریب گرا تو اس کا سر میرے سامنے تھا، میں نے اپنے دونوں ہاتھوں کی پٹیلیوں سے کپٹیوں پر تالی بجا دی۔ ایک پٹا خاسا چھوٹا اور وہ صوبچہ پر ہی ہے دست و پا ہو گیا۔

میں فوراً جھوڑے کی طرف متوجہ ہوا اور بے اختیار میرے حلق سے طمانیت بھری سانس خارج ہوئی۔ ایک خود کار منیکیم کے تحت اس کے پردوں کی گردش ختم ہو چکی تھی۔ میں نے تیزی سے اس کا تباب ہتھ پیر کو اٹھا کر اپنی جیب میں رکھ لیا اور صوفے پر غنودہ سی پڑی سوئی کی طرف متوجہ ہوا۔

میں ہونٹ بیٹھے ابھی اسی کے متعلق سوچ رہا تھا کہ..... اچانک باہر پولیس سائرن کی گونج سنائی دی۔ میں بڑی طرح خشک گیا۔

☆☆☆

مجھے پریشانی نہ گھیر لیا۔ پہلے تو سمجھ میں ہی نہ آیا کہ پولیس کیسے ایک دم آگئی۔ اندازہ تو تھا کہ ان ممالک کی پولیس غیر معمولی طور پر متحرک اور فعال ہوتی ہے، لیکن یہ بات مجھے سمجھ میں نہیں آ رہی تھی کہ یہاں کے چنگاموں کی جھلک کیسے ملی؟ مائیکلسرنگے گتے پتو لوں کی وجہ سے گولیاں چلنے کی آوازیں بھی نہیں ابھری تھیں، رہی بات اٹھانے پانچ کی تو اس کا اندازہ میں پہلے ہی لگا چکا تھا کہ یہ آوازیں بھی باہر تک نہیں گئی ہوں گی۔

کیونکہ ایک دوسری کے باعث اپارٹمنٹ کی کھڑکیاں بند تھیں، دوسرے ان پر دیز پر دے پڑے ہوئے تھے، کسی..... برابر والے نے کان لگا کر سن سن لیتے کی کوشش چاہی ہو تو اور بات تھی۔

بہر طور..... میں جلدی سے لپک کر کھڑکی کی طرف گیا۔ پردہ سرکا یا اور دھڑکتے دل کے ساتھ ایک پٹ کا لپک رہا تو اسے تھوڑا دیر لگا تو بے اختیار ایک ٹھنڈی سانس لے کر رہ گیا۔

دو قافز بریک کی گاڑی تھی، شاید کسی اپارٹمنٹ میں آگ لگ گئی تھی جس کا دھواں بھی نہیں اٹھتا ہوا نظر آتا تھا، نیچے لوگوں کا شور مچا ہوا تھا۔

میں پلٹا اور ہونٹ بیٹھے پتھو سوچا رہا۔

سوئی کو ہوش آ گیا تھا، وہ پچھلی پچھلی آنکھوں سے یہ

سارا منظر دیکھ رہی تھی۔

"تم نے مجھے پرچالاک سے جو دار کیا تھا وہ تم پر ہی اُلٹ پڑا۔" میں اس کی طرف متوجہ ہوا اور استہزاء انداز میں اس سے بولا۔

"کی کی..... یہ کیسے ممکن ہے، ہم..... میں نے تو بروقت انٹرن فون کر کے....." وہ بے اختیار بولے جا رہی تھی پھر شاید اچانک اسے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا اور وہ خاموش ہوئی، لیکن میں چونکہ معاملے کی تکلیف چکا تھا لہذا اس کا جملہ غرض میں نے پورا کر دیا۔

"انٹرن بلا لیا تھا..... ہے ناں؟ پھر یوں ہوا کہ بے ہوشی کی دوائے تم پر بھی تھوڑا بہت اثر کیا لیکن اس سے پہلے تم اپنے ساتھیوں کو فون پر مطلع کر چکی تھیں، وہ بلا دیر یہاں آن پہنچے اور پھر انہوں نے مجھیں بھی سنبھالا، لیکن مجھے نہ سنبھال سکے اور آپس میں ہی لڑ کر ڈھیر ہو گئے۔"

اسے ابھی تک میری بات پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ وہ قالین پر آئے ترے مجھے پڑے اپنے تینوں ساتھیوں کی طرف نگے جا رہی تھی۔

"اب تمہاری باری ہے۔" میں ایک دم غرایا اور اس کی طرف بڑھا۔ اس نے اٹھ کر دروازے کی جانب لپکے کی کوشش چاہی تھی کہ..... میں نے راہ میں ہی اسے روک لیا اور اس کی گردن دبانے لگا۔ اس کے حلق سے پچھلی پچھلی آوازیں خارج ہونے لگیں۔ چہرہ سرخ ہونے لگا۔ میں نے اس کی پچھلی پڑتی حالت کو دیکھتے ہوئے سفاکی سے کہا۔

"اب میں تمہیں بھی زندہ نہیں چھوڑوں گا، تم نے مجھے دھوکا دینے کی کوشش کی تھی۔"

"نہیں..... پپ..... لیکن....." وہ ابھی تھنی آواز میں گھٹکیانی۔ "تم..... تم جو چھنا چاہو گے میں اس کے ہاتھوں کی....."

"اب میرے پاس تم سے پوچھنے کا وقت ہی نہیں رہا۔" بائی..... یہ کہتے ہوئے میں نے اس کی رنگ حساس مسل ڈالی۔ وہ تیرا کر گر گئی۔

اس کے بعد میں قالین پر ڈھیر پڑے اس کے ساتھیوں کی جانب بڑھا اور جلدی جلدی ان کی جھبوں کی تلاش کرنے لگا۔ ان کی جھبوں میں سے کوئی تھلیل ڈکڑ چڑ نہیں ملی، نہ وہ وہ افراد تھے جو خود کو زیدی کا شکار ہو کے دنیا سے کوچ کر گئے تھے، البتہ جس کی کپٹیوں میں میں نے اپنے دونوں ہاتھوں کی پٹیلیاں پیٹ کر دنیا دیا تھا۔

اس کے بعد میں نے اس کا نام پتا نکال کر اچھی طرح ذہن نشین کر لیا۔ اس کے بعد میں نے کسی کپڑے سے جلدی

جلدی وہاں ممکن جگہوں پر موجود اپنے فنگر پر شش صاف کیے اور نہایت ہوشیاری اور احتیاط روی کے ساتھ اپارٹمنٹ سے نکل آیا۔

لگے ہاتھوں میں نے ان کی جھبوں میں "ڈاکا" بھی مار لیا تھا۔ مجھے ان کے احوال پیسوں کی اشد ضرورت تھی، وہ میں نے اپنے پاس رکھ لیے۔

اگرچہ عارف اور کاہن کو سے ملی ہوئی ایک خطرناک رقم میرے ویسٹرن یونین بینک اکاؤنٹ میں موجود تھی جو میں نہیں بھی کسی بھی وقت نکال سکتا تھا لیکن ابھی اس کی ضرورت نہیں تھی، بعد میں یہ کہ میں آرام اور احتیاط سے کرتا۔

باؤڈری وال سے باہر آتے ہی میں نے سڑک کا رخ کیا اور فٹ پاتھ پر مناسب رفتار سے پیدل چلنے لگا۔ پردھیر ذہین وغیرہ سے گفتگو کے دوران میں ان کی شک کو میں رہا نہیں گا کہ یہ رہیں سے میں واقف تھا۔

میری جیب میں نوٹ موجود تھے۔ میں نے ایک کیب کی اور ڈرائیو کو ڈاکٹر فین کی رہائش گاہ کا پتا بتا کر عبث سیٹ پر آ بیٹھا۔ کیب رواں ہوئی۔

تقریباً ایک گھنٹے بعد کیب ایک رہائشی طرز کے علاقے میں داخل ہوئی۔ یہ تھیل سٹی سن کے قریب کا خاصا پرفضا علاقہ تھا۔

ایک بات میں نے محسوس کی تھی کہ امریکا کا راشی اور رقبے کے لحاظ سے جتنا بڑا تھا، اتنے لوگ نظر نہیں آتے تھے۔ صرف مخصوص مقامات کے سوا، وہاں بھی اتنے نہیں کہ کھوے سے کھوا چھنے کی مثال دی جاسکے۔ جس طرح ہمارے ہاں فٹ پاتھ پڑ گئیوں میں، ابھر ابھر لوگوں کے جھگڑے، آؤک جاؤک..... ٹیکس، رکشوں کی ہر وقت بھر مار رہی تھی، یہاں ایسا کچھ بھی دیکھنے میں نہیں آتا تھا۔ ایک سکون اور طمانیت کا احساس ہوتا تھا۔ خال خال ہی لوگ ابھر ابھر آتے جاتے نظر آتے تھے۔

کیب نے مجھے بتائے ہوئے پتے کے مطلوبہ گھر کے سامنے آ کر دیا۔ میں نے اسے کرایہ دے کر فارغ کیا۔ رہائش گاہ میں خوب صورت اور عمدہ زیب گھر بنے ہوئے تھے، یہ سب اعلیٰ درجے کی غارتگریوں کے بنے ہوئے تھے۔ ان کے بیک پارڈ تھے، سامنے کے رخ پڑا ہوا تھے اور احاطے میں گریج، جس کا ایک اندرونی دروازہ اندر گھر میں بھی کھلتا تھا، کیونکہ میں نے راستے میں ایک ایسے ہی گھر کے گیٹ سے ملحقہ گریج دیکھا تھا۔ اندر کوئی اپنی گاڑی کا پوٹ اٹھائے ہوئے تھا اور ان کے ایک دو بچے

آوارہ گرد

گریج کے عقبی دروازے سے، جو گھر کے اندر کھلتا تھا، وہاں سے آتے جاتے نظر آتے تھے۔

یہاں ترتیب سے دن پونٹ ہوتے ہوئے تھے، کہیں بھی ایسی کوئی تنخواذات دیکھنے میں نہیں آتی تھی جس سے علاقے میں "بدعنوانی" یا بھداہن ظاہر ہوتا ہو، یہ ان کی اجتماعی سوچ کی عکاسی تھی۔ کہیں بھی ایسا کچھ نہ تھا کہ کسی مکان کا اوپر کی حصہ نچلے گیٹ سے اس قدر باہر نکلا ہوتا کہ سڑک کو چھو رہا ہوتا، یا ہی کوئی دائیں بائیں کا کمر..... آگے کو آیا ہوتا۔ سب کچھ ایک ترتیب اور تہذیب کے ساتھ ایک ہی کلیئر پر نظر آتا تھا۔ ان سب چیزوں کو آہر و حرکت کرتے ہوئے میں نے اپنا سر جھک کر ایک گہری سانس خارج کی اور کال تیل پر اٹھی رکھ دی۔

تھوڑی دیر بعد ہی ایک مین ابھر لڑکی برآمد ہوئی۔ اس نے ٹائٹ جینز اور سیلویس چمٹ شرٹ پہن رکھی تھی، بالوں کی اس نے پونی ٹیل بنائی تھی۔ وہ مجھے دیکھ کر شوخ انداز سے مسکرائی۔

"میں اکل؟" اس نے بڑے اخلاق سے مسکرا کر پوچھا۔ "میں پروفیسر ڈین سے ملنے آیا ہوں۔ وہ گھر پر ہیں؟" اس نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے جواب دیا۔ "مگر چند یہاں کم ہی ہوتے ہیں۔ زیادہ تر وہ اپنی سیار گاہ "اسکاٹی ویلی" میں ہی ملتے ہیں۔"

اسی وقت دروازے کے ٹیٹ ڈور سے مجھے ایک پرکشش سی خاتون دکھائی دی۔

"ہے الی! کون ہے؟" وہ خاتون یہ کہتی ہوئی باہر آ گئی۔ اس نے ٹھٹھوں تک ٹیکہ پہن رکھی تھی، بیرونی میں عام سی سوئی تھی۔ اس نے بھی کھلے کھلے کی سیلویس پہن رکھی تھی۔ "مما! یہ گرینڈا سے ملنا چاہتے ہیں۔" لڑکی نے گردن گھما کر عورت سے کہا۔ دونوں ماں بیٹیاں تھیں۔ وہ خاتون قریب آ گئی اور میری طرف یہ غور دیکھتے ہوئے بولی۔

"آپ کون ہیں؟ میرے پاپا سے کیوں ملنا چاہتے ہیں؟" عورت نے پوچھا۔

"میں آج ہی ان کے ہمراہ مصر سے یہاں شکار کو آیا تھا۔" میں نے خاتون سے ہائے بیلو کے بعد کہا۔ "میری ساتھی بھی ان کے ساتھ تھی۔"

"او..... آئی سی، تم یا سبین کی بات کر رہے ہو؟" وہ خاتون ہولے سے مسکرائی۔

"جی بالکل۔" میں نے سر کو قدرے خم کرتے ہوئے شاکستہ لہجے میں کہا۔ "ان کے ہمراہ ڈاکٹر بھیرا لگتی تھی۔"



”وہ یہاں آئے تھے، ایک دو گھنٹے بعد وہ سب اسکاٹی واپس چلے گئے۔ ان کا زیادہ وقت وہیں گزرتا ہے۔ کیا تم نے اسکاٹی واپس دیکھا؟“

”نہیں۔“ میں نے نئی میں سر ہلایا۔

”زیادہ دور نہیں ہے۔ کنگ دن کا علاقہ یہاں چلتے پھرتے کوئی بھی نہیں جانتا سکتا ہے۔ پندرہ بیس کلومیٹر کا ہی فاصلہ ہوگا۔ بس بھی نہیں اسی سڑک سے اس طرف جانی مل جائے گی۔“

اب کی بار مجھے اس کا انداز ایسا ہی لگا جیسے مجھ سے جلد از جلد جان چھڑانا چاہ رہی ہو۔ میں نے اس کا شکریہ ادا کیا اور پلٹنے لگا تو اس نے پکارا۔

”ہے، آپ کا نام.....؟“

”ہم..... ایک کپ کافی پینا چاہتو دو گم.....“

”غصیک یو لیڈی!“ میں نے ہاتھ ہلا دیا اور فٹ پاتھر پر آگیا۔

یہاں بس اسٹاپ کا بورڈ نظر آیا۔ دو تین اور بھی افراد بس کے انتظار میں کھڑے تھے، ایک عمر رسیدہ پول سے لگا کوئی اخبار کھولے پڑھ رہا تھا۔ ایک مرد تھا، اس کے ساتھ کوئی عورت تھی۔ میں نے مرد سے پوچھ لیا تھا کہ کنگ دن کی طرف جانے والی بس ادھر سے ہی ملے گی۔

ٹھوڑی دیر میں بس آگئی۔ نہایت صاف ستھری اور سیٹ بائی سیٹ مسافروں سے بھری ہوئی، کوئی دھکم پیل نہیں تھی اور جس ترتیب سے اسٹاپ پر قطار میں کھڑے تھے، اسی ترتیب سے باری باری بس میں سوار ہونے لگے، جب میری باری آئی تو بس کا دروازہ خود کار انداز میں سلاخ ہو گیا، میں ایک گہری سانس لے کر رہ گیا۔

بس میں یقیناً مزید کوئی سیٹ خالی نہیں تھی۔ ٹنگ آکر میں نے پھر کب کو ہاتھ ہلا دیا۔ اس نے مجھے پندرہ بیس منٹ میں کنگ دن اور وہاں سے اسکاٹی واپس پہنچا دیا۔

پروفیسر ڈین کی رصد گاہ دیکھ کر میں ایک لمحے کو بھونچکا سا رہ گیا۔

جھیل کے کنارے پر واقع ایک چھوٹے پردہ کوئی قدیم طرز تعمیر کا منورہ دیکھتی تھی۔

آس پاس چند اور بھی رہائشی مکان یا ٹیس اور دو تین ہوٹل اور رہنمائی نظر آتے تھے۔ ایک کلب بھی دکھائی دیا تھا۔ لوگ باگ کم ہی نظر آتے تھے۔ تاہم سڑک کے پار مکانات گھروں کی

قطاریں نظر آتی تھیں۔ سر ہلک عمارتیں بھی تھیں۔ شام میں یقیناً یہاں اچھا خاصا لوگوں کا رش ہو جاتا ہوگا۔

دوبلنگی ہوئی تھی۔ نیلے آسمان پر سفید بادلوں کے کٹڑے تھرپتھر نظر آ رہے۔

اسکاٹی واپس کی عمارت کی طرف ایک سنگل پلٹ روڈ جاری تھی۔ یہ قول جیب ڈرائیور کے لیے پرائیویٹ روڈ تھی۔ جب ہم اس کے قریب پہنچے تو وہاں ایک گیٹ لگا ہوا تھا، جو بند تھا۔ غریب ایک بورڈ زمین میں گڑھا ہوا تھا۔ جہاں بڑے بڑے الفاظ میں پرائیویٹ پر اپنی لکھا ہوا تھا اور اس کے نیچے ”ٹو فریس پاس“ بھی درج تھا۔ اس پرائیویٹ روڈ سے اسکاٹی واپس کی عمارت تک فاصلہ اگرچہ اونگ ڈیٹھس کا ہی تھا لیکن میں جھکا ہوا تھا اور میرا اس وقت اتنی دور پیدل چلنے کا بالکل بھی سوچ نہیں ہو رہا تھا۔ یوں عمارت خامے ٹوٹنے چوتھرے پر ہونے کی وجہ سے..... عمو دی رینگ رہی تھی۔

جب میں نے ڈرائیور سے کہا کہ وہ آکر گیٹ کھول کے کب اندر لے جائے تو اس نے انکار کر دیا اور نہایت تہذیب سے بولا۔

”سوری سر، یہ کام آپ کو کرنا پڑے گا۔۔۔ آپ خود ہی آکر گیٹ تک جائیں وہاں انٹر کام نصب ہوگا۔ لینڈ لارڈ یا اندر کی سے بات کریں۔ دروازہ کھل گیا تو میں مجھے اندر جانے میں کوئی اعتراض نہ ہوگا۔“

”اوکے۔“ میں دیکھتا ہوں۔“ میں نے کہا اور دروازہ کھول کر بیٹھے آکر آیا۔

گیٹ پر ایک بورڈ نصب تھا جو بند تھا۔ میں نے اس کا ڈھکا کھولا، اندر انٹر کام نظر آیا۔ میں نے اس کا ریموٹر بک سے اٹھا کر کان سے لگا لیا، کوئی غیش نہیں تھا، خود کار نظام کے تحت تیل کی آواز دوسری طرف جاری تھی۔ کسی نے اٹھا یا اور ہیلو کہا۔

آواز نسوانی تھی۔ کسی جوان عورت ہی کی تھی۔ میں نے اپنا دعا بیان کیا۔ مجھے ہولڈ کرنے کو کہا گیا۔ ٹھوڑی دیر بعد ہی اسی عورت کی آواز ابھری اور اس نے ایک ایسی بات کہہ دی کہ میرا دماغ بھک سے اڑ گیا۔ دوسری جانب سے (سموٹھ فون کی آواز آنے لگی جس کا مطلب تھا دوسری جانب سے رابطہ منقطع کر دیا گیا ہے۔

خونی رشتوں کی خود غرضی اور پڑائے بن جانے والے اپنوں کی بے غرض محبت میں پرورش پانے والے نہ جوان کی سنسنی خیز سرگزشت کے مزید واقعات آئندہ ماہ

اس وقت نصف شب سے زیادہ بیت چکی تھی جب جرم کے خلاف ہم چلانے والے رپورٹر جنک بیٹھ کے ٹکڑے مجھے اور میرے پانڈر لیڈی کو رپورٹر کی رہائش گاہ کے دروازے پر خوش آمدید کہا۔

”صحیح بتاؤ کہ تم نے پولیس کو آدھی رات گزرنے کے بعد کیوں طلب کیا ہے؟“ میں نے بٹلر سے پوچھا۔

”آج میری نائٹ آف تھی۔“ بٹلر نے بتایا۔ ”بھئی پر جانے سے پہلے مسٹر بیٹھ نے مجھ سے کہا تھا کہ جب میں رات کو واپس آ جاؤں تو اس کی خلوت گاہ کے دروازے پر دستک دے دوں گا کہ اسے پتہ چل جائے کہ میں گھر لوٹ آیا ہوں۔“

”اور پھر؟“

”میں کچھ دیر قبل ہی گھر لوٹا ہوں۔ میں نے گھر آتے ہی یہ بات لوٹ کی کہ مسٹر بیٹھ کی خلوت گاہ کے دروازے کے نیچے کوئی روشنی دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ میں یہی سمجھا کہ وہ سونے کے لیے اپنے کمرے میں چلے گئے ہیں لیکن جب میں نے ان کی خواب گاہ کو چیک کیا تو وہ وہاں موجود نہیں تھے اور ان کے بستر کی چادر بھی ٹھن آلودہ نہیں تھی۔“

”کیا یہ ایک غیر معمولی بات تھی؟“

”جی ہاں، اس لیے کہ جب مسٹر بیٹھ یہ کہتے تھے کہ وہ رات گئے تک کام کریں گے تو وہ رات گئے تک کام کرتے رہتے

تھے۔ اگر وہ کبیں باہر چلے جاتے تو وہ ہال کے کی میز پر میرے لیے کوئی تھریر شدہ پیغام چھوڑ دیا کرتے تھے۔“

”تم کیا چاہتے ہو کہ ہم کیا کریں؟“ میں نے بٹلر سے پوچھا۔

”میرے پاس مسٹر بیٹھ کی خلوت گاہ کی جالی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ میں جب ان کے ذاتی کمرے میں داخل ہوں تو آپ لوگ بھی میرے ہمراہ ہوں۔“

”کیوں؟“

”مسٹر بیٹھ کا ایک سخت اصول ہے۔ کسی کو بھی ان کی خلوت گاہ میں داخل ہونے کی اجازت نہیں ہے۔۔۔ حتیٰ کہ مجھے بھی نہیں۔ میں ان کے لیے پریشان اور گھرمند ہوں اور چاہتا ہوں کہ جب میں اندر کمرے میں جاؤں تو پولیس ڈپارٹمنٹ سے بھی کوئی میرے ساتھ ہو۔“

میں نے یکن کر شانے اچکا دیے۔ پھر لیری اور میں بٹلر کے پیچھے پیچھے اس کمرے کے دروازے تک پہنچ گئے جو ہمارے بائیں جانب واقع تھا۔

بٹلر نے کمرے کے دروازے کے تالے میں چابی گھمائی اور کمرے کا دروازہ کھول دیا۔ کمرہ مکمل تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔

”تم یہیں باہر ٹھہرو۔“ میں نے بٹلر سے کہا۔ ”لیری تم میرے ساتھ اندر چلو، گزرا دھیان سے۔“

ہم کمرہ رپورٹر کی خلوت گاہ میں داخل ہو گئے۔ لیری نے

قانون کے دائرے میں رہنے والے آلہ کار کا اختتام.....

سیراگر سماں ذہن عام آدمی کے ذہن سے نہیں سوچتا... اس کی سوچیں... انداز اور زاویہ نگاہ ہمیشہ بلند ترین چوٹی پر محو پرواز رہتا ہے... جرم اور مجرم کو دیہیز جہیز سے نکالنے کے لیے مسلسل متحرک و مستعد رہتا ہے... زیر نظر کیس بھی ایسی ہی صورت حال سے دوچار ہے... جرم کفشدہ کی معمولی سی بے احتیاطی نے بازی کو پلٹ دیا...

آلہ کار  
سراسر انور





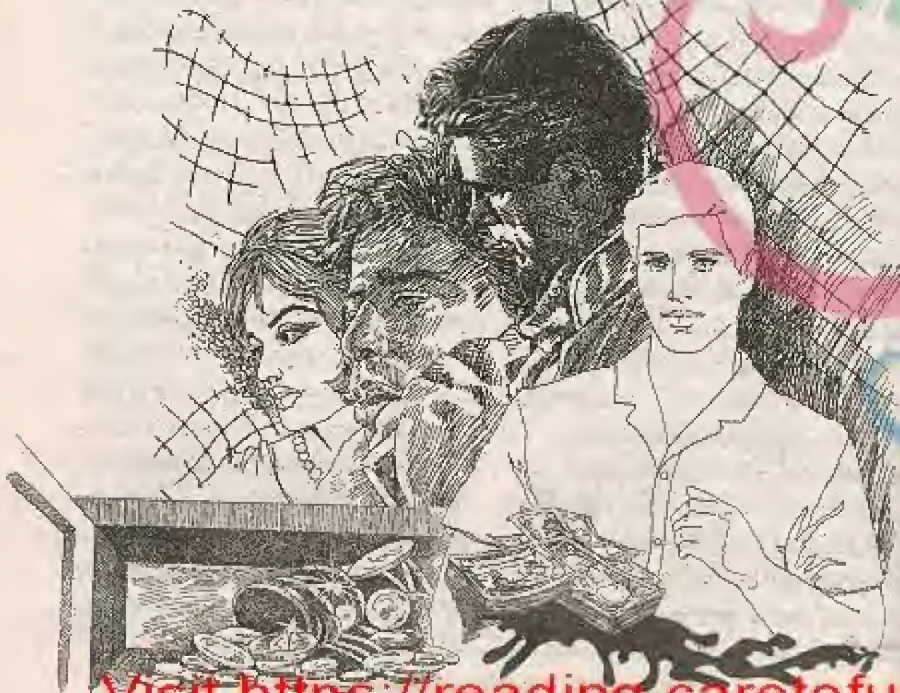
# کتاب نسواں

شا کر لطیف

چہرے سوچ کے آئینہ دار ہوتے ہیں... نہیں... چہرے وہی کچھ عیاں کرتے ہیں جو انسانی دماغ دکھانا چاہتا ہے... عورت کے چہرے کو کھلی کتاب سے تشبیہ دی جاتی ہے... مگر حقیقت میں مرد، عورت کے چہرے سے وہی کچھ پڑھتا ہے جو عورت اسے پڑھانا چاہتی ہے... مغربی طرز زندگی اور گھومنے پھرنے والی فضاؤں میں چلتی پھرتی کپڑائی کے پیچیدہ... دلچسپ موڈ... وہ چاروں دوست ہی نہیں... آپس میں کاروباری شراکت دار بھی تھے... ایک دن اچانک ہی ایک حسینہ نے ان کی زندگی میں شامل ہو کر ہلچل مچا دی... عورت کو تسخیر کرنے کے دعوے داروں کا آغاز و اختتام... ان سب کا خیال تھا کہ سب کو مات دے کے فتح ان کے حصے میں آتی ہے...

اس شاطر جرم کا کامیاب منصوبہ جس نے اپنے جرم کا کوئی نشان نہیں چھوڑا...

والا ہے۔ وہ جلد ہی مجھے پر پوز کرے گی۔" میکاٹو نے بارڈی، راہن اور لی مون کی جانب دیکھتے ہوئے بڑے فخریہ انداز میں کہا۔ "میں اسے مایوس نہیں کروں گا اور اس کی محبت کا جواب محبت سے دوں گا اور ہاں یاد رکھنا، میکا



"نہیرا قیاس ہے کہ بینٹ اس بارے میں ہمیں کوئی اشارہ دینا چاہتا تھا کہ اس کی پیٹھ میں لٹاف کھولنے والا چاقو کس نے گھونپا ہے لیکن اس اشارے کو مکمل کرنے سے پہلے ہی اس کی موت واقع ہوئی۔"

"کیا کوئی آئینہ یا دودھ کا کردہ کیا لکھنا چاہ رہا تھا؟"

"کچھ لٹپ ہی ہے۔"

اتنے میں مجھے کے لوگ اندر آ گئے۔ ان کی راہنمائی کیپٹن پیڑیں کر رہا تھا۔

"یہاں کیا واقعہ پیش آیا ہے؟" کیپٹن نے جانا چاہا۔

میں نے ہٹلر کی فون کال آنے سے لے کر کیپٹن کی آمد تک کی تمام روداد اس کے گوش گزار کر دی۔

"سو تمہارا خیال ہے کہ ان تینوں میں سے کسی ایک نے بینٹ کو قتل کیا ہے... یا اسے قتل کروا دیا ہے؟" کیپٹن نے کہا۔

میں نے ایک لمحے کے لیے کیپٹن کی اس بات پر غور کیا اور پھر مسکرا دیا۔

"کیپٹن مجھے حقیقتاً پتا چل گیا ہے کہ جیک بینٹ کو کس نے قتل کیا ہے۔" میں نے غصے سے کہا۔

"تو کیسے؟" کیپٹن نے حیرت سے کہا۔

"ہٹلر نے مجھے اور لیری کو بتایا تھا کہ بینٹ کی کو بھی اپنی خلوت گاہ میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دیتا تھا لیکن اس کے باوجود وہی میرے بارڈر کو یہ معلوم تھا کہ خلوت گاہ کے کی لائٹ کا سوچ کہاں ہے کیونکہ جب ہم ہٹلر کے دروازہ کھولنے پر کمرے میں داخل ہوئے تو وہاں گھپ اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ لیری نے ہٹلر سے پوچھے بغیر خود ہی لائٹ آن کر دی کیونکہ اسے سوچ کا علم یوں تھا کہ بینٹ کو قتل کرنے کے بعد خلوت گاہ کے سے نکلنے وقت اس نے روشنی بجھ کر دی تھی۔ سو تم لیری کو قتل کے جرم میں گرفتار کر لو۔"

"لیری نے کریم پر پور کو کیوں قتل کیا؟"

"اس نے ان تینوں میں سے کسی ایک کی ایما پر اسے قتل کیا ہے۔ وہ پولیس کی ان کالی سمجھوتوں میں سے ایک ہے جو ان جرائم پیشہ لوگوں کے آکر کار ہوتے ہیں۔ اب اس سے یہ کھانا چھوڑا کام ہے کیپٹن کہ اس نے کارل ویپر، بارت مورس اور ایس کولنز میں سے کس کے کہنے پر کریم پر پور کو قتل کیا ہے۔"

"تم بے فکر رہو۔" کیپٹن نے کہا۔ "تمہارا شکر یہ کہ تم نے ہمارا کام آسان کر دیا۔"

پھر اس نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ وہ باہر موجود لیری کو حراست میں لے لیں۔ کیپٹن خوش تھا کہ وہ جرم کی تینوں شاخوں اور قتل کی تلاش جیسے مشکل مرحلے سے بچ گیا۔

باہر کی جانب ہاتھ بڑھاتے ہوئے ایک سوچ کو کھٹکے کے ساتھ دبا دیا۔ کمراد شفی میں نہیں گیا۔

جیک بینٹ کی خلوت گاہ سیاہ شاہ جلوب کی لکڑی کی پینلنگ سے فرسٹ کلاسیک تھا۔ باہر کی جانب سیاہ چمڑے کا صوفہ رکھا ہوا تھا۔ داہنی جانب ایک فائنک کینٹ بھی اور سامنے مہمان کی ایک بڑی سی میز تھی جس پر ایک کمپیوٹر رکھا تھا۔ میز کے اوپر جیک بینٹ اونٹ سے منہ پڑا تھا۔ اس کی پیٹھ میں لٹاف کھولنے والا چاقو دسے تک گڑا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔

"پولیس اسٹیشن فون کرو۔" میں نے اپنے بارڈر لیری سے کہا۔ "اور پھر کو یہاں سے دور رکھو۔"

لیری کمرے سے چلا گیا اور میں نے جیک بینٹ کی لاش کے اطراف کا تھریں سے جائزہ لیتا شروع کر دیا۔

کریم پر پور کا دہانہ تھا اس کے سر کے پاس میز پر رکھا ہوا تھا۔ قریب سے جائزہ لینے کے بعد میں نے یہ بات نوٹ کی کہ اس نے میز کی سطح پر اپنی انگلی کے ناخن سے کرید کر کچھ لکھنے کی کوشش کی تھی۔ وہ بظاہر کوئی ہندسہ لکھ رہا تھا۔

کمپیوٹر کے بائیں جانب میز پر تین عدد فائل فولڈر موجود تھے۔ ایک فولڈر پر "کارل ویپر" دوسرے پر "بارٹ مورس" اور تیسرے پر "ایس کولنز" کے نام کے ٹیکل چسپاں تھے۔

اتنے میں لیری کمرے میں داخل آیا۔

میں نے ان فولڈرز کی جانب اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

"ان کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟"

"کارل ویپر شہر کا کوڈ آکر کثرت جمع کرنے والی کمپنی کا ایک ہے۔ بارٹ مورس تعمیرات کے کاروبار کا ایک بڑا نام ہے اور ایس کولنز وہ شخص ہے جس کے خفیاتی کی تجارت کرنے والوں سے گہرے روابط ہیں اور ہم برسوں سے اس کے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔" لیری نے بتایا۔

میں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"اور ان میں سے ہر ایک پر شبہ کیا جاتا ہے کہ وہ ہمارے بعض سیاست دانوں اور حتی کہ ہمارے اپنے محکمے کے ممبروں پر اثر انداز ہو رہے ہیں۔"

"تمہارے خیال میں ان میں سے کسی ایک نے کریم پر پور جیک کو قتل کیا ہے؟" لیری نے پوچھا۔

"یہ ممکن ہو سکتا ہے۔ جب میڈیکل ایگزامینر یہاں آئے گا تو ہم اس کے حوالے سے یہ اندازہ کر سکیں گے کہ جیک بینٹ کو کس وقت قتل کیا گیا ہے اور پھر ان تینوں سے بات کریں گے۔"

"یہ کیا ہے؟" لیری نے بینٹ کی میز کی سطح پر گھر پتے کے نشان کی جانب اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔



اب میری ہونے والی بیوی ہے۔ اس لیے تم تینوں نے اسے کبھی ایسی دیکھی نظروں سے دیکھنے کی کوشش کی تو مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔

”میں اور جنہیں اپنی مرضی سے زندگی گزارنے کا پورا پورا حق ہے۔“ لی مون نے سادہ سے لہجے میں کہا۔ ”اگر وہ تم سے شادی کرنے کا فیصلہ کرتی ہے تو میں جھکا جاتا ہوں اعتراض ہوسکتا ہے۔“

ہارڈی اور رابن نے میکاٹو کی باتوں پر کوئی جوابی تبصرہ نہیں کیا۔ تاہم ان کے سامنے ہونے والی صورت حال پر تھے کہ انہیں میکاٹو کی باتیں خاصی ناگوار گزر رہی تھیں۔ وہ دونوں خاصے جھنجھڑاؤ اور مشکل مزاج طبیعت کے مالک تھے۔ اگر میکاٹو کے بجائے کسی اور نے یہی جیسی حسین و جمیل لڑکی کے بارے میں اس قسم کا تبصرہ کیا ہوتا تو شاید وہ دونوں اب تک اس سے بچھڑ چکے ہوتے۔ مگر جب مقابلے میں میکاٹو جیسا خطرناک اور مایہ ناز کا ہوتا پھر ان کے پاس اس کی باتوں کو برداشت کرنے کے سوا دوسرا کوئی چارہ کار نہیں رہتا تھا۔

لی مون خاصی مختلف طبیعت کا مالک تھا۔ اس کا زیادہ تر وقت ان سب کی باتیں سنتے ہی گزرتا تھا۔ وہ خاموش طبع واقع ہوا تھا اور ان کی گفتگو میں مداخلت بھی نہیں کرتا تھا۔ اگرچہ لی مون ان تینوں کے مقابلے میں جسمانی طور پر خاصا کمزور تھا۔ تاہم اس میں کچھ ایسی خصوصیات تھیں جو اسے دوسروں سے ممتاز کرتی تھیں۔ جاپانی نژاد لی مون مارشل آرٹ میں خاص مہارت رکھتا تھا اور اس نے ان سب کے سامنے اپنی مہارت کا کئی مرتبہ عملی مظاہرہ بھی کیا تھا۔ اس کے علاوہ وہ ایک بہترین لگ بھی تھا۔ اس کے ہاتھوں کے پتے ہونے کھانے بھی کو بے حد پسند آتے تھے۔ تاہم یہ بھی حقیقت تھی کہ وہ کسی کی فرمائش پر کھانا پکانے سے صاف انکار کر دیتا تھا۔ ہارڈی، رابن اور میکاٹو کو اس کے ہاتھوں کا پکا ہوا لذیذ کھانا بھی نصیب ہوتا جب اس کا اپنا سوڈا کھانا بنانے کی جانب مائل ہوتا۔ وہ واحد شخص تھا جس سے بد مزاج، بد بظان میکاٹو بھی تیز سے بات کرتا تھا۔

ان سب کے مزاج ایک دوسرے سے خاصے مختلف تھے۔ اس تضاد کے باوجود وہ کافی عرصے سے اکٹھے رہ رہے تھے اور اس کی وجہ ان کا پیشہ تھا۔ وہ چاروں پیشہ ور ڈاکو تھے۔ اور سوئچ دیکھ کر خواتین سے پرس وغیرہ چھیننے سے بھی باز نہیں آتے تھے۔ بسا اوقات خواتین نے انتہائی قیمتی زیورات بھی مکین رکھے ہوتے تھے۔ اس لیے انہیں

خواتین سے چھینے کے زیورات بچ کر بھی خاصی آمدنی ہو جاتی تھی۔ یہ ان کی خوش قسمتی تھی کہ وہ آج تک قانون کی گرفت میں نہیں آئے تھے۔

پولیس ان کا تعاقب کرتی مگر انہیں پکڑنے میں ناکام رہتی۔ رابن اور ہارڈی کسی زمانے میں کارڈس کے کھلاڑی رہ چکے تھے۔ وہ تنگ ٹھیکوں میں بھی بڑی مہارت کے ساتھ کارڈ رانی کر لیتے تھے۔ اپنی اسی مہارت کے ثل بوتے پر پولیس کی تعاقب میں آنے والی گاڑیوں سے بچ نکلنے میں کامیاب رہتے تھے۔ تاہم کارڈس کے سلسلے میں ان کی آپس میں کبھی نہیں جتنی تھی۔ رابن کا خیال تھا کہ وہ ہارڈی سے زیادہ مایہ ناز اور تجربہ ہے جبکہ ہارڈی اسے کارڈ رانی تنگ کے معاملے میں اپنے سامنے ایک بیچے سے زیادہ حیثیت دینے پر تیار نہ تھا۔ اسی نوک جھوک کے ساتھ انہیں ایک ساتھ رہتے ہوئے برسوں گزر چکے تھے۔

حکومت کی جانب سے غیر قانونی اٹھارے پر سخت سزاؤں کا اعلان کیا گیا تھا جس کے بعد انہوں نے بھی اپنے پاس آگئی اٹلی روکنا بند کر دیا تھا۔ کسی کو کولتے وقت بس ان کی قید اور میکاٹو کا بخیر کام آتا تھا۔ دیکھتے ہی میکاٹو کی دراز قید سوا مقام شخصیت کسی کو بھی خوف زدہ کرنے کے لیے کافی تھی اور چہرے پر ماسک مکین کہ اس کی خوفناکی میں مزید اضافہ ہو جاتا تھا۔ ان کا زیادہ تر شکار عورتیں ہی بنتی تھیں۔ وہ لوٹنے کے لیے کسی جہا سفر کرنے والی عورت کا انتخاب کرتے تھے اور پھر کسی دیران جبکہ پر اسے گھر لیتے۔ خوف زدہ عورتیں فوراً اپنا پورا نقدی ان کے حوالے کر دیتی تھیں۔ تاہم سب سے بڑی تکلیف دہالے مرد تھے ان کا شکار بن جاتے تھے۔ کچھ مرد مزاحمت پر بھی اتر آتے تھے مگر اس کا انہیں مزید نقصان اٹھانا پڑتا۔ وہ سب ہی لڑائی جھڑائی میں مہارت رکھتے تھے۔ اسی لیے کسی بھی مزاحمت کار کو سوئچ پر دھلائی کرنے میں دیر نہیں لگاتے تھے اور پھر میکاٹو کا ایک ہی گھونسا کسی کو بھی بے ہوش کرنے کے لیے کافی ہوتا تھا۔

ایک واردات کے بعد وہ تقریباً ایک ماہ تک کا وقت لیتے تھے۔ اس دوران ان کا زیادہ تر وقت اپنی رہائش گاہ پر انہیں تاش کی بازی لگانے اور ٹھیکے میں گزرتا تھا۔ اگرچہ میکاٹو ہر معاملے میں ان پر اپنی برتری جھلکانے کا عادی تھا۔ تاہم کوئی رقم کی برابری کی قسم پر وہ بھی معزز نہیں ہوا تھا۔ اس کی یہ واحد اچھائی تھی جسے رابن، ہارڈی اور لی مون بھی تسلیم کرتے تھے۔ انہوں نے اپنی

رہائش گاہ کا انتظام بھی ایک سرد پہاڑی علاقے میں کر رکھا تھا۔ اسی جگہ جہاں کافی فاصلے پر کوئی دوسرا گھر نظر آتا تھا اور وہاں رہنے والوں کو یہ بھی معلوم نہیں ہوتا تھا کہ ان سے اس کے گھر میں کون رہ رہا ہے۔ وہ جس پتے سے وابستہ تھے اس میں یہی بہتر تھا کہ اس پاس کے رہنے والوں کو ان کے بارے میں کم سے کم معلوم ہو۔ ان کا یہ گھر پہاڑی سلسلے کے سب سے آخری علاقے میں واقع تھا۔ اس سے آگے سڑک ہی نہیں تھی۔ اسی وجہ سے ان کا اس علاقے کے رہنے والوں سے لٹنا جلتا شاذ و نادر ہی ہوتا تھا۔ اگر کچھ لوگوں کو ان کے بارے میں معلوم بھی تھا تو بس اتنا کہ وہ چاروں پہاڑوں سے جتنی پتھر وغیرہ تلاش کرنے کے لیے وہاں رہ رہے ہیں۔ شہر سے کھانے پینے کا سامان وغیرہ لانے کے لیے ان کے پاس ایک کھٹارا گاڑی موجود تھی۔ یہ گاڑی لی مون کی ذاتی ملکیت تھی اور اکثر اوقات شہر سے خورد و نوش کا سامان لیتے بھی وہی جاتا تھا۔ تاہم کار کے کھٹارا پن کی وجہ سے اسے کسی واردات کے لیے استعمال نہیں کیا جاتا تھا۔ آج بھی وہ سب کافی پتے کے ساتھ ساتھ تاش کی بازی لگانے بیٹھے تھے کہ میکاٹو کے اس اعلان نے کہ کبھی اسے پسند کرنے لگی ہے۔ سب کا سوڈا آف کر دیا تھا۔ میکاٹو نے یہ جھگڑنے کے ساتھ کہیں اسے پسند کرتی ہے؟ رابن اور ہارڈی کو یہی سے دور رہنے کی وارننگ بھی جاری کر دی تھی۔ لی مون سے اس نے ایسی کوئی بات نہیں کی تھی۔ شاید اس کا خیال تھا کہ لی مون اس دور میں شامل نہیں۔

میں نے بھی ان کی زندگی میں بڑے عجیب طریقے سے انگری کی تھی۔ سب سے بالوں والی وہ دراز قد حینہ چھا جانے والی شخصیت کی مالک تھی۔ بڑی بڑی ٹنگوں آٹھیں، صاف شفاف چہرہ جس پر ہر وقت ہلکی سی مسکان عاری رہتی تھی۔ اس کی دلچسپ مسکان دیکھنے والے کو سمجھ کر دیتی تھی۔

وہ چاروں آج تک بڑے لاابالی انداز میں زندگی بسر کر رہے تھے۔ کسی کو لوت لیا اور پھر آرام سے کچھ دن تک بیٹے کے گھالیا۔ پیسے ختم ہونے تو کسی نئی واردات کے لیے تیار ہونے۔ انہوں نے نہ بھی شادی کے بارے میں سوچا تھا اور نہ ہی انہیں اپنے مستقبل کی کوئی فکر تھی مگر پھر جیسے ہی ان کی زندگی میں داخل ہوئی، انہوں نے پہلی بار تنہائی سے شادی اور اپنے مستقبل کے بارے میں سوچنا شروع کر دیا۔ اگرچہ لی مون کے بارے میں سب کی رائے یہی تھی کہ وہ میکاٹو کا امیدوار نہیں ہے مگر اس بارے میں وثوق سے

## کتاب نساوان

کوئی بات نہیں کی جاسکتی تھی۔ خاموش طبع لی مون کے دل میں کیا تھا کوئی نہیں جانتا تھا۔ آخر وہ بھی ایک مرد تھا اور یہی میں وہ تمام خصوصیات موجود تھیں جو کسی بھی مرد کو کھانے کے لیے کافی تھیں۔

میں نے ان کی پہلی ملاقات خاصی عجیب تھی۔ انہوں نے اسے راہ چلنے دیکھا اور پھر اس کا قیمتی لباس دیکھتے ہی اسے لوٹنے کا فیصلہ کر لیا۔ میں کوئی بیچنے ہی انہیں اندازہ ہو گیا تھا کہ اس کے پاس کافی رقم موجود ہوگی۔

وہ چاروں اس وقت پیدل تھے۔ لی مون کی کھٹارا کار جس پر وہ اپنی پہاڑی رہائش گاہ سے اس علاقے تک پہنچے تھے۔ اس وقت ایک پارکنگ ایریا میں گھڑی تھی۔ اگرچہ اس وقت وہ کسی کو لوٹنے کے ارادے سے اس جگہ نہیں آئے تھے۔ ان کا ارادہ کسی بس یا میں بیٹھ کر اپنے حلق میں تھوڑی سی اسکاچ انڈی بننے کا تھا مگر سامنے موجود بار سے قیمتی لباس اور سفید سونا پتے نظر آئی ہوئی تھیں کوئی کچھ ان کا ارادہ بدلنے میں دیر نہیں لگی۔ اگرچہ وہ کسی کو لوٹنے کے لیے مخصوص اور جامع پلاننگ بھی کرتے تھے مگر اکثر اوقات کسی مناسب شکار کو دیکھتے ہی ان کا ذہن تبدیل ہونے دیر نہیں لگی تھی۔ میں کو دیکھتے ہی میکاٹو نے سب کی توجہ اس کی جانب مبذول کرانی۔

”سب سے خیال میں اس لڑکی نے واجب گوڈ پہن رکھا ہے۔“ ہارڈی نے فٹ پاتھ پر چلنے والی میں کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

”مگر یہ اس بدنام علاقے میں یوں بے پروائی سے پیدل کیوں جو سفر ہے، کیا اس کے پاس کار وغیرہ نہیں ہے۔“ لی مون نے حیرت بھرے لہجے میں پوچھا۔

”ہمیں اس کے پیدل چلنے سے کیا مطلب؟“ میکاٹو نے درشت لہجے میں کہا۔ ”اس کے لباس سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ اس کے پرس میں کافی پیسے ہو سکتے ہیں۔“ ”ویسے ہم یہاں اس کام کے لیے نہیں آئے تھے مگر پھر بھی چانس لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔“ رابن نے بھی رضا مندی ظاہر کر دی۔

”اگر تم تینوں کا یہی ارادہ ہے تو مجھے بھی کوئی اعتراض نہیں ہے۔“ لی مون مسکراتے ہوئے بولا۔ ”ہمارے پاس پیسے ختم ہونے والے ہیں۔ چند دن میں کسی راہ گیر کو شکار کرنا دینے بھی ضروری ہو جائے گا تو پھر ابھی کیوں نہیں مگر وہ فٹ پاتھ پر پیدل جو سفر ہے۔ فٹ پاتھ پر کافی تعداد میں لوگ آ جا رہے ہیں۔ اسے وہاں لوٹنا ناممکن ہے۔“



”میں نے اس کے پیدل چلنے کی وجہ سے ہی اس کا انتخاب کیا ہے کیونکہ مجھے یقین ہے کہ وہ کسی گلی میں داخل ہو گی۔ آؤ اس کے پیچھے چلتے ہیں اگر سو فیصد گلیاں تو تھیک ہے ورنہ بارشیں جا کر شراب نوشی کر لیں گے۔“ میکارٹو نے کہا تو وہ سب سر ہلاتے ہوئے میکے کے پیچھے چل پڑے۔ اس وقت تک شاہین میکے کا نام معلوم تھا اور نہ اس بات کا اندازہ تھا کہ وہ بہت جلد ان کی پارٹنر بننے والی ہے۔

میکارٹو کا اندازہ درست ثابت ہوا۔ کچھ ہی دیر میں وہ ایک گلی میں داخل ہو گئی۔ ”تیار ہو جاؤ۔“ میکارٹو نے اپنے آکس پاس کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ ”گلی میں اسے کوئی بہت آسان ثابت ہوگا اور پھر وہ ایک عورت ہے، ہم چار مردوں کو دیکھتے ہی گھبرا جائے گی۔“

”آج ہمارا ارادہ کرتے کا ارادہ نہیں تھا اس لیے ہمارے پاس چہرے پر پینے کے لیے ماسک موجود نہیں،“ اپنے رین کوٹ کے کارڈید سے کھڑے کرلو، اسی طرح ہماری شکل کافی حد تک چھپ جائے گی۔“ ویسے بھی گلی میں کافی اندھیرا ہے۔ وہ ہمارا چہرہ واضح طور پر نہیں دیکھ پائے گی۔“ یہ کہتے ہوئے میکارٹو تیزی سے اپنے رین کوٹ کے کارڈ پر کرتے ہوئے اس گلی کی جانب بڑھ گیا۔ لی مون، رابن اور ہارڈی نے بھی اس کی تقلید کی۔

میکے گلی میں بھی بڑے اطمینان اور بے پروائی سے چل رہی تھی۔ شاید وہ اپنے گھر کے کہیں قریب ہی تھی۔ گلی میں ان کے اور بھی کئی علاوہ کسی ذی روح کا نام و نشان بھی نہیں تھا۔ میکے کو جب تک خطرے کا احساس ہوا۔ وہ چاروں اس کے سر پر ہتھی گئے۔ اس دوران میکارٹو اپنے پاس موجود اکلوتا خنجر نکال چکا تھا۔ خنجر کا استعمال میکارٹو صرف خوف زدہ کرنے کے لیے کرتا تھا۔ ورنہ کسی کو زبردستی کے لیے اس کا ایک ہاتھ ہی کافی تھا اور پھر لی مون، ہارڈی اور رابن بھی لڑائی بھڑائی میں خاصے باہر تھے۔

خطرے کا احساس ہوتے ہی میکے سرعت سے چلی مگر اس وقت تک میکارٹو اس کی گردن پر خنجر دکھ چکا تھا اور میکے کی خوف کے عالم میں بلند ہونے والی اظہار رائی چیخ روکنے کے لیے اپنا بایاں ہاتھ پہلے ہی اس کے منہ پر رکھ دیا تھا۔

”خنجر باہر کر دو گی تو میں تمہاری شہ رگ کاٹنے میں ایک لمبے کی بھی دیر نہیں کروں گا۔ تاہم اگر خاموشی سے اپنے پرس میں موجود رقم اور زور ہمارے حوالے کر دو گی تو ہم تمہیں کوئی جانی نقصان نہیں پہنچائیں گے۔“ میکارٹو کے یہ

جملے لی مون، ہارڈی اور رابن نے کافی مزہ سے سنے تھے مگر میکے نے پہلی بار سنے تھے۔ اس نے اپنی آنکھیں جھپکاتے ہوئے رضامندی کا عندیہ دیا تو میکارٹو نے اس کے منہ سے اپنا بایاں ہاتھ ہٹایا۔ تاہم وہ ان کے ہاتھ میں موجود خنجر بدستور اس کی گردن پر تھا۔

”تم نے غلط شکار کا انتخاب کیا ہے۔“ اس کے پراطمینان لہجے نے ان چاروں کو حیران کر دیا۔ یہ صورت حال ان کے ماضی کے تجربات کے بالکل برعکس تھی۔ ورنہ آج سے پہلے انہوں نے جس کسی کو بھی اپنا شکار بنایا تھا۔ وہ بڑی طرح خوف زدہ دکھائی دیتا تھا۔ عام طور پر ایسی صورت حال میں خواتین زیادہ خوف زدہ ہوجاتی تھیں۔ یہ میکے سے ان کی پہلی ملاقات تھی اور وہ سب پہلی ہی ملاقات میں اس سے متاثر ہو گئے تھے۔ وہ عام لڑکیوں سے خاصی متفرق ثابت ہوئی تھی۔

”اپنا پرس اور زیورات اتار کر ہمارے حوالے کر دو۔“ میکارٹو نے درشت لہجے میں اس سے کہا۔

”میرے پرس میں صرف دس ڈالرز موجود ہیں۔“ میکے نے سادہ سے لہجے میں جواب دیا۔ ”یہ سارے زیورات نقلی یعنی آرٹیفیشل ہیں۔ میں ایک بار میں کام کرتی ہوں اس لیے یہ سب کچھ پہننا پڑتا ہے۔ ویسے اگر تم میری گردن سے خنجر ہٹا لو تو میرا پرس چپک کر سکتے ہو۔“ اس کے لہجے میں نہ جانے کیا بات تھی کہ میکارٹو نے بے اختیار خنجر اس کی گردن سے ہٹا لیا۔ لی مون، ہارڈی اور رابن خاموشی سے اپنی جگہ کھڑے تھے۔ انہوں نے میکارٹو کے کام میں مداخلت کی کوشش نہیں کی تھی۔

خنجر ہٹتے ہی میکے نے پہلی بار میکارٹو کا بخور جاڑ لیا۔ ”اوہ تم تو خاصے سوئٹم ہو۔“ اس نے خنجر ہٹنے کے لیے کہا تو سخت مزاج میکارٹو باوجود کوشش کے خود کو مسکراتے سے نہ روک پایا۔

”تم میرا پرس چپک کر سکتے ہو۔“ میکے نے اپنا پرس آگے کرتے ہوئے کہا۔

”اس کی ضرورت نہیں ہے۔ خوب صورت مگر یا، مجھے ویسے بھی تمہاری بات پر اعتبار ہے۔“ میکارٹو نے اس بار نرم لہجے میں کہا۔ اس کا یہ لہجہ اس کے تینوں ساتھیوں کے لیے ناقابل یقین اور حیران کن تھا۔ وہ عورتوں سے کس لہجے میں بات کرنے کا عادی تھا؟ وہ تینوں اچھی طرح جانتے تھے۔ شاید اپنی تحریف کن کڑوں کا لہجہ نرم پڑ گیا تھا۔ ویسے بھی ان تینوں کا خیال تھا کہ غالباً یہ میکارٹو کی زندگی میں آنے والی

پہلی عورت تھی جس نے اسے سوئٹم قرار دیا تھا۔ ”اگر اتنا اعتبار کر لیا ہے تو کھوڑا اور بھی کر لو۔“ میکے دلاؤ پر مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ ”یہاں پاس ہی میرا گھر ہے، میں وہاں تھراپی ہوں، کامیرا سے ساتھ ایک کپ کافی پیو گے؟“ میکے نے لہجہ انہیں حیران کرتی جاری کی تھی۔

میکارٹو نے چند ثانیے پہلے اس کی گردن پر خنجر دکھا ہوا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ اس کا واسطہ کن لوگوں سے پڑ چکا ہے ایسے میں اس کی پہلی ترجیح ایسے لوگوں سے جان بچھڑانا ہی ہوتی چاہیے مگر یہاں تو اپنی نگاہیں پڑ رہی تھیں۔ وہ خود ان کی جان چھوڑنے پر آمادہ نظر نہیں آ رہی تھی اور انہیں کافی پینے کی دعوت بھی دے رہی تھی۔ شاید کوئی بازار کی عورت تھی اور گاہک کی تلاش میں ملوں کوں کی خاک چھان رہی تھی۔

”مجھے کوئی ایسی دینی عورت نہ سمجھ لیا۔“ میکے نے گویا ان کی سوچ پڑھ لی۔ ”میرا تم سب کو کافی کی آفر کرتے کا ایک خاص مقصد ہے۔ میں جس بار میں کام کرتی ہوں وہاں بہت بڑے پینے پر جوا بھی ہوتا ہے۔ میں تمہیں مطلع کر سکتی ہوں کہ بارے لٹنے والے کس آدمی کے پاس زیادہ رقم ہے۔ مجھے میں اپنا حصہ ملنا چاہیے۔ سیدھے لفظوں میں یوں سمجھ لو کہ میں تمہارے ساتھ کام کرنا چاہتی ہوں۔ تمہارے گروپ میں شامل ہونا چاہتی ہوں، ویسے میرا نام میکے ہے۔“

”ہم تمہیں لوٹے آئے تھے۔ یہ ہماری پہلی ملاقات ہے اور ہم تمہیں اپنے گروپ میں شامل بھی کر لیں؟“ لی مون نے پہلی بار زبان چھولی۔

”ہاں۔“ میکے پچھلے انداز میں مسکرا کر بولی۔ ”یہ کوئی اتھوٹی تو نہیں۔ تم چاروں کی بھی کبھی یونٹی کہیں ملاقات ہوئی ہو گی اور پھر تمہارا گروپ تشکیل پا گیا۔ ویسے میں نے اس شہر میں چار آدمیوں کے ایک گروپ کے بارے میں سن رکھا ہے جو کافی عرصے سے راہ گیمروں کو لوٹ رہا ہے مگر آج تک قانون کی گرفت میں نہیں آیا۔ میرا خیال ہے کہ میں نے تم ہی لوگوں کے بارے میں سنا تھا۔“

”تم ہمارے بارے میں ضرورت سے زیادہ جاننے کی کوشش کر رہی ہو۔“ رابن نے شکستیں لگا ہوں سے اسے گھوڑا۔

”یہ جگہ بات کرنے کے لیے مناسب نہیں ہے۔ میرے ساتھ میرے گھر چلو، ایک دفعہ میری پوری بات سن لو، اگر دل مانے تو تسلیم کر لیتا ورنہ تم اپنی راہ لیتا اور میں اپنا راستہ لوں گی۔“

”میرا خیال ہے میکے کی بات سن لینی چاہیے۔“ میکارٹو کے منہ اندر لہجے نے ان سب کو حیران کر دیا۔ ”میکارٹو نے لڑکی پولیس کی انفارمر بھی ہو سکتی ہے۔“ ہارڈی نے بھی اپنے جلدیوں کو حرکت دی۔

”میں پچھلے ایک سال سے اسی بار میں جاب کر رہی ہوں۔ میرا گھر بار کے پاس ہی ہے اس لیے میں روزانہ پیدل ہی کھرجاتی ہوں۔ بار کا ایک ملازم مجھے گھر تک پہنچوڑنے کے ساتھ آتا ہے۔ آج وہ چھٹی پر تھا اس لیے میں اکیلی ہی نکل آئی۔“ میکے نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ ”تم لوگ جس کام سے وابستہ ہو، تمہارا مجھ سے مشکوک ہونا ایک فطری سی بات ہے مگر ذرا اپنی اور میری ملاقات کے بارے میں غور کرو، کیا میں پولیس کی انفارمر ہو سکتی ہوں؟ میری اور تمہاری ملاقات شخص ایک اتفاق ہے۔ میں تو بار سے نکلنے وقت جانتی بھی نہیں تھی کہ تم لوگ میرا تعاقب کر رہے ہو۔“

”میرے خیال میں میکے کے ہاتھوں سے بنی کافی پینے میں کوئی حرج نہیں۔“ میکارٹو نے ٹھکانہ لہجے میں ان تینوں کو مخاطب کیا۔

گھر لی مون نے اعتراض کرنا چاہا۔ ”میرے خیال میں فیصلہ ہو گیا ہے۔“ میکارٹو نے اپنا خنجر کوٹ کی اندرونی جیب میں چھل کرتے ہوئے دلوک لہجے میں کہا تو لی مون ہونٹ پیچھ کر خاموش ہو گیا۔ وہ میکارٹو کی فطرت سے بخوبی آگاہ تھا۔

”میرے پیچھے آؤ۔“ میکے ان کی خاموشی کو رضامندی سے تشبیہ دیتے ہوئے بولی اور پھر خود ایک جانب چل پڑی۔

”آؤ۔“ میکارٹو نے ساتھیوں سے کہا تو وہ تینوں بھی اثبات میں سر ہلاتے ہوئے اس کے ساتھ ہو گئے۔ وہ میکے کو لوٹنے کے ارادے سے اس کے تعاقب میں آئے تھے مگر اب دوستوں کی طرح اس کے ساتھ کافی پینے کا فیصلہ کر چکے تھے۔

پچ در پچ گلیوں سے گزر کر کچھ ہی دیر میں میکے ایک گھر کے سامنے جا کر روک گئی۔ اس نے اپنے پرس سے چابی نکالی۔ دروازے کا لاک کھولا تاہم اندر داخل ہونے کے بجائے وہیں کھڑی رہی۔ اس کے حسین چہرے پر تذہذب کے تاثرات تھے۔

”اب کیا ہوا؟“ میکارٹو نے اس کے چہرے سے بھانپ لیا کہ وہ اندرونی طور پر کئی کشش کا شکار ہے۔



یہ آنے والا وقت ہی بتائے گا کہ ہمارا یہ فیصلہ درست تھا یا غلط۔

”اوکے، میں آج سے تم ہمارے گروپ میں شامل ہو۔“ میکارٹو نے کہا تو میں کاچرہ گھب کی طرح ٹھل اٹھا۔

آنے والے دقتوں میں میں نے غایت کر دیا کہ وہ ان سب کے لیے کس قدر سود مند تھی۔ میں انہیں جوتے میں بھاری رقم جیت کر گھب سے باہر نکلنے والے جوار یوں کے بارے میں مخبری کرتی اور وہ چاروں اسے گھیر کر لوٹ لیتے۔ تاہم ایک واردات کے بعد تقریباً ایک سے دو ماہ کا وقفہ لیا جاتا۔ کیونکہ تسلسل کے ساتھ ہونے والی وارداتوں کے بعد بار انتظار بھی چوکنا ہو گئی تھی۔ تاہم چند وارداتوں میں ہی انہوں نے ابھی خاصی دولت کما لی تھی۔ میں اب ان سب کی پانٹر ہونے کے ساتھ ساتھ بہت اچھی دوست بھی بن چکی تھی۔ لی مون، ہارڈی اور رابن کے دل میں اس کے بارے میں تمام شکوک و شبہات زائل ہو چکے تھے۔ دو ماہ پہلے میں نے ہارڈی ملازمت ترک کر دی تھی۔ بقول اس کے اب اس بار سے نکلنے والے جوار یوں کو لوٹنا خاصا مشکل ثابت ہو گا کیونکہ بارے آس پاس پولیس کے خبر منظر لانے لگے ہیں، مزید رسک لینا خطرناک ہو گا۔

پچھلے دو ماہ سے ان چاروں نے کوئی واردات نہیں کی تھی۔ سوائے دو کاروں کی چوری کے جنہیں اس گھر کے پچھلے حصے میں چھپا کر رکھا گیا تھا۔ یہ اسپورٹس کاریں خاصے جدید ماڈل کی تھیں۔ رابن اور ہارڈی نے علیحدہ علیحدہ چوری کی تھیں۔ کاروں کی نمبر پلٹیں تبدیل اور ان میں لٹریکس کا کارہ بنا دیے گئے تھے۔ تاہم پھر بھی لی مون اور میکارٹو کو اس بارے میں کچھ تحفظات تھے۔ ان کا خیال تھا کہ ان دونوں کاروں سے جلد از جلد نجات حاصل کر لی جائے تو یہ ان کے حق میں بہتر ہو گا۔ محض کاروں کی نمبر پلٹیں تبدیل کر لینے سے اور ٹریکس کا کارہ کرنے سے پکڑے جانے کا خطرہ ختم نہیں جاتا۔

ہارڈی اور رابن نے یہ کاریں صرف اپنا جنون اور شوق پورا کرنے کے لیے چوری کی تھیں۔ وہ جس پہاڑی علاقے میں رہ رہے تھے وہاں پہلے ایک کلو میٹر تک کوئی آبادی نہیں تھی اور مرکز بھی خاصی خطرناک تھی۔ رابن اور ہارڈی اکثر ان کاروں کو نکالتے اور آپس میں ریس لگا کر اپنا شوق پورا کرتے۔

پچھلے چند دنوں سے انہوں نے ریس لگانے کا یہ خطرناک ٹھیل بھی ترک کر رکھا تھا اور دونوں اسپورٹس

وہ اپنی عمر سے کہیں زیادہ پختہ اور تجربہ کار تھی۔ شاید وقت کے بے رحم پیمائشوں نے اسے بہت کچھ سکھا دیا تھا۔ میکارٹو کے بعد لی مون، ہارڈی اور رابن کو بھی اس سے ہمدردی محسوس ہونے لگی۔

”مگر کیا تم نے تصویر کے دوسرے رخ کے بارے میں سوچ لیا ہے؟“ لی مون سنجیدہ لہجے میں بولا۔ ”ہم سب کمرشل ہیں۔ اگرچہ ہم نے آج تک کسی کو لوٹنے وقت جان سے نہیں مارا تھی کہ اتنی اسلے کا بھی استعمال نہیں کیا۔ کیونکہ اسلے سمیت پکڑے جانے کی صورت میں بہت لمبے عرصے کے لیے قید جانے کا امکان ہے۔ میکارٹو کے پاس موجود تیز دھار خنجر واحد ہتھیار ہے جو ہم کسی بھی واردات میں استعمال کرتے ہیں۔ ورنہ ہم زیادہ تر اپنے ہاتھوں پیروں سے ہی کام چلاتے ہیں مگر پھر بھی جرم کا ارتکاب تو کرتے ہی ہیں۔ اچھی طرح سوچ لو تم ہمارے گروپ میں شامل ہو کر ایک طرح کا رسک لے رہی ہو۔ اگر پکڑی گئیں تو جیل کی زندگی تمہاری موجودہ زندگی سے کہیں زیادہ صحت اور دشوار ہوگی۔“

”افسان کو زندگی میں کچھ حاصل کرنے کے لیے اپنا بہت کچھ داؤ پر لگا پڑتا ہے۔“ میں پُر عزم لہجے میں بولی۔ ”زندگی کا تو ویسے بھی کوئی پھر و سنا نہیں ہے کہ کب ساتھ چھوڑ دے۔ میرے خیال میں ابھی زندگی گزارنے کے لیے تھوڑا سا رسک لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔“

”میرے خیال میں میں آسانی سے اسلے کو لوٹنے میں جرح نہیں ہے۔“ میکارٹو نے کہا۔ ”ہمارے ساتھ اکثر اوقات ایسا ہوتا ہے کہ جس شکار کو ہم موٹی آسانی سے کھ کر لوٹتے ہیں اس کی جیب سے محض چند ڈالر ہی برآمد ہوتے ہیں۔ اگر ہمیں پہلے سے معلوم ہو کہ ہمارے شکاری جیب میں کتنا مال ہے تو ہمارا کام آسان ہو جائے گا اس طرح ہماری کوئی بھی واردات بے فائدہ نہیں جائے گی۔“

”میں میکارٹو کی رائے سے اتفاق کرتا ہوں۔“ لی مون نے ہاتھ کھڑا کرتے ہوئے کہا۔

”ٹھیک ہے، مجھے بھی کوئی اعتراض نہیں۔“ رابن نے بھی رضامندی کا اظہار کر دی۔

”ہارڈی تم کیا کہتے ہو؟“ میکارٹو نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے ایسے لہجے میں کہا گویا کہہ رہا ہو۔ ”نہ کرنے کی جرات مت کرنا۔“

”جب سبھی رضامند ہو گئے ہیں تو پھر مجھے بھلا کیا اعتراض ہو سکتا ہے؟“ ہارڈی مفاہانہ لہجے میں بولا۔ ”اب

زیر بے رنگ اور بے ذائقہ ہوا اس بارے میں کیسے پتا چلا یا جاسکتا ہے؟ میرے لیے یقین کرنا خاصا مشکل ہو گا۔“

”بعض معاملات میں میکارٹو مافوق الفطرت صلاحیتوں کا مالک ہے۔“ لی مون ایک گہری سانس لیتے ہوئے بولا۔ ”ہم تینوں اس کی اس صلاحیت کو ٹول سے تسلیم کرتے ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ہم ابھی تک تمہاری طرف سے پوری طرح مطمئن نہیں ہو سکتے۔“

”کافی کلیر ہے۔“ لی مون کے بولنے کے دوران میکارٹو کافی کا گھونٹ لے چکا تھا۔ میکارٹو کے بولتے ہی ہارڈی اور رابن نے بھی کافی کا کپ اٹھا لیا اور پھر وہ سب گھونٹ گھونٹ کافی سے لطف اندوز ہونے لگے۔

”ہماری ملاقات جن عجیب حالات میں ہوئی ہے۔ اس میں تم میری طرف سے مشکوک ہونے میں حق بجانب ہو مگر کچھ وقت گزرنے کے بعد ہمیں میری سچائی کا یقین آ جائے گا۔ میں بارش مجبوراً کام کرتی ہوں۔ ہر روز کئی شرابیوں کو لوٹنے میں دھت ہو کر خود کی طرف ہونے والی پیش قدمی کو بیکار اور سلیقہ مندی سے روکنا، اس لڑکی کے لیے بہت مشکل کام ہے اور پھر اس کام کا مواظہ بھی خاصا کم لگتا ہے۔ اسی لیے جب تم لوگوں نے لوٹنے کے لیے مجھے گھیرے میں لیا تو میں نے ہمت کر کے تم لوگوں سے بات کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ میں یہ تسلیم کرتی ہوں کہ عورت اندر سے کمزور اور بزدل ہوتی ہے مگر مجبور یا اسے مجبور بنا دیتی ہیں۔ میرے ماں باپ عرصہ پہلے وفات پا چکے ہیں۔ ایک بھائی تھا جو دو سال پہلے اپنی زندگی بے لگاتار سفر بلیا چلا گیا اور گیمیں ایسا کہ کبھی پلٹ کر خبر نہ لی۔ مجھے اپنا بیٹ خود پالنا ہے۔ میں کسی رقم یا غرور میں مبتلا نہیں ہوں مگر مجھے جیسی لڑکی کو ہوس پرست مردوں سے بچنے کے لیے ہر قدم پھونک پھونک کر اٹھانا پڑتا ہے۔ میں اپنی موجودہ زندگی سے خاصی ناخوش ہوں۔ اسی لیے میں نے تم سے ہونے والی ملاقات کو قدرت کی طرف سے دیا گیا ایک موقع جانا اور نتیجے کے طور پر تم سب میرے گھر میں کافی پی رہے ہو۔ میں نے لطف نہیں کیا تھا۔ بار میں ایک خفیہ جوا خانہ بھی موجود ہے۔ میری جوئے خانے کے مال تک رسائی ہے۔ میں انہیں اپنی افکار مشین دے سکتی ہوں کہ وہاں سے کون جیت کر نکل رہا ہے اور کون ہار کر۔ مجھے بس میرا مناسب حصہ ملنا چاہیے۔ کیونکہ جیسا زندگی کی ایک ایسی حقیقت ہے جس کی افادیت سے شاید ہی کسی ہوش مند انسان کو انکار ہو۔“

میں نے کب و لکھنے ان چاروں کو ہی متاثر کیا۔

”میں نے تم سے پہلے بھی کہا ہے کہ میں کوئی ایسی ایسی لڑکی نہیں ہوں۔ میں اس گھر میں تنہا رہتی ہوں۔ اس کے باوجود تم سب کو کافی پلانے کی آفر دی ہے۔ کیا میں تم سب پر اعتبار کر سکتی ہوں؟ تم مجھ سے ہو گے کہ میں کیا کہنا چاہ رہی ہوں؟“

”بالکل۔“ میکارٹو نے پُر زور لہجے میں جواب دیا۔ ”میں یہ تسلیم کرتا ہوں کہ ہم سب جرائم پیشہ ہیں اور ہر گھروں کو لوٹنے کی وجہ سے تم ہمیں ڈاکوؤں میں شمار کر سکتی ہو مگر اس کے باوجود ہم صنف بازک کے معاملے میں انتہائی بااخلاق اور شریف انفس انسان ہیں۔ تمہیں ہم سے ایسی کوئی شکایت نہیں ہوگی۔“

لی مون، ہارڈی اور رابن نے عورتوں کے معاملے میں انتہائی ندرت سے بلکہ کافی حد تک کہنے اور چھپورے میکارٹو کا یہ مشکوک خیر دعویٰ سنا۔ تاہم کچھ بولنے سے گریز کیا۔ میکارٹو کی دی گئی تسلی و تسکین پر کسی کے چہرے پر اطمینان کے تاثرات نمودار آئے اور وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئی۔ ان سب نے بھی اس کی تقلید کی۔

وہ گھر کے چھوٹے سے ڈرائنگ روم میں کرسیوں پر بیٹھے تھے جبکہ میں ان کے لیے کافی تیار کر رہی تھی۔ ڈرائنگ روم میں موجود پرانے سامان کو دیکھ کر انہیں اندازہ ہو گیا کہ میں نے کمالی حالات زیادہ سے زیادہ منظم نہیں کیے۔

کچھ دیر بعد میں نے ان کے سامنے گرما گرم بھاپ اڑاتی کافی رکھ دی اور اپنا کپ لے کر ایک خالی کرسی پر بیٹھ گئی۔

لی مون نے سب سے پہلے کافی کا کپ اٹھا لیا تاہم گھونٹ لیے بغیر کپ کو گھورنے لگا۔ رابن اور ہارڈی نے اپنے کپ ٹھیل پر ہی پڑے رہنے دیے تھے۔

”کیا بات ہے تم لوگ کافی کیوں نہیں پی رہے؟“ میں نے حیرت بھرے لہجے میں پوچھا۔

”جب تک میں نہیں کہوں گا یہ کافی نہیں پئیں گے۔“ میکارٹو نے بولا۔ ”در اصل انہیں ابھی بھی تم پر شک ہے کہ میں تم نے کافی میں کچھ ملا نہ دیا ہو۔ اس لیے یہ سب میرے کافی پینے کا انتظار کر رہے ہیں۔ مجھ میں ایک غیر معمولی صلاحیت ہے۔ میں کسی بھی پینے والی چیز کو سمجھ کر بتا سکتا ہوں کہ اس میں کس چیز کی ملاوت تو نہیں ہے۔ اگر کافی میں بے رنگ دے تو زہر بھی ملا ہوا ہو گا تو مجھے سمجھنے یا زبان سے پچھنے ہی پتا چل جائے گا۔“

”یہ کیسے ہو سکتا ہے؟“ میں حیرت سے بولی۔ ”اگر



کاروں کو گھر کے عقی حصے میں چھپا رکھا تھا۔ شہر سے سودا سلف لانے کے لیے لی مون کی کھارا کار استعمال کی جاتی تھی۔

میں ان کی دوست اور پارٹنر تھی مگر جب سے اس نے بار کی ملازمت ترک کی تھی انہوں نے کوئی واردات سرانجام نہیں دی تھی۔ میں ایک دو بار اس جگہ پر بھی آ چکی تھی۔ اس کا کہنا تھا کہ وہ اب کسی میوزیم میں ملازمت کر رہی ہے اور ایک ایسی واردات کی پلاننگ کر رہی ہے جس کی کامیابی کے بعد انہیں دوبارہ بھی کہیں واردات کرنے کی ضرورت نہیں رہے گی۔ میں نے ابھی انہیں اپنے منصوبے کے بارے میں آگاہ نہیں کیا تھا تاہم آج صبح فون پر بتا دیا تھا کہ وہ ان سے ملنے کے لیے آئے گی۔ آج سٹڈے تھا۔ وہ سب میں کی کون کا انتظار کر رہے تھے تاکہ لی مون کی کھارا کار پر اسے لینے جایا جاسکے۔

تاہم آج میکاٹو نے یہ اعلان کر کے کہ میں اسے پسند کرنے لگی ہے۔ رابن اور ہارڈی کا موڈ آف کر دیا تھا۔ وہ اس کو رہنے کی خوش بھی سے ایک فیصد بھی متعلق نہیں تھے۔ میکاٹو نے دھمکی آمیز لہجے میں ان سب کو میں سے دور رہنے کا مشورہ بھی دے ڈالا تھا۔ میں، میکاٹو کی طرح رابن اور ہارڈی کے حواس پر بھی چھا چکی تھی۔ اور وہ اتنی آسانی سے اس سے دستبردار ہونے پر آمادہ نہیں تھے۔ چاہے اس کے لیے انہیں دیو قامت اور خطرناک میکاٹو سے دو بدو مقابلہ ہی کیوں نہ کرنا پڑتا۔ لی مون کے موبائل فون کی گھنٹی بجی تو وہ سب چونک کر اپنے خیالات کی دنیا سے باہر آ گئے۔

”میں کا فون ہے۔“ لی مون نے غبر دیکھتے ہی اعلان کیا اور پھر فون کان سے لگا لیا۔ ”ہیلو، میں لی مون بول رہا ہوں۔“

”مجھے اپنی گاڑی پر آکر لے جاؤ۔ اس ویران علاقے میں جانے پر کوئی بھی والا رضامند نہیں ہوتا۔“ میں نے کہا۔

”اوکے، میں میکاٹو کو بھیج رہا ہوں۔ مجھے تمہاری آمد پر تمہارے پسندیدہ کلب میں ڈیوچ تیار کرنے ہیں۔“ لی مون نے ہنسنے لگا۔

”اوکے، میں اپنے گھر میں ہی ہوں۔ میکاٹو سے کہنا کہ میں روڈ پر آکر مجھے کال کر لے، میں آ جاؤں گی۔“ میں نے کہا اور رابطہ منقطع کر دیا۔

”تین روڈ پر پہنچ کر میں کو کال کر لیتا۔ وہ وہیں

آجائے گی۔“ لی مون نے اپنی کاری چابیاں میکاٹو کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔

”میں بھی تمہارے ساتھ جاؤں گا۔ مجھے شہر سے اسکاچ کی ایک دو بوتلیں خریدنا ہیں۔“ رابن اٹھتے ہوئے بولا۔

”ہاں اسکاچ حلق میں اندلے کافی دن ہو گئے ہیں۔“ ہارڈی نے کہا۔

”ٹھیک ہے، آ جاؤ۔“ میکاٹو نے قہار نگاہوں سے رابن کو گھورتے ہوئے کہا۔ اس کے لہجے سے صاف عیاں ہو رہا تھا کہ اس نے خود پر جبر کرتے ہوئے رابن کو ساتھ آنے کی اجازت دی ہے۔ ورنہ اس کی دل خواہش تو یہی تھی کہ وہ میں کو لینے تھا جائے۔ کچھ ہی دیر میں وہ دونوں لی مون کی کھارا کار پر روانہ ہو گئے۔

”میکاٹو ضرورت سے زیادہ غلط بھی یا خوش فہمی میں مبتلا ہو چکا ہے۔“ ان دونوں کے جاتے ہی ہارڈی پر تیریاں لہجے میں بولا۔

”میں تمہاری بات کا مطلب نہیں سمجھ سکا۔“ لی مون حیرت بھرے لہجے میں بولا۔

”اب سے کچھ دیر قبل تم اس کامی کے بارے میں دھڑکی توں ہی تھے ہو۔“ ہارڈی نے جواب دیا۔ ”اس سے بڑی خوش فہمی کیا ہوگی کہ اس کا سہلے اور بد صورت دیو کو یہ گمان ہو گیا ہے کہ میں کسی حقیقت عالم اس کے عشق میں مبتلا ہو گئی ہے۔ وہ اب اس انتہا میں سوکھ رہا ہے کہ میں کب اسے پرہیز کرے گی۔ اس بے وقوف کو اتنا طبی معلوم نہیں کہ عورت آگے نہیں بڑھتی بلکہ مرد کو آگے بڑھنا پڑتا ہے۔

عورت کا چہرہ بالکل کتاب کی طرح ہوتا ہے کہ جو چاہے پڑھ لے مگر اس کے لیے بھی کسی اچھے کتاب بین کا ہونا ضروری ہے اور میں میں میکاٹو کا چہرہ پڑھ چکا ہوں۔ وہ مجھے پسند کرتی ہے۔ اس کے چہرے سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ مجھ سے اکتھا رجت کرنا چاہتی ہے مگر نہیں پاتی۔“

”مگر ایسی بات ہے تو تم خود اسے پرہیز کیوں نہیں کر دیتے۔ ابھی تم نے خود ہی کہا ہے کہ عورت آگے نہیں بڑھتی بلکہ مرد آگے بڑھتا ہے اور پھر تم یہ بات اسے دہرائی دے کیسے کہہ سکتے ہو کہ وہ تمہیں پسند کرنے لگی ہے۔ میکاٹو بھی اسی بات کا دعوے دار ہے۔“ لی مون نے استفسار کیا۔

”میں نے کہا تھا کہ عورت کا چہرہ بالکل کھلی کتاب کی طرح ہوتا ہے مگر یہ کتاب نسواں ہے۔ اسے پڑھنے کے لیے انسان کا باریک بین اور باذوق ہونا بھی ضروری ہے

اور تم خود بھی جانتے ہو کہ میکاٹو میں ایسی کوئی خصوصیت نہیں پائی جاتی۔ اور تمہاری یہ بات کہ میں نے ابھی تک خود میں کی جانب قدم کیوں نہیں بڑھایا تو اس کے لیے مجھے مناسب وقت کا انتظار ہے۔“

”مگر اچھی طرح سوچ کچھ کر میں کی جانب قدم بڑھانا، میکاٹو جیسا کہ نہ پرور آدمی بھی اس کے امیدواروں کی دوڑ میں شامل ہے۔ اب سے کچھ دیر قبل وہ کہیں اور رابن کو اس سے دور رہنے کی وارننگ بھی دے چکا ہے۔“ لی مون نے ہارڈی کو بھیہ کرتے ہوئے کہا۔

”اگر میں میرا ساتھ دے لی تو میکاٹو خود بخود پیچھے ہٹ جائے گا۔“ ہارڈی نے ٹھوس لہجے میں کہا۔ ”وہ ابھی کسی غلط فہمی یا خوش فہمی میں مبتلا ہے۔“

”اور اگر وہ پیچھے نہ ہٹا تو؟“ لی مون نے سوال کیا۔

”تو پھر اسے ہٹایا بھی جاسکتا ہے۔ ایک دفعہ میری سبکی سے کھل کر بات ہو جائے۔ اس کی رضامندی کا عندیہ ملنے کے بعد میں میکاٹو کو بھی دیکھ لوں گا۔“ ہارڈی نے جواب دیا۔

”مجھے میں کے پسندیدہ میڈیوچ تیار کرنے ہیں۔“ لی مون نے کسی سے اٹھتے ہوئے کہا اور چپن کی جانب بڑھ گیا جبکہ اسے جاتے دیکھ کر ہارڈی نے کسی کی پشت سے ٹپک لگا کر آنکھیں موند لیں۔

لی مون کو ہارڈی کے لب و لہجے اور ارادوں نے فکر مند کر دیا تھا۔ وہ چپن میں کام کرتے ہوئے بھی اسی بارے میں سوچ رہا تھا۔ وہ میکاٹو کو ایک طویل عرصے سے جانتا تھا اور کافی حد تک اس کی نفسیات سے بھی واقف تھا۔ میکاٹو، میں کے معاملے میں کسی صورت دستبردار ہونے والا نہیں تھا۔ دوسری طرف ہارڈی بھی اس سے ٹکرانے کے موڈ میں نظر آ رہا تھا، اس بات کو خارج از امکان قرار نہیں دیا جا سکتا تھا کہ میں کی خاطر ان دونوں میں کسی بھی وقت کوئی خورج تصادم ہو سکتا تھا اور لی مون کے خیال میں اگر اس تصادم میں ہارڈی کوئی آہنی ہتھیار استعمال نہ کرتا تو اس کی ٹھٹھک کے امکانات روشن تھے۔ میکاٹو آسانی سے اس کے ہاتھ پر توڑ کر رکھ دیتا۔

دوسری طرف میں نے بھی ابھی کسی کو واضح طور پر کوئی ایسا اشارہ نہیں دیا تھا جس سے یہ کہا جاسکتا کہ وہ میکاٹو یا ہارڈی میں سے کسی ایک کو پسند کرنے لگی ہے۔

میں نے کہا تھا کہ باریک ملازمت چھوڑنے کے بعد وہ کسی میوزیم میں ملازمت کر رہی ہے اور ایک ایسے

کتاب نویس

منصوبے پر بھی کام کر رہی ہے جس کی کامیابی کی صورت میں انہیں آئندہ بھی واردات کرنے کی ضرورت نہیں رہے گی۔ لی مون نہیں جانتا تھا کہ میں کون سا منصوبہ بنا رہی ہے۔ غالباً آج وہ اسی بارے میں بات کرنے کے لیے آ رہی تھی۔

میں کے پسندیدہ میڈیوچ تیار کرنے میں اسے تقریباً ایک گھنٹہ لگ گیا۔ اس نے تیار شدہ میڈیوچ ایک ٹرے میں ڈھک کر رکھے اور پھر چپن سے نکل کر ڈرائنگ روم میں آ گیا۔

ہارڈی کسی کی پشت سے ٹپک لگائے اور گھر ہاتھ لی مون بلکے سے کھٹکھٹا تو اس نے چونک کر آنکھیں کھول دیں۔

”کیا میکاٹو اور رابن میں کسی کو لے آ گئے ہیں؟“ ہارڈی نے آنکھیں کھولتے ہی استفسار کیا۔

”آجائے گی میں بھی، مگر مجھے لگتا ہے کہ تم نے اسے ضرورت سے زیادہ اپنے حواس پر طاری کر لیا ہے۔“ لی مون مسکراتے ہوئے بولا تو ہارڈی بھی جواباً مسکرا کر رہ گیا۔ اس کے چہرے سے عیاں تھا کہ وہ لی مون کی اس رائے سے متفق ہے کہ میں اس کے حواس پر طاری ہو چکی ہے۔

ان چاروں میں سے نہ کوئی شریف انسان تھا اور نہ ہی پارسائی کا دعویدار مگر یہ بھی حقیقت تھی کہ میں کے سامنے ان چھٹی کی جون ہی بدل جاتی تھی۔ وہ خود پر پارسائی کا جھوٹا لبادہ اوڑھے رکھتے۔ مبادا میں انہیں کوئی ٹھٹھا قسم کا انسان نہ سمجھ بیٹھے۔ وہ انہیں میں بات چیت کرتے وقت ایک دوسرے کو مغالطات سے نوازنے میں دیر نہیں لگاتے تھے مگر میں کے سامنے بہت احتیاط سے گفتگو کرتے کہیں ان کی زبان نہ پھسل جائے۔ اپنے تئیں ہر کوئی میں کو متاثر کرنے کی کوشش میں لگا ہوا تھا اور دل ہی دل میں اس کی توجہ حاصل کرنے کا طالب تھا۔

مگر لی مون بہت کالیاں اور گھاگ آدمی تھا۔ اسے اب دل ہی دل میں یہ صورت حال پریشان کرنے لگی تھی۔ میں اسے بھی پسند بھی گمروہ جانتا تھا کہ اسے پسند و قامت اور جاپانی ضد و خال کے ساتھ وہ میں کے لیے قابل قبول نہیں ہو سکتا تھا۔ اس لیے وہ فی الحال میں کو حاصل کرنے کی دوڑ میں شامل نہیں تھا۔ تاہم میکاٹو اور ہارڈی تو اس کے سامنے میں کے بارے میں مکمل کر اپنی رائے کا اظہار کر چکے تھے اور لی مون کو یقین تھا کہ رابن کے جذبات بھی ان سے مختلف نہیں ہوں گے۔ وہ ایک طویل عرصے سے اٹھ رہے تھے۔ مگر وہ رابن میں سرانجام دے رہے تھے مگر اب میں



کی ان کے گروپ میں شمولیت کے بعد اسے محسوس ہونے لگا تھا کہ جلد ہی ان کا گروپ بکھرے والا ہے۔ میکی بھی نہ بھی ان میں تصادم کا باعث بن سکتی تھی۔

لی مون کی کھٹاراکازی کا انجمن خاصا شور کرتا تھا۔ اس لیے میکا رٹو اور رابن کی میکی کے ہمراہ آمد کا اعلان شور سے ہی ہو گیا۔ کچھ ہی دیر میں وہ تینوں اندر داخل ہو گئے۔ میکی نے سیاہ رنگ کی جینکٹ زیب تن کر رکھی تھی۔ جس کی وجہ سے اس کی گوری اور بے وارن رنگت اور بھی نمایاں ہوئی تھی۔ لی مون نے دیکھی کہ اس کا جائزہ لیا مگر یہ بات اسے شدید کرکٹ کی میکی نے بھی آج تک بار بار سے پریشانی اور پسندیدگی بھری نگاہوں سے دیکھا تھا۔ لی مون کے دل کی دھڑکن ٹھیکت تیز ہو گئی۔

میکی نے گرم جوش انداز میں لی مون اور ہارڈی سے مصافحہ کیا اور پھر ان کے پاس ہی موجود ایک خالی کرسی پر بیٹھ گئی۔ لی مون آج تک میکی کے اتنا قریب نہیں بیٹھا تھا۔ اس لیے کچھ جڑبڑسا ہو گیا تھا۔ میکی نے مصافحہ کرتے وقت اس کا ہاتھ پکڑے۔ معنی خیز انداز میں دبا بھی تھا۔ میکا رٹو اور رابن بھی ہارڈی کے پاس موجود خالی کرسیوں پر بیٹھ چکے تھے۔ رابن اسکالچ کی بوتل لے کر آیا تھا۔ کرسیوں کے سامنے پڑی ٹیمبل پر پانی کی بوتل اور گلاس پہلے سے ہی موجود تھے۔

انہیں سے نوشی کے حق دن ہو چکے تھے۔ اسی لیے رابن نے فوراً ہی میکا رٹو، ہارڈی اور اپنے لیے ایک ایک پیگ تیار کر لیا۔ لی مون شراب نہیں پیتا تھا۔

”لی مون تم نے میرے لیے سینڈویچ تیار کر لیے؟“ میکی نے مسکراتے ہوئے استفسار کیا تو وہ اثبات میں سر ہلاتا ہوا چکن کی جانب بڑھ گیا۔ چند ہی ثانیوں میں اس نے سینڈویچ کی ٹرے میکی کے سامنے ٹیمبل پر رکھ دی۔ میکی نے ایک سینڈویچ اٹھا یا اور اسے کھانے لگی۔ اس دوران رابن، میکا رٹو اور ہارڈی ایک ایک پیگ چڑھانے کے بعد دوسرا پینے میں مصروف تھے۔ وہ تینوں بلا نوش تھے اور جلدی ٹشے میں بھی نہیں آتے تھے۔

”ایک بات تو طے ہے کہ لی مون کے ہاتھوں میں جاو ہے۔“ میکی نے سینڈویچ کھاتے ہوئے حسین آمیز لہجے میں کہا تو لی مون کا چہرہ کھل اٹھا۔

”میکی، ہم نے آخری واردات دو ماہ پہلے کی تھی۔“ ہارڈی نے شراب کا گھونٹ لیتے ہوئے سنجیدہ لہجے میں کہا۔ ”ہمارے پاس پیسے تم سے ہونے والے ہیں اور پھر تم نے باری

ملازمت بھی ترک کر ڈالی ہے؟“

”وہاں جڑبڑبڑ کرنا خود کو خطرے میں ڈالنے کے مترادف تھا۔“ میکی بھی سنجیدگی سے بولی۔ ”وہاں تسلسل کے ساتھ ہونے والی چند وارداتوں نے پولیس کی توجہ اس جانب مبذول کر دی تھی۔ اگرچہ باری کی انتظامیہ کی جانب سے پولیس کو شکایت درج نہیں کروائی گئی تھی۔ کیونکہ وہاں خفیہ طور پر جوا کرنا جاری تھا مگر پولیس کو اپنے تجربوں کے ذریعے اطلاع ملی تھی کہ وہاں کچھ جوار یوں کو لوٹا گیا ہے اور یہ کام کرنے والے چار افراد ہیں جن میں سے ایک طویل قد و قامت کا مالک ہے۔ پولیس کو تمہاری سابقہ وارداتوں کی وجہ سے اس تعداد اور وضع قطع کے افراد کی پہلے سے ہی تلاش تھی۔ اس لیے معلومات ملتے ہی باری کے باہر اندر عام لباس میں پولیس کے افراد پونی دینے لگے۔ میں نے تم لوگوں کو پولیس سے بچانے کے لیے ہی اس باری نوکری چھوڑی تھی۔“

”مگر ان سب باتوں کا تمہیں کیسے پتا چلا؟“ لی مون نے حیرت بھرے لہجے میں کہا۔

”پولیس کے تجربے انسان ہی ہوتے ہیں۔“ میکی مسکراتے ہوئے بولی۔ ”شراب کے نشے میں انہیں ہنسنے دیر نہیں لگتی۔ مجھے یہ باتیں نشے میں دھت ایک پولیس والے سے ہی معلوم ہوئی تھیں۔ ویسے میں نے خود بھی نوٹ کیا تھا کہ باری کے باہر اندر کچھ ایسے چہرے دکھائی دینے لگے ہیں جو پہلے ہی دکھائی نہیں دیے۔“

”مگر ہارڈی کی یہ بات تو درست ہے کہ تمہارے بار کی ملازمت چھوڑنے کے بعد ہم نے ابھی تک کوئی نئی واردات نہیں کی۔ تم سے ملنے سے پہلے ہم کسی بھی راہ گیر پر ہاتھ صاف کر لیتے تھے۔ بسا اوقات کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا تھا۔ تمہاری مدد حاصل ہونے کے بعد ہمیں یہ آسانی ہو گئی تھی کہ کم از کم اس بات کی گارنٹی تو ہوتی تھی کہ ہمارے شکار کی جیب سے مال حاصل ہوگا۔“ رابن نے گفتگو میں مداخلت کرتے ہوئے کہا۔

”میں اسی سلسلے میں تو آج یہاں آئی ہوں۔“ میکی رسائی سے بولی۔ ”تک تک یونی چھوٹی موٹی رقم کی خاطر وارداتیں کرتے رہو گے، ایک ہی بار میں کوئی بڑا ہاتھ کیوں نہیں مارتے؟“

”تو کیا کریں؟ کیا کسی بیک کلوٹ لیں؟“ میکا رٹو نے جوشیلے لہجے میں کہا۔

”آج کے جدید دور میں کسی بیک کو لوٹا تقریباً

ناممکنات میں سے ہے۔ ایسے سین میں اکثر پیشہ فلوں میں دکھائی دیتے ہیں۔ مگر حقیقت کی دنیا میں یہ بہت بڑا رنک ہے۔“ میکی نے ٹھنڈے لہجے میں جواب دیا۔

”تو پھر ہمیں کیا کرنا چاہیے؟“ میکا رٹو کا لہجہ بدستور جوشیلا تھا۔ ”تم نے کہا تھا کہ تم کسی منصوبے کے بارے میں غور کر رہی ہو جس کی کامیابی کے بعد ہمیں دوبارہ کوئی واردات کرنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔“

”ہاں۔“ میکی نے کہا۔ ”میرے پاس ایک فول پروف پلان ہے جس کی کامیابی کی صورت میں ہمیں تقریباً پانچ پانچ لاکھ ڈالر حاصل ہوں گے۔ ہر ایک کے حصے میں ہے اور ابھی کسی کا خون بہا تا پڑے گا۔“

”کسی کا خون بھی نہیں بھیکے گا اور ہمیں پانچ پانچ لاکھ ڈالر بھی حاصل ہو جائیں گے۔“ میکا رٹو نے ہنسنے میں کہا۔ ”ویسے اگر یہی بات رابن یا ہارڈی نے کہی ہوتی تو میں ان سے کہتا کہ کہیں تم باہمی کو نہیں ہو گئے ہو؟“

”یہی بات سن کر رابن، ہارڈی اور لی مون بھی شدید رگاہوں سے اسے تنک رہے تھے۔

”تم مجھ پر طنز کرنے میں حق بجانب ہو۔“ میکی مسکون لہجے میں بولی۔ ”مگر مجھے یقین ہے کہ میرا پلان سننے کے بعد تمہیں قائل ہونا پڑے گا کہ یہ ایک فول پروف منصوبہ ہے۔“

”تمہارے پلان میں کوئی ستم یا جھول ہے یا نہیں اس کا فیصلہ پلان سننے کے بعد ہوگا۔“ لی مون نے میکی لہجے میں کہا۔ ”بہتر ہے کہ تم کھل کر اپنے منصوبے کی جزئیات سے ہمیں آگاہ کر دو۔“

”ٹھیک ہے تو پھر غور سے میری بات سنو۔“ میکی ایک گہری سانس لیتے ہوئے بولی۔

”تم سب جانتے ہو کہ میں ان دنوں ایک میوزیم میں ملازمت کر رہی ہوں۔ اس میوزیم میں بہت سے تاریخی نوادرات موجود ہیں اور میری ڈیوٹی بھی اس میں ہے کہ اگر میوزیم میں کسی کا بیچ یا اسکول کا گروپ موجود ہے تو انہیں نوادرات کے تاریخی پس منظر سے آگاہ کروں۔ ویسے نوادرات کے شو بیس کے ساتھ ایک چھوٹا سا بورڈ آؤ پز ان ہوتا ہے جس میں اس کے بارے میں جدیدہ جدیدہ معلومات درج کی جاتی ہیں۔ میرا کام سیاحوں کو ذرا تفصیل سے معلومات فراہم کرنا ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں مجھے میوزیم کی انتظامیہ کی جانب سے چندہ دن کا ایک چھوٹا سا کورس بھی

کتاب نویسوں

کر دیا گیا ہے جس میں مجھے میوزیم میں رکھے تمام نوادرات کے بارے میں سمجھ دیا جاتا تھا۔ میری سابقہ ملازمت اور موجودہ ملازمت کی نوعیت میں خاصا فرق ہے۔ یہاں مجھے کسی شرابی کی جانب سے ہراساں کیے جانے کا خطرہ نہیں ہے اور تنخواہ بھی معقول ہے۔“

”میرے خیال میں تم تنہید باندھنے کے بجائے اصل مدعا کی جانب آؤ تو بہتر ہوگا۔“ میکا رٹو نے ہیزاری سے کہا۔

”میں اسی جانب آ رہی تھی۔“ میکی نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ”مگر اصل منصوبہ کو بیان کرنے سے پہلے تمہارا

سایہ منظر بیان کرنا بھی ضروری تھا۔ بہر حال اب میں اصل بات کی طرف آتی ہوں۔ تمہیں اس باری کی راہ گیر کو نہیں اونٹا بلکہ میوزیم کے ایک شو بیس میں رکھے گئے تاریخی

تکے چوری کرنے ہیں۔ یاد رہے کہ یہ تکے خالص سونے کے بنے ہوئے ہیں اور انہیں لاکھ ڈالر بھی ان کی کم سے کم قیمت ہے۔ کیونکہ چوری کرنے کے بعد ہم انہیں بلیک مارکیٹ میں فروخت کریں گے جس کی وجہ سے سکوں کی پوری قیمت ہمیں مل پائے گی۔“

”مگر یہ کیسے ممکن ہے؟“ رابن حیرت سے بولا۔

”کسی راہ گیر کو لوٹنے اور کسی میوزیم میں چوری کرنے میں بہت فرق ہے اور پھر میوزیم میں تاریخی نوادرات کی حفاظت کے لیے سخت سکیورٹی کا بھی بندوبست ہوگا۔ ایسی صورت حال میں وہاں سے کسی نوادرات کو چوری کرنا ناممکن نظر آتا ہے۔ تمہارا منصوبہ ناقابل فہم بلکہ ایک حد تک

احقانہ ہے۔“

”مجھے تمہاری صاف گوئی پسند آئی رابن۔“ میکی مسکراتے ہوئے بولی۔ ”مگر بہتر ہے کہ کوئی راستے قائم کرنے سے پہلے میرا پورا پلان سن لو۔ بقایہ یہ کام خاصا مشکل بلکہ ناممکن نظر آتا ہے مگر حقیقت میں قابل عمل ہونے کے ساتھ ساتھ کافی آسان بھی ہے۔“

”میوزیم میں سکیورٹی کے علاوہ خاصا رش بھی ہوتا ہے۔ اسے افراد کی موجودگی میں کسی شو بیس کو نوکری یا کھول کر کسی شے کو نکالنا ناممکن ہے۔“ رابن سے رہانہ کیا تو وہ پھر بول پڑا۔

”رابن ٹھیک کہہ رہا ہے۔“ میکا رٹو بھی اس کی حمایت میں بول پڑا۔ ”یہ پُرخطر ہونے کے ساتھ ساتھ بہت دشمنی

منصوبہ ہے۔ تمہاری باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آسکیں۔ تمہاری باتیں ہم اور جھجک قسم کی ہیں۔“

”ایک تو تم سب کو قطع کلائی کی بہت بڑی عادت



”اس لیے کہ تم جیرو پنگ میں مہارت رکھتے ہو۔ یہ کسی دور میں تمہارا شوق رہا ہے۔ تم نے اس بارے میں کچھ بہت سی کہانیاں سن رکھی ہیں۔“ میکی نے ہنسی لہجے میں کہا۔ ”اگرچہ جیرو پنگ کے ذریعے چلائی گئی ہے لیکن زیادہ بلندی کی ضرورت ہوتی ہے مگر پچاس منزل میں جیرو پنگ کے کسی ماہر کے لیے کافی ہیں۔“

”تمہارا پلان بہت پیچیدہ اور پُر مچ ہے۔ تاہم اب کچھ کچھ سمجھ میں آنے لگا ہے۔“ اس بار میکارنو نے بھی مفاہات لہجہ اختیار کر لیا۔ میں اپنا حلیہ اور وضع قطع تبدیل کر کے نوادرات کے عام شاہین کے روپ میں میوزیم جاؤں گا۔ ایک بڑے سے شوکیس کے پیچھے موجود خلا میں کسی کی نظروں میں آنے بغیر چھپ جاؤں گا۔ میوزیم بند ہونے کے بعد وہاں سے برآمد ہوں گا پھر وہ تاریخی سیکے چوری کروں گا اور پھر جیرو پنگ کے ذریعے میوزیم کی مٹی کی جانب سے کو جاؤں گا۔“

”تم جیرو پنگ کے ذریعے سمندر میں اترو گے اور وہاں میں، ہارڈی، رائن اور لی مون ایک تیز رفتار لاٹ کے ساتھ تمہارے منتظر ہوں گے۔ ویسے تم تیرا تو جانتے ہی ہو گے۔ ممکن ہے کہ ہمیں لاٹ کے ساتھ تم تک پہنچنے میں کچھ وقت لگے۔“ میکی نے مستشرقانہ لہجے میں میکارنو سے پوچھا۔

”مگر جیرو پنگ لے کر میں میوزیم میں کیسے داخل ہوں گا؟“ میکارنو نے متذبذب لہجے میں سوال کیا۔ ”جیرو پنگ کا بند بیگ بھی خاصا بڑا ہوتا ہے اور اس میں ایمر چکی جیرو پنگ بھی ہوتا ہے۔ سیکورٹی اہلکار اندر داخل ہوتے وقت بیگ دیکھتے ہی مجھ سے مشکوک ہو جائیں گے۔ اگر انہیں اندازہ ہو گیا کہ میں جیرو پنگ لے کر اندر جانا چاہتا تھا تو میں انہیں وضاحت پیش نہیں کر سکتا۔“

”مکمل بات تو یہ ہے کہ اس کی بھی صورت میں تمہیں کوئی ایسا پھر اسکا جانے کا جو بلند عمارتوں سے جیرو پنگ کے ذریعے کسی مخصوص نارنگ پر اترنے کا کامیاب مظاہرہ کرتے ہیں۔“ میکی پُر خیال لہجے میں بولی۔ ”اگرچہ بلند عمارتوں سے جیرو پنگ بہن کر اس طرح چلائی گئی ہے کہ قانونی ہے مگر اس شہر میں اکثر سر پرے قانون شکنی کرتے ہوئے اس طرح کے اقدامات اٹھاتے رہتے ہیں۔ تمہیں بھی انہی میں سے شمار کیا جائے گا اور دوسری بات یہ ہے کہ میوزیم سیکورٹی اہلکار تمہیں جیرو پنگ سمیت میوزیم میں کسی صورت بھی داخل نہیں ہونے دیں گے۔“

کیمروں کی زد میں نہیں ہے اور بالفرض ہوتا تو میوزیم بند ہونے کے بعد سی سی ٹی وی ریکارڈنگ اگلے دن چیک کی جائے گی۔ اس وقت تک تم وہاں سے نکل چکے ہو گے اور کیونکہ تمہارا حلیہ بدلا ہوا ہو گا اس لیے سی سی ٹی وی ریکارڈنگ میں تمہیں بطور میکارنو شناخت نہیں کیا جاسکے گا۔“

”چلو میں مان لیتا ہوں کہ میں کسی کی نظروں میں آنے بغیر اس شوکیس کے پیچھے دیوار میں موجود پرانے آتش دان کے خلا میں جھپٹنے میں کامیاب ہو جاتا ہوں اور میوزیم بند ہونے پر باہر نکل کر نوادرات حاصل کرنے میں بھی کامیاب ہو جاتا ہوں مگر میں وہاں سے باہر کیسے نکلوں گا۔ میوزیم کا دروازہ تو لاکڈ ہو چکا ہو گا؟“ میکارنو نے انہیں آہستہ لہجے میں سوال کیا۔

ہارڈی، رائن اور لی مون، ان دونوں کی گفتگو اب تاریخی سے سن رہے تھے۔ تاہم ان کے چہروں سے ظاہر ہوا تھا کہ وہ میکارنو کے سوالات سے سو فیصد متشکک ہیں۔

”میوزیم کے مین خارجی و داخلی دروازے کو اندر سے کھولنا ناممکن ہے۔“ میکی نے جواب دیا۔ ”میں دروازے کو کھولنے کی کوئی بھی کوشش تمہیں خطرے سے دوچار کر سکتی ہے اور پھر پھر میوزیم سیکورٹی اہلکار بھی موجود ہوتے ہیں۔ ان کی موجودگی میں تمہارا کھانا ناممکن ہے۔“

”تو پھر کیا میں میوزیم کی کھڑکی کھول کر پچاسویں منزل سے نیچے کو جاؤں گا؟“ میکارنو استہزائیہ لہجے میں بولا۔ ”بصورت دیگر تو صبح میوزیم انتظامیہ جیسے ہی شوکیس سے نوادرات غائب دیکھے گی پولیس طلب کر لے گی۔ میوزیم سے باہر نکلنے کے لیے میرے پاس بھی ایک راستہ ہو گا کہ میں پچاسویں منزل سے کو جاؤں۔“

”ہاں تمہیں کچھ ایسا ہی کرنا ہے۔“ میکی حلق سے ایک کھری سانس خارج کرتے ہوئے بولی۔

”کیا مطلب؟“ میکارنو نے حیرت بھرے لہجے میں پوچھا۔

”میں کا جواب سن کر ہارڈی، رائن اور لی مون کے کھروں پر بھی حیرت کے تاثرات ابھر آئے تھے۔

”تمہارا کیا خیال ہے کہ میں نے رائن، لی مون اور ہارڈی کے بجائے اس کام کے لیے تمہارا انتخاب کیوں کیا ہے؟“ میکی مسکراتے ہوئے بولی۔

”تم خود ہی وضاحت کر دو تو بہتر ہے۔“ میکارنو نے کھنکھاتے ہوئے کہا۔

تمہاری جوتھو پر ریکارڈ ہو گی اس کی مدد سے تمہاری تلاش ناممکن ہو گی۔ اب میں اس طرف آتی ہوں کہ اس میوزیم سے وہ نوادرات کیسے چوری کیے جاسکتے ہیں۔ بسا اوقات مشکل اور ناممکن نظر آنے والے کام بھی آسانی سے ہو سکتے ہیں۔ میکارنو کو بس اتنا کرنا ہے کہ دوسرے افراد کے ساتھ میوزیم میں داخل ہوتا ہے اور ہال کے ایک کونے میں رکھے بڑے شوکیس کو کھسکا کر اس کے پیچھے چھپتا ہے اور پھر میوزیم بند ہونے پر وہاں سے نکلتا ہے۔

”یہ تم کس طرح کی بات کر رہی ہو۔“ میکارنو مضطرب لہجے میں بولا۔ ”اس طرح تو میں آسانی سے دیکھ لیا جاؤں گا اور پھر وہاں نیکڑوں افراد کی موجودگی میں کسی شوکیس کو کھسکا کر اس کے پیچھے چھپنا ناممکن ہے۔“

”بالکل ممکن ہے۔“ میکی ٹیڑھ لہجے میں بولی۔ ”پہلی بات تو یہ ہے کہ جس بڑے شوکیس کی میں بات کر رہی ہوں وہ میوزیم ہال کے ایک کونے میں رکھا گیا ہے اور اس جگہ میں نوادرات دیکھنے کے شوکیس شاذ و نادر ہی گھڑے ہوتے ہیں اور پھر تمہیں صرف چند لمحوں ہی تو درکار ہوں گے۔“

”آگے کی طرف کھسکا ہوا شوکیس دیکھ کر کوئی بھی مشکوک ہو سکتا ہے۔“ میکارنو پُر سوچ لہجے میں بولا۔

”شوکیس کے پیچھے جاتے ہی تم اسے دوبارہ پہلے والی حالت میں لے آنا۔“ میکی نے جواب دیا۔

”تو میں کیا دیوار میں سا جاؤں گا؟“ میکارنو کا لہجہ طنزیہ ہو گیا۔

”کچھ ایسا ہی مجھ کو۔“ میکی مسکراتے ہوئے بولی۔

”اس شوکیس کے پیچھے دیوار میں ایک پرانا آتش دان موجود ہے۔ اس میں اتنا خلا موجود ہے کہ ایک آدمی آسانی سے اس میں سلا سکا ہے۔ اس خلا میں سلا ہے ہی تم اس شوکیس کو کھسکا کر دوبارہ دیوار کے ساتھ لگا لیتا۔ اس کے بعد یہ بات کسی کے ذہم و گمان میں بھی نہیں آسکتی کہ شوکیس کے پیچھے کوئی آدمی چھپا ہوا ہے۔“

”مگر سی سی ٹی وی کیمروں میں میری یہ حرکت ریکارڈ ہو جائے گی۔“ میکارنو نے غیر مطمئن لہجے میں کہا۔

”سی سی ٹی وی کیمرے صرف میوزیم ہال کے دروازے پر نصب ہیں۔ تمہیں میں وہاں موجود لوگوں کی نظروں سے بچ کر یہ کام کرنا ہے۔ بظاہر میوزیم سے نوادرات چرانا ناممکن ہی نظر آتا ہے۔ اس لیے ہر جگہ کیمرے نہیں لگائے گئے۔ ویسے تو سٹکوں والا شوکیس بھی

ہے۔“ میکی ناراضی سے بولی۔ ”پہلے میرا پورا منصوبہ تو سن لو۔ میں نے یہ کب کہا ہے کہ تمہیں لوگوں کے رش کے درمیان وہ سیکے چوری کرنے ہیں۔ بلکہ یہ کام اس وقت کیا جائے گا جب میوزیم بند ہو گا اور یہ کام بھی تم سب میں سے کسی ایک کو ہی کرنا ہے۔ باقی افراد اس کی معاونت تو کریں گے مگر براہ راست اس کے ساتھ نہیں ہوں گے۔ میرے خیال میں اس کام کے لیے میکارنو زیادہ موزوں اور بہتر آدمی ثابت ہو گا۔“

”بظاہر تمہارا یہ منصوبہ ناقابل عمل نظر آتا ہے۔ ذرا سی غلطی سے سب کچھ ٹکٹ ہو جائے گا۔ رائن نے متذبذب لہجے میں کہا۔ آخر آئی سخت سیکورٹی میں کسی میوزیم سے نوادرات کیسے چرائے جاسکتے ہیں؟“

”تم سب اس لیے شش و پنج میں مبتلا ہو کر تم نے آج سے پہلے اس طرز کی واردات نہیں کی۔“ میکی ہنسنے لہجے میں بولی۔ ”میری بات غور سے سنو۔ میں جس میوزیم میں کام کرتی ہوں وہ شہر کی ایک بڑی اور بلند بالا عمارت کی پچاسویں منزل پر قائم ہے۔ اس عمارت میں بڑے بڑے بینک بھی قائم ہیں اس لیے سیکورٹی کے غیر معمولی اقدامات کیے گئے ہیں مگر سارا انتظام عمارت کے اگلی جانب ہی کیا گیا ہے۔ مٹی کی جانب سمندر ہونے کی وجہ سے سیکورٹی کا انتظام نہیں کیا گیا۔ ویسے بھی اس جانب سے عمارت میں داخل نہیں ہوا جاسکتا۔ یہ بات بھی یاد رہے کہ اس عمارت کی کئی پچاس منزلیں ہیں۔ میوزیم آخری منزل پر واقع ہے۔ میکارنو کو بس اتنا کرنا ہے کہ عام افراد اور سیاحوں کے ساتھ میوزیم میں داخل ہوتا ہے اور پھر اس واردات کو مراجعہ دیتا ہے۔“

”مگر اتنے افراد کی موجودگی میں، میں یہ کام کیسے کروں گا؟ جس شوکیس میں وہ قیمتی سیکے رکھے ہیں وہاں حفاظتی الارم بھی لگا ہوا ہو گا اور ساتھ ساتھ سی سی ٹی وی کیمرے بھی۔ سی سی ٹی وی کیمروں کی مدد سے مجھے شناخت کر لیا جائے گا اور اگر میں وہاں سے وہ قیمتی سیکے لے کر نکل بھی جاتا ہوں تو سی سی ٹی وی کیمروں میں میری تصویر ریکارڈ ہوتے ہی پورے شہر کی پولیس میری تلاش میں سرگرداں ہو جائے گی۔“ میکارنو نے متحزن لہجے میں کہا۔

”سی سی ٹی وی کیمروں میں تصویر ریکارڈ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔“ میکی رسائییت سے بولی۔ ”تمہیں بس اپنے جیسے ہی کچھ تبدیلیاں کرنی ہوں گی۔ مٹی دار مٹی موچیں لگا کر حلیہ تبدیل کرنے کے بعد کیمرے میں



”تو پھر میں چھلانگ کیسے لگاؤں گا؟“ میکارٹو نے حیرت سے پوچھا۔

”میوزیم کی عقیقی جانب کی کھڑکی کھول کر تمہیں پانی کے مضبوط پائپ کے سہارے چھت تک پہنچنا ہوگا۔“ میکی نے جواب دیا۔ ”کیسا پلان کا سب سے خطرناک مرحلہ ہو گا۔ اگر تمہارا ہاتھ پھسلتا تو مجھے کرنے کے بعد کچھ بھی سلامتی نہیں رہے گا۔ میوزیم کے عقیقی جانب بھی تقریباً ایک ایکڑ تک خشک زمین ہے اور اس کے بعد سمندر۔ چھت پر پیراشوٹ پہنچنا میری ذمہ داری ہوگی۔ ویسے چھت کا دروازہ عام طور پر لاک ہی رہتا ہے کوئی ادھر کارڈ نہیں کرتا۔ تاہم میں ایک دروازے کے پاس موجود روش دان سے پیراشوٹ کے بیگ کو چھت پر چھپک دوں گی اور یہ کام میں میوزیم کے بندہ ہوتے وقت کروں گی۔ تاکہ کام کاج والا علمہ پھٹی کر جائے اور کوئی چھت کی جانب نہ جائے۔“

”تم نے کہا کہ میوزیم کے عقیقی جانب ایک ایکڑ تک خشک زمین ہے۔ کیا وہاں سکیورٹی الیکٹرانک موجود نہیں ہوتے؟“ میکارٹو نے دوبارہ سوال کیا۔

”نہیں۔“ میکی نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ”وہ خشک حصہ قدرے بلند ہونے کی وجہ سے سمندر کی دسترس سے بچا ہوا ہے۔ اطراف میں پانی کچھ اس طرح سے پھیلا ہوا ہے کہ اس جگہ تک پیدل نہیں پہنچا جاسکتا۔ اسی لیے اس جانب سکیورٹی کا بندوبست نہیں کیا گیا۔ صرف عمارت کے اندر سے اس جگہ جایا جاسکتا ہے مگر شام کے بعد نیچے موجود تمام دفاتر بند کر دیے جاتے ہیں۔ ویسے بھی پیراشوٹ سے چھلانگ لگانے کے بعد تم اس خشک حصے پر لینڈ نہیں کر پاؤ گے۔ ہوا کا دباؤ تمہیں کافی آگے سمندر میں لے جائے گا جہاں ہم سب لالچ کے ساتھ تمہارے منتظر ہوں گے۔“

”مگر تم تو میوزیم میں اپنی ڈیوٹی سرانجام دے رہی ہوگی۔ اتنی جلدی ان سب کے پاس کیسے پہنچو گی؟“ میکارٹو نے پوچھا۔

”تمہارا یہ سوال بالکل بے حکا ہے۔ ہمیں اپنے کام کا آغاز میوزیم بند ہونے کے بعد کرنا ہے۔ چھت تک پہنچنے میں بھی نہیں کافی وقت لگے گا۔ اس دوران میں اپنی ڈیوٹی آف کر کے ان تینوں سے جا ملوں گی۔ اس کے لیے کسی مخصوص جگہ کا تعین کیا جائے گا۔ واردات والے دن تم میں سے کوئی بھی میرے سسل نمبر پر فون نہیں کرے کیونکہ ممکن ہے اس واقعے کے بعد پولیس میوزیم میں ملازمت کرنے والے تمام ملازمین کے فون ریکارڈ کاڈیا جاسکے۔“

”اگر ہم ان تاریخی سکوں کو چوری کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو انہیں فروخت کیسے کیا جائے گا۔ پولیس ہر اس جگہ کو چیک کرے گی جہاں چوری شدہ نوادرات فروخت ہو سکتے ہیں؟“ میکارٹو مضطربانہ لہجہ میں بولا۔

”ہم کچھ عرصہ تک خاموشی سے بیٹھے رہیں گے۔ اس کے بعد ان سکوں کو فروخت کریں گے۔ ضروری نہیں کہ ہم سارا مال ایک ساتھ ہی فروخت کریں۔ چند ماہ گزرنے کے بعد یہ معاملہ کافی حد تک خفہ اپڑ چکا ہوگا۔“ میکی نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

”اگرچہ میکی کا پلان خاصا پڑچ اور پیچیدہ ہے۔ تاہم اسے قابل عمل کہا جاسکتا ہے۔“ لی مون نے میکی کی حمایت کرتے ہوئے کہا۔

”میں نے بہت سوچ سمجھ کر یہ منصوبہ بنایا ہے۔“ میکی ٹھیک پر رہی زبانی سے ایک سینڈویچ اٹھاتے ہوئے بولی۔ ”دو روز خطرہ اٹھانے کے بجائے ایک ہی بار رسک لینا بہتر ہے۔“

”مجھے لگتا ہے کہ میکی ٹھیک ہی کہہ رہی ہے۔“ ہارڈی نے بھی میکی کی حمایت کر دی۔

”راہن تم کیا کہتے ہو؟“ میکی نے دل آویز مسکراہٹ کے ساتھ اس سے پوچھا۔

”مگر تم سب لوگ رضامند ہو تو مجھے بھی کوئی اعتراض نہیں۔“ راہن نے سنجیدہ لہجے میں جواب دیا۔ ”ویسے اس پلان پر عمل درآمد کب ہوگا؟“

”مگر تم سب تیار ہو توکل ہی۔“ میکی نے بھی سنجیدہ لہجے میں کہا۔ ”اس کام کو جلد از جلد کرنے کا ایک فائدہ بھی ہے اور وہ یہ کہ سکوں والے شوپس کا حفاظتی الارم خراب ہے۔ میوزیم کا غیر چھٹی پر گیا ہوا ہے۔ اس کی واپسی پر ہی اس کو خشک کر دیا جائے گا۔ میکارٹو کو شوپس کا الارم ناکارہ کرنے کے لیے مرنے کی کیا پڑے گا۔“

”ایک اہم سوال ابھی باقی ہے۔“ میکارٹو نے کہا تو میکی کے ساتھ ساتھ لی مون، ہارڈی اور راہن بھی چونک گئے۔

”کون سا سوال؟“ میکی نے میکارٹو کی آنکھوں میں جمائکتے ہوئے پوچھا۔

”تم نے یہ پلان بنایا ہے جبکہ اس پلان کے سب سے بڑے خطرے سے بچنے کے لیے عمل درآمد نہ کرنا ہے۔ لی مون، ہارڈی اور راہن کے ذمے تو کچھ بھی نہ ہوا۔ پھر انہیں برابری

کی تقسیم پر حصہ کیسے مل سکتا ہے۔ چھوٹی مولی وارداتوں کی بات دوسری ہے مگر یہ بڑا اور خطرناک کام ہے۔“

لی مون، ہارڈی اور راہن کو بھی برابر کا حصہ ملے گا۔“

میکی ٹھوس لہجے میں بولی۔ ”کیونکہ ایک خطرناک کام ان تینوں کے ذمے بھی لگایا جاتا ہے اور وہ ہے سکوں کو چوری کرنا۔ ہارڈی اور راہن اس سے پہلے گاڑیاں وغیرہ چوری کرتے رہے ہیں مگر اس بار انہیں لالچ چوری کرنی ہے، ہم اس عمارت کے عقیقی جانب کسی لالچ پر ہی آسکتے ہیں۔“

”مگر لالچ کرائے پر بھی تو حاصل کی جاسکتی ہے۔“ میکارٹو نے کہا۔

”اس کے لیے ہمیں اپنے اصل کاغذات وغیرہ جمع کروانے پڑیں گے اور اس بات کا خدشہ موجود ہے کہ پولیس تحقیقات آگے بڑھتے ہوئے اس جگہ تک پہنچ جائے جہاں سے ہم کرائے پر لالچ حاصل کریں گے۔ ایسی صورت میں ہماری شناخت ہو جائے گی اور پولیس ہمارے الحاق میں لگ جائے گی۔ ہمارا یہ منصوبہ کامیابی سے اہمکنہ بھی ہوگا جب ہم کسی بھی حاصل کریں اور پولیس کی دھمکی سے بھی دور رہیں۔“

”ہونہ۔“ میکارٹو اس بار ہنکارا بھرتے ہوئے خاموش ہو گیا۔

”تو پھر کیا کل تم سب اس پلان پر عمل درآمد کرنے کے لیے تیار ہو؟“ میکی نے استفسار طلب نگاہوں سے ان سب کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

”ہم تیار ہیں۔“ راہن، لی مون اور ہارڈی نے ایک زبان ہو کر کہا۔ جبکہ میکارٹو نے شخص سر ہلانے پر ہی اکتفا کیا۔

”تو پھر ہمیں اس پلان کو تعمیل کی طور پر ڈسکس کر لینا چاہیے اور وقت اور جگہ کا تعین بھی کر لینا چاہیے جہاں لالچ حاصل کرنے کے بعد جس تم سے ملوں گی۔“ میکی نے کہا اور پھر وہ آگے جھٹکتے ہوئے ان سے اپنے اس پلان کی اہم جزئیات طے کرنے لگی۔

☆☆☆☆

تقریباً دو گھنٹے بعد میکی، لی مون کی کار پر اپنے گھر روانہ ہوئی۔ اس نے ان سب سے طے کر لیا تھا کہ انہیں کس طرح ایک دوسرے کی معاونت کرنا ہے۔ اس بار بھی میکارٹو کی اسے چھوڑنے کی گنجائش نہ تھی۔ تاہم راہن کی جگہ ہارڈی ان کے ساتھ روانہ ہوا تھا۔ اسے شہر میں کوئی کام تھا۔

”عورت کے دلی جذبات اس کے چہرے سے

کتابیں نسواں عیاں ہو جاتے ہیں اور میں میکی کے چہرے سے صاف پڑھ چکا ہوں کہ وہ مجھے پسند کرنے لگی ہے۔“ میکارٹو کے میکی اور ہارڈی کے ہمراہ روانہ ہوتے ہی راہن نے کہا تو لی مون حیرت بھرے چہرے سے اسے دیکھنے لگا۔

میکی کا چہرہ پڑھنے کا دعویٰ اس سے قبل میکارٹو اور ہارڈی بھی کر چکے تھے۔ ان دونوں کا بھی یہ خیال تھا کہ میکی انہیں پسند کرنے لگی ہے جبکہ راہن کی صورت میں ایک نیا دعویدار سامنے آ گیا تھا۔

لی مون نے اگرچہ اس بارے میں کوئی دعویٰ نہیں کیا تھا مگر میکی کی بعض حرکات نے اسے بھی اس شک میں مبتلا کر دیا تھا کہ وہ اسے پسند کرتی ہے۔ خاص کر آج مصافحہ کرتے وقت میکی نے اس کے ہاتھ کو جس طرح معنی خیز انداز میں دبا یا تھا۔ اس کی اس حرکت نے لی مون کے شک کو تقویت دی تھی۔

”تم یہ بات کیسے کہہ سکتے ہو؟“ لی مون نے راہن سے سوال کیا۔ ”کیا میکی نے تم سے براہ راست اس طرح کی کوئی بات کی ہے؟“

”عورت براہ راست کسی مرد سے اظہار محبت نہیں کرتی اور جو ایسا کرتی ہے وہ مرد سے عورت ہی نہیں۔“ راہن نے منکرانہ لہجے میں کہا۔ ”عورت اشاروں کی زبان میں مرد کے سامنے اپنا مدعا بیان کرتی ہے اور میں نے بھی میکی کی حرکات و سکنات سے یہ اندازہ لگالیا ہے کہ وہ مجھے پسند کرنے لگی ہے۔ وہ اکثر کن انکھوں سے مجھے دیکھ کر مسکراتی ہے۔ اس کا چہرہ اس کے دلی جذبات کی عکاسی کرتا ہے اور میں عورتوں کا چہرہ پڑھنے میں بڑی مہارت رکھتا ہوں۔“

”مگر تم سے پہلے یہ دعویٰ میکارٹو اور ہارڈی نے بھی کیا ہے۔“ لی مون نے کہا۔

”میکارٹو نے میری موجودگی میں ہی دعویٰ کیا تھا اور ساتھ ہی دھمکی آمیز لہجے میں مجھے اور ہارڈی کو اس سے دور رہنے کا بھی کہا تھا۔“ راہن نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ”مگر ہارڈی نے بھی ایسا کوئی مضحکہ خیز دعویٰ کیا ہے، یہ میرے علم میں نہیں۔“

”جب تم میکارٹو کے ہمراہ میکی کو لینے گئے تھے تو ہارڈی نے مجھ سے یہ بات کہی تھی۔“ لی مون نے کہا۔ ”مجھے لگتا ہے کہ میکی کے بے تکلفانہ انداز اور رویے کی وجہ سے تم تینوں کو غلط فہمی ہو گئی ہے۔“

”میکارٹو اور ہارڈی کی حد تک چہاری رائے کو



درست کہا جاسکتا ہے۔ "راہن پر زور لیجے میں بولا۔" مگر میں پورے وقوف سے کہہ سکتا ہوں کہ مغرب تم سب کی کوہنری ہوئی کے روپ میں دیکھو گے۔ اس واردات کی کامیابی کے بعد اپنے اپنے حصے سے کر تم سب اپنی راہ لیتا جبکہ میں سب کے ہمراہ اپنی ایک انگ دنیا بساؤں گا۔"

لی مون کو اچھی طرح اندازہ ہو رہا تھا کہ راہن کے دعوے میں کہاں تک صداقت ہے۔ تاہم اس نے مزید کچھ کہنے سے گریز کیا۔ وہ جانتا تھا کہ "اگر اس نے راہن کے مزاج کے خلاف کوئی بات کی تو وہ مشتعل بھی ہو سکتا تھا اور لی مون اس وقت کوئی بد مزگی پیدا کرنے کے موذ میں نہیں تھا۔ میکارٹو اور ہارڈی واپس آنے والے تھے اور وہ سب میکی کے سامنے ہائی بھر چکے تھے کہ اس کے منصوبے میں اس کا ساتھ دیں گے۔ میکی نے ان کی کافی حد تک تسلی کرا دی تھی۔ لی مون کو بھی لگ رہا تھا کہ وہ سب اس واردات کو سراہنا خاص دینے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ تاہم وہ ذہنی طور پر خاصا دباؤ... محسوس کر رہا تھا۔ اس بار وہ کبھی اپنی اوقات سے بڑا ہاتھ مارنے جا رہے تھے۔

☆☆☆

انگے دن وہ سب تقریباً ایک بیچ کے قریب لی مون کی کار میں روانہ ہو گئے۔ میکی سے وہ تمام معاملات پہلے ہی طے کر چکے تھے۔ اس نے سختی سے آج کے دن موہاٹل فون استعمال کرنے سے منع کیا تھا۔ اس لیے انہوں نے اپنے موہاٹل فون ساتھ نہیں لیے تھے۔ کار لی مون خود ڈرائیو کر رہا تھا۔ انہیں نیچے بیچنے میں تقریباً دو گھنٹے لگے۔ انہوں نے میکارٹو کو میوزیم سے کچھ دوری پر ڈراپ کرنا تھا۔ تاہم راستے میں میکارٹو نے ایک جگہ رک کر کچھ سامان وغیرہ خرید لیا تھا۔ لی داڑھی موچکس چہرے پر لگاتے ہی اس کا حلیہ کافی حد تک تبدیل ہو گیا تھا۔ اس نے گاڑی میں ہی اپنے چہرے کی نقلی داڑھی موچکس ایڈجسٹ کیں اور پھر کار سے آکر میوزیم کی جانب بڑھ گیا۔ اس نے نقلی داڑھی موچکس کے علاوہ کبھی کبھر درمیانی سامان خرید لیا تھا۔

لی مون نے کار ایک پارکنگ ایریا میں کھڑی کی اور پھر ہارڈی اور راہن کے ہمراہ قریبی کافی شاپ کی جانب بڑھ گیا۔ ان کے پاس ابھی کافی وقت تھا۔ انہیں میکی کے ساتھ طے شدہ وقت اور جگہ پر ایک لالچ سمیٹ بیٹھا تھا۔ اسی لیے انہوں نے سمندر کنارے واقع کافی شاپ کا انتخاب کیا تھا۔ تاکہ کنارے پر موجود کسی بوٹ کا جائزہ لیا جاسکے۔ سمندر کنارے کسی بوٹ کو چوری کرنا اور پھر اسٹارٹ

کرنا اتنا آسان نہیں تھا۔ تاہم وہ تینوں پر امید تھے کہ وہ ایسا کرنے میں کامیاب رہیں گے۔ ہارڈی اور راہن بوٹ چلانے میں بھی مہارت رکھتے تھے۔

میکارٹو اس بلند و بالا عمارت کی لفٹ میں سوار ہو کر کچھ ہی دیر میں پچاسویں منزل پر پہنچ گیا۔ اس نے میوزیم کا نکتہ خریدار پھر اندر داخل ہو گیا۔ میوزیم میں کافی تعداد میں سیاح وغیرہ موجود تھے۔

اس نے بھی دوسرے افراد کے ساتھ میوزیم میں موجود نوادرات کا جائزہ لینا شروع کر دیا۔ پہلے چلتے وہ ان سکوں والے شوئیس کے پاس بھی پہنچا۔ جنہیں چرانے کے لیے وہ اس جگہ پر آیا تھا۔ بقول میکی اس شوئیس کا حفاظتی الارم خراب تھا اور میکارٹو کو صرف اس کا لاک کھولنا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ اس بڑے شوئیس کے پاس پہنچ گیا جس کے پیچھے دیوار میں کوئی پرانا آتش دان موجود تھا اور اسے اس آتش دان کے خلا کو چھپنے کے لیے استعمال کرنا تھا۔ مگر فوری طور پر یہ ممکن نظر نہیں آ رہا تھا۔ اگر یہ شوئیس میوزیم ہال کے ایک کونے میں واقع تھا۔ تاہم کچھ شائقین نوادرات ابھی اس جگہ موجود تھے۔

میکارٹو نے وہاں کھڑا ہونا مناسب نہ سمجھا اور میوزیم ہال میں موجود دوسرے نوادرات کا جائزہ لینے لگا۔ وہ موزیم کی تلاش میں بار بار کھم کر اس بڑے شوئیس کے پاس آتا اور پھر وہاں کچھ افراد کو کھڑے دیکھ کر کسی اور جانب نکل جاتا۔ دو گھنٹے ہوئی گزر گئے۔ شام پانچ بیچ کے قریب سیاحوں اور شائقین کا رش چھٹنے لگا تو میکارٹو کو بھی موقع مل گیا۔ ابھی وہ اپنے مطلوب بڑے شوئیس کے پاس ہی تھا۔ اس وقت کونے میں کوئی موجود نہیں تھا۔ چھ بیچ میوزیم بند ہونے والا تھا۔ اس لیے زیادہ تر افراد نے میوزیم کے خارجی دروازے کا رخ کر لیا تھا۔

میکارٹو نے آخری بار اس پاس کا جائزہ لیا۔ میوزیم کے اس حصے میں کسی ذہنی درجہ کا نام و نشان تک نظر نہیں آ رہا تھا مگر میکی نے کوئی ادھر کا رخ کر سکتا تھا۔ عملی کام کا یہی وقت اور موقع تھا۔ اس نے اپنے کوٹ کی جیب سے ریز کے دستانے نکال کر پہنے اور پھر تلی سے آگے جھک کر اس بڑے شوئیس کے نچلے حصے پر اپنے دونوں ہاتھ مضبوطی سے جھاتے ہوئے اسے ایک سائزر پر رکھکا دیا۔ اس کرنے سے ابھی ہی آواز بھی پیدا ہوئی تو قلع کے مطابق اس شوئیس کے پیچھے دیوار میں ایک پرانا آتش دان خلا موجود تھا جو اتنا بڑا تھا کہ ایک آدمی اس میں آسانی سے گھس کر بیٹھ سکتا تھا۔

میکارٹو نے آخری بار اس پاس کا جائزہ لیا اور پھر کسی کوٹ پر کھڑکی سے شوئیس کے پیچھے کھسک گیا۔ آتش دان کے پاس پہنچنے ہی وہ اس کے اندر گھس گیا۔ اس نے کمر بھر کے لیے اپنے جسم کو ایڈجسٹ کیا اور پھر اپنے دونوں ہاتھ شوئیس کے نیچے مضبوطی سے جھک کر اسے واپس دیوار کے ساتھ چپک لیا۔ سب کچھ خفیہ زون میں ہو گیا تھا۔ میکارٹو کو یقین تھا کہ اسے ایسا کرتے کسی نے نہیں دیکھا اور وہ اپنے کام کا سب سے مشکل مرحلہ طے کر چکا ہے۔ اسے پندرہ منٹ اسی حالت میں گزر گئے۔ اتنا وقت گزرنے کے بعد میکارٹو کے دیکھ لیے جانے کے تمام خدشات بھی دور ہو گئے تھے۔

اگرچہ اس پرانے آتش دان میں اتنی مچائش موجود تھی کہ ایک آدمی آسانی سے خود کو ایڈجسٹ کر سکتا تھا مگر میکارٹو عام جسامت اور قد و قامت کا مالک نہیں تھا۔ اس لیے اسے اس حالت میں بیٹھنے میں خاصی مشکل پیش آ رہی تھی اور اسے میوزیم کے بند ہونے تک اسی حالت میں رہنا تھا۔ یہ خاصا تکلیف دہ اور صبر طلب کام تھا مگر میکارٹو کے پاس اس تکلیف کو برداشت کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا اور پھر کامیابی کی صورت میں جتنی رقم حاصل ہونے والی تھی۔ اس کے مقابلے میں بیٹھا اس تکلیف کی کیا حیثیت تھی۔ وہ ایک گھنٹے تک خود پر جبر کے اسی حالت میں بیٹھا رہا۔

اگرچہ وہ شوئیس کے پیچھے موجود تھا۔ تاہم جب میوزیم کی روشنائی گل ہو گئی تو اسے اندازہ ہو گیا۔ اس نے اپنی رستہ واپس کا جائزہ لیا۔ چھ بیچ سے اوپر کا وقت ہو چکا تھا۔ میکارٹو کو یقین تھا کہ میوزیم کے دروازے بند کر دیئے گئے ہوں گے اور اب ہال میں کوئی نہیں ہوگا۔ تاہم پھر بھی وہ مزید پندرہ منٹ تک اسی حالت میں بیٹھا رہا۔

اس نے ایک بار پھر اپنی رستہ واپس پر نگہ ڈالی اور پھر اپنے دونوں ہاتھوں کے درمیان شوئیس کو آگے کی طرف کھینکا تا کہ شروع کر دیا۔ چند ثانیوں میں ہی وہ باہر نکل آیا۔ میوزیم بند ہو چکا تھا۔ ہال کی زیادہ تر تلاش بھی آف کر دی گئی تھی۔ میکارٹو نے اس بات کی بھی تسلی کر لی کہ میوزیم کا داخلی و خارجی دروازہ بند ہو چکا ہے۔

کام کرنے کے لیے راستہ صاف ہو چکا تھا۔ مزید وقت برباد کرنا مناسب نہیں تھا۔ وہ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے قریبی سکوں کے اس شوئیس کے پاس پہنچ گیا۔ جنہیں چوری کرنے کے لیے اس نے یہ ساری تکلیف برداشت کی تھی۔ اس نے اپنی جیب سے لوہے کا ایک باریک تار نکالا اور پھر

کھتا بیرنساواں

شوئیس کا لاک کھولنے میں مصروف ہو گیا۔ کھٹک کی ہلکی سی آواز کے ساتھ ہی شوئیس کا لاک کھلا تو میکارٹو کے حلق سے اطمینان کی ایک طویل سانس خارج ہوئی۔ اب وہ قدیم سونے کے کٹے اس کی دسترس میں تھے۔ اس نے اپنے کوٹ کی جیب سے چڑے کی بٹی ہوئی تھیلی نکالی اور قمام کے اس میں منتقل کر لیے۔

تھیلی کو کوٹ کی جیب میں منتقل کرنے کے بعد اس نے شوئیس کو اسی حالت میں چھوڑا اور میوزیم کے عقبی حصے کی جانب بڑھ گیا۔ پھر اس نے اس کھڑکی کا انتخاب کر لیا جو پانی کے پائپ کے ساتھ واقع تھی۔ اب میکارٹو کو میکی کے بتائے ہوئے اس پلان کے سب سے نقصان اور پرخطر مرحلے سے گزرنا تھا۔ اس نے کھڑکی کھولی تو سرد ہوا کے پھیپھڑوں نے اس کا استقبال کیا۔ کمر بھر کے لیے اس پر کپکپاہٹ طاری ہو گئی۔ میکارٹو نے کھڑکی سے عقبی جانب کا جائزہ لیا۔ تاہم پچاسویں منزل اور اندر میرا ہونے کی وجہ سے اسے نیچے کچھ نظر نہیں آیا۔ اس نے کھڑکی کے ساتھ ہی چھت سے زمین کی جانب جاتے پانی کے پائپ کا جائزہ لیا۔ بادی انظر میں کبھی محسوس ہوتا تھا کہ اس پائپ کے سہارے چھت تک پہنچا جاسکتا تھا۔ وہ کھلی کھڑکی پر چڑھ کر کھڑا ہوا اور کمر بھر میں اپنے جسم کو ایڈجسٹ کرتے ہوئے دونوں ہاتھوں سے پائپ کو تھامتے ہوئے فضا میں نکل گیا۔ اپنے ہاتھوں اور پیروں کو پائپ پر جھاتے ہی اس نے اوپر چڑھنا شروع کر دیا۔ تاہم یہ اس کی توقع سے بھی زیادہ مشکل اور دشوار کام ثابت ہوا۔ پانی کے اس پائپ کو کپڑے اور پر چڑھنا تو زیادہ مشکل نہ تھا۔ تاہم پائپ پر کمانی جی ہونے کی وجہ سے اس کے ہاتھ بیز بار بار پھسل رہے تھے۔ وہ اب بہت مستعجل کر اوپر چڑھ رہا تھا۔ اس کی ایک ذرا سی نقلی اسے موت کے منہ میں دھکیل سکتی تھی۔

اگرچہ پھسلن زدہ پائپ کے سہارے اوپر چڑھنا ایک مشکل اور صبر آزما کام تھا۔ تاہم میکارٹو یہ مرحلہ بھی کامیابی سے طے کرنے میں کامیاب رہا۔

اب وہ اس پچاس منزل عمارت کی چھت پر پہنچ چکا تھا اور اسے آخری مرحلہ طے کرنا تھا۔ یعنی جیراٹھ کے ذریعے عقبی جانب کودنا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا اس جانب بڑھا جہاں اس کے اندازے کے مطابق میزخیاں گھسیں۔ اب اس نے کوٹ کی جیب سے تار نکال کر دوبارہ روشن کر لی تھی۔

میکی نے کہا تھا کہ چھت پر جانے والا دروازہ لاک





ڈیر تمہاری سالگرہ کیا تھو دوں.....؟ ویسے تو تمہارے پاس میری ضرورت کی ہر چیز موجود ہے

احتساب کیا تھا۔ اس جگہ آس پاس کافی تعداد میں لائیں کھڑی ہوئی تھیں۔ سچا افراد ان پر سوار ہو کر کھلے سمندر کی جانب جا رہے تھے۔ ایسی جگہ پر وہ کسی کی توجہ کا مرکز نہیں بن سکتے تھے۔ لوگوں کے دیش میں وہ بھی آسانی سے گھل مل جاتے۔ اس نے بوٹ کو اس میں موجود رسی کی مدد سے باندھا اور پھر وہ سب بوٹ سے آتر کر ساحل سے دور ہوتے چلے گئے۔

چوری کی لالچ سے نجات حاصل کرنے کے بعد اب ان کے کتے ہوئے چہرے نادرل ہو گئے تھے۔ یہاں قریب ہی ایک پارکنگ ایریا میں میری کار موجود ہے۔ میں لے کر آتا ہوں، تم مین روڈ پر آ جاؤ۔" لی مون نے کہا تو لیکس اور رائن نے اشارات میں سر ہلا دیے۔

"میں بھی تمہارے ساتھ جاتا ہوں۔" ہارڈی بھی لی مون کے ساتھ ہو گیا۔ لی مون نے اس کے ساتھ آنے پر کوئی اعتراض نہ کیا اور تیزی سے آگے بڑھ گیا۔ ان جتنی سکول کی تھی۔ ابھی تک رائن کے ہاتھوں میں ہی تھی۔ وہ لی مون کے ہمراہ آہستہ آہستہ مین روڈ کی جانب بڑھ رہا تھا۔

"میں اب تمہارا آگے کا کیا پروگرام ہے؟ میرا مطلب ہے کہ ان نوادرات کو بلیک مارکیٹ میں فروخت کرنے کے بعد جو بھم سب کو اپنے اپنے حصے کی رقم مل

"لالچ اسٹارٹ کرو اور اس جگہ پہنچو جہاں میکارٹو گرا ہے۔ اتنی بلندی سے گرنے پر میکارٹو تو مارا گیا ہے مگر ان سکول کو کوئی فرق نہیں پڑا ہو گا۔" میکی نے کہا تو لی مون سر ہلاتے ہوئے لالچ اسٹارٹ کرنے لگا۔ انہیں اس جگہ آئے کافی دیر ہو گئی تھی۔ لی مون نے وہاں پہنچنے ہی لالچ کا گھنٹہ بند کر دیا تھا اور لالچ کافی دیر سے سمندری لہروں پر جھکولے کھا رہی تھی۔ تاہم اب میوزیم کے عقبی خشک حصے پر پہنچنے کے لیے لی مون نے ایک بار پھر اسے اسٹارٹ کر لیا تھا۔ انہیں اس جگہ پر پہنچنے میں ایک منٹ سے بھی کم وقت لگا جہاں میکارٹو گرا تھا وہاں نارنج کی روشنی ڈالنے ہی میں نے اپنی ٹاک پر ہاتھ رکھ لیا۔

"جلدی سے نکلے تلاش کرو مجھ سے خون کی بو برداشت نہیں ہوتی۔" میکی نے کہا تو ہارڈی اور رائن میکارٹو کے ٹکڑوں میں تقسیم جسم کی جانب بڑھ گئے۔ کچھ دیر میں وہ میکارٹو کے خون آلود کوٹ سے چمڑے کی وہ پٹلی برآمد کرنے میں کامیاب ہو گئے جس میں وہ تاریکی اور قیمتی کتے موجود تھے۔

"ڈکڑی! بالآخر ہم کامیاب ہو گئے۔" رائن نے سکول سے بھری قطیلی سب کی لگا ہوں کے سامنے کرتے ہوئے کہا۔

"مگر اس کے لیے ہمیں اپنے پرانے دوست میکارٹو کو کھونا پڑا۔" لی مون افسردگی سے بولا۔

"موگ منانے کے لیے یہ وقت اور جگہ مناسب نہیں ہے۔" ہارڈی نا اچانک لہجے میں بولا۔ "شاید تم لوگ بھول رہے ہو کہ ہم اس وقت کس پوزیشن میں ہیں؟ ایک طرح سے ہم سب کو اس کی دھار پر کھڑے ہوئے ہیں۔"

"یہاں سے فوراً نکلو۔" میکی نے چٹن سے لہجے میں بولی۔ "میکارٹو مرنے چکا ہے اور اس جگہ کھڑے ہو کر اس کا سوگ منانے سے وہ واپس نہیں آئے گا۔ ہمیں اس چوری کی بوٹ سے بھی جلد از جلد جان چھڑا لینا چاہیے۔ ہارڈی خشک کھیر رہا ہے ہم ابھی خطرے کی زد سے باہر نہیں ہوئے۔ لالچ میں بیٹھو اور کھو۔" موجودہ صورت حال میں میکی کی باتوں سے صرف نظر ممکن نہیں تھا۔ ان سب نے بلا چون و چرا اس کی ہدایات پر عمل کیا۔ کچھ ہی دیر میں بوٹ اس جگہ سے دور ہوئی جلی کی۔ تقریباً پندرہ منٹ تک بوٹ چلانے کے بعد لی مون نے اسے ایک مختار ساحلی پٹی پر روک دیا۔ یہ رات کا وقت تھا اور ساحل پر لوگوں کا خالصتاً بھی تھا۔ لی مون نے دانستہ لالچ سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے اس جگہ کا

پھرتی سے امیر چنسی پیراشوٹ کھول دیا مگر اس بار اس کا ذہن زلزلے کی زد میں آ گیا۔ امیر چنسی پیراشوٹ بھی نہیں کھلا تھا۔

زمین کا کشش ثقل کا قانون اپنی جگہ اس ہے۔ میکارٹو بے بسی سے زمین کو قریب آتے دیکھتا رہا۔ اسے زیادہ سوچنے کا بھی موقع نہ ملا۔ چند ہی لمحوں میں وہ زمین سے ٹکرا کر کئی ٹکڑوں میں تقسیم ہو گیا۔ اس نے سکتے چوری کرنے کے پلان کے تمام مراحل کامیابی سے طے کر لیے تھے مگر آخری مرحلے میں مار کھا گیا تھا۔ شاید پیراشوٹ میں کوئی خرابی واقع ہو گئی تھی۔ بات جو بھی تھی موت کا بھیا تک وہ نہ میکارٹو کو گل چکا تھا۔

☆☆☆

لی مون، ہارڈی اور رائن میکی کے ہمراہ چوری شدہ لالچ میں موجود تھے۔ میکی کے پاس رات میں دیکھنے والی ایک دوربین بھی موجود تھی۔ لی مون، ہارڈی اور رائن نہیں جانتے تھے کہ میکی اس دوربین کا بندوبست کیسے اور کہاں سے کیا تھا۔ انہیں اندازہ ہی نہ تھا کہ وہ میوزیم کے عقبی حصے میں کیا تھا۔ انہیں اندازہ ہی نہ تھا کہ وہ میوزیم کے عقبی حصے میں کیا تھا۔ انہیں اندازہ ہی نہ تھا کہ وہ میوزیم کے عقبی حصے میں کیا تھا۔ انہیں اندازہ ہی نہ تھا کہ وہ میوزیم کے عقبی حصے میں کیا تھا۔

میں کہا۔ "میں نے ابھی بلکے سے دھماکے کی آواز سنی تھی۔ تو کیا وہ میکارٹو کے گرنے کی آواز تھی؟"

"ہاں۔" میکی تائید بھرے لہجے میں بولی۔ "سمندر کی پر شور لہروں کی وجہ سے میکارٹو کے گرنے کی آواز کافی حد تک دب گئی ہے۔ میں نے اپنی دوربین سے اسے واضح طور پر زمین پر گرتے دیکھا ہے۔ اس کا جسم اسی بلندی سے گرنے کے بعد کئی ٹکڑوں میں تقسیم ہو چکا ہو گا۔"

"مگر اس کا پیراشوٹ کیوں نہیں کھلا؟ پیراشوٹ کا بندوبست تو تم نے کیا تھا۔" ہارڈی نے حیرت بھرے لہجے میں پوچھا۔

"میں نہیں جانتی کہ ایسا کیوں ہوا ہے۔" میکی کی افسردگی میں اضافہ ہو گیا۔ اس کے چہرے سے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اسے بھی میکارٹو کی اس ناگہانی موت کا شدید رنج تھا۔

"شاید پیراشوٹ خراب تھا یا میکارٹو اسے بروقت کھول نہیں پایا۔ اس نے کئی برسوں سے پیراشوٹ چنگ نہیں کی تھی۔" رائن نے کہا۔

رہتا ہے۔ عام طور پر اٹھ کا رخ کوئی نہیں کرتا۔ تاہم سیزیمین کے ساتھ ہی ایک روشن دان موجود ہے۔ وہ پیراشوٹ بیگ اس روشن دان سے چھت پر چپک دے گی۔ اس نے اپنا کام کر دیا تھا۔ میکارٹو کو نارنج کی روشنی میں وہ بیگ نظر آ گیا تھا۔ اس وقت چاند بالوں کی اوت میں چھپ گیا تھا۔ جس کی وجہ سے نارنج کی روشنی کے بغیر واضح طور پر کچھ دیکھ پانا ممکن نہیں تھا۔

میکارٹو نے بیگ اٹھایا اور پیراشوٹ کھول لی۔ اس نے چپک کر لیا تھا کہ پیراشوٹ فوری طور پر قابل استعمال حالت میں تھا اور اس کے ساتھ امیر چنسی پیراشوٹ بھی خشک تھا۔ میکی اپنے دعوے پر پوری اتاری تھی۔ میکارٹو اس کے پلان کے تمام مراحل طے کر چکا تھا۔ بس ایک آخری مرحلے باقی تھا اور اس کے خیال میں یہ زیادہ مشکل نہ تھا۔ وہ کسی دور میں پیراشوٹ چنگ کا ایک ماہر کھلاڑی رہ چکا تھا۔

وہ چلتے ہوئے اسی جگہ آ گیا جہاں سے وہ چھت تک پہنچا تھا۔ پچاسویں منزل سے نیچے گھپ اندھیرے کے سوا کچھ بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ میکارٹو نے اپنی نارنج کا رخ نیچے کی جانب کیا اور پھر اسے بار بار جھلا تا اور بند کرنا شروع کر دیا۔ چند لمحوں میں ہی اسے نیچے سمندر میں بھی اسی طرح روشنی چلتے بچتے دکھائی دی تو اس کے چہرے پر بے اختیار مسرت کے تاثرات نمودار آئے۔ جولائی اٹارہ موصول ہونے کا مطلب تھا کہ لی مون، ہارڈی اور رائن کسی لالچ کو چوری کرنے میں کامیاب رہے تھے اور سمندر میں میکی کے ہمراہ موجود تھے۔ اب اسے کون تھا۔ اس نے اپنے جسم کو جب پوزیشن میں ایڈجسٹ کیا اور پھر پوری قوت سے آگے کی جانب زور لگاتے ہوئے نیچے کو گیا۔ اس کا مقصد عمارت کی دیواروں سے دور ہونا تھا تاکہ پیراشوٹ کھلتے وقت دیواروں سے نہ ٹکرائے۔

پیراشوٹ چنگ کرنے والے ماہر عام طور پر کسی جہاز وغیرہ سے چھٹا تک اگاتے وقت فوری طور پر اپنا پیراشوٹ نہیں کھولتے اور زمین کے زیادہ سے زیادہ قریب ہو کر ایسا کرتے ہیں۔ تاہم میکارٹو کسی جہاز کی بلندی کے بجائے پچاس منزل عمارت سے کودا تھا۔ پیراشوٹ چنگ کے لیے یہ فاصلہ انتہائی کم تھا۔ اس لیے اس نے چھٹا لگاتے ہی اپنا پیراشوٹ کھول دیا مگر دوسرے ہی لمحے اس کا دماغ ہلک سے اڑ گیا۔ پیراشوٹ نہیں کھلا تھا۔ میکارٹو نے ایک سیکنڈ کے دسویں حصے میں ہی خطرے کا ادراک کر لیا اور انتہائی



جائے گی اس کے بعد تم کیا کرو گی؟

”میں اب نائل لانگ بسر کرنا چاہتی ہوں اور شادی کر کے خطرات کی دنیا سے دور ایک خوب صورت آشیانہ بسانے کی خواہش مند ہوں۔“ مینی نے سادہ لہجہ میں جواب دیا۔

”کیا تم نے شادی کے لیے کسی کا انتخاب کر لیا ہے؟“ راہن نے پراسید اور جس لہجہ میں استفسار کیا۔

”ابھی تک تو نہیں، ہاں اگر تم جیسے کسی مرد نے مجھے پروپوز کیا تو انکار نہیں کروں گی۔“ مینی کے جواب نے راہن کے رگ و پے میں سرور کی لہریں دوڑا دیں۔

”میرے خیال میں تمہیں تنہی کی سے اپنے مستقبل کے بارے میں سوچنا چاہیے۔ اب تو تمہارے پاس کافی بڑی رقم آنے والی ہے۔“ راہن نے بیٹھے لہجہ میں کہا۔

”ہاں۔“ مینی مسکراتی ہوئی۔ ”بلکہ اب تو میکارٹو کا حصہ بھی ہم کسب کر لے گا۔ اگرچہ ہمیں میکارٹو کی موت سے انہوس تو ضرور ہوا ہے۔ آخر وہ ہمارا ساتھی تھا مگر کیا اس حقیقت سے انکار ممکن ہے کہ اس کی موت سے ہمیں فائدہ ہوا ہے؟“

”مینی شاید مزید بھی کچھ کہنا چاہتی تھی مگر لی مون کی گاڑی کو آتے دیکھ کر خاموش ہو گئی۔ گاڑی ہارڈی ڈرائیو کر رہا تھا جبکہ لی مون اس کے ساتھ فرٹ سیٹ پر براہمان تھا۔ وہ دونوں بھی خاموشی سے گاڑی کے پیچھے دروازے کھولنے ہوئے سیٹوں پر براہمان ہو گئے۔ ان کے بیٹھے ہی ہارڈی نے گاڑی آگے بڑھا دی۔

”ہم سب کو میکارٹو کی ناگہانی موت کا انہوس ہے مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ مرنے والے کے ساتھ کوئی نہیں مرنے۔ ہمیں اب آگے کی پانچنگ کرنی ہے۔“ ہارڈی نے سنجیدہ لہجہ میں کہا۔

”مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے میکارٹو کی موت کی میں ڈسے وار ہوں۔“ مینی نے افسردہ لہجہ میں کہا۔ ”میں اس سلسلے میں خود کو مجرم تصور کرتی ہوں۔“

”تم دل چاہو نہ کرو۔“ ساتھ بیٹھے راہن نے مینی کو تسلی دیتے ہوئے اپنا ہاتھ بھرے لہجہ میں کہا تو ڈرائیوگ سیٹ پر براہمان ہارڈی نے بے اختیار ہونٹ مسجھ لیے۔

”تم کیوں پریشان ہوتی ہو مینی۔“ فرٹ سیٹ پر بیٹھ لی مون بولا۔ ”میکارٹو کی موت ایک حادثہ تھا۔ اس لیے اس سلسلے میں خود کو مجرم نہ سمجھو، دیکھو صبح تک میوزیم میں

ہونے والی چوری اور میکارٹو کی موت کا راز کھل جائے گا۔“ ”میکالاش کو میکارٹو کی حیثیت سے شناخت کیا جاسکتا ہے؟“ ہارڈی نے پوچھا۔

”میرا خیال ہے کہ نہیں۔ پچاسویں منزل سے مرنے کی وجہ سے اس کا جسم ٹکڑوں میں تبدیل ہو گیا ہے۔“ ہارڈی کی بات کا جواب راہن نے دیا۔ ”اس کا چہرہ بھی پچک کر ناقابل شناخت ہو چکا ہے۔ فوری طور پر اسے بطور میکارٹو شناخت نہیں کیا جاسکتا گا۔“

”ہونہ۔“ ہارڈی ہکا راز بھر کر خاموش ہو گیا۔

تقریباً آدھے گھنٹے کی ڈرائیوگ کے بعد وہ پہاڑی علاقے میں داخل ہوئے تو ان کے چہروں پر مزید اطمینان کے تاثرات تھے۔ اب وہ خطرے سے مکمل طور پر دور ہو چکے تھے۔ رات کے وقت اس پہاڑی علاقے کی شان کھائی سڑکوں پر گاڑی بہت احتیاط سے ڈرائیو کرنا پڑتی تھی۔ کیونکہ یہاں سڑک کنارے لائنوں کے لیے پول کا انتظام بھی نہیں تھا۔ ہارڈی کی کار کی میڈ لائن کے سہارے آگے بڑھ رہا تھا۔

”اگر میں گاڑی ڈرائیو کر رہا ہوتا تو اب تک ہم منزل پر پہنچ چکے ہوتے۔“ راہن سے رہنمائی کرتا ہارڈی کی مختصر ڈرائیوگ پر طنز کر ڈالا۔

”منزل پر تو نہیں مگر کسی گہری کھائی میں ضرور پہنچ جاتے۔“ ہارڈی نے تنگ لہجہ میں جواب دیا۔

”مجھے لگتا ہے کہ تمہاری نظر کمزور ہو گئی ہے۔“ راہن نے اسے چھیڑتے ہوئے کہا۔ ”اندھیرے میں تو تمہیں بالکل دکھائی نہیں دیتا۔ اسی لیے تم نے مجھ سے رہیں لگاتے وقت ہمیشہ دن کے وقت کا انتخاب کیا ہے اور نہ کہ رات کے وقت۔ رات کے وقت اس پہاڑی علاقے میں مجھ سے رہیں لگانے کی جرأت کی تو کسی گہری کھائی یا جھیل میں پہنچنے میں دیر نہیں لگے۔“

”اپنی خوش فہمیوں میں ڈوب کر ناچتے رہو۔“ ہارڈی غصیلے لہجہ میں بولا۔ ”حقیقت تو یہ ہے کہ میں رات کے اندھیرے میں تم سے زیادہ اچھی کار ڈرائیوگ کر سکتا ہوں۔ کیونکہ آج اپنی اپنی چوری شدہ اسپورٹس کاروں کو نکال کر ایک رہیں ہو جائے۔ اگر تم تیار ہو تو میں آج ہی تمہاری خوش فہمی یا غلط فہمی دور کرنے کے لیے تیار ہوں۔“ بات کرتے ہوئے اس نے کار کی رفتار بھی غیر ارادی طور پر بڑھا دی۔

”مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔“ راہن نے جواب دیا۔ ”ویسے اگر ہماری اس ٹیم کی کار ریسوں کا جائزہ لیا جائے تو میری جیت کے پانچسویں سے زیادہ ہیں اور پھر میں کسی زمانے میں رہیں کا کمپن کو کھلاڑی بھی روچکا ہوں۔“

”یہ سست تمہاری اپنی تیار کردہ ہے۔“ ہارڈی نے استہزاء لہجہ میں جواب دیا۔ ”ورنہ اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں ہے کہ میں اس معاملے میں تم سے بہت آگے ہوں۔ تم میری مہارت سے جلتے ہو۔“

”آج اس بات کا فیصلہ مینی کے سامنے بھی ہو جائے گا۔“ راہن نے بیٹھے بھرے انداز میں کہا اور پھر مینی کی طرف متوجہ ہو کر بولا۔ ”کیوں مینی تمہارا کیا خیال ہے؟“

”مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔“ مینی نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”یہ تمہارا آپس کا معاملہ ہے۔ میں نہیں جانتی کہ تم دونوں میں سے زیادہ بڑا کھلاڑی کون ہے۔ تاہم میں رات کے اندھیرے میں تمہیں ایسا کرنے کی اجازت نہیں دوں گی۔ یہ کام صبح کی روشنی میں ہونا چاہیے۔ تمہاری دونوں اسپورٹس کاریں کافی دنوں سے گیراج میں کھڑی ہیں۔ انہیں نکال کر ان کا فیوئل وغیرہ پچک کر اور سڑک پر رہیں کی پوزیشن میں کھڑی کر دو۔ صبح کی روشنی چلتے ہی تمہارے درمیان رہیں کا آغاز ہوگا۔ تمہارے پہاڑی گھر سے ایک کلومیٹر تک سڑک پر کوئی سڑ نہیں ہے اور میرے خیال میں یہ کار رہیں بھی ایک کلومیٹر کے مختصر فاصلے تک محدود ہونی چاہیے۔ جو اس موڑ پر پہنچ پینچا وہی فارغ ٹھہرے گا۔ اس طرح کسی حادثے کا خطرہ بھی نہیں رہے گا۔ صبح کی روشنی میں تم دونوں پہلے ہی آپس میں متعدد وجہ کار رہیں لگ چکے ہو اور تمہارے پہاڑی گھر سے تقریباً دو کلومیٹر میٹر بعد خاصی تنگ آن آبادی شروع ہو جاتی ہے۔ سڑک پر پہنچے وغیرہ بھی ہوتے ہیں۔ اس لیے اس رہیں کو ایک کلومیٹر تک ہی محدود رکھا جائے تو یہ سب کے لیے بہتر ہوگا۔ ایک کلومیٹر تک تو آبادی سرے سے موجود ہی نہیں ہے۔“

لی مون نے حیرت سے مینی کی باتیں سنیں۔ اس کا خیال تھا کہ وہ ان دونوں کو آپس میں رہیں لگنے سے منع کرے گی اور مصائبی کر ڈار ادا کرے گی مگر اس کی باتوں سے تو ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ خود بھی دونوں کا مقابلہ کروانے کی خواہاں تھی۔

”مینی کا حکم سر نہ کھوؤں پر۔“ راہن نے کہا۔ ”میں صبح تک انتظار کر لیتا ہوں۔ ورنہ میں اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھتا جب تک ہارڈی کو کھسکتا فاش نہ دے دوں۔“

کنکنا برنسواں

”کل رات تم چین کی نیند سونا۔ مجھ سے گلست کھانے کے بعد۔“ ہارڈی کا جواب سن کر کار میں مینی کی مزاحمتی گونجی تھی۔

راہن اور ہارڈی کسی زمانے میں کار رہیں کے کھلاڑی رہ چکے تھے۔ یہ ان دنوں کا شوق بلکہ خون تھا اور اپنے اس شوق کی وجہ سے ہی انہوں نے دوا سپورٹس کار میں چوری کی تھیں تاکہ اس دوران پہاڑی علاقے میں ایک دوسرے کے ساتھ رہیں لگا کر اپنا شوق پورا کر سکیں۔

دونوں کار میں کافی دنوں سے گیراج میں بند تھیں مگر اب ہارڈی کی اور راہن کے درمیان ایک بار پھر ٹھن کی تھی۔ وہ دونوں ایک دوسرے کی برتری تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں تھے۔ اس لیے ایک بار پھر رہیں لگانے کا اعادہ کے بیٹھے تھے اور پھر مینی کی وجہ سے بات ان کی اتار پر بھی آ گئی تھی۔

مینی نے بھی دونوں میں مصابحتی کردار ادا کرنے کے بجائے طبعی پر تیل چھڑکنے والا کام کیا تھا اور لی مون کے لیے یہ بات باعث حیرت تھی۔ وہ مینی کا عجیب رویہ دیکھ نہیں پایا تھا۔ اس کا یہ رویہ اس کے سابقہ کردار کے بالکل برعکس تھا۔

شاید میکارٹو کی موت اور اس واردات کی وجہ سے ان سب کے اعصاب سچ گئے تھے اور مینی کا راہن اور ہارڈی میں کار رہیں کا مقابلہ کروانے کا بھی یہی مقصد تھا کہ اس طرح انہیں تھوڑی سی تفریح میسر آجانی اور وہ اعصابی طور پر پرسکون ہو جاتے۔ لی مون فوری طور پر مینی کے موجودہ رویے کا بھی تجزیہ کر پایا۔

اپنی پہاڑی رہائش گاہ پر پہنچتے ہی لی مون نے سب کے لیے کافی تیار کی اور پھر دو سب کرسیوں پر بیٹھ کر کافی کی چکیاں لینے لگے۔ راہن نے چڑے کی کھلی کو کھول کر سامنے موجود بجلی پر البت دیا۔ سونے کے دو قدیم تاریکی کے اب ان کی نگاہوں کے سامنے تھے۔ مینی کا پلان کامیابی سے اہلکار ہوا تھا۔ بس انہیں اپنا دیرینہ ساتھی میکارٹو کھونا پڑا تھا۔ تاہم یہ بھی حقیقت تھی کہ کسی کو بھی میکارٹو کی موت پر کوئی خاص انہوس نہ تھا۔ اپنے جارحانہ اور برتر رویے کی وجہ سے میکارٹو بہت پہلے ہی ان کے لیے ناقابل برداشت ہو چکا تھا۔ لی مون کے علاوہ کسی کو ڈرا بھی دکھ نہیں تھا۔ بلکہ راہن اور ہارڈی تو دل ہی دل میں خوش تھے۔ میکارٹو کی موت سے ان کے حصے میں بھی امانت ہو گیا تھا جبکہ اس کے راستے سے ہٹ جانے کی وجہ سے مینی کو حاصل کرنا بھی آسان ہو گیا تھا۔

لی مون نے بھی کچھ رات سے یہ محسوس کیا تھا کہ



روپ اس کے لیے نیا اور انوکھا تھا۔

”یہ تم کیا کہہ رہی ہو سیک؟“ اس نے تحیر لہجے میں کہا۔

”دیکھو راین۔“ سیک نے اس پاس کا جائزہ لیا اور پھر کسی کون یا کرا کے کی طرف جھٹکتے ہوئے بولی۔ ”میں تمہیں اپنا جیون سناچی بنا تا چاہتی ہوں مگر مجھے بزدل اور ڈر پوک مرد بالکل پسند نہیں ہیں۔“

”میں بزدل نہیں ہوں۔ چاہو تو آزما کر دیکھ لو۔“ راین نے جو شیلے لہجے میں دعویٰ کیا۔

”تو پھر میری بات غور سے سنو، میکاٹو سر چکا ہے۔ سونے کے سکوں میں سے ایک مجھے داکم ہو چکا ہے۔“ سیک نے میز پر پڑے سکوں کو دوبارہ چھلی میں ڈالتے ہوئے سرد اور سپاٹ لہجے میں کہا۔ ”میں چاہتی ہوں کہ ایک مجھے داکم اور کم ہو جائے۔ میری مراد ہارڈی سے ہے۔ اس وقت تمہارے پاس اسے راستے سے ہٹانے کا بہترین موقع بھی ہے۔“

”ہارڈی سے میری بہت پرانی دوستی ہے۔ ہم دونوں کارمیں کے بہت پرانے کھلاڑی ہیں اور ہمارا تعلق اسی وقت سے قائم ہے۔ اگرچہ ہماری دوستی میں کئی تشب و فراز آئے مگر اس کے باوجود دوستی کا رشتہ قائم رہا۔ میرے لیے اسے مارنے کا فیصلہ آسان نہیں ہوگا۔“ راین نے متذبذب لہجے میں کہا۔

”میں نے پہلے بھی کہا ہے کہ مجھے بزدل مرد پسند نہیں ہیں۔ میں کسی ایسے شخص کے ساتھ زندگی گزارنا چاہتی ہوں جو ہر اُت مند اور با حوصلہ ہونے کے ساتھ ساتھ قوت فیصلہ اور خود اعتمادی کی دولت سے مالا مال ہو اور مجھے لگتا ہے تم میں ایسی کوئی خوبی موجود نہیں ہے۔“ سیک کے استہزا ایسے لہجے سے راین کا چہرہ مشتعل تھا۔ سیک نے براہ راست اس کی اتار پر ضرب لگائی تھی اور وہ اپنی اتار کے معاملے پر کوئی سمجھوتا کرنے پر آمادہ نہیں تھا۔

”تم نے کہا کہ میرے پاس ہارڈی کو راستے سے ہٹانے کا بہترین موقع ہے۔“ راین غیر رضامند لہجے میں بولا۔ ”میرے پاس تو اسے ختم کرنے کے لیے کوئی آہنی ہتھیار بھی موجود نہیں ہے۔ ہتھیار کی ہتھیار کے اسے ختم کرنا مشکل ہوگا۔“

”تم ایک دفعہ اسے راستے سے ہٹانے کا محکم ارادہ تو کرو۔ میں بتاؤں گی کہ اسے راستے سے کیسے ہٹایا جاسکتا ہے۔“ سیک نے پُر زور لہجے میں کہا۔

”وہں گا۔“

”اوکے، کل فیصلہ ہو جائے گا کہ تم دونوں میں کون زیادہ بھڑا رہو کر سکتا ہے۔“ سیک نے پُر خیال لہجے میں کہا۔ ”وہیے کیا یکن میں بیٹ ہو جا کا کوئی انتظام نہیں ہے یا آج رات جھل کانی سے ہی گزارا کرنا ہوگا۔ مجھے بھوک لگ رہی ہے۔“

”بھوک تو مجھے بھی ستا رہی ہے۔“ ہارڈی جو راین کے ساتھ والی کرسی پر براجمان تھا۔ بیٹ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولا۔ ”وہیے کی مون کے ہاتھ کا ہٹا کچھ مل جائے تو بہت مزہ آئے گا۔“

”تم جانتے ہو کہ میں نے تم میں سے کسی کی فرمائش پر بھی سماعت نہیں بنایا لیکن سیک کی خاطر مجھے آج تمہاری بات ماننی ہی پڑے گی۔“ کی مون کرسی سے اٹھ کر یکن کی جانب بڑھ گیا۔

”کوئی آج تو مزے کا کھانا ملے گا۔“ ہارڈی اچھے ہوئے بولا۔ اور پھر اسے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔ شاید وہ دانش روم گیا تھا یا اسے کمرے میں کوئی کام تھا۔

”ڈرائنگ روم میں اب سیک اور راین تھا تھے۔ سیک راین کو ابشارہ دے رہی تھی۔ اب بات کو آگے بڑھانا ضروری ہو گیا تھا۔ سیک نے اسے سا مل پر بٹھاتے ہوئے اپنے مستقبل کے بارے میں کہا تھا کہ اگر راین جیسا کوئی شخص اسے پروپوز کرے گا تو وہ شادی سے انکار نہیں کرے گی۔

”سیکی اتم نے کہا تھا کہ اگر میرے جیسا کوئی شخص تمہیں پروپوز کرے گا تو تم انکار نہیں کرو گی۔“ راین نے سیک کو تہہ پاتے ہی دل کی بات زبان پر لاتے ہوئے کہا۔

”میں نے غصہ کیا تھا راین۔ اب ہمارے پاس ان سکوں کو فروخت کرنے کے بعد اتنی رقم ہوگی کہ ہمیں دوبارہ کسی واردات کی ضرورت نہیں ہوگی۔ میں اب جرم کی دنیا سے دور اپنی ایک الگ دنیا بسانا چاہتی ہوں لیکن۔“ سیک اتنا کہہ کر خاموش ہو گئی۔

”لیکن کیا؟“ راین نے بے چین لہجے میں پوچھا۔ ”لیکن کیا ہارڈی کو حصہ دینا ضروری ہے۔“ سیک کے الفاظ نے راین کو چوکا دیا۔

”تم مجھے سے کھل کر بات کرو۔“ اس نے تیز لہجے میں کہا۔ ”ہارڈی اپنے حصے سے کسی صورت بھی دستبردار نہیں ہو گا۔“

”صرف اس صورت میں جب وہ زندہ رہے گا۔“ سیک کے لہجے کی سفاکی نے راین کو ششدر کر دیا۔ سیک کا یہ

کی شناخت ہو سکتی تھی۔ واردات کے وقت وہ موہاں فون ساتھ لے کر ہی نہیں گیا تھا۔ پولیس کو اس کی شناخت کے لیے کوئی سراغ نہیں مل سکتا گا۔ میں ڈرامیکارٹو کے کمرے کا جائزہ لے لوں۔“ یہ کہتے ہوئے سیک اچھ کر ایک جانب بڑھ گئی جبکہ ان تینوں نے اطمینان بھرے انداز میں سر ہلا دیا۔ سیک کی وضاحت نے انہیں یہ یاد کرادیا تھا کہ پولیس کے پاس کوئی ایسا کلیو نہیں جس کی مدد سے وہ ان تک پہنچ پائی۔

”میکارٹو کے کمرے میں ہر شے بے ترتیبی سے بکھری ہوئی ہے۔“ سیک کچھ ہی دیر میں واپس آکر نامواری سے بولی۔ ”ملیقہ مندی اسے بھی چھو کر بھی نہیں گزری۔ بس میرے سامنے ہی با اخلاق بنارہا تھا۔“

”میکارٹو اب قصہ پارینہ بن چکا۔“ کی مون نے جواب دیا۔ ”وہیے ان قیمتی سکوں کو چوری کرنے میں سب سے اہم کردار اسی کا تھا۔ اسوں وہ اپنی محنت کا ثمر حاصل نہیں کر سکا۔“

”مگر یہ راین اور ہارڈی کہاں چلے گئے ہیں۔“ سیک نے کی مون کی بات کو سن کر اس کی طرف سے ہونے پوچھا۔ وہ راین اور ہارڈی کو کبھی کی مون کے ساتھ کرسیوں پر چھوڑ کر گئی تھی۔ تاہم اب وہ دونوں وہاں موجود نہیں تھے۔ ”وہ دونوں بلا کے اپنا پرست واقع ہوئے ہیں۔“ کی مون نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

”وہ اب ایک دوسرے سے مقابلہ کیے بغیر باز نہیں آئیں گے۔ انہوں نے اپنی اسپورٹس کاریں روڈ پر بکھری کر دی ہیں تاکہ میرے ساتھ سامنے اچھی ڈرائیونگ کی مہارت کا مظاہرہ کر سکیں۔“ کی مون نے ابھی بات ختم کی تھی کہ باہر گاڑیوں کے انجنوں کی پریشور آواز کوٹھنے لگی۔ دونوں گاڑیاں کانی دونوں سے گیرا ج میں بھر گئیں۔ اس لیے راین اور ہارڈی انجن کو گرم کرنے میں مصروف تھے۔

سیک کے سامنے وہ فیصلہ کن دیریں لگانے والے تھے۔ ہارنے والے کا سر ہمیشہ کے لیے نیچا ہو جاتا۔ سیک خاموشی سے کی مون کے سامنے موجود کرسی پر بیٹھ گئی۔ اس کے چہرے پر اس وقت ٹھنڈی کال جا لیا پھیلا ہوا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ کسی گہری سوچ میں غرق ہو گئی تھی۔ اسی لمحے راین اور ہارڈی اندر داخل ہوئے۔

”ہم نے دونوں کاریں بالکل برابر سڑک کے درمیان بکھری کر دی ہیں۔“ راین کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ ”کل میں تمہاری نگاہوں کے سامنے ہارڈی کو کلکسٹ فاش اور ہارڈی این اسے بھی موجود نہیں۔ ورنہ ان کی مدد سے اس

میں اس میں کچھ نہ کچھ دلچسپی لے رہی ہے۔ وہ دودھ پینا بچہ نہ تھا کہ سیک کے چہرے پر اپنے لیے دلچسپی کے تاثرات محسوس نہ کر پاتا۔ اس سے پہلے میکارٹو راین اور ہارڈی بھی اس بات کا دعویٰ کر چکے تھے کہ سیک ان میں دلچسپی لے رہی ہے۔ تاہم سیک کی اپنی بابت پسندیدگی محسوس کرنے کے بعد اسے لگنے لگا تھا کہ شاید ان تینوں کو کوئی غلطی ہوئی تھی۔ سیک نے کل اس سے مصافحہ کرتے وقت جس طرح اس کا ہاتھ دوہنی انداز میں دبا کر چھوڑا تھا یہ ایک واضح اشارہ تھا۔

”ان سکوں کو فروخت کرنے کا مرحلہ ابھی باقی ہے۔“ سیک کی آواز نے کی مون کو خیالات کی دنیا سے باہر نکلتے پر مجبور کر دیا۔

”مگر یہ کام زیادہ مشکل نہیں ہے تاہم ہمیں اس کے لیے تین چار ماہ تک انتظار کرنا ہوگا۔“ ”مگر اس وقت تک یہ قیمتی سکے کہاں رکھے جائیں گے؟“ ہارڈی نے سوال کیا۔

”یہ سکے اس وقت تک تمہارے پاس ہی رہیں گے۔ مجھے تم تینوں پر پورا بھروسہ ہے۔“ اس نے کہا تو ہارڈی کے ساتھ ساتھ راین اور کی مون کا چہرہ بھی چل اٹھا۔

”ہم تمہارے اعتبار کو کبھی نہیں پہنچا سکیں گے۔“ راین نے غصیلی لہجے میں سیک کو دیکھتے ہوئے کہا۔

”اوکے مگر یہ تو بتاؤ کہ میں آج رات کہاں سوؤں گی؟“ سیک نے کہا۔ ”میکارٹو کے کمرے میں۔“ کی مون نے جواب دیا۔ ”اس گھر میں ڈرائنگ روم اور یکن کے علاوہ دو ہی کمرے ہیں۔ ایک میں ہم تینوں سو جائیں گے اور دوسرے میں تم سو جانا۔“ وہیے کیا تم میوزیم جاؤ گی؟“

”ہاں، میں اپنی ڈیوٹی جاری رکھوں گی۔ میرا اچانک نوکری چھوڑ کر چلے جانا میوزیم انتظامیہ کو شکوک کر سکتا ہے۔ دیے مجھے یقین ہے کہ ان سکوں کی چوری پر میوزیم کے کسی ملازم پر شک نہیں کیا جاسکتا کیونکہ جتنی جانب میکارٹو کی لاش کے ٹکڑے ملنے کی صورت میں پولیس اس واردات کو بھی میوزیم سے نوادرات چوری کرنے والے کسی گروپ کا کارنامہ قرار دے گی اور پھر میکارٹو کو بطور میکارٹو کسی صورت شناخت نہیں کیا جاسکے گا اس لیے ہمیں کوئی خطرہ نہیں ہے۔ میکارٹو بھی پولیس کی گرفت میں نہیں آتا تھا۔ اس لیے پولیس دیکارٹو میں اس کے فٹپر پرنٹس اور ڈی این اسے بھی موجود نہیں۔ ورنہ ان کی مدد سے اس



☆ خاموشی اختیار کر کے دوسروں کی نگاہوں میں احمق بننا خاموشی کو تو ذکر حیات کا ثبوت دینے سے بہتر ہے۔

☆ سردست فیصلہ شدہ امور کی دوسروں سے تائید کرانے کا نام مشورہ ہے۔

☆ جہودیت کی سادہ تعریف لوگوں کے ڈنڈوں کو لوگوں کے لیے پیٹھ پر توڑنا ہے۔

☆ نصیحت ایک احتیاطی فعل ہے بلکہ بسا اوقات مہلک بھی۔

☆ نصیحت کا بہترین مصرف یہ ہے کہ اسے سنو اور سن کر آگے بڑھادو۔

☆ دوست کی ناکامی پر مغوم ہونا اتنا دشوار نہیں جتنا اس کی کامیابی پر مسرور ہونا ہے۔

☆ اچھا لباس پہن کر اجنبی لوگ بھی مہذب کہلانے کا شرف حاصل کر لیتے ہیں۔

☆ بعض لوگ اپنی ابتدائی عمر زندگی کے آخری حصے کو ناخوشگوار بنانے میں صرف کرتے ہیں۔

☆ صرف ہم غلوں ہی ایک ایسی چیز ہے جس سے ہم اپنی شخصیتوں کو غفلت بخشتے ہیں۔

☆ اگر فیشن کی سرپرستی عورت نہ کرتی تو ہزاروں درزی بھوکے مر جاتے۔

آسکر وائلڈ

تھے۔ وہ غلوں کے ان لحاظات میں مہنگی کے ساتھ کچھ دیر محبت بھری باتیں کرنے کا خواباں تھا مگر مہنگی نے اسے اس کا موقع ہی نہیں دیا تھا۔ خیر محبت بھری باتیں کرنے کے لیے بڑی عمر بڑی ہے۔ مہنگی اس کا ساتھ بھانے کا عندیہ تو دے ہی چکی ہے۔ یہ سوچتا ہوا وہ ابھی اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔

بارڈی اور لی مون فینڈ میں منہمک تھے۔ راہین، بارڈی کے چہرے کو تنکا ہوا اپنے میز پر ڈھیر ہو گیا۔ وہ اپنا کام کر چکا تھا اور اب کل دیکھتا تھا کہ اس کا کیا نتیجہ ظاہر ہوتا ہے۔ ویسے اسے امید تھی کہ نتیجہ حسب توقع ہی ظاہر ہوگا۔ لی مون کا بنا ہوا لڑکھانہ راہین نے بھی پیٹ بھر کر کھایا تھا۔ اپنے کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے وہ خود پر جبر کر کے جاگتا رہا تھا مگر اب اس پر بھی نیند کا غلبہ طاری ہونے لگا تھا۔ کچھ ہی دیر میں وہ بھی گہری نیند سو

اسے اس وقت پاس بھی محسوس ہو رہی تھی اس لیے وہ پہلے بچن کی جانب بڑھ گیا۔ پانی پی کر وہ جیسے ہی واپس چلتا اپنے عقب میں مہنگی کو کھڑا دیکھ کر بے اختیار اچھل پڑا۔ وہ نہ جانے کب اپنے کمرے سے نکل کر وہاں پاؤں پھینکی ہوئی اس کے پیچھے آٹھری ہوئی تھی اور اسے یوں اچانک اپنے پیچھے کھڑے دیکھ کر راہین گھبرا کر اضطرابی رد عمل میں بے اختیار اچھل پڑا تھا۔

”مجھے یقین تھا کہ تم آؤ گے۔“ مہنگی دل آویز مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ ”مگر تجھے پاؤں آنے کی کیا ضرورت تھی؟“

”وہ دراصل میرے جوتے خاصی آواز پیدا کرتے ہیں۔“ راہین کھیلانے سے لہجے میں بولا۔ ”ویسے تو اس وقت باہر خاصی سردی ہوگی مگر میں سردی برداشت کرنے کا عادی ہوں۔ اس لیے اپنا کام کر لوں گا۔ مجھے بس دس منٹ کا وقت درکار ہے۔“

”تو پھر دیر مت کرو۔“ مہنگی سفید لہجے میں بولی۔

”میں اور وہ دیر گزرانی کرتی ہوں تاکہ اگر بارڈی اتفاقاً طور پر اٹھ کر کمرے سے باہر آئے تو ہمیں متنبہ کر سکیں۔“

”وہ گہری نیند سو رہا ہے۔ اتنی جلدی نہیں اٹھے گا۔ ویسے گزرانی کرنا بہتر ہے۔ بارڈی کو رات میں اٹھ کر پانی پینے کی عادت ہے۔“ راہین نے کہا اور پھر باہر کی جانب بڑھ گیا۔ اس کے پاس اپنی چرائی مٹی اسپورٹس کار کی ڈبلیکٹ چابی موجود تھی۔ اس نے کار نکال کر اپنے مطلب کے اوڑانگ لے اور پھر ساتھ کھڑی بارڈی کی کار کے نیچے گھس کر اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔ دس منٹ بعد جب وہ اندر داخل ہوا تو اپنا کام مکمل کر چکا تھا۔ اس نے بارڈی کی کار کے بریکس ٹیل کر دیے تھے اور وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ اگر بارڈی کی کار ایک دفعہ رفتار پکڑ لیتی تو بریکس ٹیل ہونے کی وجہ سے بارڈی کا اس پر خطر پہاڑی راستے پر پڑنا ناممکن ہو جاتا۔ مہنگی کو پانے کے جذبے نے آج اسے یہ

انتہائی قدم اٹھانے پر مجبور کر دیا تھا وہ اس سے پہلے اس نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ وہ بھی کسی انسانی جان لینے جیسا کوئی اقدام کر کر دے گا۔

مہنگی اب بھی بچن کے پاس ہی کھڑی تھی۔ راہین نے اس کی نیگلوں آنکھوں میں جھانکتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا تو مہنگی بھی حسیبی انداز میں سر ہلاتے ہوئے اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔ راہین خاموشی سے اسے جاتے دیکھتا رہا۔ اس کے چہرے پر بھی کسی مایوسی کے تاثرات

کہ اپنی دانست میں وہ بارڈی کو راستے سے ہٹانے کے سلسلے میں راہین کو رضامند کر چکی تھی۔

☆ ☆ ☆

لی مون کا بنایا ہوا کھانا بہت مزیدار تھا۔ کبھی بنے پیٹ بھر کر کھایا۔ کھانے کے دوران ایک دوسرے سے بھی مذاق بھی ہوتا رہا۔ لی مون اور راہین کی نوک جھوک پر مہنگی کھٹکھٹا کر ہنسنے لگی اور مہنگی کی میز پر مٹی کی تینوں کے کانوں میں دس گھونٹی رہی۔ ان کے سامنے میکارٹو کو مرے ابھی چند گھنٹوں سے زیادہ نہ ہوئے تھے مگر وہ سب مہنگی کے کمرے میں کھو کر گویا اسے بھلا بھی سمجھتے تھے۔

کھانے کے بعد ٹیبلٹوں پر غماز چڑھنے لگا تو سب نے سوئے کا فیصلہ کیا۔ مہنگی سب سے پہلے سوئے کی اجازت طلب کرتے ہوئے میکارٹو کے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔ تاہم جانے سے پہلے اس نے ایک دفعہ استفسار طلب لگا ہوں سے راہین کو ایسے دیکھا جیسے پوچھ رہی ہو کہ کیا وہ بارڈی کو راستے سے ہٹانے کے لیے اس کے ہٹائے ہوئے پلان پر عمل درآمد کرنے کے لیے تیار ہے؟ مہنگی نوادرات والی مہنگی بھی اپنے ساتھ کمرے میں لے گئی اور اس کی اس حرکت پر کوئی بھی معترض نہیں ہوا تھا۔ راہین دل ہی دل میں بارڈی کو مارنے پر آمادہ ہو چکا تھا۔ اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ آج رات سوئے لے ہی بارڈی کی کار کے بریکس ٹیل کر دے گا۔ اس کی اسپورٹس کار میں ایسے اوڑانگ موجود تھے جن کی مدد سے یہ کام آسانی سے کیا جاسکتا تھا۔

ان تینوں پر بھی نیند طاری ہو رہی تھی۔ وہ تینوں اپنے کمرے میں آگئے۔ ان کے کمرے میں بیڈ نہیں تھا۔ تینوں نے سوئے کے لیے میٹریس کا بندوبست کر رکھا تھا۔ لی مون اور بارڈی کچھ ہی دیر میں گہری نیند سو گئے جبکہ راہین خود پر جبر کر کے جاگتا رہا۔ اگرچہ اس پر بھی بار بار نیند کا غلبہ طاری ہوتا تھا۔ تاہم وہ اس حقیقت سے بخوبی آگاہ تھا کہ بارڈی کو مارنے کے پلان پر عمل درآمد رات کے وقت ہی ہو سکتا تھا۔ صبح سویرے ان کے درمیان ریس کا آغاز ہو جاتا اور بارڈی کی کار کے بریکس ٹیل کرنا بھی ناممکن ہو جاتا۔ اسے جو کچھ کرنا تھا ابھی کرنا تھا۔

وہ مزید کچھ دیر تک اسی طرح آنکھیں بند کیے لیٹا رہا اور جب اسے مکمل طور پر تسلی ہو گئی کہ لی مون اور بارڈی سو چکے ہیں تو وہ بے آواز طریقے سے اٹھ کھڑا ہوا۔ جوتے پہنے سے کھٹکا ہوا اس لیے وہ ننگے پاؤں ہی کمرے سے باہر نکل آیا۔ وہ جل بھی دے پاؤں رہا تھا۔

”ٹھیک ہے تو پھر بتاؤ کہ میں اسے راستے سے کسے ہٹاؤں۔“ راہین نے اس بار رضامند ہوتے ہوئے کہا۔ مہنگی کو پالینے کے تصور نے اسے بارڈی کی برسوں پرانی رفاقت اور دوستی کو بھولنے پر مجبور کر دیا تھا۔

”کل تم دونوں کا روزانے کا مقابلہ کرنے والے ہو۔ تمہارے لیے یہ کوئی نئی بات یا انہونی نہیں ہے۔ مگر کل ایک انہونی ہو سکتی ہے اور وہ یہ کہ بارڈی کی کار ایک کلومیٹر آگے سڑک کا سب سے خطرناک موڑ لیتے ہوئے الٹ کر جمیل میں جا گرے۔ تمہیں بس آج رات اس کی کار کے بریکس ٹیل کرنا ہے اور تم یہ کام آسانی سے کر سکتے ہو۔“

”دونوں کاریں سڑک پر اس پوزیشن میں کھڑی ہیں کہ فوراً ہی تم دونوں کے درمیان ریس کا آغاز ہو جائے گا۔ پہاڑی سڑک پر پہلا سٹوڑ ایک کلومیٹر آگے آتا ہے۔ اس موڑ کے قریب پہنچ کر ہی بریک لگانے کی نوبت آئے گی تب بارڈی کو غم ہوگا کہ اس کی کار کے بریکس ٹیل ہو چکے ہیں مگر اس وقت اس کی کار ابھی رفتار پکڑ چکی ہوگی کہ وہ اتنی تیز رفتاری سے سڑک پر ہونے لے سکے گا۔ نتیجتاً اس کی کار ہزاروں فٹ نیچے موجود جمیل میں جا گرے گی۔ اس پہاڑی علاقے کے اس حصے پر کوئی دوسرا گھر بھی واقع نہیں ہے۔ اس جگہ کا رخ لوگ شاید نادری کرتے ہیں۔ اس لیے اس حادثے کا ظلم بھی کسی کو نہیں ہوگا۔ بارڈی کی کار اس گہری جمیل میں ہمیشہ کے لیے گم ہو جائے گی۔ وہ جمیل ہی اس کی قبر بنے گی۔ ریس لگاتے وقت تم بھی اپنی کار فٹ اسپینڈ پر بھاگ آگے تاکہ اسے آخری وقت تک ٹھک نہ ہو۔“

”مگر لی مون کا کیا کریں گے؟“ راہین پر سوچ لہجے میں بولا۔ ”لی مون بہت حساس اور ذریعہ طبیعت کا مالک ہے۔ وہ پہلے ہی میکارٹو کی موت پر خاصا غم زدہ ہے، بارڈی کو مارنے پر شاید اعتراض کرے گا۔“

”بے وقوفوں جیسی باتیں نہ کرو۔“ مہنگی راہین کو باقاعدہ ڈانٹتے ہوئے بولی۔ ”لی مون کو کیسے معلوم ہوگا کہ تم نے بارڈی کی کار کے بریکس ٹیل کیے ہیں۔ وہ اسے ایک حادثہ سمجھے گا۔ اتنی تیز رفتاری سے کار چلاتے ہوئے کسی سنگین حادثے کا درنا ہو جانا کوئی عجیب بات نہیں ہے۔ اسے شک نہیں ہوگا۔ بہتر ہے کہ سوئے دیکھتے ہی بارڈی کی اسپورٹس کار کے بریکس ٹیل کرنے کا کام سرانجام دے دو۔“ مہنگی شاید مزید کچھ کہنا چاہتی تھی مگر اس لیے بارڈی کمرے سے برآمد ہوا تو وہ خاموش ہو گئی۔ تاہم اس کے چہرے پر اطمینان کے تاثرات موجود تھے۔ شاید اس لیے



☆☆☆

رات کو قدرے دیر سے سونے کی وجہ سے صبح راتیں  
کی آکھ بھی دیر سے کھلی۔ اس نے اپنی رست و اجازت و  
لیا سائزھے آٹھ بجے کا وقت تھا۔ لی مون اور ہاروی کمرے  
میں موجود نہیں تھے۔ اس نے آٹھ کمرے جاتے پہنچے، واش روم  
میں منہ ہاتھ دھویا اور پھر کمرے سے باہر نکل آیا۔  
ڈرائنگ روم کی ٹیبل کے آس پاس لی مون، ہاروی  
اور میک کا کافی سے لطف اندوز ہورہے تھے۔

”کیا بات ہے راجن آج ذرا سے اٹھے ہو، کہیں طبیعت تو خراب نہیں ہوئی؟“ لی مون نے اسے دیکھتے ہی کہا۔

ہے۔ "ہارڈی نے فقیرہ کسا تولی مون اور سب کھلکھلا کر ہنس پڑے۔"

”تو آنے والا وقت ہی بنائے گا کہ کون ہارے گا اور کون فتح یاب ہوگا۔“ راہن نے مسکمی کی طرف دیکھتے ہوئے ذومعنی الفاظ میں کہا تو مسکمی سر جھکاتے ہوئے دھیرے سے مسکرا دی۔ راہن کے ذومعنی الفاظ کا مطلب صرف وہی سمجھ جاتی تھی۔

پوزیشن میں کھڑی ہیں کیوں تاہم یہ وقت ضائع کیے بغیر ابھی فیصلہ کر لیا جائے۔" ہارڈی نے پیچھے ہٹ کر لپٹے ہوئے "ارے اسے ناشا تو کر لینے دو؟" کی مومن نے مسکراتے ہوئے گفتگو میں دخل اندازی کی۔

میں نے بھی ہنگاموں میں حصہ ڈالنے سے انکار کر دیا۔  
 ”میرے خیال میں ہارڈی ٹھیک ہی کہہ رہا ہے۔“  
 ”میں بھی ہنگاموں میں حصہ ڈالنے سے انکار کر دیتی ہوں۔“  
 ”جنگ یاد رکھنا آج میں کسی بے ایمانی نہیں چلتے  
 دوں گی۔ اس ریس کی منتہی کے فرائض میں خود انجام دوں  
 گی۔“

ہوئے کہا۔ ”ہارڈی کی غلط فہمی جتنی جلدی دور ہو جائے اتنا ہی اچھا ہے۔ میرے خیال میں ہمیں فی الفور باہر کا رخ کرنا چاہیے۔“

رکھتے ہوئے بولی۔ ”میکل کی بے چینی دیکھتے ہوئے کی سون اور ہارڈی بھی اپنے کپ نیبل پر رکھتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔“

کچھ ہی دیر میں میدان لگ چکا تھا۔ وہ سب گھر کے سامنے موجود تھے۔ ہارڈی اور رابن اپنی اپنی اسپورٹس کاروں کی ڈرائیونگ سیٹس پر براجمان ہوئے۔ انہوں نے اپنی عادت اور معمول کے مطابق اپنے اپنے موبائلز فون سے ہیلز فون اور مانک فلک کرتے ہوئے آپس میں رابطہ کر لیا تھا۔ اب وہ گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے بھی ایک دوسرے سے بات چیت کر سکتے تھے۔ ریسن لگاتے وقت ایک دوسرے پر فخرے کئے بغیر انہیں ریس کا مزہ ہی نہیں آتا تھا۔

ایک کپڑا اٹھائے گا ریس اسٹارٹ کرنے کا اشارہ دینے کے لیے ان کی کاروں کے پاس پوزیشن لے چکی تھی۔

ہارڈی اور رامین نے سیلف ہارڈ کر اپنی کاروں کو اسٹارٹ کر لیا تھا۔ اب وہ رامین اور جی کو بیک وقت وپاکر گاڑی کے انجن گرم کر رہے تھے۔

”راہن گیم کھلت کھانے کے لیے تیار ہو؟“ اس کے بیٹنوں میں ہارڈی کی آواز گونجی تو اس کے چہرے پر بے اختیار ایک طنزیہ مسکراہٹ بکھرنی چلی گئی۔

راہن نے دل ہی دل میں کہا اور پھر بولا، "ابھی کچھ ہی دیر میں تم میرے سامنے سر جھکا کر کھڑے ہو گے۔"

جواب دیا۔ ”سکیل ریس شروع کرنے کا اشارہ کر رہی ہے۔ پھر نہ کہنا کہ میں نے پہلے گاڑی روزاوی۔“

”او کے تو پھر تیار ہو جاؤ۔“ رائی نے بھی ریڑھی ہوتے ہوئے کہا۔

آخری بار اشارہ کیا اور پھر اپنے ہاتھ میں موجود کپڑے کو قضا میں بلند کر لیا۔

ہارڈی اور رابن ہوٹ جیسے اس کے قائل اشارے کے منتظر تھے اور پھر جیسے ہی میٹل نے کپڑا نیچے کیا۔ ان دونوں نے ایک وقت ایسٹریلیر پر اچھے پاؤں کا رباؤڈ والا دونوں اسپورٹس کار میں سوپ سے نکلے ہوئے گولے کے ہاتھ آگے بڑھیں۔

راہن نے بھی اپنی کارگوئل اسپینڈ پر چمکانا شروع کر دیا تھا۔ اس کا مقصد ہارڈی کو بھی ایسا کرنے کی ترغیب دینا تھا۔ وہ ایک ماہر اور تجربہ کار ڈرائیور تھا اور اس حقیقت سے

خوبی آگاہ تھا کہ اگر اس پہاڑی سڑک پر ہارڈی کی کار ایک بار رفتار بگڑ لیتی تو پھر بریکس فیل ہونے کی وجہ سے اس کا زندہ بچنا ناممکن ہو جاتا۔

سڑک پر پہلا اور انتہائی خطرناک موٹر ایک کلو میٹر دوری پر واقع تھا اور راجن وہاں تک اپنی کار کو بارڈی کی کار کے ساتھ ساتھ ہی چمکائے چلا جا رہا تھا جیسے ہی وہ اس خطرناک موٹر کے پاس پہنچا اس نے ایک میٹر سے بائیں ہٹا لیا۔ اس کی کار کی رفتار میں ایسا کرنے سے معمولی کمی واقع ہوئی اور بارڈی کی کار تیزی سے آگے نکلنے چلی گئی۔

”تم ہارنے والے ہو۔“ جیسے ہی ہارڈی کی کار آگے نکلی رابن کے ہینڈ فون پر اس کی پُر جوش آواز ابھری۔

”تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ میں واقعی ہارنے والا ہوں۔“

”تم جیتنا چاہتا ہو؟“

”جیتنا چاہتا ہوں کہ تم ہارنے والے ہو۔“ رابن نے طنز یہ لہجہ میں کہا۔

”کیا مطلب؟“ ہارڈی نے حیرت زدہ لہجے میں پوچھا۔ وہ اپنی کار سمیت راتین سے کافی آگے نکل چکا تھا۔

بریکس فٹس ہیں۔ تمہارے زور و بھجپے کے امکانات بالکل معدوم ہو چکے ہیں۔ میسکی کی ایما پر ریش نے رات کو تمہاری کار کے بریکس کھل کر دیے تھے۔ مجھے معاف کر دینا میرے دوست، میسکی کو حاصل کرنے کے لیے تمہاری قربانی ضروری تھی۔“ رامین نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

اس کی بات سن کر دوسری جانب لمحہ بھر کے لیے سکوت طاری ہو گیا۔ شاید بارڈر کی صورت حال کی سنگینی کا اور اراک کرنے میں کچھ لمحے لگے تھے مگر پھر چند ثانیوں بعد ہی اس کی چیخ ہوئی آواز ابھری۔

”میکل کے کہنے پر تو میں نے بھی تمہاری کار کے بریکس فیل کر دیے تھے۔ رات کے پچھلے پہر وہ میرے کمرے میں آئی تھی اور مجھے جگانے کے بعد باہر لے گئی تھی۔ تم اور لی مون اس وقت گہری نیند سو رہے تھے۔ میکل نے مجھ سے اظہارِ محبت کیا تھا اور مجھے قائل کر لیا تھا کہ میں تمہیں راستے سے ہٹا دوں۔ میں نے اس کی ایما پر رات کو تمہاری کار کی بریکس فیل کر دیے تھے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ میکل نے ہم دونوں کے ساتھ ہی دھوکا کیا ہے۔ اس نے ہم دونوں کو چھوٹی محبت کا چھانا دے کر ایک دوسرے کے خلاف استعمال کیا ہے۔“

ہارڈی کے الفاظ راہن کے دل و دماغ پر کسی  
تھوڑے کی طرح برس رہے تھے۔ اسی لمحے اس نے

کتابخانه

بارڈی کی کار کوڑک کے سب سے خطرناک پہاڑی موڑ پر پہنچے دیکھا اور پھر اسٹ کر قلابازیاں کھاتے جھیل کی جانب مگرتے دیکھا۔ بارڈی کی کار چند تانیوں میں ہی اس کی نگاہوں کے سامنے سے غائب ہو چکی تھی اور اب شاید اس کی باری تھی۔ اس نے بخطراری رد عمل میں اپنی کار کے بریکس دبائے اور اس کے ساتھ ہی اس کا دماغ جھک سے اڑ گیا۔ بارڈی ٹھیک کبھر ہاتھ کر سکی تھی کہ ان دونوں کو ہی بے وقوف بنایا تھا۔ رابن کی کار کے بریکس بھی ٹپس تھے اور اس کی کار کی رفتار اب بھی خاصی تیز تھی۔ اس کا انجام بھی بارڈی سے مختلف نہیں ہوتا تھا۔ موت اس سے چند قدم کی دوری پر تھی۔ رابن کو زیادہ سوچنے کا موقع نہیں ملا چند تانیوں میں وہ بھی اس خطرناک پہاڑی موڑ پر پہنچ گیا۔ اس نے آخری چاروہ کار کے طور پر انتہائی تیزی اور پھر تپ سے اسپورٹس گاڑی کا لیور چمھاتے ہوئے وہ خطرناک موڑ مڑنا چاہا مگر ایکسپلریشن سے چر ہٹانے کے باوجود اس کی کار کی رفتار خاصی تیز تھی اور اتنی تیز رفتار میں اس طرح کا موڑ لینا ناممکن تھا۔ رابن کی کار بھی قلابازیاں کھاتی ہوئی ایک طرف موجود گہری جھیل میں جا گری اور اس کا ذوق موت کی سیاہ تازی میں ڈوبنا چلا گیا۔ اس کے ذہن میں آخری خیال یہی ابھرا کہ یہی بڑی چالاکی سے اسے اور بارڈی کو ایک دوسرے کے خلاف استعمال کیا تھا۔ اس کا مقصد ان دونوں کو راستے سے ہٹانا تھا اور وہ اپنے مقصد میں کامیاب رہی تھی۔

☆☆☆

”داغشوروں نے عورت کے چہرے کو کتاب نسواں کا نام دیا ہے۔ عورت کا چہرہ بالکل کھلی کتاب کی طرح ہوتا ہے جو چاہے پڑھ لے۔ حالانکہ میں خاصا کندہ و کفن و آرایش ہوا ہوں مگر اس کے باوجود تمہارے چہرے کے تاثرات سے یہ اندازہ لگا سکتا ہوں کہ تمہیں مجھ سے محبت ہوگئی ہے۔“ لی مون نے کافی کا کھونٹ لیتے ہوئے سانسے بھی مٹکی کو مخاطب کیا۔ اگرچہ وہ ایک کپ کافی پہلے بھی پی چکا تھا مگر مٹکی نے اپنے ہاتھوں سے اس کے اور اپنے لیے کافی تیار کی تھی پھر وہ بھلا انکار کیسے کر سکتا تھا۔ ہارڈی اور رابن کی کاروں کے پھیل میں گرنے کے بعد وہ دونوں گھر کے اندر آچکے تھے اور کرسیوں پر براجمان ہو کر کافی سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ جب ہارڈی اور رابن کی کار میں حادثے کا شکار ہوئیں تو لی مون نے انہیں واضح طور پر پھیل میں گرتے دیکھا تھا۔ اگرچہ یہ حادثہ ان کی برائش گاہ سے ایک کلومیٹر



دوری پر غصہ آیا تھا تاہم ان کا گھر بلندی پر واقع تھا اس وجہ سے انہوں نے واضح طور پر سارا منظر دیکھا تھا۔ لی مون اچھی طرح سے جانتا تھا کہ اس پہاڑی سڑک اور نیچے موجود جمیل کے درمیان ہزاروں فٹ کا فاصلہ تھا۔ راتیں اور بارڈی کے زندہ بچنے کا سوال ایسا پیدا نہیں ہوتا تھا۔ جب یہ حادثہ رونما ہوا تو لی مون کے حلق سے خطر آری چیخ بلند ہوئی تھی۔

”یہ کیا ہو گیا؟“ اس نے تھیر لہجے میں چیخے ہوئے کہا۔

”میں نہیں جانتی۔“ مسکی نے معصومانہ لہجے میں جواب دیا۔ ”غالبا کوئی حادثہ رونما ہو گیا ہے۔“

”مگر راتیں اور بارڈی تو بہت ماہر ڈرائیور تھے پھر دونوں کاروں کا بیک وقت حادثے کا شکار ہونا ناممکن ہے۔“ لی مون ابھین آئین لہجے میں بولا۔

”ہمیشہ ماہر تیراک ہی گہرے پانی میں ڈوبتا ہے۔“ مسکی نے ناصحانہ لہجے میں کہا۔ ”شاید آج وہ دونوں میری وجہ سے خد میں آ گئے تھے اور انہوں نے ہر احتیاط بالائے طاق رکھ دی تھی مگر تو اس قدر سنگین حادثے سے دوچار ہو گئے۔ اب گھر سے ہوئے وقت کو وہاں تو نہیں لایا جاسکتا مگر کیا جمیل نہیں گنگا کرسمت میں موقع دے رہی ہے۔“

”کیا مطلب؟“ لی مون نے حیرت بھرے لہجے میں سوال کیا۔

”ہم دونوں کے سوا تمام حصے دار حادثاتی طور پر ختم ہو گئے۔ اب ہم دونوں کی زندگی کتنی حسین اور خوش گوار ہو گئی۔“ مسکی نیکھت اس کے قریب آ گئی۔ اس کے لب اب خاموش ہو گئے تھے مگر آنکھوں میں محبت اور چاہت کے جذبات بکھوڑے لے رہے تھے۔ وہ لی مون کے اتنا قریب آج سے پہلے بھی نہیں آئی تھی۔ اس کے جسم کی بھیجی بھیجی مہکاری لی مون کے جذبات کو مشتعل کر رہی تھی۔ مسکی کی نرم نرم زلفوں کی خوشبو اسے ایک عجیب سے سرور میں مبتلا کر رہی تھی۔

”لی مون مجھ سے شادی کر لو، میں اب مزید تمہارے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی۔“ مسکی نے اس کا ہاتھ تھامتا تو لی مون خوشی کے عالم میں چند تانیوں کے لیے بارڈی اور راتیں کی موت بھی بھول گیا۔ میکا رٹو، راتیں اور بارڈی کے ساتھ ساتھ مسکی اس کا بھی خواب تھی۔ میکا رٹو پہلے ہی مر چکا تھا اور اب راتیں اور بارڈی کی موت کے بعد یہ خواب پورا ہوتا نظر آ رہا تھا۔ گو یا بارڈی اور راتیں کی موت اس کے لیے ایک نئی

زندگی کی نوید لے کر آئی تھی۔

”مگر بارڈی اور راتیں کی گاڑیوں کو جمیل میں گرتے کسی نے تو دیکھا ہی ہو گا۔“ لی مون ہتھکڑا لہجے میں بولا۔

”اگر کسی نے پولیس کو بلا لیا تو ہم خواہ مخواہ چھٹس جا سکتے تھے۔“

”میرا خیال ہے کہ تمہارا یہ خدشہ بالکل بے جا ہے۔“ مسکی نے پھر خیال لہجے میں جواب دیا۔ ”اُس ویران پہاڑی علاقے میں تم جیسے خاندان بدوشوں کے سوا کوئی نہیں رہتا۔ باقاعدہ آبادی کا آغاز دو کلو میٹر نیچے ہوتا ہے۔ نیچے سے اوپر کی جانب کچھ دکھائی دیتا ناممکن ہے۔ میرا نہیں خیال کہ کسی نے اس حادثے کو دیکھا ہو گا مگر پھر بھی تمہارے خدشے کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ اس لیے ہمیں تمہاری کھانا دار کار پر یہاں سے نکل جانا چاہیے۔ شہر میں کچھ دن میرے ساتھ میرے گھر میں رہو، اس کے بعد اگلا لاکھ عمل لے کریں گے۔“

”مگر۔۔۔“ لی مون نے کچھ کہنا چاہا۔

”اگر مگر کچھ نہیں۔“ مسکی اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے بولی۔ ”اپنا ضروری سامان وغیرہ بیک کر لو یہاں مزید رہنا خطرے سے خالی نہیں۔ راتیں اور بارڈی کی موت کی وجہ سے میں سخت اعصابی و باؤ محسوس کر رہی ہوں۔ مجھے اس وقت کافی کی ضرورت ہے۔ کافی پی کر یہاں سے روانہ ہو جائیں گے۔“

”کافی میں بنا دیتا ہوں۔“ لی مون نے محبت بھرے لہجے میں کہا۔

”نہیں، تم اپنے پکڑے وغیرہ بیک کرو۔“ مسکی اسے اندر کی جانب کھینچتے ہوئے بولی تو وہ یوں کھینچا جاسکا جیسے اس کے ٹرائس میں آ گیا ہو۔

کچھ ہی دیر بعد وہ دونوں اندر بیٹھے کافی پی رہے تھے اور لی مون نے دانشوروں کا قول دہراتے ہوئے یہ دہائی کیا تھا کہ مسکی کو اس سے محبت ہو گئی ہے۔ لی مون اپنے پکڑوں کا سوت نہیں بھی پک کر چکا تھا جبکہ مسکی بھی کمرے سے سکوں کی تھیلی لے آئی تھی۔

”تم نے میرے چہرے سے بالکل درست اندازہ لگایا۔“ مسکی نے لگاؤٹ بھرے لہجے میں کہا۔ ”دراصل مجھے جامالی خدو خیال بہت پسند ہیں۔ میں پہلے دن سے ہی تم پر مرلی تھی مگر تمہیں ذرا دیر سے احساس ہوا۔“ بات کرتے ہوئے مسکی کا لہجہ شکوہ کناس ہو گیا۔

”دیر سے ہی ہوا مگر احساس تو ہوا۔“ لی مون خوشی

لہجے میں بولا۔ ”میرے خیال میں اب روانہ ہونا چاہیے۔ اس جگہ کو جلد از جلد چھوڑ دینا ہی بہتر ہے بلکہ ہمیں اس ملک کو چھوڑ کر کسی دوسرے ملک میں جا کر آباد ہونا چاہیے۔“

”یہ انتظام میں پہلے ہی کر چکی ہوں۔“ مسکی، لی مون کی ناک سے خون کی کچلی دھار بہتے دیکھ کر بولی۔

اپنی ناک سے خون کے بہنے کو لی مون بھی محسوس کر چکا تھا۔ اس نے اپنی ناک پر ہاتھ رکھ کر حیرت بھرے انداز میں ہاتھ پر لگے خون کو دیکھا۔

”اوسے یہ کیا ہوا؟“ وہ شاید کچھ اور بھی کہنا چاہتا تھا مگر اس کی زبان لٹکھڑا گئی۔ اس نے اپنی کمری سے اٹھنا چاہا مگر اسے ناکامی ہوئی۔ اسے ایسا محسوس ہوا جیسے اس کے جسم پر فوج کا ایک ہو گیا ہے۔ اس نے ایک بار پھر پورا زور لگا کر اٹھنا چاہا مگر ناک کام رہا۔

”تم خواہ زور لگا کر رہو۔“ مسکی کی سرد آواز اس کے کانوں میں گونجی۔ ”کافی میں ملائے گئے زہر نے اپنا اثر شروع کر دیا ہے۔ تمہارے پاس زیادہ سے زیادہ پانچ منٹ کی زندگی ہے۔“

لی مون نے پتھرائی ہوئی آنکھوں سے مسکی کی جانب دیکھا۔ زہر کے اثر سے اس کا جسم مفلوج ہو گیا تھا مگر سماعت اور دماغ ابھی کام کر رہے تھے۔

”مجھے تمہاری موت کا سب سے زیادہ افسوس ہوا ہے مگر کیا کیا جائے زندگی میں کچھ حاصل کرنے کے لیے انسان کو بے رحم بننا پڑتا ہے۔“ مسکی، لی مون کی حالت کا جائزہ لیتے ہوئے بولی۔ ”میں پہلے ہی فیصلہ کر چکی تھی کہ کوئی بڑا ہاتھ مارنے کے بعد سارا مال حاصل کرنے کے لیے تم سب کو ختم کر دوں گی مگر میں میکا رٹو کی اس خوبی سے خوف زدہ تھی کہ وہ کسی بھی پینے کی چیز کو سونک کر یہ اندازہ لگا لیتا تھا کہ اس میں کوئی نقصان دہ شے ملائی گئی ہے۔“

”اسی لیے میں نے میوزیم کی پچھت پر دانستہ خراب پراشوت رکھا تھا۔ میں جانتی تھی کہ پراشوت نہ کھلنے کی وجہ سے وہ میوزیم کے کچھنی جانب واقع خشک حصے میں جا گرے گا، اس طرح وہ بھی راستے سے ہٹ جائے گا اور قیمتی سکے بھی ہمیں حاصل ہو جائیں گے۔ میرا پلان سو فیصد کامیاب رہا۔ میکا رٹو راستے سے ہٹ گیا اور اب تم تینوں باقی تھے۔ میرا ارادہ تم تینوں کو ہی ایک ساتھ زہر دے کر مارنے کا تھا مگر راتیں اور بارڈی کی آپس کی خد سے میرے ذہن میں ایک نئے پلان کو جگہ دی اور میں نے راتیں کو اکسا یا کہ ریس سے پہلے بارڈی کی کار کے

کتاب نویسوں

بریکس فیل کر دے۔ رات کے پچھلے پہر میں نے بارڈی سے مل کر اسے بھی یہی کچھ کرنے پر اکسایا کہ وہ دونوں میری جھوٹی محبت کے جھانسنے میں آ گئے اور ہمیشہ کی ٹینڈ ہو گئے۔

اب تم باقی بچے تھے تو تمہیں مارنا سب سے آسان ثابت ہوا۔ اب میں تمہارا اس ساری دولت کی مالک ہوں۔ میں ان قیمتی سکوں سمیت اس ملک کو چھوڑنے کا بندوبست پہلے ہی کر چکی ہوں۔ شہر تک میں تمہاری کھانا دار کار پر ہی جاؤں گی۔ میں نے تم سے جھوٹ کہا تھا کہ میں میوزیم میں اپنی ملازمت جاری رکھوں گی۔

”میں زندگی میں کچھ بڑا حاصل کرنا چاہتی تھی۔ تم لوگوں سے پہلی ملاقات میں ہی مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ تم چاروں میرے کام آ سکتے ہو اسی لیے میں نے تمہارا اعتماد دیا اور تمہارے گروپ میں شامل ہوئی اور پھر میوزیم سے نو اور ات چوری کا پلان بناتے وقت تم سب کی موت کا پلان بھی بنا لیا۔ میرا پلان اگرچہ حالات و واقعات کے ساتھ کچھ تبدیلی سے دوچار ہوا لیکن بالآخر کامیاب رہا۔ اب میں جارہی ہوں ایک نئی زندگی کی شروعات کرنے۔“ یہ کہہ کر اس نے میز پر رکھی ہوئی سکوں سے بھری تھیلی اور لی مون کی کھانا دار کار کی چابی اٹھائی۔

لی مون ابھی زندہ تھا اور بے بسی سے مسکی کو دیکھ رہا تھا۔ تاہم وہ کوشش کے باوجود بولنے سے قاصر تھا۔

”تم مردوں کو عورتوں کا چہرہ پڑھنے کا بڑا دعویٰ ہے۔“ مسکی، لی مون کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولی۔ ”میں مرد دانشور نے عورت کے چہرے کو کتاب نسواں کا نام دیا ہے۔ ایک کھلی کتاب، جو چاہے پڑھ لے مگر حقیقت یہ ہے کہ مرد عورت کے چہرے سے وہی کچھ پڑھ پاتا ہے جو عورت اسے پڑھانا چاہتی ہے۔“ یہ کہتے ہوئے مسکی باہر کی جانب بڑھ گئی۔

لی مون گردن موڑ کر اسے جاتے ہوئے نہ دیکھ سکا۔ تاہم اس کے کانوں نے اپنی کھانا دار کار کے انبارٹ ہونے کی آواز سنی تھی۔ اس کا ذہن موت کی سیاہ تاریکیوں میں ڈوبنا چلا جا رہا تھا۔ تاہم اپنی زندگی کی آخری سانسوں میں وہ اس بات کا قائل ہو گیا تھا کہ اگرچہ دانشور نے عورت کے چہرے کو کتاب نسواں کا نام دیا ہے مگر مرد اس کتاب میں سے وہی کچھ پڑھ پاتا ہے جو عورت اسے پڑھانا چاہتی ہے ورنہ کتاب نسواں ایک ایسی خشک اور پر پتھر کتاب ہے جسے آج تک نہ کوئی پڑھ پایا نہ کوئی سمجھ پایا۔





## خوف

محمد حبان

کچھ چیزیں زندگی میں نہ چاہتے ہو تو یہی داخل ہو جاتی ہیں... ان میں عجیب و غریب... یہ بس کر دینے والی پراسرار طاقت چھپی ہوئی ہے... ایک سادہ معصوم لڑکی کی کتھا... جو ایک آئینے کے منہ پر انگیز طلسم کا شکار ہو چکی تھی... آئینہ ہر روز اسے ایک نئی چیز دکھاتا تھا...

سراب سے حقیقت تک سفر طے کرنے والی مظلوم لڑکی کا فسانہ عبرت...

لارا ایک پچیس سالہ خوبصورت لڑکی تھی۔ پچھلے ماہ ہی اس کی مگنی انیکس کے ساتھ ہوئی تھی جو کہ بینک میں کام کرتا تھا۔ وہ دونوں ایک دوسرے سے بہت پیار کرتے تھے۔ انہوں نے ہمیشہ ساتھ رہنے کی قسمیں کھائی تھیں۔ مگنی کے بعد وہ انیکس کے ساتھ ہی رہنے لگی تھی۔ وہ ایک ماڈرن اور بے باک لڑکی تھی۔ انیکس ایک آفیشل نوور پر شہر سے باہر گیا ہوا تھا اور اس کی واپسی مہینے کے آخر تک متوقع تھی۔ لارا ہر چھوٹی چھوٹی چیزوں میں دلچسپی لیتی تھی۔ اس کا

زیادہ تر وقت گھر کی تزئین و آرائش کے لیے ضروری چیزوں کی غرض سے گزر جاتا تھا۔ میک آپ اور شادی کے کارڈ کی پرنٹنگ تک کا کام وہی دیکھ رہی تھی کیونکہ انیکس برنس کے سلسلے میں دوبروں پر تھا تو سب اسے ہی کرنا تھا۔ تاہم وہ اس سے یور نہیں ہوتی تھی بلکہ اس کام کو مزے لے کر کرتی۔ وہ ان سب کاموں میں خوشی محسوس کرتی تھی۔

لارا نے اپنی شادی کی شاپنگ کے لیے اپنی دوستوں لٹا اور مصویر کو کال کی اور انہیں اپنے ساتھ چلنے کا کہا۔ وہ دونوں راضی ہوئیں تو ہیکس پر ایک شرط پر کہ لارا انہیں پیکر پارٹی دے گی۔ جس پر لارا نے رضامندی ظاہر کر دی۔ وقت اور مقام بھی فون پر طے کر دیا گیا۔

اس نے گاڑی نکالی اور ان کی جانب روانہ ہو گئی۔ راستے میں اس نے انیکس کو فون کیا اور اسے پیکر پارٹی کے بارے میں بتایا جو کہ وہ اپنی دوستوں کو دینے والی تھی۔ ان کے درمیان چند منٹ کی بات ہوئی۔ انیکس نے اسے اپنی کلائنٹ کے ساتھ میٹنگ کے بارے میں بھی بتایا کہ وہ کلائنٹ اس کے بینک میں سرمایہ کاری کے لیے رضامند ہو گیا ہے۔ انیکس بہت خوش تھا۔

وہ مصویر اور لٹا سے پلانٹیم مال میں جا کر ملی۔ وہاں پہلے انہوں نے بیوی ناردر جانے کا پروگرام بنایا۔ وہاں تقریباً دو گھنٹے گزارنے کے بعد وہ ایک چیز اکاؤنٹ میں لکھیں اور چلے گئیں۔ اس کے بعد وہ مال کی چوتھی منزل پر پہنچ گئیں جہاں پر شاپنگ کی شاندار اشیائیں تھیں۔ وہاں موجود سامان ان کی سوچ سے بھی زیادہ ہنگام تھا۔

”یہاں تو ہر چیز بہت مہنگی ہے؟“ لٹا نے کہا۔

”ہاں واقعی یہاں تو قیمتیں آسمان سے باتیں کر رہی ہیں۔“ لارا نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

”اس مال کی پچھلی طرف ایک ایگزیکٹو فرائیل گلی ہوئی ہے۔ کیوں نا وہاں چلیں۔“ مصویر نے تجویز دی۔

”ہاں ہاں چلو وہیں چلتے ہیں۔“ دونوں نے اثبات میں سر ہلایا۔

وہ لفٹ سے پتھر پہلی منزل پر آئیں اور پیدل چلتے ہوئے اس فرائیل میں پہنچ گئیں۔ وہاں پہنچ کر انہیں ایسا لگا جیسے وہ جنت میں آ گئی ہوں۔ وہاں ہاتھ سے بنی اشیائیں مصنوعی زیورات، نایاب، پرانے آئٹم اور موجود تھے۔ دلکش اشیائیں اور اچھی قیمت پر دستیاب تھیں۔ وہ وہاں آکر بہت پر جوش تھیں۔ دیر تک وہاں شاپنگ سے

لفٹ اندوز ہوتی رہیں۔ وہاں سے واپس جاتے ہوئے لارا کی نظر... قدیم اشیاء والی ایک دکان پر پڑی۔ مصویر اور لٹا اس گھر کے کھانے دوسری طرف چلی گئیں تو لارا اس کیلئے ہی اس دکان میں داخل ہو گئی۔ دکان میں چیزوں کو دیکھتے دیکھتے اس کی نظر دکاندار پر پڑی تو وہ ٹھٹھکی سی گئی۔

”میں مجھے کوئی وٹم ہو رہا ہے؟ کیا یہ ایک انسان کا چہرہ ہے۔“ لارا بڑبڑائی۔ اس نے دوبارہ اس کی جانب نظر دوڑائی تو اس کے رگ دپے میں خوف کی لہر دوڑ گئی۔ وہ اس دکان سے جلد سے جلد نکلتا چاہتی تھی۔ اسے وہاں خوف محسوس ہو رہا تھا۔ اس نے ایک لمبے آئینے (مرر) کو خریدنے کا ارادہ بنایا جو کہ ایک کونے میں رکھا ہوا تھا۔ اسے ایک کپڑے سے ڈھکا گیا تھا اور اس پر انگریزی کا ایک حرف F لکھا ہوا تھا۔

اس نے جب دکاندار سے اس آئینے کے بارے میں پوچھا تو اس نے اسے بیچنے سے انکار کر دیا۔

”کیوں؟ آپ اسے کیوں نہیں بیچنا چاہتے؟“ لارا نے حیرانی سے پوچھا۔

”میدم! یہ ایک خراب آئینہ ہے۔ اسے کچھ دن پہلے ہی ایک گاہک واپس کر گیا ہے۔ اس کا کہنا تھا کہ اس کی آنچ کو الٹی خراب ہے اور پھر عجیب سے نظر آتے ہیں۔“ دکاندار نے تفصیل سے بتایا۔

”میں پھر بھی اسے لینا چاہتی ہوں۔“ لارا بے رحمی سے دکاندار کو ٹھوڑا بہت تنگی کیا، وہ اسے بیچنا نہیں چاہتا تھا مگر وہ لارا کی ضد کے آگے مجبور ہو گیا اور اسے مناسب قیمت پر لارا کے حوالے کر دیا۔

لارا خوش تھی کہ اسے سستے داموں یہ آئینہ (مرر) مل گیا۔ اسے یہ بیڈروم کے لیے چاہیے تھا۔ اس لیے اور تھکا دینے والے دن کے بعد لارا اپنی دوستوں کے ساتھ شام کو اپنے گھر پہنچی۔ اس نے آئینہ اپنے بیڈروم میں لگا دیا۔ چونکہ وہ پورے دن کی محنت ہوئی تھی اسی لیے لیٹنے ہی ہو گئی۔

☆☆☆

صبح جب وہ جاگی تو اس کا جسم ٹوٹ رہا تھا۔ اس نے شاور لیا تب اس کی طبیعت سنبھلی۔ پھر اپنے لیے کافی کا ایک گلاس بنایا اور سستی کو بھگا دیا۔ کل فرائیل سے خریدے گئے میک آپ کے سامان کو اس نے سجایا۔ وہ بیڈروم کی لمبائی سے کپڑے نکالنے کے لیے مڑی تو اس لیے آئینے کے سامنے کھڑی ہو گئی۔ اس نے آئینے میں دیکھا کہ اس کے دائیں گال پر ایک پھل نکلا ہوا تھا۔ اس نے جب چہرے



پر اس جگہ کو چھو اتو وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ اس نے اس پر کوئی خاص توجہ نہ دی اور انکس کو کال کر کے اس سے باتوں میں مصروف ہو گئی۔ اس نے اسے پچھلے دن کا سارا احوال سنایا۔ اسے اس سستی فکری کے بارے میں بھی بتایا جہاں وہ لڑا اور مصوبر کے ساتھ تھی گئی۔

☆☆☆

اس سے چوتھے دن کی صبح جب وہ واش بیسن کے آئینے کے سامنے کھڑی برش کر رہی تھی تو اس نے دیکھا کہ اس کے چہرے پر ایک پھل سودار ہوا تھا۔ یہ بالکل اسی جگہ پر تھا جہاں پر اس لیے آئینے میں اسے دکھائی دیا تھا۔ اسے یہ تھوڑا عجیب سا لگا مگر وہ برش کرتی رہی۔ تاہم اس نے پھل والی جگہ پر ایک اسٹینسپیک کریم لگائی اور اپنے لیے کالے بنانے لگی۔

اس واقعے کے کچھ دنوں بعد جب وہ ایک دن اس آئینے کے سامنے کھڑی اپنے سنے کپڑوں کو چیک کر رہی تھی تو اس نے غور کیا کہ اس کی گردن پر ایک کٹ لگا ہوا ہے جس سے خون بہہ رہا تھا۔ اس نے نزدیک سے آئینے میں دیکھا تو جب بھی اس کی گردن پر ایک کٹ نظر آ رہا تھا اور اس سے خون نکل رہا تھا۔ لیکن جب اس نے اس جگہ کو چھوا تو وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ اس کی گردن بالکل صاف اور صحت سلامت تھی۔ لہذا اسے دوبارہ اس پر کوئی خاص توجہ نہ دی۔ وہ اسے آئینے کا نقش سمجھ کر نظر انداز کر گئی۔ اس نے اپنا لیپ ٹاپ کھولا اور کام میں مصروف ہو گئی۔

تھوڑی دیر بعد اس کا فون بجنا۔ اسکرین پر مصوبر کا نام چمکا رہا تھا۔

”ہیلو“

”ہائے۔ لارا کیسی ہو؟“

”میں ٹھیک ہوں۔ تم سناؤ۔“ لارا نے کہا۔  
”میں بھی ٹھیک..... اچھا میں نے تمہیں ایک ضروری بات کے لیے فون کیا تھا۔“ مصوبر نے کہا۔  
”ہاں۔ ہاں بولو کیا بات ہے۔“ لارا نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

”تمیں دن بعد میری شادی کی ساگر ہے۔ اسی سلسلے میں ہم ایک تقریب کا انعقاد کر رہے ہیں اور تمہیں اس میں ضرور شامل ہونا ہے۔“ مصوبر نے پرجوش انداز میں کہا۔  
”ہاں! ہاں میں ضرور آؤں گی۔“ لارا نے ہائی بھر لی۔

☆☆☆

چوتھے دن اسے مصوبر کے مگر فکشن میں جانا تھا۔ وہ اس کے لیے تیار ہونے لگی۔ اس نے اپنا بہترین سوٹ اور انکس کا مٹھی پر یا گیا انکس بھی زیب تن کیا۔ تیار ہو کر وہ باہر آئی اور کارنگالی۔ کار میں سوار ہو کر وہ مصوبر کے گھر کی جانب روانہ ہو گئی۔

وہ جب فکشن میں پہنچی تو لڑا وہاں پہلے ہی پہنچی ہوئی تھی۔ وہ تینوں آپس میں بیٹیں اور گپ شپ میں مصروف ہو گئیں۔ لڑا کو لارا کے انکس نے بہت متاثر کیا۔ پہلے وہ اسے دیکھ کر سحر ہو گئی پھر لڑا انکس کو چھو کر دیکھنے لگی۔ اس نے انکس کا ہلکے ہلکے کی کوشش کی تاکہ وہ اسے قریب سے دیکھ سکے۔ اسی کوشش میں اچانک انکس نے گردن سے رگڑ کھایا اور وہاں پر خون کی ایک لکیر چھوڑ گیا۔ زخم سے خون رسنے لگا۔ مصوبر نے جلدی سے خون روکنے کے لیے اپنا رومال استعمال کیا۔ اس نے رومال سے خون کو صاف کر دیا۔

☆☆☆

فکشن ختم ہونے کے بعد وہ گھر واپس آ گئی۔ کپڑے بدلنے وقت اس نے اپنے زخم کو غور سے دیکھا۔ یہ زخم بالکل اسی جگہ پر تھا جہاں اس نے آئینے میں دیکھا تھا۔ اس کے ذہن میں شک کا جھجکا ہوا تھا لیکن اس نے ان خیالات کو دماغ سے جھٹک دیا اور اسے ایک اتفاقی کچھ کر بھول گئی۔

اس نے اپنے لیے زخم چار کیا اور اس کے بعد انکس کو فون کر کے اس سے باتیں کرنے لگی۔ انکس نے اسے اپنے درے کی چٹائی پر لے آگیا اور ادھر ادھر کی باتیں کرنے کے بعد اس نے فون بند کر دیا۔ یہ تھوڑی دیر ٹی وی پر ٹیلی ویژن چلتی رہی اور پھر بورڈ پر ٹی وی بند کر دیا اور بستر پر جا کر لیٹ گئی۔

وہ اب سمجھ گئی تھی کہ ان سسے کا سیک کا بے پار کتنا خراب تھا۔ اور اسے یقین تھا کہ آئینے کی اچھ کوئی بھی ناقص ہے۔ اس سارے عرصہ میں اس کے دماغ میں جھڑپوں کی کوئی گھنٹی نہیں بجی۔ اس کی زندگی ٹائڈل ڈگر پر چلنے لگی۔ اس نے اپنی دوست کے ہاں جانے کا پروگرام بنایا۔ سنے کپڑے پہنے اور میک اپ کیا۔ تیار ہو کر ایک نظر خود کو دیکھنے کے لیے وہ آئینے کے سامنے کھڑی ہو گئی۔ لیکن وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ اس کے سر پر سفید بال جھلک رہے تھے اور ماتھے پر ایک کالا سا نشان بھی بنا ہوا تھا۔ بالوں کی تعداد کوئی 40 سے 50 کے درمیان رہی ہوگی مگر اتنے بال اسے پریشان کرنے کے لیے کافی تھے۔ اس نے اپنی آنکھوں کو لگا کر سارے آئینے میں صاف دکھائی دے رہا

تھا۔ اس نے جلدی سے واش بیسن کے چھوٹے شیشے کے سامنے کھڑے ہو کر اپنے آپ کو دیکھا تو اس کے سر پر کچھ نہیں تھا۔ شہری کوئی سفید بال اور نہ ہی کوئی نشان۔ اس نے چہرے کو کچھ طرح سے رگڑ کر دھویا اور دوبارہ چھوٹے شیشے میں دیکھا تو اب ایک وہ سفید بال دکھائی دے رہے تھے۔ وہ بھی شاید اس نے شیشہ کی وجہ سے ہو گئے ہوں گے جو اس نے لگا یا تھا مگر وہاں اب کوئی نشان نہیں تھا۔

لارا کو اب پریشانی ہونے لگی تھی کہ پتا نہیں اس کے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ اس کے دماغ میں طرح طرح کے خیالات جگہ بنانے لگے مگر اس نے ایک بار پھر انہیں دماغ سے جھٹک دیا۔

چوتھے دن اسے ایک سچ حقیقت کا سامنا کرنا پڑا۔ اس آئینے کی تصویر سچ ثابت ہو رہی تھی۔ اس کے چہرے پر واقعی سفید بال آگ آئے تھے اور ماتھے پر پدما کا لانا نشان دور سے ہی نظر آ رہا تھا۔ وہ ہل سی گئی اور اس پر خوف ماری ہوئے لگا۔ لگا تا کہ تیسری بار ہوئے والے ان واقعات کو اب اتفاق تو نہیں کہا جاسکتا۔

اس خوف پر قابو پانے کے لیے اس نے باہر جانے کا پروگرام بنایا۔ اس نے ساری لائسنس بھجائیں اور دروازے کو لاک کر دیا۔

وہ اپنے فلیٹ سے باہر آئی اور قریبی سینما گھر کی جانب بڑھ گئی۔ سینما میں ہی فلم نگلی ہوئی تھی۔ اس نے فلم کو پوری طرح انجوائے کیا۔ جب وہ سینما گھر سے باہر نکلی تو بالکل فریض تھی اور اس کا موڈ اب بالکل ٹھیک ہو چکا تھا۔ لارا واپس اپنے فلیٹ میں آئی اور جیسے ہی دروازہ کھولا اسے احساس ہوا کہ اس کے بیڈ روم کی جی بیل رہی تھی۔

”کیا اسے تو میں نے بند کیا تھا۔“ وہ بڑبڑائی۔  
”لگتا ہے یہاں کوئی چوری کے ارادے سے داخل ہوا ہے۔“ یہ خیال آتے ہی اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ وہ احتیاط سے دھیرے دھیرے قدم رکھتی ہوئی بیڈ روم کی جانب بڑھی۔ اس نے اندر جھانکا تو اندر کوئی نہیں تھا۔ وہ کمرے میں داخل ہوئی۔ کمرے میں گرماہٹ کا احساس ہو رہا تھا ایسا جیسے تھوڑی دیر پہلے یہاں کوئی موجود تھا۔

اس نے غامض سے اپنے کپ بورڈ اور دوسری اشیاء کا جائزہ لیا آیا کہ کوئی چیز چوری تو نہیں ہوئی۔ جب وہ ٹیلی تو اس نے اپنی زندگی کی سب سے دہلا دینے والی تصویر دیکھی۔ اس لیے آئینے پر ایک ہاتھ کا نشان ثبت تھا جس میں صرف وہاں لگا تھا۔ اس کے گدگد رہے۔

## بے وقوف

”آؤ۔“ شیر نے خطری سانس بھر کر اپنے دوست سے کہا۔ ”میرا بیٹا بالکل ناگاہکی اور بڑا ناخلاق نکلا ہے۔ تمہیں تو علم ہو گا کہ ہم نے اسے وہ تعلیم دلائی جو خود بھی حاصل نہیں کی، بہترین انکس، چنگ اسکول میں پڑھایا۔ بہترین انکس، چنگ اسکول میں پڑھایا۔“ شیر نے ہوا کر دھیک دس بے میری کپڑوں کی دکان میں داش ہوتا ہے۔ گیارہ بجے جاسے پہنے چلا جاتا ہے۔ ساڑھے گیارہ بجے واپس آتا ہے۔ ساڑھے بارہ بجے کے لیے جاتا ہے اور ڈھائی سے پہلے واپس نہیں آتا۔ ڈھائی سے ساڑھے تین تک دکان میں اس طرح سر جوکا کے بیٹھا رہتا ہے جیسے اسے قید کر دیا گیا ہو۔ ساڑھے تین کا گھنٹا بجتے ہی کراتا پڑتا کھر بھاگ جاتا ہے۔ ایسا بے وقوف اولاد خدا کی رحمت کو بھی نہ دے۔“

”آؤ۔“ شیر کے دوست نے خطری سانس بھری۔ ”میری نصیحت کے سامنے تمہاری نصیحت کچھ بھی نہیں ہے، میری پریشانیوں تمہاری پریشانیوں سے ہزار گنا زیادہ ہیں۔ تمہیں علم ہو گا کہ ہم نے اپنے بیٹے کو وہ تعلیم دلائی جو خود بھی حاصل نہیں کی۔ بہترین انکس، چنگ اسکول میں پڑھایا۔ گھر بہترین انکس، چنگ اسکول میں پڑھایا۔“ شیر نے ہوا کر دھیک دس بے میری دکان میں داخل ہوتا ہے۔ گیارہ بجے جاسے پہنے چلا جاتا ہے۔ ساڑھے گیارہ بجے واپس آتا ہے۔ ساڑھے بارہ بجے کے لیے جاتا ہے۔ اور ڈھائی بجے سے پہلے واپس نہیں آتا۔ ڈھائی سے ساڑھے تین تک دکان میں اس طرح سر جوکا کے بیٹھا رہتا ہے جیسے اسے قید کر دیا گیا ہو۔ ساڑھے تین کا گھنٹا بجتے ہی کراتا پڑتا کھر بھاگ جاتا ہے۔ ایسا بے وقوف اولاد خدا کی رحمت کو بھی نہ دے۔“

”کیا دیکھ رہے۔“ شیر نے کہا۔ ”تمہاری پریشانیوں میری پریشانیوں سے ہزار گنا زیادہ کیں ہیں؟ میری تمہاری درد بھری کہانی بالکل ایک جیسی ہے۔“

”تم ایک بات بھول رہے ہو شیر۔“ رشیہ نے جواب دیا۔ ”میرا کا دروازہ چڑیوں کا ہے۔“

☆☆☆

رشیہ نے ایک قلم دکھاتے ہوئے سیاح سے کہا۔ ”یہ پانچ سو سال پرانا قلم ہے۔ آج تک اس کے ایک پتھر کو بھی کسی نے نہیں بدلا۔ یہاں کی کسی چیز کی مرمت نہیں کی گئی۔ کوئی نئی چیز نہیں لگائی گئی۔ پانچ سو سال سے یہ قلمارت جنوں کی تول کھڑی ہے۔“

سیاح نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ”اس کا مالک، ہمارے مالک مکان جیسا ہی جس معلوم ہوتا ہے۔“

مرحبا! اگر آپ نے یہ



ایک سردہر سہریت کر مٹی۔ اسے اپنے قدم من من کے نکلے نکلے خوف کے احساس سے وہ کانپ اٹھی۔ وہ جلدی سے کمرے سے باہر نکل آئی۔

وہ وحشت زدہ ہی نظروں سے اپنے کمرے کو دیکھنے لگی۔ وہ ایک کونے میں جا کر بیٹھ گئی۔ اس کے دماغ میں بچھلے واقعات ایک تسلسل کی طرح چلتے گئے۔ وہ اب سارے قتلوں کو اکٹھا کر رہی تھی اور ساری صورت حال اس کی سمجھ میں آئی جا رہی تھی کہ یہ آئینہ خراب نہیں تھا۔ یہ آئینہ مستقبل دکھاتا تھا جو کہ جلد ہی ہوتا تھا۔ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ یہ سب اس کے ساتھ کیوں ہو رہا ہے۔ یہ آئینہ اس کے ساتھ ہونے والے واقعات کو بالکل صحیح کیسے دکھا رہا تھا۔

اس نے لوہے کی ایک راڈ ہاتھ میں پکڑی۔ اس کا جسم ابھی ہلکا ہلکا کانپ رہا تھا۔ اس نے راڈ پر اپنی گرفت مضبوط کی اور زور زور سے آئینے کو ضربیں لگا۔ اتنی ضربیں لگانے کے بعد بھی آئینے کی صاف شفاف سطح پر ایک خراش بھی نہیں آئی۔ وہ لگا تار آئینے پر ضربیں لگاتی رہی۔ اچانک ایک عجیب بات ہوئی۔ آئینے میں چند سیکنڈ کے لیے کسی چہرے کا عکس نمودار ہوا جو کہ بالکل واضح دیکھا جاسکتا تھا۔ یہ اس شخص کے عکس جیسا تھا جس نے اسے یہ آئینہ بچھا تھا۔ اس چہرے پر ایک عجیب سی مسکان تھی اور وہ چند لمحوں میں غائب ہو گیا۔ لارا یہ دیکھ کر گھبرا گئی اور پیچھے مڑی تو نوکھڑا کر غرض پر گر پڑی۔ جن حالات سے وہ گزر رہی تھی، وہ صرف وہی جانتی تھی۔ اس کی ان باتوں پر کوئی بھی یقین نہیں کرتا کیونکہ وہ انہیں ثابت نہیں کر سکتی تھی۔ ایٹکس بھی اس سب کے بارے میں لاعلم تھا اور وہ یہ سب اس کیسے جھیل رہی تھی۔

ایٹکس ایک بیٹھ بعد آنے والا تھا۔ اس کے آنے تک وہ بالکل اچلی تھی۔ اچانک اس کے دماغ میں ایک عجیب سا خیال ابھرا۔ وہ یہ دیکھنا چاہتی تھی کہ جب ایٹکس ایک بیٹھ بعد واپس آئے تو وہ کیسی ہوگی۔

اس نے اپنی ساری ہمت جمع کر لی کہ وہ آئینے کے سامنے کھڑی ہو سکے تاکہ وہ جان سکے کہ جب ایٹکس کچھ دنوں بعد لوٹے گا تو وہ کیسی دکھائی دے گی، وہ کس حال میں ہوگی۔

اس کا دماغ ایک معلوم خطرے کی گھنٹی بج رہا تھا اور اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ اس کے من میں طرح طرح کے غمگیناں پیپ رہے تھے۔ اس نے ان

سب کوئی کا اور آئینے کے سامنے کھڑی ہو گئی۔ لیکن جب وہ آئینے کے سامنے کھڑی ہوئی تو اس کی آنکھیں پٹی کی پٹی رہ گئیں۔ آئینے میں اس کا کوئی عکس دکھائی نہیں دیا۔ وہاں پر کچھ بھی نہیں تھا۔ اس نے جلدی سے ایک کپڑا اٹھا یا اور اس سے شیشے پر گزرا کر صاف کرنے لگی کہ شاید کوئی دھول مٹی اس پر جم گئی ہو اور تصویر صاف نظر نہیں آ رہی ہو۔

مگر اس ساری کوششوں کے باوجود بھی اسے آئینے میں اپنا کوئی عکس دکھائی نہیں دیا۔ یہ اس بات کا حتمی نتیجہ تھا کہ وہ جلد ہی مر جائے گی اور یہ سب آج سے چوتھے دن ہوگا۔ اسے ایک زور کا جھٹکا لگا۔

”او میرے خدا یا یہ نہیں ہو سکتا۔“ لارا سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔ وہ جانتی تھی کہ روح کی کوئی تصویر نہیں بنائی جاسکتی اور آئینے میں نہیں دکھائی دے سکتی ہے اور اس کا عکس بھی نہیں دکھائی دیتا ہے۔ آئینے میں لارا کا عکس نہ دکھائی دینے کا مطلب تھا کہ وہ چار دن بعد مر جائے گی۔

☆☆☆

چوتھے دن صبح ایٹکس واپس آیا۔ وہ عکسی سے اترا اور اپنا سامان اتار کر اپنے فلیٹ کے سامنے بیٹھ گیا۔ اس نے ذرا دیر بیٹھائی اور انتظار کرنے لگا۔ تو کوئی دیر بعد پھر اس نے تیل بھائی مگر اندر سے کوئی جواب نہیں آیا۔ اس نے فون نکالا اور لارا کا نمبر ڈائل کیا۔ دوسری طرف پرنگ جاری تھی مگر فون کوئی نہیں اٹھا رہا تھا۔ اسے فکر ہونے لگی۔ اس نے فون پکیت چلائی سے دروازہ کھولنے کا ارادہ کیا۔ اسے پتا تھا کہ فلیٹ کی ڈپلیکٹ چابی ڈور مینٹ کے پیچھے پڑی ہوئی ہے۔ اس نے چابی وہاں سے نکالی۔ دروازے کو کھولا اور اندر داخل ہو گیا۔ اپنے سامان کو اس نے آرام سے ایک کونے میں رکھا اور لارا کو ڈھونڈنے لگا۔

”لارا تم کہاں ہو۔ میں کب سے باہر کھڑا تھا۔ آخر تم ہو کہاں؟“ اس نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے آواز لگائی۔

مگر کوئی جواب نہیں آیا۔ اچانک اس نے دیکھا کہ لارا دروازہ صحن کے قریب بے ہوش پڑی ہے۔ وہ جلدی سے اس کے پاس پہنچا۔

”لارا لارا۔ کیا ہوا نہیں۔“ آٹکس کھولو لارا۔“ ایٹکس نے اس کے منہ پر پانی کے پھینکے مارے اور اس کے گالوں کو تھپتھپانے لگا۔ تاکہ وہ اسے ہوش میں لاسکے۔ لارا کو کوشش کے بعد لارا ہوش میں آئی اور ایٹکس کو کچھ کر اس کے گتے لگ گئی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

ایٹکس اس کی خراب حالت دیکھ رہا تھا۔ اسے اندازہ ہو رہا تھا کہ اس کی غیر موجودگی میں لارا اس کمرے سے گزری ہے۔ اس کی طبیعت تھوڑی سنسنیلے کے بعد وہ اسے پیڑروم کی طرف لے گیا۔ وہ یہ جاننے کے لیے جھنجھٹا تھا کہ آخر اس کے ساتھ ہوا کیا تھا۔ لارا نے اسے شروخ سے لے کر اب تک کے سارے واقعات بتائے اور آخر میں یہ بھی بتایا کہ آج اس کا آخری دن ہے۔ یہ کہتے ہوئے اس کے آنسو چھٹک اٹھے۔ ایٹکس کو اس کی باتوں پر یقین تو نہیں تھا مگر اس نے اس کی حالت دیکھتے ہوئے اور اس کا دل رکھنے کے لیے اس کے سامنے اس کی ساری باتوں کو مان لیا۔

ان ساری باتوں سے ایٹکس نے نتیجہ اخذ کیا کہ اس سارے مسئلے کی جڑ یہ آئینہ ہے۔ وہ جلد سے جلد اس سے جان پھڑانا چاہتا تھا۔ انہوں نے اس آئینے کو پیک کیا اور اسے شہر سے باہر دریا میں پھینکے گا پر وگرام بنایا۔ دونوں تیار ہوئے۔ لارا نے سادو سا جھوٹا بیب تن کیا اور پتا کوئی میک آپ کے تیار ہوئی۔ وہ چاہتی تھی کہ وہ بس سادگی سے باہر نکلے۔ ایٹکس نے آئینہ کار کی بجھلی سیٹ پر رکھنے میں لارا کی مدد کی۔ وہ دونوں کا ریش بیٹھے اور شہر سے باہر دریا کی تلاش میں نکل گئے۔ ان کی کار کا جی پی ایس یہاں سے تقریباً 40 کلو میٹر دور ایک دریا دکھا رہا تھا۔ وہ اس کی جانب روانہ ہو گئے۔ اس سارے سفر میں لارا بالکل خاموش رہی اور اس نے کوئی لفظ بھی نہیں بولا۔ اس کا چہرہ بالکل بیلا ہو رہا تھا اور آنکھوں کے نیچے کالے گڑھے پڑ گئے تھے۔ ایٹکس سارے راستے اس سے باتیں کرتا رہا۔ اسے لطفے ستاتا رہا تاکہ اس کا موڈ بحال ہو۔ مگر لارا نے اس کی کسی بھی بات پر کوئی رد نہیں دیا۔ وہ بس خاموشی سے غلامیں گھومتی رہی۔

وہ بس ایک ہی بات چاہتی تھی کہ کسی طرح یہ دن گزر جائے جو کہ شاید آج اس کا اس دنیا میں آخری دن ثابت ہو۔

تقریباً 45 منٹ کے سفر کے بعد انہیں شہر سے باہر ایک دریا نظر آیا۔ وہاں بالکل خاموشی تھی اور ہوا کی سرسبز صاف ستائی دے رہی تھی۔ وہاں ایک عجیب سی خاموشی غاری تھی۔ ایٹکس نے دروازہ کھولا اور آئینہ باہر نکالا۔ اسے اٹھا کر وہ ہلکے ہلکے قدم بھرتے ہوئے دریا کی جانب چل دیا۔ وہ دریا کے کنارے پہنچا۔ آئینے کو ہوا میں بلند کیا اور اسے دیکھ کر بغیر دریا میں پھینک دیا۔

تین اسی وقت لارا نے دریا کی طرف ایک آدمی کا

خوف سہا یہ دیکھا جو اسی جگہ کی طرف جا رہا تھا جہاں ایٹکس نے آئینہ پھینکا تھا۔ اس نے غور سے دیکھا تو یہ اسی شخص کی طرح دکھائی دے رہا تھا جس سے اس نے آئینہ خریدا تھا۔ اسی کا رشتہ ایٹکس اس نے آئینے میں دیکھا تھا۔ اس نے جلدی سے اس سامنے کی انگلیاں دیکھیں تو وہ حیران اور شاکا کندہ ہو گئی کہ اس کی صرف چار انگلیاں تھیں اور اس کا انگوٹھا غائب تھا۔

ایٹکس جیسے ہی آئینہ پھینک کر پلٹا اسے چہرے پر ہوا کے ایک زوردار کھینچنے کا احساس ہوا اور اس کے کندھے کو ایک زوردار جھٹکا لگا مگر ایٹکس کو وہاں کوئی دکھائی نہیں دیا۔

لیکن لارا نے اس آدمی کو آئینے کے پیچھے چھلانگ لگاتے دیکھا تھا۔ اس کی چھلانگ سے دریا میں لہریں سی پیدا ہوئیں جو کہ آسانی سے دیکھی جاسکتی تھیں۔ ایٹکس کار کی جانب بڑھا اور وہاں سے نکل گئے۔ ماحول کے تناؤ کو کم کرنے کے لیے اس نے کار کا میوزک پلیر چلا دیا۔

دونوں ایک دوسرے کو محبت کی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ ایٹکس کے چہرے پر بھینکی سے مسکان تھی۔ ایٹکس اسے دیکھنے میں اتنا متاثر تھا کہ اس نے سامنے آتے ٹرک کو نہیں دیکھا۔ جب ٹرک بالکل ان کے سر پر پہنچ گیا تو ایٹکس نے گاڑی کا سٹیرنگ ٹرک کی مخالف سمت میں موڑ دیا اور ان کی گاڑی ایک درخت سے ٹکرائی۔

ایٹکس کا سر ڈش بورڈ سے ٹکرایا اور اس کے سر سے خون بہنے لگا۔ اسے کچھ اندرونی چوین بھی آئی تھیں۔ لارا گاڑی کا شیشہ توڑتی ہوئی باہر سڑک پر جا گری۔

ایٹکس کے حواس بحال ہونے میں کچھ وقت لگا۔ جب اسے ہوش آیا تو اس نے دیکھا کہ لارا گاڑی سے باہر سڑک پر گر پڑی پڑی تھی۔ وہ اپنے آپ کو سنبھالتا ہوا لارا کی جانب بڑھا۔ اس نے لارا کو گود میں اٹھا لیا۔ اس نے اس کی نبض چیک کی مگر وہ مر چکی تھی۔ ایٹکس کو اس سے شاک سا لگا اور وہیں بیٹھ کر رونے لگا۔ لارا کی لاش اس کے سامنے پڑی تھی۔ حالانکہ ایک ہیڈنٹ اتنا بڑا نہیں تھا اور ایٹکس کو تھوڑے سے زخم آئے تھے مگر لارا کو زبردست چوین لگی تھیں اور وہ اسی وقت مر گئی۔ ایٹکس کو اب پچھتاوا ہونے لگا کہ اس نے لارا کی باتوں کا مکمل یقین کیوں نہیں کیا تھا۔ وہ بالکل صحیح کہتی تھی۔ یہ اس کی غلطی تھی کہ اس نے اس کی بات مکمل نہیں سنی۔ اسے اب یقین ہو گیا کہ اس آئینے میں مستقبل میں کیا ہونے والا تھا، وہ دکھا سکتا ہے اور وہ چار دن بعد صحیح ہو جاتا تھا اور آج چوتھا دن تھا۔



## خود کردہ

جمال دست

ذہانت خداداد صلاحیت کا نام ہے... زور و بردستی سے کوئی ذہین نہیں بن سکتا... وہ بچہ بھی قدرت کی طرف سے یہ خوبی و صلاحیت لے کر پیدا ہوا تھا... اور اپنی ماں کے لیے معاون ثابت ہو رہا تھا...



سراغ رساں کیرول بکھائی نے ایک سرد آہ بھرتے ہوئے اپنے نو عمر بیٹے کی طرف دیکھا جو میز پر اس کے مقابل بیٹھا ہوا تھا۔ ”تمہیں ناممکن جرائم سے ہمیشہ دشمنی رہتی ہے۔“ کیرول نے کہا۔ ”تم ایک نظر اس کیس کو بھی دیکھ لو۔“

جو ناخن اور کیرول کچن کی میز پر ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے ہوئے اپنے اپنے ہوم ورک میں مشغول تھے۔ کیرول کے کیس میں یہ ہوم ورک ایک قتل کی واردات سے متعلق تھا۔

”یقیناً!“ جو ناخن نے جواب دیا اسے ہر قسم کے جرائم کے حل میں مدد کرنے سے دشمنی رہتی تھی اسی لیے اس نے اپنی انگلیں کی کلاس کے اسائنمنٹ کو ایک طرف رکھ دیا اور بولا۔ ”یہ کس نوعیت کا ناممکن جرم ہے؟“ یہ کہتے ہوئے وہ اپنی جگہ سے اٹھ گیا اور گھوم کر ان پولیس رپورٹس کو دیکھنے لگا جو میز پر پھیلی ہوئی تھیں۔

”یہ ایک قتل ہے جسے خودکشی کا رنگ دینے کی کوشش کی گئی ہے۔“ سراغ رساں کیرول نے اپنے بیٹے سے کہا اور اس کیس کا خاکہ بیان کرنے لگی۔ ”ناممکن نامی نو جوان کی لاش سڑک پر اس عمارت کے سامنے پڑی پائی تھی جس میں وہ رہتا تھا۔ لکھا ہوا رنگ رہا تھا کہ جیسے اس نو جوان نے اپنے ہائی رائز اپارٹمنٹ کی ایک کھڑکی میں لگی پچوں کی حفاظتی سلاخیں اسکو ڈرا نیور سے کھول لی تھیں۔ پھر اس نے اس کھڑکی سے نیچے چھلانگ لگا دی جس سے اس کی موت واقع ہو گئی تھی۔“

میز پر موجود تصویروں میں ایک تصویر ایک ایسی کھڑکی کی تھی جہاں جس میں عمارت کی کھڑکی کے باہر حفاظتی سلاخیں بدستور موجود تھیں۔ ”سلاخوں کو دیکھنے سے لگ رہا ہے کہ انہیں ہٹانا ایک وقت طلب کام تھا۔“ جو ناخن نے تصویر کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

”یقیناً انہیں ہٹانا بے حد مشکل رہا ہو گا۔“ سراغ



رساں کیرول نے کہا۔ ”بہر حال، اس کی انگلیوں کے نشانات اسکو ڈرا نیور پر پائے گئے ہیں اور اس کے کمرے سے ایک خودکشی کی تحریر بھی ملی ہے۔ عمارت کے دربان کے مطابق اس وقت گھر میں اور کوئی موجود نہیں تھا اور اس کے دوستوں نے اس بات کی تصدیق کی ہے کہ حال ہی میں وہ سوئی اور کسی ذاتی انجمن میں جھلا دکھائی دینے لگا تھا۔ یہ تمام کی تمام نشانات خودکشی کی جانب اشارہ کرتی ہیں۔ ماسوائے...“

یہ کہ کرسراغ رساں کیرول نے ایک سرد آہ بھری اور اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولی۔ ”ہم نے اس کے ایک پڑوسی سے انکو پوچھا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ کھڑکی سے چھلانگ لگانے سے قبل سائمن چیچا تھا۔ ”نہیں، نہیں، نہیں... اور وہ چھلانگ ہونے تک چھلانگ کیا تھا۔“

”اس سے تو یہ خودکشی ظاہر نہیں ہوتی۔“ جو ناخن نے اپنی ماں سے اتفاق کرتے ہوئے کہا۔

جو ناخن نے خودکشی کے پیام کی فوٹو کاپی اٹھائی اور اس کا جائزہ لیتے رہا۔ یہ ایک مختصری تحریر تھی۔ ”میں اب مزید تکلیف برداشت نہیں کر سکتا۔ مجھے معاف کر دینا چھوٹے بھائی۔ میرے تعمیر تم زیادہ بہتر ہو گئے۔“

جو ناخن تحریر کی خطائی کو فور سے چاٹنے لگا۔ اسے



محسوس ہوا کہ تحریر قدر سے غیر فطری سی تھی اور یہ لگ رہا تھا جیسے وقفے وقفے سے لکھی گئی ہے۔

”ٹیڈی کا اپنے بھائی کی موت کے بارے میں کیا کہنا ہے؟“ جونا تھن نے پوچھا۔

”وہ جذبات سے عاری تھیں ہے۔“ کیرول نے سر ہلاتے ہوئے بتایا۔ ”وہ خود کو کم زدہ ظاہر کر رہا ہے۔ وہ پہلا فرد تھا جس نے یہ رائے دی کہ سائمن کی موت کُل بھی ہو سکتی ہے۔“

”مجھے اندازہ لگانے دیں۔“ جونا تھن نے اپنی ماں سے کہا۔ ”کیا ٹیڈی کے پاس بنائے داروات سے عدم موجودگی کا ثبوت ہے؟“

”بہت زبردست ثبوت ہے۔“ کیرول نے کہا۔ ”جس وقت سائمن کھڑکی سے نیچے گرا تھا، اس وقت ٹیڈی اپنے دفتر میں تھا اور فون پر ایک کلائنٹ سے بات کر رہا تھا۔“

”ہو سکتا ہے کہ اس وقت وہ اپنا سٹیل فون استعمال کر رہا ہو؟“ جونا تھن نے خیال ظاہر کیا۔

”نہیں۔“ کیرول نے جواب دیا۔ ”ساتھ ہی ایک کاغذ میز پر اسے اٹھا کر جونا تھن کے سامنے کر دیا۔“ یہ فون کے ریکارڈ کی شے ہے۔ اس نے اپنے آفس کے لینڈ لائن فون سے یہ کال کی تھی۔ اور تم عمارت کے چوکیدار کے بیان کو مت بھولو۔ اس نے کہا تھا کہ ٹیڈی نہ تو عمارت سے نکلا تھا اور نہ ہی عمارت میں داخل ہوا تھا۔ چوکیدار اس تمام وقت اپنی ڈیوٹی پر حاضر رہا تھا۔“

”یہ ایک عمدہ چیتان ہے۔“ جونا تھن نے کہا۔ پھر وہ میز پر پھیلے ہوئے کاغذات کا باری باری دھیان سے جائزہ لینے لگا۔

”یہ کوئی چیتان نہیں ہے۔“ کیرول نے اسے ڈانٹ پلانے کے انداز میں کہا۔ ”یہ ایک سنجیدہ معاملہ ہے۔ اگر ہم نے اس کا کوئی حل نہیں تلاش کیا تو قاتل آزادانہ گھومتا رہے گا۔“

”اوکے، میرا خیال ہے میری سمجھ میں آ رہا ہے کہ کیا واقعہ پیش آیا ہوگا۔“ جونا تھن نے آہستگی سے کہا۔ ”لیکن میں نہیں سمجھتا کہ آپ اس خیال کو پسند کریں گی۔“

سراغ رساں کیرول نے کسی دنگل کا اظہار نہیں کیا۔

وہ خاموش رہی۔

جونا تھن نے خود کشی کے پیغام والا کاغذ اٹھالیا اور

اس میں تحریر دو الفاظ کی جانب توجہ دلاتے ہوئے بولا۔ ”اس میں یہاں لکھا ہے ’جھوٹے بھائی‘ لیکن یہاں بڑے بھائی لکھا ہونا چاہیے تھا۔ اس لیے کہ ٹیڈی عمر میں سائمن سے بڑا تھا۔ درست؟“

”ہاں۔“ کیرول خود کشی کے پیغام والا کاغذ جونا تھن کے ہاتھ سے لے کر خود اس تحریر کو توجہ سے دیکھنے لگی۔ ”تم درست کہہ رہے ہو۔ یہ بات حیرت ناک ہے۔“

”اگر ٹیڈی نے سائمن کو کُل نہیں کیا تو پھر؟ اگر معاملہ اس کے برعکس ہوا تو پھر؟ اگر سائمن، ٹیڈی کو کُل کرنے کا ارادہ رکھتا تھا تو پھر؟“

کیرول اپنے بیٹے کی پیش کردہ منطق پر چکر کر رہ گئی۔ ”تم کہنا کیا چاہ رہے ہو؟“

”ماں! لیکن اگر وہ خود کشی کا پیغام سائمن نے ٹیڈی کی تحریر کی نقل کرتے ہوئے خود لکھا ہو تو پھر؟ اس کے بعد اس نے کھڑکی سے باہر چھانک کر حفاظتی سلاخوں کے اندر کھول دیے ہوں۔ وہ ٹیڈی کے کام سے گھر واپس آنے کا منتظر تھا تاکہ اسے منصوبے پر عمل کر سکے۔ لیکن کھڑکی سے باہر چھانکنے کے دوران وہ اپنا توازن کھو بیٹھا اور باہر نیچے سڑک پر گر گیا۔“

”اسکرو ڈرائیور پر موجود اگھیوں کے نشانات کے ثبوت کے بارے میں کیا کہو گے؟“ کیرول نے سوال کیا۔ ”وہ ٹیڈی کی اگھیوں کے نشانات ہیں۔“

”وہ گھبریلہ استعمال کا اسکرو ڈرائیور ہے۔ وہ دونوں بھائی استعمال کرتے تھے۔ ان دونوں نے اپنی اپنی دس دس لاکھ ڈالر کی بیمہ پالیسی لے رکھی تھی۔ ایک کے مرنے کی صورت میں دوسرے بھائی کو مالی فائدہ پہنچتا تھا۔ اگر تم اپنے بھائی کو مارنے کا ارادہ رکھتے تھے تو تمہارا موڈی ہونا اور تم زدہ ہونا ایک فطری امر تھا۔“

”ہاں، بات سمجھ میں آتی ہے۔“ کیرول نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ”میرا خیال ہے کہ ہم ایک بھائی کی موت کا شید دوسرے بھائی پر کر رہے تھے جو کہ ہماری غلطی تھی اور حقیقت میں قتل کی واردات نہیں تھی۔“

”ہاں یہ ایک حادثاتی موت تھی۔ سائمن نہ صرف مشغول تھا بلکہ پتا قاتل بھی خود ہی تھا۔“

جونا تھن نے ایک بار پھر اپنی ماں کو مشکل سے نکال لیا تھا۔

جونا تھن نے خود کشی کے پیغام والا کاغذ اٹھالیا اور

## اس مالک کی روداد جس کی دکان

میں پہلے دن ہی چوری ہوگی.....

## چالاک چور

ارشاد بیگ

قیمتی و نادر زیورات اور پیروں کی حفاظت  
بے حد ضروری ہوتی ہے... اس نے بھی اپنی  
قیمتی چیزوں کی حفاظت کے خیال سے ایک  
بندوبست کر لیا تھا..



”اب تو تم مجھے بار بار نوکنا چھوڑ دو گے؟“ جیولری اسٹور کی مالک جیمزری الیابان نے اپنے دوست سراغ رساں شربین سے کہا جب وہ اس کی دکان میں داخل ہوا۔ ”یہ دیکھو؟ میں نے وہ الارم سسٹم نصب کر لیا ہے جس کی صلاحیت تم نے دی تھی۔ اس کا تعلق براہ راست پولیس اسٹیشن سے ہے۔“

”تم نے بالکل صحیح وقت یہ کام کر لیا ہے۔“ شربین نے جواب دیا۔ الیابان جیولری نے حال ہی میں اپنے کاروبار کو وسعت دی تھی اور چند ایسے قیمتی اور بیش قیمت جواہرات اپنے اسٹاک میں شامل کیے تھے جو چوروں کی دلچسپی کا باعث ہو سکتے تھے۔ ”میسٹر الیابان، میں اب جا رہا ہوں۔“ اسٹور کے نوجوان اسسٹنٹ برکی نے کہا۔ وہ ونڈر ڈسپلے کی صفائی سے فارغ ہو گیا تھا اور اس نے بیش قیمت ہیروں کو ان درازوں میں بند کر دیا تھا جن میں تالے لگے ہوئے تھے۔

جب اس نے شاپ سے باہر جانے کے لیے مین دروازہ کھولا تو بزرگ بیٹھے لگا۔ یہ بزرگ دروازہ کھولنے پر جتا۔ برکی جیڑی سے باہر نکل گیا تاکہ برکت اپنے گھر کے روٹ کی بس پکڑ سکے۔ الیابان کی سیکورٹیز ان کمانڈ سلیٹی اپنی جیکٹ پہن رہی تھی۔ اس نے نصب شدہ الارم سسٹم کی طرف دیکھتے ہوئے اسٹور کے مالک جیمزری الیابان سے کہا۔ ”کیا تم واقعی مجھے اس الارم کا کوڈ بتانا نہیں چاہتے ہو، الیابان؟ تم ہر وقت تو یہاں موجود نہیں ہوتے ہو کہ اسٹور کھول سکو یا بند کر سکو۔“

”مجھے فوراً طور پر تو نہیں بتا سکتا۔ مزید چند دنوں میں جب میں اس کا عادی ہو جاؤں گا تو پھر بتا دوں گا۔“ الیابان نے جواب دیا۔

”مجھے تمہاری مرضی۔“ سلیٹی نے کہا۔ اس نے شاپ باہر سے سونہ سانچیل کے تیز ہارن کی آواز آئی جو اس بات کا اشارہ تھا کہ اس کا بوائے فرینڈ اسے لینے کے لیے آ گیا ہے۔ ”کلک لیں گے۔“ یہ کہتے ہوئے سلیٹی تیزی سے دروازے سے باہر نکل گئی اور باہر موجود اپنے بوائے فرینڈ کی بائیک کی پچھلی



نہیں۔ "شرمین نے دلا سادے والے انداز میں کہا۔ "اگر یہ

الام سسٹم ہوتا تو مجھے یہ بتان چکا کہ وہ ڈکیت کون ہے۔"  
"لیکن الام کی وجہ سے تو کوئی بھی پکڑا نہیں گیا۔"  
المان نے غصے بھرے لہجے میں کہا۔

"ہاں، مجرم الام ہی کی وجہ سے پکڑا جائے گا۔ ایک بات بتاؤ المان، تجھارے خیال میں چور کو یہ تمام مال سینے میں کتنا وقت لگا ہوگا؟"

المان نے پوری شاپ پر ایک گہری نظر ڈالی اور پھر بولا۔ "کم سے کم پانچ منٹ، یا شاید دس منٹ لگے ہوں گے۔"

"لیکن اس کے باوجود الام سینے کے دو منٹ بعد ہی پولیس یہاں پہنچ گئی تھی لیکن چور اس سے پہلے ہی یہاں سے چھپت ہو چکا تھا۔"

"ہاں۔" المان نے اپنا سر کھاتے ہوئے کہا۔ "یہ تو ناممکن ہے۔"

"یہ ممکن ہو سکتا ہے اگر چور پہلے سے یہاں موجود رہا ہو۔ ہمارے یہاں سے جانے کے بعد وہ ایڈا، چھپنے والی جگہ سے باہر نکل آیا ہوگا اور اس نے جوتلی چاہا سیٹ لیا ہوگا۔ البتہ اس کے یہاں آلے پر نہیں بلکہ یہاں سے نکلنے پر الام نے نکل گیا ہوگا۔" شرمین نے بتایا۔

"تو کیا وہ چور کوئی مرد تھا؟ تم یہ کہہ رہے ہو؟"  
"وہ تجھار الام سام تھا۔ اپنا کمپیوٹر بند کرنے کے بعد وہ یہاں سے جانے والا آخری فرد تھا۔ ہم نے حقیقت میں اسے اسٹور سے باہر جاتے ہوئے نہیں دیکھا تھا، صرف ہمیں دروازے کا بڑبڑائی دیا تھا۔ وہ بیرونی دروازہ کھول کر باہر نکل گیا تھا بلکہ پلٹ کر کسی الماری میں یا کسی گاؤنٹر کے پیچھے چھپ گیا ہوگا اور اس وقت تک چھپا رہا ہوگا جب تک ہم یہاں سے چلے نہیں گئے۔ وہ یقیناً سام ہی تھا۔ اس لیے کہ جب تک ہم یہاں موجود تھے کوئی اور باہر سے اندر نہیں آیا۔ درنہ اس کی آمد پر بیرونی دروازے کا بڑبڑاؤ نہ ہوتا۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" المان نے اثبات میں سر ہلایا۔ "تو پھر جلدی سے چل کر اس کی رہائش گاہ پر چھاپا مارتے ہیں۔ اس نے ابھی تک ان میرے جواہرات کو کھانکے نہیں لگایا ہوگا۔"

"ہاں، ہم اسے رہنے والے ہاتھوں مال سمیت گرفتار کر لیں گے۔" شرمین نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا اور پھر پولیس پٹرول کار کے افسران کو بڑبڑایات دیتے ہوئے مزید فوری طلب کی اور پھر المان کے خیرا سام کی رہائش گاہ پر چھاپا مارنے کے لیے روانہ ہو گئے۔

سراغ رساں شرمین اس واردات کے بھرپور اور جامع انداز میں سرانجام دینے پر تیار تھا۔ جواہرات کی دروازوں کو چھنی کی مدد سے توڑا گیا تھا اور ان میں موجود تمام جواہرات کا صفایا کر دیا گیا تھا۔ ڈسپنے کسکو کوئی تو ذکر ان میں رکھے ہوئے زیورات غائب تھے۔ ہارڈ ووڈ کے فرش پر پڑنے ہوئے شیشے بکھرے ہوئے تھے۔

"میرے نو برائے الام سسٹم کی یہ کارکردگی ہے۔" المان نے شامی لہجے میں کہا۔

"اتنی جلدی اسے مورد الزام ٹھہرانے کی ضرورت

نہیں۔" شرمین نے دلا سادے والے انداز میں کہا۔ "اگر یہ الام سسٹم ہوتا تو مجھے یہ بتان چکا کہ وہ ڈکیت کون ہے۔"  
"لیکن الام کی وجہ سے تو کوئی بھی پکڑا نہیں گیا۔"  
المان نے غصے بھرے لہجے میں کہا۔

جغرافیہ المان بے تابی سے اپنے دوست سراغ رساں شرمین کو اپنے عقیدتی دفتر میں لے گیا تاکہ اسے اپنا نیا الام سسٹم دکھا سکے۔ "ایک بار جب میں اس کا کوڈ سیٹ کروں گا تو کوئی بھی کھڑکی ٹوٹنے یا دروازہ کھلنے پر الام بجنا شروع ہو جائے گا۔ میرے پاس صرف بیس سیکنڈ کا وقت ہوگا کہ اگر غلطی سے الام بج گیا ہے تو اسے آف کروں۔"

یہ کہہ کر وہ اپنے ایک اور ملازم کی جانب متوجہ ہوا جو کمپیوٹر پر کام کرتا تھا۔ "سام، تم بھی چھنی کر کے گھر چلے جاؤ۔" سام نے کمپیوٹر کا سوچ آف کیا اور اپنے پاس کوگنڈا منٹ کہتا ہوا غصی دفتر سے باہر نکل گیا۔ چند سیکنڈ بعد ہی المان اور شرمین کو بیرونی دروازے کا بڑبڑائی دیا جو اس بات کا اشارہ تھا کہ ان کا آخری ملازم بھی روانہ ہو گیا ہے۔

"میں چاہتا ہوں کہ اسٹور بند کرنے میں، تم میری مدد کرو۔" المان نے شرمین سے کہا۔ "میں کوئی غلطی نہیں کرنا چاہتا ہوں۔ ٹھیک مرتبہ غلطی سے الام بجنے کے بعد سے وہ لوگ جرمانہ عائد کرنے لگیں گے۔"

شرمین اور المان نے تحریر کردہ ہدایات کے مطابق الام آن کر دیا اور اسٹور بند کرنے کے بعد ایک ہلاک کے فاصلے پر واقع جیریز نامی شراب خانے میں چلے گئے۔

ایک گھنٹے بعد جب وہ شراب خانے سے باہر نکلے تو شرمین نے المان جیریز کے سامنے سوک پر ایک پولیس پٹرول کار کو کھڑے دیکھا۔ وہ اور المان تیزی سے اسٹور کی جانب لپکے۔

"نقشب زنی اور ڈھکی کی واردات ہوئی ہے۔" ایک پولیس افسر نے صدمے سے منہ مال المان کو بتایا۔ "عقبنی گئی کی کھڑکی کو توڑا گیا ہے۔ ہم دو منٹ میں یہاں پہنچ گئے تھے۔ لیکن گئی سسٹان بڑی تھی اور مجرم چھپت ہو چکے تھے۔"

سراغ رساں شرمین اس واردات کے بھرپور اور جامع انداز میں سرانجام دینے پر تیار تھا۔ جواہرات کی دروازوں کو چھنی کی مدد سے توڑا گیا تھا اور ان میں موجود تمام جواہرات کا صفایا کر دیا گیا تھا۔ ڈسپنے کسکو کوئی تو ذکر ان میں رکھے ہوئے زیورات غائب تھے۔ ہارڈ ووڈ کے فرش پر پڑنے ہوئے شیشے بکھرے ہوئے تھے۔

"میرے نو برائے الام سسٹم کی یہ کارکردگی ہے۔" المان نے شامی لہجے میں کہا۔

"اتنی جلدی اسے مورد الزام ٹھہرانے کی ضرورت

## سرورق کی پہلی کتاب

ناگہانی اچانک ہی وارد ہوتی ہے... اور پھر آپستہ آپستہ اس کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا جاتا ہے... اس جوان رعنا کی رواں زندگی میں بھی ایک فتنہ سامان ایسے گری... جیسے پوسکون چھیل میں پتھر... وہ خواب تھا یا بیداری... وہم تھا یا پوشیاری... جسم تھا یا روح... ایک کشمکش تھی جس میں وہ مبتلا تھا... ایک طرف اس کی محبت تھی... دوسری طرف شہک خرام ملازنین... جس کے قدم ہوا میں تحلیل رہتے تھے... ہر روز وہ اپنے سحر آفرین حسن میں اسے جکڑ لیتی اور وہ عالم یہ خودی میں اس کے پیچھے بڑھتا چلا جاتا... رومان انگیز... رومان پرور... وحشت و دلہشت... محبت و عداوت کی سنگین آمیزش کا سسٹنی خیز نکرانہ...

## الفت بربدہ

طلحہ تہائی

لحیرہ لکھ جس بڑھاتی... لہجائی اور لہجائی تحریر کے بیچ دھم...

باشم کب کا ایک گوشہ ایک سرساز کے لیے مخصوص تھا۔ جہاں اس وقت چار دوست ملن تھے۔ راضی، اختیار کو سر کے مل کھڑا ہونے کے لیے پوگا آسن کھارہا تھا۔ اس گوشہ میں اختیار پیچھے کی جانب گرنے لگا۔ سر نیچے تھا اور





”چھوڑ دوں؟“ نوید نے جیسے ہوئے پوچھا۔  
 ”اوہ نا لائق..... آہستہ آہستہ نیچے لاکر لٹا دے۔“  
 اختیار کر اٹھا۔ دفعتاً اس کی نگاہ سیاہ آنکھوں اور سیاہ بالوں والی لڑکی پر پڑی۔ رسمی زلفیں کرسٹل جلی گئی تھیں۔ حسن جہاں سوز، غم، غمگین ہوش و حواس کو راہ دکھانے کے لیے کافی تھا۔ یہ کون لڑکی ہے؟ اختیار نے اسے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ اپنی مشکل خیر بہت کدانی کو بھول گیا۔ دفعتاً اس کی نگاہ لڑکی کے چہرے پر گئی۔ یوں لگا جیسے وہ چلنے کے بجائے فرش سے چھڑا اٹھ اور نفضا میں تیر رہی ہے۔ سبک رفتار، سبک خرام..... اختیار نے پائلیں چپکا کیں۔ اسے یہی خیال آیا کہ سر کے بل ہونے کے باعث خون کا دباؤ سر میں ہے، چنانچہ اس کی نظر بہک رہی ہے۔  
 ”چھوڑ دو مجھے..... چھوڑ دو۔“ اس نے بے چینی سے مطالبہ کیا۔

”چھوڑ دو؟ اے او ڈھکن، مگر جائے گا..... آہستہ آہستہ لٹا دیتے ہیں۔“ شعیب نے کہا۔  
 ”میں کہہ رہا ہوں چھوڑو مجھے۔“ اختیار نیاز ہی بے اختیار چلتا آیا۔ وہ لووارہ پریشوش دھیزہ دکھائی نہیں دے رہی تھی۔  
 ”چھوڑ دے یار..... پتا نہیں کیا کرب دکھا؟ چاہ رہا ہے۔“ شعیب نے چھٹا کر نوید کو اشارہ کیا۔ اس نے ایک دم اختیار کی پائلیں چھوڑ دیں۔ عقب میں پائلیں دیوار سے ٹکرائیں، بخود وہ عجیب طریقے سے دیوار کی بڑ میں گرا اور سر پر ہاتھ رکھ کر اپنے لگا۔ پھر تکلیف بھول کر ایک دم کھڑا ہوا اور اس طرف بڑھا جہاں اس نے دروازوں والی قلابہ عالم کو دیکھا تھا۔

”اوہ..... بھائی کہاں چلا؟ دماغ پھر گیا ہے کیا؟“  
 راجیل نے ہانک لگائی۔ وہ سن، ان سنی کر کے اس کمرے سے نکل گیا۔ تینوں دوستوں نے حیرت سے ایک دوسرے کی جانب دیکھا۔

”کیا ہو گیا اسے یار؟ اچھا بھلا تھا؟“ نوید نے تبصرہ کیا۔  
 ”کیا ضرورت تھی اسے اٹا لٹکانے کی، وہ ٹھہرا شاطر..... لوگ اسے کوئی دیکھتی نہیں۔“  
 ”وہ تو ٹھیک ہے۔“ راجیل نے کان کھجایا۔ ”لیکن وہ اچانک کدھر نکل گیا۔ چلوڑو حوڑتے ہیں۔“

☆☆☆☆

اختیار نیاز نے اپنی دھیزہ کو راہداری کے کونے جاسوسی ڈائجسٹ 222 نومبر 2018

پر دکھایا لیکن وہ دور تھا۔ لڑکی راہداری کے کونے پر مڑنے والی تھی۔ اچانک اس نے پلٹ کر دیکھا۔ دونوں کی نظریں ملیں۔ اختیار کو تعجب ہوا۔ کیا لڑکی جان گئی کہ وہ اسے دیکھ رہا ہے۔ لڑکی کی آنکھوں میں حیرت تھی۔  
 ”سنو.....“ وہ بکا رہا تھا۔ وہ جھٹکی۔ دوبارہ اس کی طرف دیکھا۔ اختیار کو خشک مڑا کہ اس کی آنکھوں میں خوف ہے..... لڑکی کے ہونٹ لیے۔ ”پلیز نہیں.....“ آواز بہت مدھم تھی۔ اختیار سمجھا اسے غلط سنائی دیا ہے۔ پھر اس نے کیا کہا ہے۔ وہ خوف زدہ کیوں لگ رہی ہے؟ یا اس کا وہم ہے۔ ”پلیز رک جاؤ.....“ وہ بکا رہا تھا۔ معاس نے موڑ کاٹا اور غائب ہو گئی۔ اختیار اکیلا کھڑا رہ گیا۔ وہ کون تھی؟ کہاں سے آئی تھی؟ کیا کلب کی ممبر ہے؟ لیکن وہ پہلے تو یہاں دکھائی نہیں دی۔ ہو سکتا ہے، نئی ممبر شپ ہو..... وہ کیا کبر رہی تھی؟

”اونگے..... یہاں کیوں کھڑا ہے۔ کیا ہو گیا؟“ سنی نے اس کے شانے پر ہاتھ مارا۔ ”وہاں سے کیوں بھاگ لیا؟“ وہ راجیل تھا۔  
 ”باہر لان میں چلتے ہیں۔“

”چلو، جہاں کہو گے وہاں چلتے ہیں۔“ راجیل نے جواب دیا۔ لان میں سنگی نشست کے بجائے اختیار گھاس پر بیٹھ گیا۔ راجیل بھی ساتھ ہی بیٹھ گیا۔  
 ”یار، راجیل وہ لڑکی کون تھی؟“  
 راجیل نے مشکوک نظروں سے دوست کو دیکھا۔

”کون سی لڑکی؟“  
 ”وہی، بڑی بڑی سیاہ آنکھیں..... لمبی لمبی سیاہ زلفیں..... بالائی ہونٹ پر ایک سرخ تل۔“ اس کا لباس سفید رنگ کا تھا۔ رنگ بھی دودھ کی طرح سفید۔ لباس کے گلے اور دامن پر نازک فیروزنی کام تھا۔  
 ”تو نے اسے کہاں دیکھا؟“ راجیل نے غور سے اختیار کو دیکھا۔

”جہاں ہم لوگ کر رہے تھے، دروازے میں اس کی جھلک نظر آئی تھی پھر میں نے اسے اس راہداری کے کونے پر دیکھا۔“ اختیار نے انکی سے اشارہ کیا۔  
 راجیل چند لمحے عجیب نظروں سے دوست کو دیکھتا رہا پھر بولا۔ ”میں کان پکڑتا ہوں کہ آئندہ تجھے ”مرش آسن“ تو کیا، لوگ کی بات ہی نہیں کروں گا۔“  
 ”کیا مطلب؟“ اختیار کا منہ بن گیا۔ ”تو کہتا چاہ رہا ہے کہ آسن کے ساتھ میرا دماغ بھی اٹ گیا ہے؟“

جاسوسی ڈائجسٹ 222 نومبر 2018

”نہیں میرا اٹ گیا ہے..... بھائی مجھے تو ایسی کوئی لڑکی دکھائی نہیں دی۔ نہ آج نہ پہلے کبھی۔“  
 ”تو کیا میں جھوٹ بول رہا ہوں؟“  
 ”نہیں، میں نے یہ نہیں کہا، ہو سکتا ہو کوئی نئی ممبر ہو..... لیکن تو اتنا پ سیٹ کیوں ہے؟“  
 ”نہیں، میں پریشان نہیں ہوں۔“ اختیار نے کہا۔  
 ”چھوڑ یار، اگر وہ ممبر ہے تو پھر آئے گی۔ تو جا، غزالہ حیرا انتظار کر رہی ہے۔ عجیب فکد ہے وہ بھی۔ لڑکیوں کو خطرہ کھیلنے میں نے نہیں دیکھا۔“ راجیل نے کہا۔  
 ”ہاں جاتا ہوں۔“ اختیار کھڑا ہو گیا۔

☆☆☆☆

”یہ کیا چال ہے؟“ غزالہ نے حیرت سے اختیار کی طرف دیکھا۔  
 ”کیوں کیا ہوا؟“ اختیار چونک اٹھا۔  
 ”جناب یہ چکانا چال؟ آپ کا گھوڑا پت رہا ہے۔“  
 بائے دی وے جان سکتی ہوں، موصوف کا دماغ کہاں ہے؟“

اختیار نے جواب نہیں دیا۔ وہ غزالہ کے شانے پر سے عقب میں کمرے کے دروازے کو ٹک رہا تھا..... وہی لڑکی..... وہ اختیار ہی کو دیکھ رہی تھی۔  
 ”حضرت، سو گئے کیا.....؟“ غزالہ نے اس کے چہرے کے سامنے ہاتھ نہچایا۔

”ایک منٹ ابھی آیا۔“ اجنبی لڑکی دروازے میں سے غائب ہو گئی تھی۔ غزالہ نے بھی اختیار کی نظروں کا چچھا کیا لیکن دروازے میں کوئی نہیں تھا۔ اطراف میں میزوں پر زیادہ تر مرد مضطرب بازی لگائے بیٹھے تھے۔

اختیار نے باہر نکل کر دامن بائیں دیکھا۔ دائیں جانب اوپر جانے کے لیے سیڑھیاں تھیں۔ وہ اوپر نہیں گئی تھی بلکہ میزوں کی رینگ کے پاس سے گزر کے عمارت کے کونے پر گئی۔ آگے بہرہ زار تھا..... پھر باؤنڈری وال۔ اس کی زلفیں ہوا میں لہرا رہی تھیں۔ اس کی چال۔ ایسی سبک خرامی؟ اختیار نے اس کے چہرے پر نگاہ ڈالی۔ وہ چل نہیں رہی تھی۔ زمین سے چند انچ اوپر تیر رہی تھی۔ لیکن اس وقت تو وہ سیدھا کھڑا تھا۔ اس نے آنکھوں کو مسلا۔ آنکھیں کھلیں تو آگے جانے کے بجائے وہ کونے سے مڑ رہی تھی۔ اختیار بے تحاشا اس طرف بھاگا۔ وہ بھی عمارت کے کونے سے مڑا اور دنگ رہ گیا۔ سامنے دو دروازے کوئی نہیں تھا۔ اس نے خواہ مخواہ اُدھر اُدھر دیکھا اور سر جھکا کر واپس چل دیا۔

الغت بریدہ

یہ کیا معما ہے؟ راستے میں ہی غزالہ لپ گئی۔ اس کا منہ بنا ہوا تھا۔ معاسے احساس ہوا کہ اس نے غیر شائستگی کا مظاہرہ کیا تھا۔

”غزالہ، آئی ایم سوری۔“  
 ”میں گھر جا رہی ہوں۔“  
 ”سنو..... ایک منٹ۔“

غزالہ نے سنی ان کی کردی.....  
 اختیار کلب میں جانے کے بجائے واپس سبزہ زار کی طرف چل پڑا۔ اس کی اور غزالہ کی پہلی ان چند خاندانوں میں سے تھی جو ابھی ہی میں وہاں آئے تھے۔ اس وقت ہادی سوسائٹی میں خال خال ہی مکان نظر آتے تھے۔ گزشتہ پندرہ سال میں سوسائٹی کی تعمیرات اور آبادی میں تیزی سے اضافہ ہوا تھا۔

دونوں کے خاندان گہرے مراسم رکھتے تھے۔ اختیار اور غزالہ جولائی کی سرحد بھلا ٹک رہے تھے۔ دونوں ہائر ایجوکیشن کے مراحل میں تھے۔ آپس میں بے تکلف دوستوں کے مانند۔ دونوں کے مسائل بھی ملتے جلتے تھے۔  
 اختیار سبزہ زار میں بیٹھا سوچ رہا تھا کہ آج اس کی بے گئی حرکتوں نے پہلے راجیل کو کئی دیا اور اب غزالہ بد مزہ ہو گئی تھی۔ وہ اجنبی لڑکی کیوں اس کے دل و دماغ پر چھاری تھی۔ جس کی اس نے صرف آج دو تین مرتبہ جانائی جھلک دیکھی تھی۔

اس نے سگریٹ نکال کر سلگائی۔ اس کی عادت تھی وہ تمباکو نوشی ہمیشہ تنہائی میں کرتا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ غزالہ یقیناً سفید لباس والی لڑکی کے بارے میں کچھ نہ کچھ جانتی ہو گی لیکن فی الحال تو اسے پہلے غزالہ کو منانا پڑے گا۔ وہ جتنی جلدی خفا ہوئی تھی۔ اتنی ہی جلدی مان بھی جاتی تھی۔

☆☆☆☆

”تم نے کل کلب میں شکل نہیں دکھائی۔“ راجیل، اختیار کو دیکھ کر مڑا۔  
 ”ہاں یار..... بس دل نہیں کیا۔“  
 ”کوئی اور بات تو نہیں ہے؟“ راجیل کی آواز میں تجسس تھا۔

”نہیں، سب ٹھیک ہے۔“ اختیار نے جواب دیا۔  
 ”دیکھ اختیار..... یاروں سے نہ چھپا۔ تیری آنکھیں سرخ ہیں۔ لگتا ہے سو یا نہیں ٹھیک طرح۔ وہی لڑکی والی بات ہے؟“  
 ”راجیل، یار لوگ مذاق اڑائیں گے۔“

جاسوسی ڈائجسٹ 223 نومبر 2018



”میں کچھ نہیں اڑاؤں گا۔ سچ تو یہ ہے کہ میں اپنے بطور پر معلومات کرتا رہا ہوں لیکن کہیں سے کوئی اشارہ نہیں ملا۔ تجھے وہم ہو رہا ہے۔ اس پکڑ میں تو غزالہ کو بھی ہارامی کر بیٹھ گیا۔“

”خود میری عقل کام نہیں کر رہی۔ رات میں نے اسے خواب میں دیکھا تھا۔ اس نے میرا ہاتھ پکڑا اور میری آنکھ کھلی تھی۔ تو کسی سے ذکر نہیں کرے گا۔“

”نہیں کروں گا۔“ راحیل نے یقین دلایا۔

”میں ذرا غزالہ سے مل لوں۔“ اختیار نے حرکت کی۔

”ہاں یہ بہتر ہے۔“ راحیل کشتی سہلاتے ہوئے اسے جاتے دیکھ رہا تھا۔

غزالہ صبح کے کمرے میں نہیں تھی۔ اختیار باہر اُدھر پھیرا رہا تھا۔ تصویر میں وہی چہرہ تھا۔ وہ پریشان تھا۔ وہ کوئی رنگین حراج شخص نہیں تھا۔ وہ نامعلوم لڑکی کو مارا سے نکالنے کی جتنی کوشش کرتا، لڑکی کا سحر طراز چہرہ اور آنکھیں اس کے تصور میں اور نمایاں ہو جاتیں۔ اختیار کھوتا کھاتا سبزہ زار میں نکل گیا۔ وہاں چند افراد موجود تھے۔ غزالہ بھی ایک طرف سٹی نشست پر بیٹھی تھی۔ اسے اکیلا دیکھ کر اختیار نے حیرت محسوس کی۔

”یہاں کیا کر رہی ہو؟“ وہ اس کے قریب بیٹھ گیا۔

”بیٹھی ہوں۔“

”وہ تو میں دیکھ رہا ہوں۔“

”پھر یہ کہ اندر چلو ایک باڑی لگاتے ہیں۔“

”مجھے یہاں اچھا لگ رہا ہے۔“ غزالہ متواتر اس کی جانب دیکھتے سے اجنبان برت رہی تھی۔

”میں نے سوری کہا تھا نا۔ کھو تو کان پکڑوں؟“

”ہاں پکڑ۔“ غزالہ نے چہرہ اس کی جانب کیا۔

اختیار نے ہاتھ آگے بڑھا کر۔

”ار۔۔۔۔۔ ارے۔۔۔۔۔ ارے۔۔۔۔۔ یہ کیا کر رہے ہو؟“ اس نے سر پیچھ کر کہا۔

”کان پکڑ رہا ہوں۔“ اختیار کا مود بدل گیا تھا۔

”نہیں دو۔“ اختیار مسکرایا۔

”ایک ہی ایمانداری سے بتا دو احسان ہو گا۔“

”تم آج کل پریشان ہو؟ تمہاری آنکھیں تھری ہیں اور تم کل غلاب معمول غائب تھے۔ اس دن بھی اچانک اٹھ کے چلے گئے؟“

اختیار پر کھلا گیا۔ ”میں رو تو نہیں آتا۔“

”ہنذا، اتوار کو تم لازمی آتے ہو۔“ غزالہ نے یاد کرایا۔

”اور تمہارا ایمان بھی سلامت ہے، لہذا ایمانداری سے بتا دو۔“

”ہاں، کچھ پریشانی تو ہے۔“

”کیسی پریشانی؟“

”یہ دوسرا سوال ہے۔ اور تم نے کہا تھا کہ ایک کا جواب ہی کافی ہو گا۔“ اختیار مسکرایا۔

”چالاک مت بنو۔ ایک ہی سوال ہے، اور جواب دو گے تو سوال اور جواب دونوں عمل ہو جائیں گے۔“

”اس طرح تو بات بڑھتی رہے گی۔“

”کیا ہر سچ ہے۔ تم کوئی غلط کام کر رہے ہو؟“

”تم ایسا سوچ سکتی ہو؟“

”نہیں، لیکن تم اتنا وقت کیوں لے رہے ہو؟“ غزالہ نے پوچھا۔

”اچھا بتا رہا ہوں۔ پہلے وعدہ کرو کہ بدگمان نہیں ہو گی۔“

”اوہ۔۔۔۔۔ ہو، انہی کوئی بات ہے۔ کیا یاد کرو گے، وعدہ رہا۔“

خاموشی کا قند آیا، دونوں ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔

معا غزالہ کو اور رک ہوا کہ وہ اسے نہیں بلکے اس کے عقب میں دیکھ رہا تھا۔ غزالہ نے تیزی سے مڑ کے دیکھا۔

تاہم اسے وہاں کوئی غیر معمولی بات نظر نہیں آئی۔

آہو چشم حسین، سفید لباس میں گلاب کی عمارت کی جلی منزل کے میز پر سے اختیار نیاز کی کونک رہی تھی۔ غزالہ کے میز پر ہی وہ پیچھے جٹ گئی۔ اختیار نے اسے چونکی مڑج دیکھا تھا اور خواب میں کئی بار۔

اختیار نے بے شکل خود کو اٹھنے سے باز رکھا۔ ایک گہری سانس لی اور غزالہ کی طرف متوجہ ہوا۔ جس کے چہرے پر کبیرگی کے آٹھ نظر آ رہے تھے۔

”ذیر غزالہ بات یہ ہے کہ۔۔۔۔۔ اس نے جاکم و

ہست سب کچھ اسے بتا دیا۔ اگرچہ اسے دکھ ہوا تھا کہ وہ زاپ والی بات گول کر گیا تھا۔

”بہت غریب۔“ غزالہ کے تاثرات سچ سن کر بہتر رہنے لگے۔ ”اب میں سمجھی کہ کل تمہارا دوست راحیل کیوں جا سوس بنا ہوا تھا؟“

”میں نے اسے نہیں کہا تھا کہ لڑکی کی حاش میں نکل کر رہا ہو۔ تم اسے بلا کر میری موجودی میں تصدیق کر سکتی ہو۔“ اختیار نے صفائی پیش کی۔

”نہیں، مجھے اعتبار ہے اور خوشی بھی کہ تم نے حقیقت بتائی ہے۔“ غزالہ نے کہا۔

”تجہیز کیا پتا کہ میں حقیقت تک رہا ہوں۔“ اختیار نے سوال کیا۔

”انارڈی ٹھکانا۔۔۔۔۔ کیونکہ میں سہیلی کو جانتی ہوں۔“

اختیار نیاز کی دنگ رہ گیا۔ پھر اسے خیال آیا کہ غزالہ یہ بات ادا کر رہی ہے۔

”سہیلی ایک؟“ وہ مسکرایا۔

”نہیں، سہیلی شہر والی۔“ غزالہ نے شہیدگی سے کہا۔

اختیار غیر یقینی انداز میں اسے گھورتا رہا۔ ”تو اس کا سہیلی ہے؟“ اس نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ خود اختیار کو یہ سمجھنے لگا تھا کہ سہیلی کوئی ہستی ہوئی روح ہے۔ سہیلی کی پال۔ اچانک نظر آنا پھر غائب ہو جانا۔ ایسے روز ہی وہ اس کے خوابوں میں جس آئی تھی اور غزالہ انکشاف کر رہی تھی کہ وہ سہیلی سے واقف ہے۔

”ہاں۔ سہیلی۔“

”ہوائی پیچک رہی ہو یا۔۔۔۔۔“

”سفید لباس۔ بالائی ہونٹ پر سرخ حق۔۔۔۔۔“

غزالہ طنزیہ انداز میں مسکرائی۔

حیرت و حیرت۔ ”تم کیسے جانتی ہو؟“

”پہلے یہ بتاؤ کہ اس کے لیے تم سرگرداں و پریشان رہا رہیں کالی کر رہے ہو؟“

”ایسی بات نہیں ہے۔“

”پھر کیسی بات ہے؟“

”کیا کہوں؟ تجھ سمجھ لو۔“ اختیار نے بے بسی سے کہا۔

”بات یہی نہیں۔۔۔۔۔ احساس تو مجھے بھی ہے کہ ایسا راپا اور محرک گنہگار کسی کو بھی دوا نہ کر سکتا ہے۔“

الغت بریدہ

”میں اعتراف کرتا ہوں کہ واقعی ایسا شخص میں نے زندگی میں نہیں دیکھا لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس کے پیچھے میں پاگل ہو گیا ہوں۔۔۔۔۔ احتیاط ورکوں گا کہ جب وہ دکھائی دیتی ہے تو میرے ہوش و حواس رخصت ہونے لگتے ہیں۔“ اختیار نے صاف گوئی کا مظاہرہ کیا۔ ”ایک بات بتاؤ کہ۔۔۔۔۔ کہ سہیلی کسی زندہ ہستی کا نام ہے؟“

”کیا مطلب؟“

”سیدھا سوال کیا ہے میں نے۔“

”ہاں، وہ ایک حقیقت ہے۔۔۔۔۔ پراسرار حقیقت۔“

غزالہ نے بتایا۔

”پراسرار حقیقت؟“ اختیار نے سنی محسوس کی۔

”تم جانتے ہو کہ سوسائٹی کی کئی کئیگری میں بڑے بچکے ہیں۔ سوسائٹی کی دو باؤنڈری وال ہیں۔ عقب میں نالا ہے۔ سامنے سڑک دائیں بائیں باؤنڈری۔۔۔۔۔ بائیں باؤنڈری کی دوسری جانب و قیرستان ہیں۔ عیسائی برادری کا قیرستان چھوٹا ہے۔ قیرستان کی سمت باؤنڈری کے اندر بنگلوں کی تعداد کم ہے۔ پتا نہیں، اس کی وجہ قیرستان ہے یا کچھ اور۔۔۔۔۔ ان میں ایک بنگلا کئی برس سے خالی پڑا تھا۔۔۔۔۔“

”کیا کہانی لے کر چٹھہ لگیں۔“ اختیار نے اسکا ہت ٹلا ہری۔

”نہیں بتاؤ؟“ غزالہ نے منہ پر انگلی رکھ لی۔

”تم بھی بات بات پر ناراض ہو جاتی ہو۔۔۔۔۔ اچھا بتاؤ۔“ اختیار نے ہاتھ جوڑے۔

”بنگلا خالی اس لیے رہا کہ وہ لوگ سوسائٹی سے نکل گئے تھے اور اسے فروخت کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ بنگلا کا اس لیے نہیں۔ وہاں ایک قافل ہو گیا تھا۔ اس کی شہرت شراب ہو چکی تھی۔“

”قتل؟“

”تم بھی طویل عرصے سے یہاں ہو تمہیں نہیں معلوم؟“ غزالہ نے اعتراض کیا۔

”مجھے بہت زیادہ نہیں معلوم۔ تم اس دہشت ہاؤس نما بنگلے کی بات کر رہی ہو۔۔۔۔۔ میری معلومات کے مطابق تو وہ حادثہ تھا۔ معمولی تفتیش کے بعد پولیس نے قافل بند کردی تھی۔۔۔۔۔ غالباً پانچ سال بیت گئے۔“

”پتا نہیں کیا تھا۔۔۔۔۔ بقا ہر حادثہ ہی تھا۔ وہاں قافل میں ماں، دو بہنیں اور شاید ایک بچہ بھی تھا۔ دونوں بہنیں خوب صورت۔۔۔۔۔ اس وقت نو عمر تھیں۔“ ون یونٹ“ بنگلا ہے وہ۔ ایک روز خبر آئی کہ ایک بہن بنگلی منزل سے چپے



لاؤج میں گرئی۔ اس کی گردن ٹوٹ گئی تھی۔ وہ موقع پر ہی ہلاک ہو گئی۔ اپنے ہی گھر میں ریگ سے الٹ کر کیسے گرئی؟ پتا نہیں عرصے بعد وہ واپس آئے ہیں۔ گھر چوکیدار کے حوالے تھا۔ ان کی طویل غیر حاضری میں عجیب چہ میگوئیاں ہوتی رہیں۔ پراسرار کہانیاں گردش کرتی رہیں۔ پہلے بھی ان کا رکن کین عجیب تھا۔ اب بھی کسی سے نہیں ملتے۔ یہ بھی نہیں پتا کہ اندر کتنے لوگ ہیں۔ اور وہ واپس کیوں آئے ہیں؟ ہلکا کرانے پر چڑھا تھا لیکن چھ ماہ کے اندر ہی کرانے دار افراتفری میں چھوڑ گئے۔ "غزالہ خاموش ہو گئی۔

"یعنی سلی، جتنی کی بہن ہے؟" اختیار نے پوچھا۔  
 "اس کے سوا کوئی نہیں ہو سکتا۔ لیکن حیرت ہے کہ میں نے اب تک سلی تو کیا کسی بھی کین کو نہیں دیکھا۔ سوائے چند دو شنیوں کے۔ اور تم کہہ رہے ہو کہ تم نے اسے یہاں دیکھا جبکہ اس وقت تو کلب بے بھی نہیں تھے۔"  
 "ہو سکتا ہے وہ تازہ تازہ نمبر بنی ہو اس لیے کسی کے علم میں نہیں۔ لیکن موجودہ صورت حال کی خبر تمہیں کہاں سے لے؟"

"والدین کو باتیں کرتے سنا تھا۔" غزالہ نے کہا۔  
 "پھر میں نے ایک دو بار چمت پر جا کر دیکھا۔ اگرچہ وہ ہلکا اتنے قریب نہیں ہے، لیکن صحت پر ہے کچھ حصہ نظر آتا ہے۔ ایک بار مجھے وہاں روشنی دکھائی دی گئی۔"  
 "کیا دونوں بہنیں بڑواں ہیں؟" اختیار نے کچھ سوچ کر سوال کیا۔

"ہاں، دایا بانی معلوم ہوتا تھا۔ کیوں؟"  
 "ہو سکتا ہے۔" اختیار نے پیشانی رگڑی۔ "وہ سلی نہ ہو۔"

غزالہ کی آنکھوں میں الجھن نظر آئی پھر الجھن کی جگہ ہراس نے لے لی۔

"تمہارا مطلب ہے کہ۔۔۔۔۔"  
 "ہاں، تم ٹھیک سمجھ رہی ہو۔" اختیار سگریٹ نکالتے نکالتے رک گیا۔

"تم یقین رکھتے ہو ان چیزوں پر۔۔۔۔۔ بھوت پریت۔۔۔۔۔ روح بدروح۔۔۔۔۔ مافوق الفطرت مظاہر۔۔۔۔۔" وہ کسی حد تک "اختیار نے خلا میں گھومتے ہوئے کہا۔

☆☆☆

راشل نے بڑبڑاتے ہوئے گھڑی کی جانب دیکھا۔

رات کا ایک بجھا تھا۔ پتا نہیں موہاں کتنی بار گھٹنایا تھا۔  
 "ہاں، بول۔۔۔۔۔ کیا تکلیف ہے؟ اس وقت ایک بجے؟"

"راشل ایک کام کر دے۔"  
 "یار عجیب آدمی ہے۔۔۔۔۔ ایسا کیا کام ہے کہ تو صبح کا انتظار نہیں کر سکتا؟"

"وہ اپنے ہلاک میں سفید رنگ کا ہنگا ہے۔ نمبر 166 ہے۔ یاد آیا؟"  
 راجل نے بائیں ہاتھ سے آنکھیں مسلیں۔ "ہاں، وہ تو خالی پڑا ہے۔"  
 "تو جتنے قبل آباد ہو گیا ہے۔" اختیار نے گویا انکشاف کیا۔

"یہ بتانے کے لیے اس وقت فون کیا ہے؟" راجل نے جوابی لی۔

"نہیں یار۔۔۔۔۔ وہاں لینڈ لائن جاری ہی ہے۔ مجھے فون نمبر چاہیے۔"  
 "تیرے خیال میں میں یہاں ٹیلی فون آئیچینج کنول کے بیٹھا ہوں؟" راجل بھٹکا گیا۔

"بلیز یار۔۔۔۔۔"  
 "یارے دوست، پہلے ڈاکٹر کے پاس جا۔ اس کے بعد شعیب سے مل۔ تو بھول گیا کہ شعیب کے والد خرم آئیچینج میں کام کرتے ہیں۔ مجھے سو سے اٹھا دیا بلکہ خیر جا۔ خیر دامخ آج کل غور سے ہٹ کر گھوم رہا ہے۔ شعیب میں مل۔۔۔۔۔ شعیب سے میں خود بات کروں گا۔ وہ براہ راست اپنے ابا سے پوچھنے کا تو جواب میں اس کی شادی کرا دی جائے گی۔ اب آرام سے سوا دو مردوں کو بھی سونے دے۔ خدا حافظ۔"

☆☆☆

وہ دونوں سبزہ زار میں ایک درخت کے نیچے بیٹھے تھے۔ سورج غروب ہو چکا تھا۔ وہاں مناسب فاصلے سے پلازلائٹ نے باؤل روشن رکھا ہوا تھا۔ چھڑی گھاس اور ہوا تازگی دکھائی تھی۔ چائے کے کپ ہاتھوں میں تھے۔ راجل نے شرٹ کی جیب میں بایاں ہاتھ ڈال کر ایک پرانی نکالی۔  
 "لے پکڑ فون نمبر۔۔۔۔۔ اور مجھے بتا کس جگہ؟" میں ہے تو؟

"فون کرنا ہے وہاں۔"  
 "آخر کیا ہو گیا ہے تجھے؟ وہاں کس کو فون کرے گا؟ کس حیثیت میں کرے گا؟ میں نے سنا ہے کہ اس عمارت کی

شہرت ابھی نہیں۔ عجیب کہانیاں منسوب ہیں اس جگہ سے۔ شعیب کی مدد سے نمبر تو مل گیا تھا لیکن میں نے حیرانم درمیان میں نہیں ڈالا۔ تو مجھے صاف صاف پوری کہانی سنا۔ میری پچھلی جس کہہ رہی ہے کہ تو خرم خرم کوئی خیال پالنے والا ہے۔" راجل نے اختیار کو آنکھیں دکھائیں۔

اختیار سوچ میں پڑ گیا۔ وہ رات خواب میں پھر نظر آتی تھی۔ اس نے گہری سانس لی۔ رات والا خواب کول کر کے تمام رام کہانی اس نے راجل کے گوش گزار کر دی۔ اس کہانی میں غزالہ کی گفتگو بھی شامل تھی۔

"غزالہ نے سلی کو دیکھا ہے؟" راجل نے سوال اٹھایا۔

"بائی میں دیکھا ہوگا۔۔۔۔۔ فی الحال تو یوں لگتا ہے کہ میرے سوا کسی نے نہیں دیکھا۔"

راجل کی پیشانی شکن آلود ہو گئی۔ "تو کیوں اسے اہمیت دے رہا ہے؟"

"یار میں نہیں دے رہا۔ لیکن جب وہ مجھے دکھائی دیتی ہے تو میں بے اختیار ہوجاتا ہوں۔"

"تو اپنا نام بدل لے۔"

"مجھے مذاق سوچ رہا ہے۔" اختیار نے منہ بنایا۔  
 "مذاق تو کر رہا ہے۔ فون کر کے کیا کہے گا؟ یہ کوئی یورپ تو نہیں ہے۔ فرض کر کے مرد نے اٹھایا تو کیا کہے گا؟"

"میں نے سوچا تھا۔"  
 "بہت خوب، ہوم ورک بھی ہو رہا ہے۔۔۔۔۔ بھلا بتانا کیا سوچا تھا؟"

"کہہ دوں گا کہ کلب سے بات کر رہا ہوں۔۔۔۔۔ ظاہر ہے کہ وہ یہاں مجھے ملی تھی۔" اختیار نے داد طلب نظروں سے دوست کو دیکھا۔

"اسے تو ملنا کہتا ہے؟" راجل نے داد دینے کے بجائے اعتراض کیا۔

"اور کوئی کیا بنا نہیں ہے۔۔۔۔۔ اور کیا کہہ سکتا ہوں؟"

"بات تو ٹھیک ہے لیکن فون کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟"

"کچھ تو ہے کہ اس سوال کا میرے پاس کوئی جواب نہیں ہے۔" اختیار نے اعتراف کیا۔

"ترب کریم تیرے حال پر رحم کرے۔" راجل نے رعایتی انداز میں ہاتھ بلند کیے۔

☆☆☆

رات کے کھانے کے بعد اختیار اپنے کمرے میں بند

## الفت بوبیدہ

ہو گیا۔ وہ ذہنی کشاکش کا شکار تھا۔ راجل کی باتیں یاد آ رہی تھیں۔۔۔۔۔ کہہ تو ٹھیک رہا تھا۔ میں سلی کو کیسے فون کر سکتا ہوں؟ کیا کہوں گا؟ اس نے ریسیور اٹھا کر واپس رکھ دیا۔ نہیں میں نہیں کر سکتا۔

اس نے پھر ریسیور اٹھا یا۔ کیا حاکت ہے؟ کسی نے کان میں کہا۔ وہ جھلا گیا اور نمبر 166 کرنے لگا۔

دوسری جانب جلی گھٹتی جلی تو پھر اسے خیال آیا کہ فون بند کر دے تاہم اس نے ایسا نہیں کیا۔ دوسری گھٹتی بجنے کی آواز آئی۔ تیسری۔۔۔۔۔ چوتھی۔۔۔۔۔ پانچویں۔۔۔۔۔ چھٹی۔

کوئی گھر پر نہیں ہے شاید۔ وہ فون بند کرنے ہی والا تھا کہ دوسری جانب سے معافی کے فون اٹھا لیا۔

"کون؟" وہ مردانہ آواز تھی۔  
 اسے تو قہر نہیں تھی کہ سلی کے علاوہ کوئی اٹھائے گا۔

اس کا حلق خشک ہو گیا۔ "ہیلو۔" وہ اتنا ہی کہہ سکا۔  
 "کون ہے؟"

"میں کلب سے بات کر رہا ہوں۔ سلی گھر پر ہے؟"

"کیا کہا؟ کیا نام ہے تمہارا؟" برہمی سے سوال کیا گیا۔

"معذرت خواہ ہوں۔ شیردانی صاحب کا گھر ہے؟"

"ہاں، کیا بات ہے؟"

"برائے مہربانی سلی سے بات کرائیے۔" اس نے جی کڑا کر کے بول دیا۔

دفترا دوسری طرف سکوت طاری ہو گیا۔ اختیار سمجھا کہ فون بند کر دیا گیا ہے لیکن اس کا دلہندہ تھا۔

"سوری، یہاں کوئی سلی نہیں رہتی۔" جواب آیا اور فون بند کر دیا گیا۔

اختیار نے حیرت سے اڑبیں کو گھورا پھر چونک کر ریسیور فون پر ڈال دیا۔ فون اٹھانے والا غالباً نیند سے بیدار ہوا تھا۔ اس لیے براہم تھا۔ اختیار نے خود کو بھلایا۔

☆☆☆

دوسرے روز شام سے بجلی بارش ہو رہی تھی۔ وہ کلب پہنچا تو بارش قدرے تیز ہو چکی تھی۔ اختیار نے جیکٹ پہنی ہوئی تھی۔ وہ تیز قدموں سے راداری میں داخل ہوا اور لڑکی نے گھبراتے گھبراتے بھا۔۔۔۔۔ اس نے سونے پر بھی سفید پہنا ہوا تھا۔ سیاہ زلفوں میں رکن بھی سفید رنگ کا تھا۔

پھر فون پر کون تھا۔ کیا اس نے بوکھا جٹ میں راگ نمبر ملا یا تھا اور فون اٹھانے والے نے غصے میں آکر بھوت











بڑھ گئی۔

”بہت خوب..... تو..... تراخ ہے، آپ جناب..... جی جناب تک آگئے۔ کہاں سے چلے آئے کہاں آگئے۔ چلو ایک مصرع ہی سہی؟“ اختیار نے شوخ نظروں سے اسے دیکھا۔

وہ خاموش رہی۔

”خاموشی نیم رضامندی۔“ اختیار بولا۔ ”لو سنو، یہ دوسرا مصرع ہے..... بقول شاعر..... خیال رہے چھوٹی بھر ہے..... محض چند الفاظ۔

بن میں غزال جیسے بیکے بیکے

غزال چپ رہی۔

”پہلا مصرع بھی یک دون۔ بشرطیکہ تم جوتی نہ اُتارو..... شاعر پہلے مصرعے میں کہتا ہے۔

سانچے میں ڈھلا ہوا.....

”ایک لفظ مت بولنا آگے۔“ غزالہ نے ازخود فطنتی میں اختیار کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

”اوہ..... لی..... دونوں کی آنکھیں چار ہوئیں۔ غزالہ نے قفل ہو کے ہاتھ کھینچ لیا۔

اختیار نے گہری سانس لی۔ ”ہاتھ پر بھی خوشبو لگاتی ہو کیا؟“

”تم بہت بد معاش ہو۔“

”یہی سننا رہ گیا تھا..... کبھی ہاتھ پکڑتی ہو، کبھی منہ پکڑتی.....“

”میں واقعی جوتی سے حجامت بنا دوں گی۔“

اختیار نے سر جھکا دیا۔ ”مر تسلیم تم ہے..... اپنی مرضی کا ہیمر اسٹائل بنا دو۔“

”تم کچھ اور کہہ رہے تھے۔“ اس مرتبہ غزالہ نے موضوع تبدیل کرنے کی کوشش کی۔

”ہاں لیکن تم نورانا راض ہو جاتی ہو۔“

”دیکھو اختیار تم خواہو اور کوئی مصیبت کمزور کر لو گے۔ میں تمہاری بھلائی کے لیے کبھی ہوں۔“

”مجھے تم پر یقین ہے۔“

”قبرستان کیوں جاؤ گے؟“

”میں ستارہ کی قبر دیکھنا چاہتا ہوں۔“

”کیوں؟“

اختیار نے ٹوک کر جواب دیا۔ ”میرا خیال ہے کہ وہاں سہیلی کی قبر ہونی چاہیے۔ کتب میں ستارہ آئی ہے۔ سہیلی نہیں۔“

غزالہ نے حیرت سے اختیار کو دیکھا اور اپنا سر ہچک لیا۔ دونوں جانب خاموشی مچی۔

”اختیار یہ صرف تمہارا دم ہے۔“ بالآخر وہ بولی۔

”ہو سکتا ہے۔“

”ایسا ہی ہے۔“ غزالہ نے مضبوط لہجے میں کہا۔

”نیز اگر تمہارے دماغ میں یہ خناس سما گیا ہے کہ یہ کوئی باوقی الفطرت قسم کا معاملہ ہے تو تمہارے لیے صرف دعا ہی کی جاسکتی ہے۔ بالفرض حال ایسا ہے بھی تو تمہاری خیریت اسی میں ہے کہ تم خود کو اس میں نہ الجھاؤ۔“

اختیار نے کوئی جواب نہیں دیا۔

”میں نے تمہیں سہیلی کے بارے میں بتایا تھا۔ تم نے جسے دیکھا ہے، وہ سہیلی ہی ہے۔ آج نہیں تو کل وہ تمہارے علاوہ کسی اور کو بھی دکھائی دے گی۔ ہو سکتا ہے کہ مجھ سے ہی لڑ بھڑ ہو جائے۔ لہذا چند روز صبر کرو۔ یہ ہوئی پہلی بات۔“

غزالہ نے یقین کے ساتھ اختیار کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ”اور دوسری بات یہ کہ تم قبرستان میں بیٹھنے کی شاعرانہ حماقت سے دور رہو گے۔ مجھ سے وعدہ کرو۔“

اختیار پر سوچ انداز میں غزالہ کو دیکھتا رہا۔ ”ٹھیک ہے۔“

”کیا ٹھیک ہے؟“

”وعدہ کرتا ہوں۔“

”مگر، مجھے تمہارے وعدے پر بھروسہ ہے۔“

غزالہ نے مطمئن انداز میں سر کو جھٹک دیا۔

☆ ☆ ☆

اختیار غزالہ سے تو کیا کسی سے بھی وعدہ خلافی نہیں کر سکتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ ہمیشہ وعدہ کرتے وقت نہایت احتیاط سے کام لیتا تھا۔ غزالہ سے عہد کرنے کے بعد قبرستان جانے کا خیال اس نے دماغ سے نکال دیا تھا۔

وہ بے یقینی سے اپنے کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ غزالہ کا کہنا ٹھیک تھا۔ وہ یقین سے نہیں کہہ سکتا تھا کہ فون پر جس منظر میں جولوڑی چھ رہی تھی، آیا وہ سہیلی تھی یا کوئی اور؟ لیکن سہیلی کے علاوہ کون ہو سکتا ہے..... اگر وہ سہیلی تھی تو اسے کیونکر خبر ہوئی کہ فون کرنے والا اس سے بات کرنا چاہتا تھا۔

سب سے اہم سوال یہ تھا کہ وہ آخر کیوں بار بار اس کے بارے میں سوچنے پر مجبور ہو رہا تھا۔ یہ محض تجسس تھا یا کچھ اور؟ اسے کوئی شک نہیں تھا کہ کلب میں سہیلی نے اس کے ساتھ بات کی تھی۔ چند فقرے ہی صبح.....

دفعۃً اسے ایک نیا خیال سوجھا۔ اختیار نے گھڑی دیکھی۔ گیارہ بجنے والے تھے۔

اس نے آٹھویں چابیاں لیں اور گھر سے نصف گھنٹے کا بہانہ کر کے نکل گیا۔ ٹھیک گیارہ بجے وہ سفید رنگ کے بنگلا B-166 کے قریب تھا۔

سوسائٹی کی اس جانب سناٹا تھا۔ کہیں کہیں بیکر اور آک کی کھڑکیاں تھیں۔ B-166 کے دو کیمباں، سوسائٹی کی حدود میں مکانات کی تعداد کم تھی۔ خالی پلاٹ زیادہ تھے۔

اختیار نے گاڑی کی رفتار کم کر دی۔ سیکڑ گیز میں وہ دھیمی رفتار سے سفید بنگلے کے سامنے سے گزر گیا۔ اس دوران اس نے بغور بنگلے کا جائزہ لیا۔ گراؤنڈ فلور تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ پہلی منزل کی کھڑکیوں پر دیز پر دسے پڑے تھے۔ ایک کھڑکی کا پردہ ذرا سا ہٹا ہوا تھا۔ وہاں سے روشنی نکل رہی تھی۔ کسی قسم کی آواز نہیں تھی۔

واحد کھڑکی میں روشنی کی جھلک نہ ہوئی تو کوئی بھی اس سے متعلقہ نہیں تھا۔ بنگلا دریاں ہے۔ ممکن تھا کہ کسی اور کمرے میں بھی روشنی ہو جو پردوں کے باعث باہر نہ آ رہی ہو..... تاہم ایک عجیب ناقابل فہم احساس اختیار کے زیر گردن پھوٹ رہا تھا۔

بنگلے کے چاروں طرف اُن دھیمی پُراسرار چادر تھی ہوئی تھی۔ گراؤنڈ فلور کی تاریکی..... حتیٰ کہ گیت پر موجود لیپ بھی روشن نہیں تھے۔ ناقابل فہم یہ بات تھی۔ اگرچہ، سوسائٹی کی سیکورٹی اتنی بھی تیز بارہ بجے کے بعد گلیوں میں گارڈز بھی گھومتے تھے۔ اسٹریٹ لیمپس بھی تھے۔ یہ اور بات تھی کہ کہیں کہیں اسٹریٹ لیمپس تاریک پڑ سکتے تھے۔

آگے چار پانچ پلاٹ چھوڑ کر ایک نامکمل ڈھانچا کھڑا تھا۔ غالباً زیر تعمیر پلاٹ پر کام رکا ہوا تھا۔ باہر چار پانچ پر چوکیدار لیٹا ہوا تھا۔ اختیار آگے بڑھتا رہا۔ اس کے دماغ میں چھوٹی پک رہی تھی۔ ایک ذہنی نگاہ تھی۔ اس نے ایک بار پھر گھڑی میں وقت دیکھا۔ بالآخر اس نے فیصلہ کر کے سوزوکی آلوواپس گھرائی اور ساہجہ رفتار سے واپس ہوا۔

اس نے آٹھویں بنگلے کے برابر خالی پلاٹ کے ساتھ روک دی۔ ہیڈ لائٹس آف کر کے انکیشن میں چابی گھمائی اور انجن گل کر دیا۔ وہ صرف بنگلے دیکھنے کے ارادے سے نکلا تھا لیکن اب اس کا ارادہ بدل گیا تھا۔ اسے یقین نہیں تھا کہ یہ اس کا ذاتی فیصلہ تھا یا پھر سہیلی اسے مدد کے لیے بلارہی تھی۔ وہ خاموش بیٹھا تجزیہ کر رہا تھا۔ اس نے سٹریٹ کا

## الغتب بریدہ

پیکٹ نکالا، پھر واپس جیب میں رکھ لیا۔ سر جھٹک کر اس نے گاڑی کا دروازہ کھولا اور باہر آ گیا۔ چابی اس نے انکیشن میں ہی چھوڑ دی تھی۔

بہلی گھنٹی ہوا تازگی پیش تھی۔ اس نے گھر سے گھرے سامنے لیے۔ معاہدہ چلتا بند ہو گئی۔ دوسرے کسی کتے کے بھونکنے کی آواز آئی اور پھر خاموشی..... سناٹا مزید گہرا ہوا گیا۔

اختیار نے بالوں میں اٹھکیوں سے کھٹکی کی اور منہ مٹی سے قدم اٹھانے شروع کیے۔ ہوا پھر سے چلنے لگی۔

کتنے کی آواز بلند ہوئی وہ اندازہ نہیں لگا پایا کہ دوسری مرتبہ کتنے کی آواز مزید دور سے آئی تھی یا نسبتاً قریب سے۔ تاہم وہ چلتا رہا۔

B-166 کے گیٹ کے قریب پہنچ کر معاہدہ ٹھیک کر لیا۔ آنکھیں سیکڑ کر دور سوڑک پڑ دیکھا۔ غالباً تین سو گز کا فاصلہ ہو گا۔ وہاں اسٹریٹ لیپ روشن تھا۔ وہ سایہ اس روشنی کے نیچے سے گزرا تھا اسی لیے وہ اختیار کی نظر میں آ گیا۔ وہ چند سیکڑ اختیار کی چٹائی کی زد میں رہا اور گلی میں غائب ہو گیا۔ اس کے آگے ایک کتا تھا جس کی دسی اس نے تمام کر لی تھی۔

کون رہا تھی، کتنے کے ساتھ جا ملگ کر رہا ہے اس وقت؟ پھر اسے خیال آیا کہ وہ خود اس وقت یہاں کیا کر رہا ہے؟ اس نے پلٹ کر گاڑی کی طرف دیکھا۔ اسی وقت تصور میں سہیلی کی چٹکیں سنائی دیں۔

اختیار کو خیال آیا کہ اسے داخل کے ساتھ آنا چاہیے تھا یا کم از کم اسے بتا دینا چاہیے تھا..... بہر حال اس نے دوسو سو کو ایک طرف رکھا اور آگے بڑھ کر گیٹ پر موجود گھنٹی کے بٹن پر انگلی رکھ دی، وہاں انتظار کام نہیں تھا۔ یہ بھی اچھا ہے۔ اختیار نے سوچا۔ کسی نہ کسی کو گیت پر آنا پڑے گا ورنہ انتظار کام پر وہ کیا کہتا۔

اندر کہیں کھٹکی بجی ہوگی لیکن آواز باہر تک نہیں آئی تھی۔ نہ کوئی درمحل..... تیس سیکڑ گزرے پر اس نے پھر بٹن کو دبایا اور پانچ سیکڑ بعد چھوڑ دیا۔ معاذ اسے احساس ہوا کہ گردن پر گھوٹی چیز رینگ رہی تھی۔ اس نے گردن پر ہاتھ مارا۔ پھر خود کو سمجھانے کے لیے بے آواز ہنسنے لگا۔ بالوں کی جڑ میں جمع ہونے والی مٹی پسینے کا قطرہ بن کر گردن پر مڑا آئی تھی۔

اس کا دل کہہ رہا تھا کہ وہ انہیں چلا جائے۔ شاید وہ لوٹ جاتا۔ لیکن اسی وقت گراؤنڈ فلور کا دروازہ کھلا.....

جاسوسی ڈائجسٹ 233 نومبر 2018

جاسوسی ڈائجسٹ 232 نومبر 2018

جاسوسی ڈائجسٹ 232 نومبر 2018

جاسوسی ڈائجسٹ 232 نومبر 2018

جاسوسی ڈائجسٹ 232 نومبر 2018

جاسوسی ڈائجسٹ 232 نومبر 2018

جاسوسی ڈائجسٹ 232 نومبر 2018

جاسوسی ڈائجسٹ 232 نومبر 2018

جاسوسی ڈائجسٹ 232 نومبر 2018

جاسوسی ڈائجسٹ 232 نومبر 2018

جاسوسی ڈائجسٹ 232 نومبر 2018







”بس یار، گالی نہ دے۔ محبت ایک ہی بار ہوتی ہے۔ تجھے مجھ پر یقین نہیں؟“  
”یقین ہے لیکن آخر پھر مسئلہ کیا ہے؟“  
”مسئلہ سبکی ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ غزال کی جگہ لینے والی ہے۔“

”پھر؟“ راجیل نے کریدنا۔  
”پھر یہ کہ۔۔۔“ اختیار چپ ہو گیا۔ راجیل نے بے چینی محسوس کی، تاہم خاموش رہا، اختیار نے گہری سانس لے کر جملہ کیا۔ ”پھر یہ کہ پرسوں میں اس کے گھر گیا تھا۔“  
”سبکی کے۔۔۔؟“ راجیل نے بے چینی سے اختیار کو دیکھا۔

”ہاں۔۔۔“  
خاموشی کا ایک طویل وقفہ آیا پھر راجیل نے یک لفظی سوال کیا۔ ”کیوں؟“  
”یہ نہیں۔“ جواب ملا۔  
”یہ کیا بات ہوئی؟“

”بات یہ ہے کہ میں نے دوسری مرتبہ وہاں کال کی تھی تو پس منظر میں سبکی کی آواز آئی تھی۔ وہ مجھ سے بات کرنا چاہتی تھی لیکن اسے فون تک نہیں آنے دیا گیا۔ مجھے یوں لگا کہ اس کے ساتھ کسی قسم کی زبردستی کی جارہی ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ جب بھی مجھے یہاں نظر آئی تو میں نے محسوس کیا کہ اسے بدو کی ضرورت ہے۔ ایک مرتبہ میری یہاں پر اس سے مختصر بات بھی ہوئی تھی۔ درحقیقت میں پرسوں چھٹی اس کا گھر دیکھنے گیا تھا۔ پھر پتا نہیں کیسے میں گریٹ پر پہنچ گیا۔“ اختیار نے آگے کی تمام روداد بیان کر دی۔

”غزالہ کتنا جانتی ہے؟“ راجیل نے سوال کیا۔  
”وہ ہر بات سے آگاہ ہے، سوائے پرسوں والے واقعے کے۔ وہ بھی میں مناسب وقت پر بتا دوں گا۔“  
”پرسوں تم نے کیا سمجھا؟“

”حقیقت یہ ہے کہ اس رات، چھوٹ نما شخص کی آخری بات میرے سر پر ہم کی طرح پکٹی تھی۔ میں بدحواس ہو گیا تھا شاید اس لیے کہ مجھے پہلے سے کچھ یاد تھا۔“  
”اب کیا سوچا تو نے؟“  
”میں گنہگار ہوں۔“

”کوئی اور ایکشن کرنے کا پروگرام بنایا؟“  
”فی الحال تو دماغ میں کچھ نہیں آ رہا۔۔۔ تم کیا کہتے

”بات یہ ہے کہ جنات اور ارواح پر تو میں یقین رکھتا ہوں لیکن یہ ایک الگ دنیا ہے۔ جھوٹ پریت قسم کی چیزوں کو میں نہیں مانتا۔“  
”پھر تو اس واقعے کی توجیہ کس طرح پیش کرے گا؟“

”سیدھی سی بات ہے۔ رات کا وقت تھا۔ تو پڑا احمد نہیں تھا۔ بجلی مرتبہ وہاں گیا تھا بلکہ گھر ڈھونڈتا ہوا پہنچا تھا۔ گھبراہٹ میں تو کسی اور گھر پر پہنچ گیا۔“  
”اختیار کا دماغ روشن ہو گیا۔ اس کی آنکھوں میں چمک نظر آئی۔ کچھ سوچ کر اس نے کہا۔  
”یار کیا خوب کتبہ اٹھایا ہے تو نے۔۔۔ جواب نہیں۔ اس امکان کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن۔۔۔ لیکن آدی نے مجھ سے جھوٹ کیوں بولا؟“

”سامنے کی بات ہے۔۔۔ غلط وقت پر غلط گھر پر جا کر تو نے غلط سوال کر دیا۔ وہ آدی سوزہا ہوگا، مجھے میں ہو گا۔ جھوٹ بول کر اس نے تیرے ساتھ مذاق کیا۔ اس طرح اپنا قصہ اتار کر بدلہ بھی لے لیا۔ ہر ایک کا الگ الگ انداز ہوتا ہے۔“

”کمال ہے۔۔۔ تیرا دماغ تو شاطروں کے مانند کام کر رہا ہے۔“ اختیار نے اظہار تحیر کیا۔  
”میں تم تو کس کس کھوتے رہے ہیں۔“  
”میرا یہ مطلب نہیں تھا۔ مجھے ظم ہے کہ تو اپنا پرانا دھندا چھوڑ چکا ہے۔“ اختیار کی آنکھوں میں شرارت نظر آئی۔

”بہت اچھے۔۔۔ صاحب کی طبیعت بحال ہونا شروع ہو گئی ہے۔“  
”دونوں ہنسنے لگے۔ اچانک اختیار کی فہمی میں بریک لگا۔

”کیا ہوا؟“  
”یار۔۔۔ اختیار نے سر سمجھا یا۔ لیکن اس آدی کو یہ کیسے پتا چلا کہ میں سبکی کے لیے فون کرنا ہوا ہوں؟“  
”راجیل چونکا۔ اس کی پیشانی ٹھنک آئی ہو گئی۔  
”بات میں وزن ہے۔ وہ پُر سوچ انداز میں بڑبڑایا۔  
”یار اختیار تو نے ساری منطق پر پانی پھیر دیا۔“  
”اب کیا کہتا ہے؟“

”اس کا مطلب تو صحیح جگہ پہنچا تھا۔ بات اتنی رہ جاتی ہے کہ اس آدی نے جھوٹ کیوں بولا۔۔۔ غالباً اس کا جواب میں دے چکا ہوں۔“

”یعنی وہ سو رہا تھا۔ مجھے میں آیا اور ایک اجنبی کو دیکھ کر اس نے جھوٹ بول کر بدلہ لے لیا اور جب تم نے وہاں فون کرنے کی بھی تصدیق کر دی تو وہ مذاق کو آخری حد تک لے گیا۔“

”ہاں، ایسا ہو سکتا ہے۔“  
”کوئی سبکی۔۔۔ ایسا ہی ہے۔“  
”ٹھیک ہے، لیکن اب کیا کروں؟“  
”کچھ نہیں کرو۔۔۔ ڈائل رہو۔ غزالہ کے ساتھ فسو بولو فی الحال اسے پرسوں والی بات نہ بتاؤ۔ میرے دماغ میں ایک آئینہ پارک رہا ہے۔“ راجیل نے کہا۔  
”آئینہ یا نہیں ہوا، کچھ ہو گیا۔“ اختیار کی رگ پھر پھڑکی۔

”کچھ اسی صحیح۔“  
”کیا کہتا ہے کچھ؟“  
”کچھ ایسا نہیں ہے کہ اشارہ کرتا ہے۔“ راجیل نے ہاتھ سے لہرے بنائے۔

”اچھا یار، اب بیک بھی دے۔“  
”بظاہر لگتا ہے کہ وہ یہاں ہی ممبر ہے۔“  
”ہاں، پھر۔“  
”تو آفس میں اس کا ریکارڈ بھی ہوگا۔“  
”اختیار اچھل پڑا۔ ”واہ استاد کیا کہنے جواب نہیں۔“  
”میں آفس میں اس کا ریکارڈ چیک کرتا ہوں۔“  
”لیکن یار وہاں تو زیادہ تر بیک صاحب ہوتے ہیں اور وہ ایک سنگی ہیں۔ تو بیک کام کیسے کرے گا؟“

”جان، میں بیک صاحب سے بڑا سنگی ہوں۔“  
”اچھا ابھی کبھی شک تو ہوتا ہے مجھے کہ تیرا کوئی اسکرپ ڈھیلہ ہے۔“

”تو پھر دیکھنے لگا۔“  
”اچھا بتا کیا کرے گا؟“  
”وہ گولی ہے؟“  
”گولی؟“ اختیار نے خوف زدہ انداز اختیار کیا۔  
”اوڈھلن ایک صاحب کا چہرہ اٹھارہ ہے نا۔۔۔“  
”اوڈھ اب سمجھا۔ لیکن گولی کیا کرے گا؟“  
”گولی کچھ نہیں کرے گا۔ جو کچھ کروں گا، میں کروں گا۔ بس گولی کو گولی دے کر بیک صاحب کو کچھ دیر کے لیے جگہ سے ہٹا دے گا۔“  
”بھائی ایسی کوئی گولی ہے تیرے پاس؟“  
”اپنے دماغ کو مت تھکا، میں تو۔۔۔“ راجیل صفا

چپ ہو گیا۔ ”غزالہ آ رہی ہے۔“ اس نے سرگوشی کی۔  
اختیار نے رخ بدلے بغیر راجیل کے ہاتھ پر ہاتھ مار کر قبضہ بند کیا۔ راجیل نے بھی جواباً دانت نکالے۔۔۔ غزالہ قریب آگئی تھی۔

”کامیڈی شو عمل رہا ہے؟“  
”سنیہا لو اسے۔“ راجیل نے قبضہ لگاتے ہوئے اختیار کو آنکھ ناری۔ ”میں چلا۔۔۔“ وہ ہاتھ ہلاتا ہوا رخصت ہو گیا۔

”طبیعت ٹھیک ہے؟ اس طرح قبضہ بار پہلے نہیں دیکھا۔“ غزالہ نے بغور اختیار کے تاثرات دیکھے۔  
”آؤ بیٹھو، کچھ نہیں بس۔۔۔ یہ دراصل راجیل بھی بعض اوقات جو کر ہی بن جاتا ہے۔“ اختیار نے جواب دیا۔

”کیا خیال ہے۔۔۔ بازی لگاؤ کی؟“  
”ہار جانی ہوں، پھر سنی۔“  
”تم ہار کے بھی جیت جاتی ہو۔“ اختیار نے اس کی آنکھوں میں چھانکنا۔  
”آف، تو بے۔۔۔ بات سے بات نکالنا، کوئی تم سے کیسے۔“

”یوں لگتا ہے، کہیں اور کا ارادہ ہے؟“  
”ہاں، شہر کے پاس جارہی تھی۔“ غزالہ نے کہا۔  
”ٹھیک ہے، تم ملو۔ میں بھی چلتا ہوں۔ کل بازی لگا گئیں گے۔“ اختیار کھڑا ہو گیا۔ ”چلو جاؤ۔“  
”کیا مطلب، بھگارتے ہو؟“  
”نہیں بھئی، اختیار نے سگریٹ کا پیکٹ نکالا۔ ”ایک سگریٹ پھر کا دوں، پھر لگتا ہوں۔“

☆ ☆ ☆  
اختیار گھر جانے سے قبل ادھر ادھر کا ڈی گھما تار ہا پھر سوسائٹی سے باہر نکل گیا۔ زندگی میں اس سے پہلے کوئی اس بڑی طرح اس کے حواس پر سوار نہیں ہوا تھا۔ اس نے فیصلہ کیا کہ جب تک راجیل کی جانب سے کوئی فنی اطلاع نہیں آئی، وہ سبکی کی جانب سے دھیان ہٹانے کے رکھے گا۔ تمام خیالات جھٹک کے اس نے سپر ہاکر کا رخ کیا۔  
ڈنر کے بعد بھی اس نے کچھ دیر اپنے کمرے میں جانے سے پرہیز کیا۔ جب سے اس نے سبکی کو دیکھا تھا، الگ تھلک سا ہوتا جا رہا تھا۔ اس نے محسوس کیا کہ گھر کے افراد نے بھی نوٹ کرنا شروع کر دیا تھا۔ چنانچہ پہلے کے مانند وہ باتیں کرتا رہا۔ فی دی دیکھا اور ایک نئے بعد



اپنے کمرے میں گیا۔

فون کی گھنٹی سے اس کی آنکھ سلی تھی۔ اختیار نے آنکھیں ملنے ہوئے سائز پیمبل پر الارم کلاک کی طرف دیکھا۔ بڑھ چ رہے تھے۔ ایک ٹون سیٹ لائٹ میں بھی تھا۔ وہ جھٹکے سے اٹھا اور ریسیور اٹھایا۔ گھنٹی بجنا بند ہو گئی۔

”ہیلو“ اختیار نے غبار آلود آواز میں کہا۔

”سلی سے دور ہو۔“

”کیا بکواس ہے؟ کون ہے؟“

”سلی سے دور ہو۔“ وہی فقرہ دہرایا گیا۔ لہجہ اکھڑ تھا۔ آواز بیٹھی بیٹھی لگ رہی تھی۔ ”وہ اس دنیا میں نہیں ہے۔ وہ مر چکی ہے۔ اس سے دور ہو ورنہ تم خود کو بھی دوسری دنیا میں پاؤ گے۔“

☆ ☆ ☆

اختیار نے بستر چھوڑ دیا۔ وہ کمرے میں نہیں رہا تھا۔ اس نے آواز پہچان لی تھی۔ غالباً اس کا ٹکڑا پہلے سے بہتر حالت میں تھا۔ آخری الفاظ میں انتہائی سنجیدہ قسم کی وحشی پوشیدہ تھی۔ اسے فون نمبر کیسے ملا؟

وحشی سے واضح تھا کہ وہ آدمی، اختیار کی رہائش گاہ سے بھی واقف ہے۔ اس کے فقرے اختیار کی سماعت میں گونج رہے تھے۔ ابھی ہوئی صورت حال مزید الجھن مٹی تھی بلکہ خطرناک رخ اختیار کر رہی تھی۔ سوچ سوچ کے اس کا دماغ دھکنے لگا۔ وہ بستر پر بیٹھ گیا۔ عجیب معاملہ ہے۔ اگر وہ مر چکی ہے تو میں اس کے قریب کیسے جا سکتا ہوں؟ اگر وہ زندہ ہے تو وہ جھوٹ کیوں بول رہا ہے؟ وہ کون ہے؟ سلی کی بھائی؟ یا کوئی اور؟ اختیار کا دماغ من ہونے لگا۔

وہ لیٹ گیا۔ وہ سب کچھ بھلا کر سونے کی کوشش کر رہا تھا۔ تاہم نیند کی دیوی روٹھ چکی تھی۔ دفعتاً فون کی گھنٹی پھر بجی۔ وہ گویا جھل پڑا۔ اب کون ہے؟ کیا وہی آدمی؟ لیکن وہ دوبارہ فون کیوں کرے گا؟ تیسری گھنٹی پہنچنے سے قبل ہی اس نے فون اٹھایا۔

”اختیار صاحب۔۔۔؟“ ایک سٹریٹ ٹھر دیتی آواز آئی۔ اختیار کا دل جھٹکی میں دھڑکنے لگا۔ یہ کیا؟ یہ سلی کی آواز تھی۔ وہ دنگ رہ گیا۔

”ہاں۔۔۔ ایک لفظ، ہنسی اس کے منہ سے نکلا۔ یہ کیا عقدہ لانا پڑا ہے۔“

”کیا آپ میری مدد کرو گے؟“

اختیار کی دھڑکن بڑھتی جا رہی تھی۔ اس کی سماعت تو دھوکا نہیں دے رہی۔

”میں ہوں۔ میں سلی ہوں۔“

”میں جانتا ہوں۔“ اختیار کے تصور میں سلی کا سحر انگیز سراپا ابھرا۔ سلی کی جاوونی سرگوشی نما آواز نے اسے اپنی گرفت میں لیتا شروع کر دیا۔

”مجھے آپ کی مدد چاہیے۔“ وہ بولی۔ آواز میں جلت کے ساتھ خوف کا عنصر بھی شامل تھا۔ ”میں کسی کو نہیں جانتی۔۔۔۔۔ صرف آپ سے بات کر سکتی ہوں۔ کیا آپ میری مدد کرو گے؟“ آخری فقرے میں خوف ہی خوف تھا۔

”میں۔۔۔۔۔ وہ۔۔۔۔۔ اختیار، بے اختیار ہونے لگا۔

”جاوید جلدی آ جاؤ۔“ سلی نے جیسے انتہائی۔ ”میں گھر کے پاس ملوں گی۔“ اس نے تیزی سے کہا اور فون بند کر دیا۔

اختیار ریسیور کو گھر تار باہر اسے کرڈل پر رکھ دیا۔ وہ گزشتہ مردانہ کال اور مگر کفر اموش چکا تھا۔ تاہم سوچ رہا تھا کہ اب تک اس نے جاوید کیوں کہا؟ شاید گھبراہٹ میں۔۔۔۔۔ سلی کی مہم آواز گھر میں گئی کہ وہ سخت مصیبت میں ہے۔۔۔۔۔ اس نے فون کیسے کیا؟ مصیبت کیسے ہے؟ وہ کیا کر سکے گا؟ وقت کیا ہو رہا ہے؟ وہ گھر سے باہر کیسے آئے گی؟ یہ تمام سوالات بھی اس کے ذہن میں نہیں آئے۔۔۔۔۔ صرف سلی کی آواز تھی جو کٹھن کشاں، اسے اپنی جانب کھینچ رہی تھی۔ اس نے تیزی سے کچڑے بدلے۔ آہستگی سے کمرے سے نکل کر دروازہ بند کیا۔ لائٹ میں سے چابی لی اور باہر نکل گیا۔ اختیار نے گاڑی اسٹارٹ نہیں کی۔ آہستہ سے گیٹ کھولا اور آلو کو دھکا دے کر باہر نکلا۔ دھیرے سے گیٹ بند کیا۔ دور کسی گلی میں سے گاڑی سٹی کی آواز آئی۔

وہ گاڑی کی سیٹوں سے کھڑا ہوا، گلی درگلی مخصوص سڑک پر نکل آیا۔ ذہن میں سوالات نے پیلا گئی۔ اسے شدت سے اپنی حیات کا احساس ہوا۔ اسے کم از کم ریسیور ہی نیچے رکھ دینا چاہیے تھا۔ احتیاطاً داخل کو فون کر دیتا۔ اگر گھر میں کوئی اٹھ گیا اور گاڑی کے غیاب کا علم ہو گیا تو کیا ہو گا۔۔۔۔۔ اس کے پاس ہتھیار کے نام پر کچھ نہیں تھا۔ اس نے گاڑی روک دی۔ گاڑی سے اتر کر ڈکی کھولی اور جیک کی راڈ نکال کر ڈرائیونگ سیٹ کے نیچے رکھ لی۔

وہ جیسے جیسے B-166 کے قریب ہو رہا تھا، ماحول کی پراسراریت بڑھتی جا رہی تھی۔

اختیار نے سلی کے گھر سے فاصلے پر روشنی میں گاڑی روک دی۔ اب کیا کرنا چاہیے؟ سلی اس وقت کہاں ہوگی؟

وہ گاڑی کے اندر سے ہی دوسرا دیکھ رہا پھر سگریٹ کا جیک نکال کر ایک سگریٹ تخت کی اور گاڑی سے باہر آ گیا۔ سلی ہوا ابھی لگ رہی تھی۔ پھٹکی کی آڑ میں اس نے سگریٹ سلگائی۔ ایک لمبا کش لے کر گاڑی کے ساتھ ٹیک لگا لی۔ پندرہ سگریٹ ختم ہو گئی۔ سلی کا کہیں پتا نہیں تھا۔ اختیار وہاں ہی کا قصد کر کے گاڑی میں بیٹھ گیا۔

ابھی اس نے دروازہ بند نہیں کیا تھا کہ برابر والی نشست کا دروازہ کھلا۔ خوشبو کا جھوٹا آواہ کوئی اندر بیٹھ گیا۔ اختیار نے چونک کر گردن موڑی۔

”سلی؟“ اختیار حیرت زدہ رہ گیا۔

”ہاں جی۔“ وہی مخصوص شرمیلا انداز۔ سلی نے اس وقت شال کھینچی ہوئی تھی۔

”تم نے مجھے ڈرا دیا۔“ اختیار نے گاڑی کے اندر کی لائٹ آن کی۔

”شکر ہے جی، آپ آ گئے۔“

”کیا مسئلہ ہے؟“ اختیار نے اطراف کا جائزہ لیا۔ بڑی مشکوک صورت حال تھی۔ گھڑی کی سوئیاں دو سے اوپر جاری تھیں اور وہ ایک لڑکی کے ساتھ نیم ویران جگہ پر تنہا تھا۔

”آپ میری مدد کر سکتے ہیں۔ آپ کے سوا کوئی مجھے نہیں جانتا۔“ بولی لگ رہا تھا جیسے وہ اندر کے خوف کو نمایاں ہونے سے روک رہی ہے۔

”ٹھیک ہے۔ لیکن اگر تم غلط نہ سمجھو تو میں تم سے ایک بار ہاتھ ملا لوں؟“ اختیار نے ہٹ کر کے دل کی بات کہہ دی۔ وہ لاعلم تھا کہ آگے کیا ہونے والا ہے۔ لہذا یہ نوع نفیست جان کر وہ ایک غلط سناتا جا رہا تھا۔

”کیوں جی؟“ سلی نے پلٹیں اٹھائیں۔

”پھر بیٹا دوں گا۔۔۔۔۔ بس ایک بار؟“

”ٹھیک ہے جی۔“

اختیار نے ہاتھ آگے بڑھایا۔ اس کا دل بہت زور سے دھڑکا۔ سلی نے بھی ہچکچاتی ہوئے ہاتھ اٹھایا۔

ہاتھ ملنے ہی اختیار کے دل کی دھڑکن اعتدال پر آنے لگی۔ تاہم نرم و ملائم ہاتھ۔۔۔۔۔ ہاتھ کی گری۔

”شکر ہے۔“ اختیار پر سکون ہو گیا۔ اس نے گوشت پوست کی جھٹکی، زندہ سلی سے ہاتھ ملا یا تھا۔ وہ عجیب سی خوش محسوس کر رہا تھا۔ وہ اس سرخوشی کو کوئی نام دینے سے قاصر تھا۔

”جھپٹیں پتا ہے، میں نے فون کیا تھا؟“

الغت بریدہ

”ہاں جی۔“

”میں تمہارے گھر آیا تھا، معلوم ہے؟“

”ہاں جی۔“ اس کے انداز پر اختیار، بے اختیار مسکرا اٹھا۔

”جھپٹیں کیسے علم ہوا۔۔۔۔۔ میرے آنے کا؟ فون کرنے کا؟ میرا فون نمبر کیسے ملا؟“

”میں آپ کے ہر سوال کا جواب دے دوں گی لیکن بعد میں۔ ابھی وقت کم ہے۔“ سلی نے کہا۔

”اجھیجھا۔“ اختیار نے اسی کا انداز اپنایا۔

”جی۔۔۔۔۔ جی۔۔۔۔۔ جی۔۔۔۔۔“ وہ کچھ گئی تھی۔

”کچھ نہیں۔ یہ بتائیے میں آپ کے لیے کیا کر سکتا ہوں؟“

وہ بار بار اپنے گھر کی جانب دیکھ رہی تھی۔

اختیار نے نگاہ ماری۔ سفید پگلا پہلے کے مانند تار کی میں ڈوبا ہوا تھا۔ دفعتاً پہلی منزل کی کھڑکی میں روشنی کی کثیر نظر آئی۔ اختیار کے اعصاب تن گئے۔ اس نے پھر پی سے اندر کی لائٹ آف کی۔ وہ جانتا تھا کہ گاڑی روشنی میں کھڑی ہے۔ بالائی کھڑکی سے کسی نے دیکھنے کی کوشش کی تو گاڑی بہ آسانی نظر میں آ جائے گی۔ سلی نے بھی روشن کثیر دیکھ لی تھی۔ اس کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔

اختیار نے گاڑی اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔ وہ سفید پگلا کے سامنے سے گزر گیا۔ گاڑی بھی اندھیرے میں گئی اور اس رخ سے مذکورہ کھڑکی بھی نظر نہیں آ رہی تھی۔

”میں تمہارے لیے کیا کر سکتا ہوں؟“ اختیار نے خلوص کے ساتھ کہا۔ ”پتا نہیں کیا بات ہے۔۔۔۔۔ جب سے جھپٹیں دیکھا ہے، تمہارے بارے میں ہی سوچتا رہتا ہوں۔“

”واقعی؟“ وہ محبوب سی نظر آئی۔ ”کہ۔۔۔۔۔ میرے ساتھ بھی ایسا ہی معاملہ ہے۔“

اختیار نے بے مین کر عجیب سی خوش محسوس کی۔ اسے غزالہ کا خیال آیا۔ دل میں دوسرے یاد رہا۔

”جھپٹیں کوئی پریشان کر رہا ہے؟“

سلی نے فنی میں سر ہلایا۔ ”مجھے نہیں معلوم۔“ اس نے پلٹ کر پگلا کی طرف دیکھا۔ آنکھوں میں ہراس تھا۔

اختیار ایک زندہ ہستی سے ہاتھ ملا چکا تھا۔ اختیار کے نزدیک سلی کو یہ بتانا غیر ضروری تھا کہ اس کی فیملی اس کے بارے میں کیا رائے رکھتی ہے۔ یہ سن کر وہ مزید شیشا جانی۔

”تم نے جواب نہیں دیا۔“ اختیار نے کہا۔



”وہ... وہ... میں دیکھنا چاہتی تھی کہ آپ آؤ گے یا نہیں۔“

”تو تم کسی مصیبت میں نہیں تھیں؟“ اختیار کو اس کا جواب اچھا لگا لیکن کچھ عجیب بھی لگا۔ ایک بار پھر غزالہ کی آنکھیں اس کے تصور میں ابھریں۔ گویا وہ آنکھیں شکوہ کناں ہوں۔

”میں جانتی تھی آپ آؤ گے۔ ضرور آؤ گے۔“ وہ اختیار کی طرف دیکھے بغیر بول رہی تھی۔

”میں تمہارے گھر آیا تھا تو ایک آدمی ملا تھا۔“ اختیار اس کی محبوبیت پر ہلکا گیا۔

”وہ میرا بھائی پر دینے۔“

”میں نے پر دینے سے تمہارے بارے میں پوچھا تو وہ برہم ہو گیا تھا۔“

”کیا کہہ رہا تھا، وہ؟“ سہلی نے اختیار کی طرف دیکھا۔

”کچھ عجیب بات کر رہا تھا۔“

”وہ پاگل ہے۔ اچھا آدمی نہیں ہے۔ وہ کچھ بھی کہہ سکتا ہے۔ آپ اس سے دور ہو۔“ وہ لڑنے لگی اور دروازہ کھول کر باہر نکل۔ اختیار نے اس کا ہاتھ پکڑا چاہا لیکن ناکام رہا۔

”آپ چاہئے، میں کلب میں ملوں گی۔“

”کلب میں کہاں؟“

”میں ڈھونڈ لوں گی۔“ سہلی نے دروازہ کھولا۔

”کیسے جاؤ گی؟“ اختیار نے تشویش ظاہر کی۔

”چلتی جاؤں گی۔“ رشت پر گلی میں بھی ایک چھوٹا میٹ ہے۔ وہیں سے آئی تھی۔ خدا حافظ اور شکریہ۔

”مجھے یقین تھا کہ آپ آئیں گے۔“ سہلی نے نکلے نکلے ہاتھ بڑھایا۔

اختیار نے حیرت سے اسے دیکھا۔ وہ دلاؤ ویز انداز میں مسکرا رہی تھی۔

”خفک و خف۔“ میں جانتی ہوں جی، آپ نے کیوں ہاتھ ملایا تھا۔“

اختیار نے مسکرا کے ہاتھ تمام کیا۔

وہ اسے جانتے دیکھتا رہا۔ چند سیکنڈ بعد وہ ہوا کی طرح اندھیرے میں تحلیل ہوئی۔

☆☆☆

فلت میں نہ سہلی نے بتایا، نہ اختیار کو خیال آیا کہ وہ کلب میں کس دن ملے گی۔ اسے توقع تھی کہ وہ کچھ روز ہی

آئے گی لیکن اس کا یہ خیال غلط ثابت ہوا۔ اختیار نے بے چینی محسوس کی، جب راتیں بھی نظر نہیں آیا۔

اس نے خود کو نارل رکھا، کچھ وقت غزالہ کے ساتھ گزار کر وہ شعیب سے ملا۔ بعد ازاں کمر داہیں آگیا اور کتابیں لے کر بیٹھ گیا۔ اس کی پڑھائی متاثر ہو رہی تھی۔

کتابوں میں اس کا دل نہیں لگ رہا تھا۔ اختیار نے کتابیں اٹھا کر گیس اور ہر طرف سے ذہن ہٹا کر بستر میں مغمم کیا۔

دوسرے دن شام میں وہ پھر کلب جا دمکا۔ پہلی ملاقات راتیل سے ہوئی۔ اختیار، دوست کی کارکردگی جاننے کے لیے بے چین تھا۔ ”تیرے“ ”گولی“ نے کچھ کیا؟“ اختیار نے صحت سوال کیا۔

”وہ عائد سلام۔۔۔۔۔ پٹانے اور گولیاں چلائی شروع کر دیں۔“

”گولی کے لیے دعا گو ہوں۔“ غافٹ جتا کیا ہوا؟ اور کل جو کہاں تھا؟“

”بڑا سترے آ رہا ہے۔ جس باہر بیٹھے ہیں۔“ راتیل نے کہا۔

”ایک بڑی خبر ہے اور ایک اچھی۔“ راتیل گھاس پر بیٹھ گیا۔ ”بلکہ شاید دونوں ہی بڑی خبریں ہیں۔“ اس نے فکری سانس بھر لی۔

”یہ کیا بات ہوئی؟ کیا کو اس کر رہا ہے؟“

”ہاں، ہاں۔۔۔۔۔ سہلی نام کی کوئی لڑکی سرے سے کلب کی بھر نہیں ہے۔“

”اچھی خبر؟“ اختیار نے بے یقینی کے ساتھ دوسرا سوال کیا۔

”جی نہیں اچھی ہے یا بڑی۔۔۔۔۔ سہلی نام کی لڑکی بھر ہے لیکن وہ سہلی شیر دانی نہیں بلکہ سہلی لک ہے۔“

”یار قارم پر اس کی تصویر ہوگی۔“ بچہ دکھا دے کسی طرح۔“ اختیار نے الجھت سے کہا۔

”اختیار میرے بھائی۔“ میرے پاس ایک ہی گولی تھی جو میں گولی کو کھلا چکا ہوں اور تصویر دیکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ تیری سہلی شیر دانی نہیں کوئی اور ہے۔ عام سی شکل صورت کی لڑکی۔“

اختیار خاموشی سے غلامی گھونٹنے لگا۔

”وہاں کیا تلاش کر رہا ہے؟“ راتیل نے بھی سر آسمان کی طرف اٹھادیا۔

”راتیل وہ زندہ ہے۔“

”ہاں، ہوگی۔ غزالہ بھی تو زندہ ہے۔ پڑھائی کی

طرف دھیان دے اور غزالہ کا خیال رکھ۔ سہلی کی زندگی جیسے کھل رہی ہے تو میں اسے بار دیتا ہوں۔“

اختیار نے دوست کو آنکھیں دکھائیں۔ ”وہ میر نہیں ہے تو یہاں آئی کیسے ہے؟“

”کسی کنبلی کے ساتھ آجاتی ہوگی۔“ راتیل روادری میں کہہ گیا۔ اور اختیار اچھل پڑا۔ اس نے راتیل کے شانے پر ہاتھ مارا۔

”اس طرف تو میرا دھیان ہی نہیں کیا۔ راتیل تو بھی چیز ہے۔“ اختیار نے پرجوش آواز میں کہا۔

”ہائے، کاش میں تجھ نہیں، سہلی ہوتا۔ اسے میں ناچیز ہوں۔ میرا عزیز نہ بنا۔ مجھے یقین مت لگا۔ میں اپنا نام سہلی رکھ کے غم کے گائے لگوں گا اور تو سہلی شیر دانی کو بھول جائے گا۔“ راتیل کھڑا ہو گیا۔

”یار ایک کام کر دے۔“ اختیار نے اسے ہاتھ پکڑ کر بٹھایا۔

”سہلی کو خواہ کر والوں؟“

”راتیل سنجیدہ ہو جاو۔“

”کیا۔۔۔۔۔ سنجیدہ ہو جاؤں؟ میں سنجیدہ ہو جاؤں؟“

آف۔ میرے خدا۔۔۔۔۔ دل کو روکوں یا جگر کو چٹوں۔ شہزادے میں سنجیدہ ہو گیا تو سیدھا غزالہ کے گھر جاؤں گا۔“

”کچھ نہ کر لیکن یک بیک بند کر دے۔ وہ خود مجھ سے ملنے آئے گی۔“

”اوہ۔۔۔۔۔ ہو۔۔۔۔۔ کیسے؟ کب؟“

”اس نے وعدہ کیا تھا؟“

”ہائے، مر جاؤں۔۔۔۔۔ وعدہ ہے، عہد و پیمان۔۔۔۔۔“

بیٹائی ذرا راتیل جاؤں۔“ راتیل جم کے بیٹھ گیا۔

”راتیل تو غلط سمجھ رہا ہے۔“

”شہزادے، مجھے چھوڑ۔۔۔۔۔ میں تو پیدا ہی غلط ہوا ہوں۔ وہ بتا جواب تک وہاں کے بیٹھا ہے۔“

اختیار نے قہر غم کے پرسوں کی رد و استاذائی۔

”کل تو نہیں آئی وہ؟“ راتیل نے اعتراض کیا۔

”میرا خیال ہے وہ اس کا بھائی۔۔۔۔۔“

”اس کے بھائی سے بھی ملتے ہیں گے لیکن یہ ہمیں والی بات ہے نہیں پڑی۔“ راتیل نے پُرسوج انداز اختیار کیا۔

”ایسا عمار سے ایک بات بتاؤ؟“

”ہاں؟“

”جیسے سہلی سے پیار ہو گیا ہے؟“

الفٹ بویڈہ

”کیا کو اس ہے؟“

”سوال کا جواب دے۔“

”نہیں۔“

”اب ٹھیک ہے۔ اگر تو نے غزالہ سے بے وفائی کی تو میری تیری دوستی ختم۔۔۔۔۔“

”یہی باتیں کر رہا ہے؟ یہ کیسے ممکن ہے؟“

”مجھے یقین ہے تجھ پر۔“ غر نہیں کسب ٹھیک ہو جائے گا۔“

☆☆☆

اختیار تمام رات بے چین رہا، کروٹیں بدلتا رہا۔ کوشش کے باوجود نیند کی روٹی دیوی مان کے نہیں دے رہی تھی۔۔۔۔۔ وقت گزرتا رہا۔ پتا ہی نہیں چلا اور فجر کی آذان ہو گئی۔ اس نے اٹھ کر واش روم کا رخ کیا اور منہ دھو کر نکل گیا۔ باہر دھند لگا تھا۔ اس کی وجہ سے روشنی مزید کمزور پڑ گئی تھی۔ اسٹریٹ لائٹس تقمقوں کے مانند چمک رہی تھیں۔ کچھ دیر یہاں وہاں بھٹکنے کے بعد اس نے گاڑی کا رخ پھر سفید بھٹکے کی جانب پھیر دیا۔ جوں جوں وہ اس سے قریب ہو رہا تھا، اس کی دھڑکیں بڑھتی جا رہی تھیں۔

سناٹا تھا۔ سوسائٹی کے گاڑی بھی سوچتے تھے۔ دھند میں لپٹا ہوا جابوش سناٹا بھلا بارش موسمی کا منظر پیش کر رہا تھا۔ اختیار وہاں رک گیا۔ اور کھڑکیوں میں روشنی کی کرن تلاش کرنے لگا۔ کچھ دیر بھٹکنے کے بعد اختیار نے واپسی کا فیصلہ کیا۔

گھر پہنچتے ہی اختیار نے کمرے کا رخ کیا اور بستر میں گھس گیا۔ چند منٹ میں بلا ارادہ وہ نیند کی آغوش میں چلا گیا۔

اس کی آنکھ کسی وجہ سے کھلی تھی۔ کوئی اس کی پیشانی سہلا رہا تھا۔ اس نے کھڑکی کی طرف دیکھا۔ اوہ کھٹے پردے سے روشنی جھلک رہی تھی۔ اس نے پیشانی سہلانے والے کو دیکھا اور سکتے میں رہ گیا۔ رگوں میں لہو کی گردش رک گئی۔ وہ سہلی تھی۔ اس کے بستر میں۔

”تم میرے ہو۔۔۔۔۔ سہلی کی سرگوشی سنائی دی۔“ تاہم اس کے لب ساکت تھے۔ اختیار کا دل بیٹے میں حضور کے کی طرح کل رہا تھا۔

”نہیں تم غلط سوچ رہی ہو۔“ اختیار نے تردید کرنا چاہی لیکن اس کے منہ سے کوئی آواز برآمد نہ ہوئی۔

”نہیں میری مدد کرنی چاہیے۔“ وہ پھر خوف زدہ نظر آنے لگی۔



وہ سلی کی حادثاتی موت کی خبر تھی۔

”یہ کہاں سے لایا تو؟“ اختیار نے سرکشی کی۔  
”اختیار کے دفتر سے۔“ راجیل نے جواب دیا۔  
”نوید کو کہانے سے لگیا تھا۔ اس کے چچا اسی اخبار میں کام کرتے ہیں۔ ریکارڈ روم میں اخبار کی پرانی کاپیاں ہوتی ہیں۔ زیادہ محنت نہیں کرنا پڑی۔ تاریخ معلوم ہو گئی تھی۔“

”وہ۔۔۔ کیسے؟“ اختیار کی آواز چھٹ گئی۔  
”ایک دن پہلے قبرستان میں جبکہ مار چکا تھا۔ پرانا گورن، شادا میرے ساتھ تھا۔ تاریخ قبر پر سے مل گئی تھی۔“

”لل۔۔۔ لیکن۔۔۔ ن۔۔۔“ اختیار کی زبان لڑکھڑا گئی۔  
”لیکن ویکن کچھ نہیں، بھول جا اسے۔۔۔ اپنی حالت دیکھ۔“

”راجیل وہ۔۔۔ میرے ساتھ بیٹھی تھی۔ میں نے اس سے ہاتھ ملایا تھا۔ باتیں کی تھیں۔ اس نے مجھے فون کیا تھا اور۔۔۔ فون پر مجھے دھمکی کس نے دی تھی؟“

”دیکھ اختیار، اچھے تو میں بھی کیا ہوں لیکن ایک بات صاف ہے کہ اس کے گھروالے شک کر رہے ہیں۔ بہتر یہی ہے کہ تو اپنی پتلی گردن بچالے۔ تم ازم خوالہ کا ہی خیال کر۔۔۔“

”مجھے نہیں لگتا کہ میں نکل پاؤں گا یا وہ مجھے نکلے دے گی۔ وہ تو میرے خوابوں میں گھس آئی ہے۔“

”کیا مطلب؟“

اختیار آکھٹھنے کے کچھ دیر بعد عمو خواب بھول جایا کرتا تھا لیکن وہ خواب اس کے حافظے پر نقش ہو گیا تھا جس کی جزئیات اس نے راجیل کے گوش گزار کر دیں۔۔۔

راجیل خلاف معمول نہایت تنجید کی سے خواب کہانی سن رہا تھا۔ اختیار خاموش ہوا تو راجیل فوراً کچھ نہیں بولا۔ وہ کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔

”راجیل میرے معمولات متاثر ہو چکے ہیں۔ میں خود شک آپکا ہوں۔ وہ فون کر کے مجھے بلاتی ہے۔ میں کشاں کشاں چلا جاتا ہوں، وہاں پہنچ کر مجھے ہوش آتا ہے۔ دل کرتا ہے، بھاگ جاؤں لیکن نہیں پھر۔۔۔“ اختیار نے بے بسی سے دوست کو دیکھا۔ ”میرا احساس مجھے ڈبوئے گا۔“

”مجھے یقین ہے کہ تو نے اسے چھوڑا تھا؟“

وہی پرویز ہے۔  
اختیار کا جواب سن کے پرویز کا غصہ اشتعال میں بدل گیا۔ ”تم ارادہ نہیں بنا کر چلے ہو۔۔۔ تم مجھے کیا ہو خود کو؟“

”میں کسی کو تار چر نہیں کر رہا۔ وہ تم ہو جو اپنی بہن کو۔۔۔ میرا مطلب سلی کو تار چر کر رہے ہو۔“

”بہرے آدی۔۔۔ میں نے تمہیں بتایا تھا کہ سلی مر چکی ہے۔“ وہ حلق کے تل وازا۔ ”وہ مر چکی ہے۔ وہ مر چکی ہے۔“ اسحق انسان وہ مر چکی ہے۔ تم ایسے نہیں سمجھو گے۔“

پرویز نے اختیار کے گریبان پر ہاتھ ڈال دیا۔  
”تم سلی کے بھائی ہو اس لیے میں لحاظ کر رہا ہوں۔“

”تمہارے لحاظ کی تو ایسی کم۔۔۔“ پرویز نے اختیار کا گریبان جکڑ کر اسے گھسیٹا۔ ”آج میں تیرا غمخوار بننے کے دیتا ہوں۔“ وہ غرایا۔

اختیار نے بلا تاثر اس کے پیٹ میں گھٹنا سید کیا۔ وہ سشدردہ گیا۔ پرویز پر کوئی خاص اثر نہیں ہوا تھا۔ اس نے دوسرا ہاتھ بھی گریبان پر ڈالا اور دونوں ہاتھوں سے گردن ویوچ کر اختیار کو اڈا پراٹھا لیا۔

اختیار کا دم کھٹنے لگا۔ پرویز جسامت کے برخلاف خاصا دم نرم گستا تھا۔ اختیار کو لگا شاید یہ بھی خواب ہے۔ وہ اتنا تازہ بھی نہیں تھا۔ وہ چکراتے ہوئے ذہن کے ساتھ رد عمل کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ جب اچانک پرویز نے اسے چھوڑ دیا۔ وہ زمین پر گھس گیا۔ چوت تو لگی تھی، گردن بھی دکھ رہی تھی۔ لیکن وہ پرویز کی نگاہ کا تعاقب کر رہا تھا۔ اوپر کھڑکی میں کوئی تھا۔

”سلی!“ اختیار نے آواز لگائی۔  
”دفع ہو جاؤ۔۔۔ شکر کرو، چھوڑ دیا تمہیں۔ آئندہ اُدھر کا رخ کیا تو جان سے مار دوں گا۔“

وہ ایک قومی اخبار کے مخصوص حصے کی فوٹو کاپی تھی جس میں ایک کام کی خبر پڑھی جاسکتی تھی۔ اختیار کبھی بھی آنکھوں سے خبر اور تصویر کو دیکھ رہا تھا۔ اس کا سر چکراتے لگا۔ داغ ماؤف تھا۔ فوٹو کاپی ہاتھ سے گر گئی۔

”کیا ہوا بھائی؟“ راجیل نے تشویش سے دوست کو دیکھا۔  
اختیار نے فوٹو کاپی اٹھا لی پھر اسے الٹ پلٹ کر دیکھا۔ پشت پر اخبار کی پانچ سال پہلے کی تاریخ پڑی تھی۔

جاسوسی ڈائجسٹ 243 نومبر 2018

اپنی جانب کھینچ رہی تھی۔ اس مرتبہ اس کی آواز میں واضح دہشت تھی۔ وہ اختیار کو دیکھنے کے لیے نہیں بلکہ رہی تھی۔ وہ واقعی کسی مصیبت میں تھی۔

وہ نکل پڑا۔ جوں جوں وہ سفید پتکے سے قریب تر ہو رہا تھا، بہتر انداز میں سوچ رہا تھا۔ کیا وہ یہاں آکر غلطی کرتا ہے؟ یا اسے اکیلے نہیں آنا چاہیے۔ سلی کی حقیقت کیا ہے؟ وہ میرے سوا کسی اور کو نظر کیوں نہیں آتی؟ آج جو خواب اس نے دیکھا تھا۔ کیا تھا؟ اس کی چمکی جس کہہ رہی تھی کہ یہ ابھی علامت نہیں ہے۔۔۔ حالات خرابی کی طرف جارہے ہیں۔

ہمیشہ کی طرح وہاں کھینچے پر اس کا ذہن پوری طرح بیدار ہو چکا تھا۔ اور کہہ رہا تھا کہ وہاں چلو۔۔۔ سفید پتکے کا بیولا تار پٹی میں ڈوبا ہوا تھا۔

”سلی کہاں ہے؟“ اس نے خود سے سوال کیا پھر گاڑی بڑھا کر اس دو منزلہ ڈھانچے کے قریب آ گیا۔ جس کی تعمیر رکی ہوئی تھی۔ باہر چار پائی پر چوکیدار غائب تھا۔ سلی اسے کہیں نظر نہیں آئی۔ وہ انتظار کرتا رہا۔ خود کو بہلاتا رہا۔۔۔ خود سے سوال جواب کرتا رہا۔ نہیں اس کے پاؤں نے

بھائی نے سلی کو قید تو نہیں کر دیا؟ گاڑی پر یوں کر کہ وہ پھر کھٹکے پر آ گیا۔ معاً اسے احساس ہوا کہ اس کی رفتار نہیں تیز ہے۔ اگر سلی واقعی مقید ہے تو اسے کیا کرنا چاہیے؟ کیا وہ

واپس چلا جائے؟  
نہیں یہ بزدلی کے مترادف ہے۔ وہ نازک اندام تھا لڑ رہی ہے۔۔۔ مجھے کچھ کرنا چاہیے۔ دو واہ کھول کر وہ گاڑی سے اتر گیا۔ اختیار نے اُدھر اُدھر دیکھا۔ تازہ ہوا میں گہری گہری سانسیں لے کر اعصاب کو تار پٹا اور پتکے کی طرف چل پڑا۔ گیٹ پر پہنچ کر وہ شک کا سن گئی۔

خاموشی تھی۔ گیٹ کے پلر پر اختیار نے کھٹکی کے پٹن کو دبایا ایک بار۔۔۔ دو۔۔۔ تین۔۔۔

اسے کھڑکی میں روشنی کی جھلک نظر آئی پھر دروازہ کھلا اور قدموں کی چاپ گیٹ کی طرف آنے لگی۔ اختیار کے اعصاب تن گئے۔ آنے والے نے گیٹ کا پٹ ہی کھول دیا۔ وہی غیوطہ انھیں سن سکتا تھا۔ اس کی آنکھیں حیرت سے مزید گول ہو گئیں پھر حیرت کی جگہ غصے نے لے لی۔

”تم؟“ وہ غرایا۔ ”کیا لینے آئے ہو؟“ اس کے تنے پھول پھٹ رہے تھے۔

”سلی نے فون کیا تھا مجھے۔“ اختیار نے اندیشوں کو بالائے طاق رکھ کر اُٹھ کر اسے کہا۔ اختیار نے اندازہ لگا لیا کہ

جاسوسی ڈائجسٹ 242 نومبر 2018

”سلی۔۔۔“ اختیار کی بند آواز کھل گئی۔  
”تمہارے گھر والے کہتے ہیں، تم مر چکی ہو۔“ جو بات اس نے پہلے نہیں کہی تھی وہ اب کہہ دی۔ وہ دنگ رہ گیا۔ سلی کے تاثرات میں کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔

”میں زندہ نہیں ہوں۔۔۔ ہاں میں مر چکی ہوں۔“  
”لیکن تم اب بھی میری مدد کر سکتے ہو۔“  
”کیا مطلب ہے تمہارا؟“ اب اختیار کے خوف زدہ ہونے کی باری تھی۔ اس کے حلق میں کاٹنے پڑنے لگے۔

اس نے اٹھنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا۔ سلی پلک جھپکائے بغیر اسے گھور رہی تھی۔ اس کا سہرا تجڑ جس شکل ہو چکا تھا۔ آنکھوں میں شیطانی چمک تھی۔ ”جاوید، میرے ساتھ چلو۔۔۔“

”کیا کہنا چاہتی ہو تم؟“ بدقت تمام اس نے سوال دہرایا۔  
”تم بھی مر سکتے ہو۔۔۔ پھر ہم ساتھ ہوں گے۔“

سلی نے غیر انسانی سرکشی کی۔  
”نہیں۔۔۔ ن۔۔۔ ن۔۔۔“ اختیار بے اختیار چلا اٹھا۔ ”میں مرنا نہیں چاہتا۔۔۔“

وہ کھٹکے سے اٹھ کر پہلے کیا فون کی کھٹکی کا شور تھا۔ اس کا چہرہ بیسنے میں تر تھا۔ سلی کا کہیں پتا نہیں تھا۔ اس نے گھڑی کی طرف دیکھا۔ صبح کے ساڑھے چھ بجے تھے۔ یعنی

واپس آکر وہ مشکل سے تیس منٹ سویا تھا۔ اور خواب دیکھ رہا تھا، یہ کیا حقیقی خواب تھا لیکن خواب میں بھی وہ اسے ایک بار ”جاوید“ بول گئی تھی؟

اس نے جلدی سے اٹھ کر شور مچاتے فون کا ریسیور اٹھایا۔  
”ہیلو۔“ ایک مترنم آواز آئی۔  
”سلی؟“ اس نے سرکشی کی۔

”پلیز، جلدی آؤ۔۔۔ میں گھر کے پاس زیر تعمیر مکان پر ملوں گی۔ جلدی آؤ، میں صرف آپ سے مل سکتی ہوں۔“  
اختیار کے جواب دینے سے پہلے ہی فون بند ہو گیا۔ وہ فون تھا جسے کھڑا رہا۔ کیا یہ بھی خواب ہے؟ تاہم اسے اور اُک تھا کہ وہ حالت خواب میں نہیں ہے۔ البتہ ذہن کشش کا شکار تھا۔ کیا اسے جانا چاہیے؟ ایک طرف اس کا تجسس تھا۔ دوسری طرف دوست کی ابتدائی وارننگ کہ

”خود کو بچال میں نہ پھنسا۔“  
اختیار نے گہری سانس لی اور ریسیور فون پر واپس رکھ دیا۔ وہ جانے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ ایک مترنم آواز اسے

جاسوسی ڈائجسٹ 242 نومبر 2018



”ہاں، میں نے اس کا ہاتھ تھاما تھا۔“

”دوست، میں ہر بات کا جواب یا جواز پیش کر سکتا ہوں۔ بس ایک ایسی بات ہضم نہیں ہو رہی کہ تو نے اس کا ہاتھ پکڑا تھا۔“ راحیل نے انگلی سے پیشی پر دستک دی۔ وہ گہری سوچ میں تھا۔

”تو ازل و کزل، ذہنی (DEMENTIA) ڈپریشن یا ایسی ہی دوسری ذہنی بیماریوں سے آگاہ ہے؟“ راحیل نے غیر متوجع سوال کیا۔

”ہاں۔“ اختیار کا منہ بند ہو گیا۔ ”تو مجھے ذہنی مریض سمجھ رہا ہے؟“

”جیسے ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں نایاب ذہنی عوارض کی طرف جا رہا ہوں۔“ راحیل نے کہا۔

”جا رہا ہے؟ کہاں جا رہا ہے؟“

”تو سنجیدہ ہے یا واقعی چلا جاؤں؟“ راحیل نے گھور کے دیکھا۔

”اچھا، بول کیا کہنا چاہ رہا ہے؟“

”میں نے اور تو نے بھی بار بار موردِ یزدیکی ہوں گی۔ جو درحقیقت ریکل بار نہیں ہوتیں۔ ان کے پیچھے کچھ اور ہوتا ہے۔ جیسے کوئی نادر ذہنی عارضہ۔ ایسے عوارض سے لاکھوں میں چند ایک کو واسطہ پڑتا ہے۔ مثلاً میں نے ایک مووی دیکھی تھی۔ نام یاد نہیں۔ ان میں بے اولاد والدین ایک دس بارہ سالہ بچی کو کوڑ لیتے ہیں۔ وہ بچی نہیں بلکہ جوان ہوتی ہے۔ کسی نامعلوم بائیولوجیکل یا نیورولوجیکل خلل کے باعث وہ بچی نظر آتی ہے۔ پوری کہانی ٹھیک طرح یاد نہیں نہ سنانے کی ضرورت ہے۔ تو مجھے ایک دو دن دے میں کوئی جواز تلاش کرتا ہوں۔ تیرا کام یہ ہے کہ تو قوتِ ارادی کا استعمال کر، فائٹ کر اور سکلی ستارہ۔ موسم بہاراں کے قریب نہ جا۔“

اختیار خاموشی سے سن رہا تھا۔ ”یار میں کوشش تو کرتا ہوں۔ لیکن خوابوں کا کیا کروں؟“

”تیری کوشش کامیاب ہوگی۔ خواب بھی بند ہو جائیں گے۔ تو ایک کچھ بھولے۔ چنانچہ ازم کے بارے میں جانتا ہے؟“

”تھوڑا بہت۔“

”جیسے غزالہ نے تجھے چنا کر کیا ہے۔“ راحیل مسکرایا۔

”اب تو غیر سنجیدہ ہو رہا ہے۔“ اختیار نے فوراً اعتراض کیا۔

”اگرے نہیں، میری جان کے فوٹے۔ سن۔“

ایک سپرٹ پینٹس جسے چنا کر کرتا ہے، اسے میڈیم کہتے ہیں۔ میڈیم جتنا حساس ہوگا اور اس عمل سے گزرنے کے لیے راضی ہوگا۔ اتنی ہی آسانی سے ٹرائس میں چلا جائے گا۔ ورنہ نہیں۔ بعض پینٹس اتنے طاقتور ہوتے ہیں کہ ہر قسم کے میڈیم کو قابو کر لیتے ہیں لیکن ایسے ایک سپرٹ کی تعداد دنیا میں کم ہے۔ نکتہ یہ ہے کہ تو حراست کر سکتا ہے۔ تجھے خود پر یقین ہونا چاہیے۔ یقین پھاؤ کو بھی بلا دیتا ہے۔ تو کوئی ترکیب بھی وضع کر سکتا ہے۔ مثلاً غزالہ کے گھر چلا جایا اسے اپنے گھر میں۔“

”کیا کیوں اس کر رہا ہے۔“ اختیار نے گھونسا دکھایا۔

”سورہی، میں کہہ رہا تھا، اس کی تصویر اپنے پاس رکھ لے۔ جب سکلی تجھے بلائے یا درغلائے تو جھٹ غزالہ کی تصویر سے ہاتھ شروع کر دے۔ گویا وہ تیرے پاس ہی بیٹھی ہے۔“

”تو تو کہاں سے لاؤں؟“ اختیار نے سوال کیا۔

”عجب ہوش ہے، یار۔ یزدیکیٹل ورلڈ ہے۔ مسطانی کھلا کے ایک سٹیبل بنائے۔“

”مسطانی۔۔۔؟“

”یار مسطانی میں تیں کر کے۔“

”ٹھیک ہے۔ کچھ کرتا ہوں۔“ اختیار نے گہری سانس لی۔

☆ ☆ ☆

”کیوں سر میں پھونکی شروع کر دی ہیں؟“ غزالہ کے سوال پر وہ چونک اٹھا۔ خیالات کی دنیا سے باہر آ گیا اور سرگرمی بھا کر ایک طرف اچھال دیا۔

”تمہیں کیسے معلوم ہوا؟“ وہ ہمزہ نزار میں بیٹھا ہوا تھا۔

”تم نے دس منٹ میں تین سرگرمی پھونک ڈالی ہیں۔“

اختیار نے حیرت سے اسے دیکھا۔ ”دس منٹ تم کہاں تھیں؟“

”وہاں بالکونی سے دیکھ رہی تھی۔“ غزالہ نے اشارہ کیا۔

”گھبرا کر رہی تھیں؟“

”افکار۔“

”کیا مطلب؟“ اختیار نے کہا اور اسے پیچھے کا اشارہ کیا۔

”سکلی سلی! ستارہ کا افکار۔“

”غصے میں ہو؟“

”ہاں۔۔۔۔۔ پتا ہے تمہاری سکلی نے کیا حرکت کی ہے؟“

”نہیں معلوم۔۔۔۔۔ اور وہ سکلی یا ستارہ یا کوئی بدروح۔ جو بھی ہے، میری نہیں ہے۔ پتا کیا ہوا؟“

”اس نے مجھے فون پر دھکی دی ہے۔“

”کیا؟“ اختیار کا منہ کھل گیا۔ ”کیسی دھکی؟“

”کہہ رہی تھی کہ تم سے دور رہوں ورنہ وہ مجھے مار دے گی۔“

”سنجیدہ ہو؟“

”نہیں رنجیدہ ہوں۔“ غزالہ نے برجستہ کہا۔

اختیار نے بے خیالی میں سرگرمی کا پیکٹ نکالا پھر بوکھلا کے واپس رکھ لیا۔

”لی لو۔۔۔۔۔ لی لو۔۔۔۔۔“ غزالہ نے طنز کیا۔

”آٹھوں سے نہ لی لوں۔“ اختیار نے غزالہ کی آنکھوں میں دیکھا۔

”میں سنجیدہ ہوں اور غصے میں ہوں۔“ وہ بولی۔

”وہ سکلی کا جو نہیں ہے۔ وہ کیسے فون کر سکتی ہے؟“

”تم کیسے کہہ رہے ہو کہ سکلی کا وجود نہیں ہے؟“

غزالہ نے مشکوک نظروں سے اختیار کو دیکھا۔

”قبرستان میں اس کی قبر۔۔۔۔۔ معاً اختیار نے فخر و تکبر سے چھوڑ دیا۔ غزالہ کا رنگ بدل گیا۔ وہ حقیقتاً غصے میں نظر آرہی تھی۔

”تم نے مجھ سے وعدہ کیا تھا۔۔۔۔۔ پھر بھی قبرستان چلے گئے؟“ اس کی آواز میں غصے کے ساتھ دھکی بھی تھا۔

”غزالہ میں تم سے کیا وعدہ خلافی کر سکتا ہوں۔ وہ راحیل کی حرکت تھی۔۔۔۔۔ خبر اخبار کی فائل سے خبر کی فونو کا پی بھی لے آیا۔ بظاہر یوں لگتا ہے کہ وہ جو بھی ہے، سکلی نہیں ہے لیکن اگر کسی نے تمہیں فون کیا ہے تو وہ ستارہ ہوگی۔

دونوں جڑواں تھیں تقریباً ایک جہی تھیں۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ستارہ کو تمہارا نمبر کیسے ملا؟ اور اسے دھکی دینے کی کیا ضرورت تھی؟“

”میں الجھ رہی ہوں۔“ غزالہ قدرے تارل ہوئی۔

”وہ اور بھی الجھے ہوئے ہیں۔“ اختیار نے کہا۔

”کون؟“

”آپ کا خادم اور راحیل۔۔۔۔۔ بلکہ مجھے الجھایا جا رہا ہے۔“

الفت بوبیدہ

”غرض کرو وہ ستارہ ہے، انگارہ ہے یا فنکارہ۔۔۔۔۔ آخر جنہیں ہی کیوں الجھا رہی ہے؟“ غزالہ قدرے جھلا کر بولی۔

”واہ مزہ آگیا۔۔۔۔۔ ستارہ، انگارہ، فنکارہ۔۔۔۔۔ نہ پارہ۔۔۔۔۔ شرارہ۔۔۔۔۔“

”بس شروع ہو گئے۔“ غزالہ نے گھورا۔ ”پتا نہیں کہاں سے سکلی ہے، یہ فخر ہے باڑی۔“

”وہ مجھے اس لیے الجھا رہی ہے کہ میں چیز ہی ایسی ہوں۔“ اختیار نے کالر کھڑے کیے۔

”اوہ۔۔۔۔۔ ہو۔۔۔۔۔ بڑی خوش نہیں ہے۔“

”اچھا چھوڑو وضوں باتیں، کام کی بات ہو جائے۔“

اختیار نے موضوع بدلا۔ ”وہ کیا رہا دیکھ رہی ہو۔۔۔۔۔ پھولوں کی روش۔ اس میں جو بس سے خوب صورت پھول ہے، وہ گلابی رنگ کا ہے یا شبنم رنگ۔ اور اس وقت تمہارا لباس اور حسن بھی گلاب گلاب ہو رہا ہے۔ یقین کرو، آج ہمیشہ سے زیادہ خوب صورت لگ رہی ہو۔“ اختیار نے ٹھنڈی سانس پھری اور دل پر ہاتھ رکھ کر بھکا۔۔۔۔۔ توازن خراب ہوا اور وہ سنگی نشست سے گھاس پر لڑھک گیا۔ سماعت میں سریلی نمی جلیزنگ کے مانند لگی۔ اختیار نے سیکھل کے غزالہ کی طرف دیکھا۔ سارے رخ اٹھے تھے۔ خود غزالہ کا چہرہ بھی نیچے دھکی دیا۔ کھٹکھٹاؤں کا گھس تھا۔ جہاں شبنم رنگ غالب تھا۔ وہ ٹکٹک رہ گیا۔ دل آویزی خوباں و سکھوں یا جمال روئے تاپاں پر کھوں۔

”کیا گھورے جا رہے ہو؟“ غزالہ کی آواز میں جواب آلود سائیت کا بھر پور اثر تھا۔

”کیوں آنکھ اٹھاؤں۔۔۔۔۔ کس کا جلوہ دیکھوں؟ سکلی کیا چیز ہے؟“

غزالہ بدھوش ہو چھوڑ نظر۔۔۔۔۔ نگاہ ہٹانے کی ہی کر رہی تھی۔ دل ہی دل میں صحن تھیں پر سرگراہی تھی۔

”بس، درخواست کی ضرورت نہیں ہے۔“ اختیار اٹھا۔ ”ایک سکلی ہو جائے۔“ اس نے سیل فون نکالا۔

☆ ☆ ☆

”سیدھے سہاڈتا دے، دو دن میں کتنی بار کیا اس طرف؟“ راحیل نے سوال کیا۔

”یار راحیل، کمال ہو گیا۔ دو دن سے کچھ بھی نہیں ہوا۔ سکون ہی سکون۔۔۔۔۔“

”اچھی خبر ہے۔“ راحیل نے تبصرہ کیا۔

”اور آپ شر لاک ہوئے کیا کیا، دو دن؟“

☆ ☆ ☆

☆ ☆ ☆

☆ ☆ ☆

☆ ☆ ☆

☆ ☆ ☆



”ٹھیک اندازہ نہیں ہے، میں نے کیا کیا..... تو اگر کوکل پر برین ڈیزیز سرچ کرے گا تو ان میں ایک چیز نظر آئے گی CJD (کریوز فیلٹ۔ جیکب ڈیزیز) یہ انتہائی نایاب برین ڈس آرڈر ہے..... تھوڑو تو جیکل یا یورڈ منسکول۔ اس کی عام علامات میں کنفیوزن، رویے میں تبدیلی، بصری خرابی، دماغی غلطی، ڈپریشن اور یادداشت کا کنٹرول ختم ہونا وغیرہ شامل ہیں..... میموری کنٹرول وقتی طور پر بھی متاثر ہو سکتا ہے۔ ان علامات میں وہم اور خلیات کا فریب بھی شامل کر لے۔ خاصی تفصیل ہے کچھ میرے بچے پڑا اور کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔ میں نے صرف وہ علامات نوٹ کی ہیں جو تیرے کہیں سے لگ کھاتی ہیں۔ یا کسی حد تک بچ کر رہی ہیں لیکن کیا واقعی یہ CJD ہے؟ بہر حال میرا میڈیکل سے دور کا واسطہ نہیں ہے۔ جتنا پڑھا گیا، لکھا گیا۔ یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔“ راحیل نے بات ختم کر کے سر کھجایا۔ ”تو خود سرچ کر کے پڑھ لے۔“

”میں کیا پڑھ لوں..... تو نے جو کیا، اسی سے میں  
در و درج ہو گیا۔“ اختصار نے جواب کیا۔ ”مجھے تو یقین نہیں تھا  
کہ تو کوکل میں نہیں جائے گا۔ میں نے فرض کر لیا تھا کہ  
جنتاب خود اس کے گھر پر چھاپا مار قسم کی کارروائی کریں  
گئے۔“

بدل گئے تھے۔ ”بلیک اینڈ وائٹ فلموں کے دور سے نکل، غزالہ کو باہر بھی کھملا لیا کر۔ تو بھی الجھا ہوا چاول ہے۔ بریانی، پنیر وغیرہ کھلا اسے..... میں شعیب کے پاس جا رہا ہوں۔“

دی تھی۔“ اختیار نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں۔  
 ”کیا کہہ رہے ہیں..... جی.....؟“  
 اختیار نے بغور اس کے ساتھ اس کا مطالعہ کر لیا۔



کے گھروں کیا۔ کسی نے فون نہیں اٹھایا۔ شاید وہ فون کے ساتھ باہر کی گئی تھی۔ اختیار نے سوچا کہ سب فون پر بات کرے۔ پھر اس نے ارادہ ملتوی کر دیا اور سبکی کا نمبر لایا۔ کئی مرتبہ کی کوشش کے بعد وہ ناکام ہو گیا۔ اختیار کا دماغ گھوم رہا تھا۔ تصور میں پرویز اور سبکی کا ٹکراؤ کی صورت میں پھرا رہا تھا۔ پرویز نے اختیار کو بھی دھمکی دی تھی۔ کیا اس نے کسی ذریعے سے عزت کو بھی دلائی تھی۔ پانچ منٹ بعد اس نے پھر سبکی کا نمبر ملا یا۔ نتیجہ وہی ڈھاک کے تینا پاٹ۔ وہ بے قراری سے کمرے میں کھل

## قارئین متوجہ ہوں

پرجا  
نہیں ملتا

کچھ عرصے سے بعض مقامات سے دھمکیاں مل رہی ہیں کہ ذرا بھی تاخیر کی صورت میں قارئین کو پرچا نہیں ملے گا۔ انہوں نے کہا کہ اگر کوئی بہتر بنانے کے لیے ہماری گزارش ہے کہ پرچا نہ ملنے کی صورت میں ادارے کو خط یا فون کے ذریعے مندرجہ ذیل معلومات ضرور فراہم کریں۔

☆ ایک اسٹال کا نام جہاں پر چادر تیار ہوتی ہے۔

☆ شہر اور علاقے کا نام۔

☆ لیکن ہوتا ایک اسٹال کا IPTCL یا موبائل نمبر۔

راہیے اور مزید معلومات کے لیے

مرزا شمس عباسی 0301-2454188

جاسوس ڈائجسٹ سیلی کیشنز

سپنس آج سوتی پائیز، مرکز شت

63-C لاہور ڈسٹرکٹ ایجنسی کے ذریعے اختیار کی جاتی ہے

مندرجہ ذیل فون نمبروں پر بھی رابطہ کر سکتے ہیں

35802552-35386783-35804200

ای میل: jdpgroup@hotmail.com

سبکی کے چہرے کا رنگ بدلا۔ اس نے میز کا کنارہ مضبوطی سے پکڑا۔ پیشانی پر دو مہینے گزیر چکے تھے۔ اختیار نے محسوس کیا کہ وہ لا جواب ہو گیا ہے۔ تاہم وہ جلد ہی تامل نظر آنے لگی۔ ”ابھی ہی توفیق کی خبر پڑھنا ایک بھانک مذاق کے مانند تھا۔ جس نے میری ذہنی اور جسمانی حالت کا متاثر کرنا شروع کیا۔ میں نے بتایا تھا کہ یہاں سے شفٹ ہونے کے بعد پرویز بھائی کی حالت سنبھلنے لگی تھی۔ انہوں نے میرا خیال دیکھنا شروع کر دیا۔ انہوں نے مجھے سمجھایا کہ پریس کی تعلیمی کی وجہ سے خروں میں میرا نام چلا گیا تھا۔ میں کچھ بھی، کچھ نہیں بھی۔ بلکہ جب سے علیہ کا انتقال ہوا تھا، اس کے بعد سے پرویز بھائی کو کبھی نہ مل سکے ہو گیا تھا۔ یہ قبرستان جا کے تعذیب نہیں کر سکتی تھی کہ قبر پر کیا لکھا ہے۔ یہاں واپس آنے کے بعد ہر دن خوف کے سائے میں بسر ہو رہا تھا۔ پرویز بھائی کی ذہنی حالت ناقابل فہم تھی۔ مجھے یقین تھا کہ میری جان خطرے میں ہے۔ آجاک وہ لپٹے لپٹے بولنے لگے کہ چہرے پر دہشت کے آثار تھے۔ اس کی نگاہ واپس جانپ ریسٹورنٹ کی کھڑکی پر تھی۔ اختیار کے ذہن میں چند سوالات اٹھ رہے تھے۔ سوالات واپس آکر بھانکے اس نے ”سبکی“ کی نگاہ کا تعاقب کیا اور اعصابی تناؤ کا شکار ہو گیا۔ کھڑکی کے شیشے میں دوسری طرف پرویز کا چہرہ تھا۔ اس کا چہرہ غصہ کا آئینہ دار تھا اور آنکھوں سے نفرت اٹھ رہی تھی۔ ”سبکی“ کی حالت پھری کے نیچے آئی مرنے کے مانند تھی۔ ”مم۔۔۔۔۔“ مجھے جاتا ہوا۔ اس کی زبان اٹھ رہی تھی۔ وہ سخت بدحواس دکھائی دے رہی تھی۔ وہ اٹھ کھڑی۔ پرویز کا چہرہ وہیں کھڑکی پر تھا۔ وہ براہ راست اختیار کو گھور رہا تھا۔

☆☆☆

اختیار سبکی کے آخری دہشت زدہ تاثرات بھلا نہیں سکتا تھا۔ ہائی ووڈ، بالی ووڈ کا بڑے سے بڑا اداکار ایسی شاندار اداکاری نہیں کر سکتا تھا۔ سبکی کے چہرے پر موت کی زردی اتر آئی تھی۔

تاہم معلوم حیات اشارہ کر رہی تھیں کہ کچھ ہونے والا ہے۔ سبکی کے ساتھ یا اختیار کے ساتھ۔ یا پھر دونوں کے ساتھ۔ اختیار کے تصور میں بار بار پرویز کا دہشت زدہ چہرہ ابھر آتا۔ وہ ایک بار پھر گتو کی کیفیت سے دوچار تھا۔ وہ سبکی ہی تھی، نہیں بھی تھی تو شاید ایک ٹوکی کی جان خطرے میں تھی۔

اسے غزالہ کی بھی فکر تھی۔ مگر پہنچنے ہی اس نے غزالہ

سوال کا جواب ہم کبھی حاصل نہیں کر سکے۔

”تمہاری باتوں سے لگ رہا ہے کہ تمہاری والدہ حیات ہیں۔ یہی طبیعت ہے ان کی؟“

”وہ ہی کمرے سے نکلتی ہیں۔ بہت کمزور ہو گئی ہیں۔ بے خوابی کا عارضہ بھی ہے۔ سونے کے لیے وہ اپنی دان لیتی ہیں۔“

”یہاں واپس آنے کے بعد پھر کیا ہوا؟“

”چند روز گزرے تھے کہ پرویز بھائی نے خاندان میں کوئی شہرہ کر دیا کہ سبکی مر چکی ہے۔ میں سخت خوف زدہ رہنے لگی۔ مجھے یوں لگا کہ اب میری باری ہے۔ میں نے فیصلہ کیا کہ مجھے کسی سے مدد لینا چاہیے۔ میری آپ سے مدد بھیڑ ہوئی۔ مجھے نہیں معلوم کہ کیوں مجھے احساس ہوا کہ آپ میری مدد کر سکتے ہو۔“ اس نے پُر امید نظروں سے اختیار کی طرف دیکھا۔

”کیا تمہارا خاندان چھوٹا ہے؟“

”چند رشتے دار ہیں۔ وہ رہتے بھی دور ہیں۔“

اختیار کھٹکھٹ سے دوچار تھا۔ ”تم ستارہ نہیں، سبکی ہو؟“ اس نے سرسری انداز میں سوال کیا۔

”ہاں جی۔“ وہ بولی۔

اگر اختیار غزالہ کی زلف گرہ گیر کا سیر نہ ہوتا تو۔۔۔۔۔

سبکی کی ”ہاں جی“ اور ”ہاں جی“ کہنے کے انداز نے ہی اس کا بیز اثر کر دیا تھا۔

”سبکی جی، مجھے آپ کی کہانی پر یقین نہیں آیا۔“

”کیوں؟“ اس نے مایوسی کا اظہار کیا اور پچھلے کی جھار اٹھائی۔

”وہ میں بتاتا ہوں۔ پہلے اس لڑکی کو پچھانو۔“ اختیار نے سبکی فون نکال کر غزالہ کی تصویر دکھائی۔ ”کون ہے یہ؟“ اس نے ابھی ہوئی نظروں سے اختیار کو دیکھا اور سوچ کے جواب دیا۔ ”شاید۔۔۔۔۔ کلب میں دیکھا تھا۔“

”کلب؟“ اختیار نے کہا۔ ”تم نے فون پر اسے مارنے کی دھمکی دی تھی؟“

اس کا منہ کھل گیا۔ ”جی؟ آپ کیسی بات۔۔۔۔۔“ اس کی خوب صورت آنکھوں میں آنسو آئے۔ اختیار پھر گڑبڑا گیا۔

”دیکھو، میں سبکی کے مرنے کی پرانی خبر پڑھ چکا ہوں۔“ اس نے گویا کہانی کا انداز کر دیا۔ ”راہیل قبر بھی دیکھ چکا تھا۔ اختیار نے از خود اضافہ کر دیا۔ ”اور میں تمہاری قبر بھی دیکھ چکا ہوں۔ اب بتاؤ تم کون ہو؟“

”ہم پریشان ہو گئے، مسئلہ بڑھتا گیا۔ ہم پرویز بھائی کو ڈاکٹر کے پاس لے گئے۔ تاہم کچھ عرصے بعد ڈاکٹر نے اظہارِ معذرتی کرتے ہوئے ہاتھ اٹھالیا۔“

اختیار نے نوٹ کیا کہ وہ اس کی طرف کم دیکھ رہی تھی۔ زیادہ تر اس کی نگاہ میز پر ہوتی یا کبھی وہ کھڑکی کی جانب دیکھ لیتی۔

”حالات خراب ہو گئے۔“ اس نے نظرس اٹھائیں۔ گھسری چپکوں کے نیچے روشن آنکھیں ڈبڈب رہی تھیں۔ اختیار متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکا۔ اس نے اظہارِ اسوس کیا۔

”پرویز بھائی کی بات مگر سے باہر کل گئی کہ ستارہ مر چکی ہے۔ نیز وہ مگر میں میرے، اسی ادویہ علیہ کے ساتھ رہتا ہے اور پھر ایک دن وہی ہو گیا جو وہ کہتا پھرتا تھا۔“ وہ مسک اٹھی۔

اختیار نے بے اختیار اس کے گداز ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

”کیا ہوا؟“

”ستارہ میزچوں سے مری۔۔۔۔۔ اس کی گردن ٹوٹ گئی۔ اس وقت پرویز بھائی گھر پر تھے۔ بظاہر وہ حادثہ تھا۔ پرویز بھائی کا بھی موقف یہی تھا لیکن امی اور میں نے کبھی یقین نہیں کیا۔ ہمیں شک تھا کہ ستارہ کو پرویز بھائی نے دھکا دیا تھا۔ کوئی ثبوت نہیں تھا۔ پولیس کو کوئی حرکت نہیں آیا۔ مذہبی ہم اپنے شک کا اظہار کر سکتے تھے۔ کیونکہ ابا کے انتقال کے بعد ہم پرویز بھائی پر انحصار کرتے تھے۔ پولیس بھی کیس داخل دفتر کرنے میں زیادہ دلچسپی رکھتی تھی۔ ہم مجبور تھے اور خوف کے عالم میں زندگی بسر کر رہے تھے۔“

”پھر تم لوگ یہاں سے نکلیں اور شفٹ ہو گئے؟“

اختیار نے سوال کیا۔

”ہاں جی، وہ پرویز بھائی کا فیصلہ تھا۔“

”پھر واپس یہاں کیوں آئے؟“

”پرویز بھائی کافی تامل ہو گئے تھے اور انہوں نے ہی واپس کا فیصلہ کیا لیکن یہاں آنے کے بعد ان کا ذہن ایک بار پھر ایسے لگا۔“

”ایک بات سمجھ نہیں آئی۔“ اختیار نے مد اخلت کی۔

”فرض کرو حادثے کے چھپنے کے بعد ہاتھ تھا جبکہ ستارہ کو وہ علیہ کے ساتھ ملا دیتا تھا۔ پھر کھلتی انتہار سے ستارہ کی جگہ تمہیں میزچوں سے گرنا چاہیے تھا؟“

سبکی نے جواب دینے سے پہلے کچھ وقفہ لیا۔ ”اس



## رانگ نمبر ۱

قسمت آزمائی کی دھن میں ایک لڑکے نے ایک ٹیلی فون نمبر مار کر دوسری طرف ریسور اٹھائے پر کہا۔ "ہیلو! آپ اس وقت کیا کر رہی ہیں؟"

جواب ملا۔ "تماز پڑھنے کی تیاری۔"

تو جوان جلدی سے بولا۔ "سوری رانگ نمبر۔"

سے یہ منظر دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں بے چینی کے ساتھ رنج و گم کا گہرا سایہ تھا۔ اختیار رنگ تھا۔

"ہنود، دونوں۔" آخرا سے ہوش آیا۔

"ہلیئر، مجھے بھاؤ۔" وہ بولی۔ "مجھے علم تھا۔ تم آؤ گے۔"

"تم دور رہو۔" اختیار نے سلی کی کو دھکیلا۔ وہ غزالہ کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ غزالہ کچھ کہے بغیر دایہ کی لیے پلٹی۔ "راجل اسے روکو۔ تم لوگ غلط بھڑے ہو۔"

"ہم کچھ نہیں۔ ہم دیکھ رہے ہیں۔" غزالہ نے بے شکل غم زدہ آواز میں کہا۔

"آپ اور آپ آئیں گی۔" سلی نے اختیار کا ہاتھ پکڑا۔ سب ٹھیک ہو جائے گا اور ان دونوں کو جانے کے لیے کہیں۔

"دماغ ٹھیک ہے۔ پرویز ہوش میں آنے والا ہے اور وہ میرے لیے آئے ہیں۔ میرے ہیں۔ میں ان کے ساتھ جاؤں گا۔ پرویز کو باندھو اور پولیس کو فون کرو۔ ہم جانے والے ہیں۔" اختیار نے کہا۔

سلی کے چہرے نے رنگ بدلا۔ "میں تمہاری ہوں۔ اور کوئی تمہارا نہیں ہے۔" اس نے غصے سے غزالہ کو دیکھا۔ "آؤ میرے ساتھ۔" وہ اختیار کو سیز جھونک کی طرف تھمکتی رہی تھی۔ اختیار نے تھلا کر ہاتھ جھکا۔ سلی کے جود بدلنے لگے تھے۔ اختیار غیر متوقع تبدیلی پر حیران تھا۔ وہ خود سے سلی کے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔ دفعتاً اس کے ذہن میں جھٹکا ہوا غزالہ نے جب سلی مرتبہ کلب میں اختیار کو سلی کے بارے میں بتایا تھا تو کہا تھا کہ اس کے چہرے پر سرخ گل ہے۔ یہ بات اختیار کے ذہن میں پھر ابھی نہیں آئی تھی۔ اس وقت وہ دیکھ رہا تھا کہ اس کے چہرے پر کوئی حق نہیں تھا۔ کچھ دیر پہلے پرویز نے کہا تھا۔

"بے وقوف آدمی وہ سلی نہیں ہے۔"

کہ اختیار کی موجودی کو محسوس نہ کر سکے۔ اختیار کو گمان ہوا کہ وہ کھنی کا بطن پوری طرح نہیں دیکھا تھا۔ بہر حال اس وقت اس کے کرنے کا ایک ہی کام تھا کہ پرویز کے ساتھ بھڑ جائے۔ وہ دونوں کے درمیان آگیا۔

"تم اندر کیسے آئے اسل آدی۔" پرویز نے اختیار کے گرد بیان پر ہاتھ ڈالا۔ اختیار نے لمحہ ضائع کیے بغیر اس کے پہلو میں ٹھوسا رسید کیا۔ پرویز نے بھی جوابی وار کیا۔ اختیار پہلو بچا گیا۔ تاہم دونوں زمین پوس ہو گئے۔

"دفع ہو جاؤ یہاں سے۔" پرویز چلایا۔ غصے کے مارے اس کی باجھوں سے جھاگ بہہ رہا تھا۔ "تم کچھ نہیں جانتے۔ تمہیں نہیں پتا تم کیا کر رہے ہو۔ تمہیں یہاں نہیں آنا چاہیے تھا۔"

جواب میں اختیار نے اس کے جڑے پر ٹھوسا رسید کیا۔ "میں سلی کو بچانے آیا ہوں۔"

"بے وقوف آدمی وہ سلی نہیں ہے۔" پرویز نے اختیار کو پٹ کر بچے دیا۔ دونوں فرش پر ٹوٹ رہے تھے۔ کچھ چیزیں بھی گریں۔ تاہم دونوں کو ہوش نہیں تھا۔

"اختیار مجھے بھاؤ۔" سلی کی چیخ بلند ہوئی۔ اس کا مخصوص انداز ہنگامہ ہو گیا تھا۔ پرویز کا پلہ بھاری پڑتا جا رہا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ اختیار کی گردن پر تھے۔ اختیار ہاتھ بھر مار رہا تھا۔ وقت کم تھا۔ راجل ابھی تک نہیں پہنچا تھا۔ سلی متواتر چیخ رہی تھی۔ اختیار کے ذہن میں تاریکی پھیلنے لگی۔ اس نے غریب کے ہاتھ بھر چلائے، کوئی شے اس کے دائیں ہاتھ میں آئی۔ اسے بعد میں پتا چلا کہ وہ گلدان تھا۔ اختیار نے ڈوبتے ذہن کے ساتھ گلدان پر پرویز کے سر پر مارا۔ پرویز کے منہ سے کراہٹ نکلی۔ وہ دوسری جانب پلٹ گیا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔ غابا وہ بے ہوش ہو گیا تھا۔ اختیار جھنجھکی کو شل کر رہا تھا کہ سلی نے اس دوران میں پولیس کو فون کیوں نہیں کیا۔ وہ کھانسا ہوا کھڑا ہوا اس کی سانس بحال ہو رہی تھی۔

پرویز نے بار بار کہا تھا کہ سلی مر چکی ہے۔ اس وقت سلی کی موجودی میں اس نے کہا تھا۔ "بے وقوف آدمی وہ سلی نہیں ہے۔" اختیار کی سوچوں کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔ سلی بھاگ کر اس سے لپٹ گئی۔ اختیار کو لگا کہ وہ خوشبو کے حصار میں ہے۔ سلی کا بدن کتب رہا تھا۔ گل اس کے کہ اختیار اسے دور بٹاتا۔ وہ ہو گیا، جو اختیار کے سامن ونگان میں نہیں تھا۔ کیونکہ روم کے درمیان راجل اور غزالہ کھڑے تھے۔ اختیار پر سکے کی کیفیت طاری تھی۔ غزالہ پچھنی پچھنی آنکھوں

"وعدہ۔" اختیار نے فون بند کر دیا اور گاڑی اسٹارٹ کی۔ انجن بند کیے بغیر وہ دفعتاً رک گیا۔ غزالہ کی تصویر نگاہوں میں محسوس تھی۔ چند سینکڑے سوچ کے اس نے پیغام بھیجا۔ "غزالہ! میں راجل کے ساتھ سلی کے گھر جا رہا ہوں۔ آکر بتاؤں گا۔ مجھ پر بھروسہ رکھنا۔"

اختیار روانہ ہو گیا۔ اس کے اندر خواہش بیدار ہوئی۔ کاش وہ زندہ ہو۔ زندہ ہو۔

وہ کم وقت میں سفید پتے تک پہنچ گیا۔ گاڑی سے اتر کر بے قابو پورچ کی طرف گیا۔ بروقت اسے راجل سے کیا وعدہ یاد آیا اور اختیار پیا ہوا کر گاڑی سے نکل کر کھڑا ہو گیا۔ گاڑی اس نے بین پتے کے سامنے روکی تھی۔ اس کا ایک ہاتھ گاڑی کی چیمت پر تھا۔ ہاتھ کی انگلیاں بے قراری سے گاڑی کی چیمت پر تھکر رہی تھیں۔ وہ اس سمت میں دیکھ رہا تھا، جہاں سے اس کے اعزازے کے مطابق راجل کی ٹویٹا پاسو نے آنا تھا۔

سفید بیگلا خلاف معمول قدرے روشن تھا۔ دفعتاً ایک غشتبادک مردانہ آواز بلند ہوئی۔ فوراً ہی نسوانی چیخ سنائی دی۔ "جانے دو مجھے۔ وہ میرے لیے آیا ہے۔"

اختیار اچھل پڑا۔ غابا کھڑکی سے سلی نے اسے دیکھ لیا تھا۔ صاف ظاہر تھا کہ وہ ابھی زندہ ہے۔ پرویز نے جھوٹ بولا تھا۔ تاہم واضح طور پر خطرے میں تھی۔ اختیار خود کو باز نہیں رکھ سکا۔ کھنی بھاتا یا گیٹ پینٹا سے معنی اور وقت کا زیاں تھا۔ اس نے تیل بھائی ضرور۔ محض اس لیے کہ اندر جو کچھ ہو رہا ہے، اس میں کچھ وقفہ آجائے۔ تیل بھجاکے وہ گیٹ پر چڑھ کے اندر کو گیا۔ راجل کے لیے اس نے گیٹ کی کھڑکی کھول دی تھی۔ ذہن میں صرف ایک ہی بات تھی کہ پرویز کو روکنا ہے۔ اختیار کو یہ بھی اطمینان تھا کہ راجل پہنچنے والا ہوگا۔

گیٹ کے دوسری طرف پارکنگ ٹھی اور سامنے دروازہ۔ وہ بڑھتا چلا گیا۔ ایک صف کے اندر وہ لیونگ روم میں تھا۔ سلی کی چیخ پھر بلند ہوئی۔ کمرے کا منظر خوفناک تھا۔ اختیار کا دل سینے میں جھوڑے کے مانند چل رہا تھا۔ قالین پر پرویز اور سلی جھگڑتے تھے۔ سلی بھائی کے سینے پر سوار اس کا منہ نوچنے کی کوشش کر رہی تھی۔ پرویز نے بہ آسانی اسے سینے پر سے دھکیل دیا۔ سلی خوشوار چنگی بلی کے مانند گلے کر رہی تھی۔ وہ ایک بدلا ہوا روپ تھا۔

پرویز نے اسے دیوار کی طرف دھکا دیا اور پیش کے عالم میں غرا کے اس پر چھٹا۔ دونوں کھنکھن میں اسے محسوس تھے

رہا تھا۔ اگر پرویز نے اسے ہلاک کر دیا تو کیا ہوگا؟ یا وہ اب تک یہ کام کر چکا ہے۔ جو ایک بہن کو مار سکتا ہے، وہ دوسری کو بھی مار سکتا ہے۔ عالیہ کی موت نے اس کا ذہن اٹا دیا تھا لیکن اختیار کیا کر سکتا ہے، یہ اس کا مسئلہ نہیں ہے۔ کیا اسے پولیس کو فون کرنا چاہیے۔

اختیار نے ایک بار پھر کوشش کی اور چھٹی کھنکھ پر فون اٹھالیا گیا۔ وہ پرویز کی آواز تھی۔

"پرویز! سلی کو فون دو۔" اختیار نے سخت لہجے میں کہا۔

"وہ مر چکی ہے۔" پرویز نے فون بند کر دیا۔ وہ پہلے بھی کسی بار کہہ چکا تھا کہ سلی اس دنیا میں نہیں ہے لیکن اس مرتبہ اس کا انداز بدلا ہوا تھا۔ اختیار نے یہ محسوس کیا جیسے پرویز نے کچھ دیر قبل سلی کو ختم کر کے پرانی بات دہرائی ہو۔ "وہ مر چکی ہے۔" اختیار خشک سوچ رہا تھا یا غلط۔ ایک بات اس کے ذہن میں واضح ہو چکی تھی کہ پرویز غلط آدمی ہے۔ چاہے اس میں اس کے وفاقی خلل کا ہاتھ ہی کیوں نہ ہو۔ پرویز ہم دونوں کو ایک ساتھ "فوڈ ان فوڈ" میں دیکھ چکا تھا۔ وہ اس بات سے لائم تھا کہ وہ ملاقات محض ایک اتفاق تھی۔

اب اگر اس نے سلی کو ختم کر دیا ہے تو وہ اختیار کو بیلور گواہ کیوں چھوڑے گا۔ باوجود اس کے کہ اختیار یقینی شاید نہیں تھا۔ اسرار ختم ہوتے ہوئے پھر کسی نئے زاویے سے اختیار کو ابھار رہا تھا۔ اس کے لیے فیصلہ کن کھڑی آن پگنی تھی۔ قصہ یہ تھا کہ پولیس کو فون کرنے پر بات غلط لگی تو کیا ہوگا۔ اختیار نے ایک بار پھر وہاں جانے کا فیصلہ کیا۔ اس مرتبہ اس نے کشتیاں جلا دی تھیں۔ وہ سیز حیاں بھلا گیا ہوا نیچے آڑا گاڑی کی چابیاں لیں اور تیز قدی سے گیٹ کی طرف چلا۔ اس کی امی نے دیکھ لیا۔ "اختیار کہاں جا رہا ہے؟"

اختیار نے جواب دیا تھا۔ تاہم وہ بھول گیا کہ کیا کہا تھا۔ سوک پر وہ کچھ دور گیا تھا کہ ایک اس نے گاڑی روک کے سب فون نکالا اور راجل کا نمبر لایا۔

"سب ٹھیک ہے؟" راجل کی آواز آئی۔

"نہیں یار میں" وہیں" جا رہا ہوں۔ تو بھی پہنچ۔"

"اختیار کیا ہوا؟"

"میری کہانی ہے۔ تو وہاں پہنچ۔"

"میں آ رہا ہوں۔ وعدہ کر۔ میرے آنے تک

اندروں نہیں جائے گا۔"



اسے؟" راجل نے سوال کیا۔  
 "سکلی کو مار کے کیا ملا اسے؟" پرویز نے کہا۔  
 "انسان عجیب چیز ہے۔ وہ پوری طرح خود کو نہیں سمجھ پاتا۔  
 دوسروں کو کیا سمجھے گا۔" پرویز نے فلسفیانہ انداز میں جواب  
 دیا۔  
 "مجھے مارنے کے اس کے پاس کیا ذرائع ہیں؟"  
 "مجھے نہیں معلوم۔ سادہ اور آسان ذریعہ کار  
 ایکسٹرنٹ ہو سکتا ہے۔" پرویز نے کہا۔ اور اختیار کو یقین ہو  
 گیا کہ فون پر غزالہ کو کس نے دھمکی دی ہوگی۔  
 "یہ ذریعہ کافی ہے تم سب کو ختم کرنے کے لیے۔"  
 سیزھیوں پر جونی قبضہ سٹائی دیا۔ ہم کہانی میں ایسے کھوئے  
 تھے کہ کسی نے ٹوٹی نہیں لیا کہ اوپر خاموش کیوں ہے اور وہ  
 کب کہاں سے ہینڈن نکال کے لائی تھی۔  
 "سب ایک دوسرے سے دور چلے جاؤ۔" راجل  
 نے سرکشی کی۔ "پرویز تم اسے باتوں میں لگاؤ۔"  
 "ستارہ، پاگل مت ہو۔" لیکن نیچے رکھ دو۔" پرویز  
 نے کہا۔  
 "جاوید میرا ہے۔۔۔۔۔ پہلے اس لڑکی کو ماروں گی۔"  
 ستارہ کے چہرے سے وحشت لپک رہی تھی۔ وہ اختیار کو  
 جاوید پر کھڑی تھی۔  
 "وہ جاوید نہیں اختیار ہے۔۔۔۔۔ اس کا دوست پولیس کو  
 فون کر کے آیا ہے۔ تم بچتی نہیں۔۔۔۔۔ گن نیچے رکھ دو۔"  
 ہم آہستہ آہستہ ایک دوسرے سے دور ہٹ رہے  
 تھے۔ اختیار سوچ رہا تھا کہ اگر واقعی ان کی امی بیمار ہیں اور  
 کوئی کھا کے سوتی ہیں۔ لیکن اتنی گہری خند؟ دوسرا سوال  
 غزالہ سے متعلق تھا۔ اختیار نے اسے پیغام دیا تھا۔ وہ  
 راجل کے ساتھ کیسے آگئی؟  
 "ممن کس کی ہے؟" راجل نے آہستہ سے سوال  
 کیا۔  
 "میری۔۔۔۔۔ لائنس ہے۔ لیکن پتا نہیں۔"  
 "خاموش رہو۔" ستارہ چلائی۔  
 اختیار کو یقین نہیں تھا کہ وہ ممن شیک طرح استعمال کر  
 سکے گی لیکن خطرہ بہر حال تھا۔ ناقابل یقین صورت حال پیدا  
 ہو گئی تھی۔  
 "جاوید تم میرے ہو۔۔۔۔۔ میرے پاس آ جاؤ۔" اس  
 نے ممن لہرائی۔ اختیار کو ترکیب سمجھی۔ ستارہ عالم دیوانگی  
 میں، اسے موقع فراہم کر رہی تھی۔  
 اسے جواب دینے سے پہلے نظر بچا کے اختیار نے

سے گزور رہے تھے۔  
 "تم لوگ یہاں سے کیوں شفٹ ہوئے تھے؟"  
 اختیار نے سوال کیا۔  
 "مگرے صدے کی کیفیت تھی۔ امی کے ذہن پر  
 بہت بڑا اثر ہوا تھا۔ یہاں سے جانے کا فیصلہ ان کا تھا۔  
 دوسری وجہ شاید تم لوگ یقین نہ کرو۔" وہ چپ ہو گیا۔  
 ہم بھی خاموش تھے۔  
 "دوسری وجہ۔۔۔۔۔ سکلی کی روح جھپک رہی تھی۔  
 اگرچہ وہ بھی کبھی نظر آتی تھی لیکن اس کی روح بے چین دے  
 قرار دے گی۔ ہم کرائے پر مکان دے کر چلے گئے۔ چند ماہ  
 گزارنے کے بعد کرائے دار بھی کوئی وجہ بتائے بغیر ہماگ  
 گئے۔ وجہ کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ ہم سمجھ گئے تھے کہ کیا وجہ  
 ہو سکتی ہے۔"  
 "دوبارہ یہاں واپس کیوں آ گئے؟" راجل نے  
 پکلی مرتب زبان کھولی۔  
 "ہمارے مالی حالات خراب تھے۔ بھائی اپنی دنیا  
 میں گمن تھا۔ وہ اچھا بھائی تھا۔ اس کی بیوی نے اسے سکلی  
 سے دور کر دیا۔ یہاں کرائے دار چلے گئے تو ہم نے مکان  
 بیچنے کی بہت کوشش کی۔ لیکن کوئی کامیابی نہیں ملی۔ کرائے پر  
 گئے تھے۔۔۔۔۔ امی کا علاج بھی ضروری تھا۔ ستارہ کا نفسیاتی  
 علاج ضروری تھا اور دوا بھی۔ کرائے سے جان چھڑائے  
 بغیر آگے بڑھنا ممکن نہ تھا۔۔۔۔۔ مجبوراً واپس آنا پڑا۔ جب  
 سکلی مرتبہ تم نے فون کیا۔ میرا مطلب سکلی کے حوالے سے۔  
 اس وقت میں اٹھ گیا۔ جب میں نے تمہارا چہرہ دیکھا تو  
 غصے کا احساس ہوا۔ میں نے پوری کوشش کی کہ تم  
 "سکلی" سے دور رہو۔ مجھے احساس ہو گیا کہ ستارہ، سکلی بن  
 کے کوئی ناکھیل کھیلنا چاہتی ہے۔ وہ تمہیں سکلی کا متغیر جاوید  
 سمجھ رہی تھی۔  
 "ستارہ نے سکلی کے مانند کپڑے پہنے شروع کر  
 دیے۔ وہ خود کو سکلی بنا کے پیش کر رہی تھی۔۔۔۔۔  
 "سکلی کی جس لڑکے سے بات طے ہوئی تھی۔  
 "بدقسمتی" اسے۔۔۔۔۔ میں اسے "بدقسمتی" ہی کہوں گا۔ اختیار  
 بولا۔ "میری شکل اس کے ساتھ مشابہ تھی تو ستارہ مجھ سے کیا  
 چاہتی تھی۔ میں اسے کیا دے سکتا تھا؟"  
 "موت یا بھراہتی محبت۔"  
 "کیا مطلب ہوا؟"  
 "وہ تمہاری زندگی لے سکتی تھی۔" پرویز نے کہا۔  
 ہم تینوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ "کیا ملتا

"میں چاہتا تھا کہ تم خوف زدہ ہو کر ستارہ سے دور ہو۔"  
 "اپنا منہ بند رکھو۔" سیزھیوں پر سے آواز آئی۔  
 "اپنے کمرے میں جاؤ۔" پرویز نے ستارہ سے کہا۔  
 تاہم ستارہ بالائی بیڑھی پر کھڑی رہی۔  
 "میں چاہتا تھا کہ تم محفوظ رہو۔" پرویز نے بولنا  
 شروع کیا فون پر میں نہیں سمجھ سکا تھا لیکن جب تم بذات خود  
 یہاں "سکلی" سے ملنے آئے۔۔۔۔۔ میں نے تمہارا چہرہ دیکھا  
 اور سمجھ گیا کہ ستارہ، سکلی بن کے کیا کرنا چاہتی ہے۔  
 "کیوں بند کرو۔۔۔۔۔ پرویز، میں تمہیں بھی مار دوں  
 گی۔" وہ غصے سے لال پکلی ہو رہی تھی۔  
 "میں نے۔۔۔۔۔ سچ کہا تھا کہ سکلی مر چکی ہے۔" پرویز  
 نے ستارہ کی تھک و تھار پر کان دھرے بغیر اپنی بات جاری  
 رکھی۔ "تم جان چکے ہو کہ میری دو بہنیں تھیں۔ سکلی اور  
 ستارہ۔" پرویز کی آواز بھرا تھی۔ "جب سکلی سیزھیوں سے  
 گر کے مری تو امی اور میرا بھائی خیال تھا کہ ستارہ نے اسے  
 دھکا دیا تھا، میں نے کسی حالیہ سے محبت نہیں کی۔ والد  
 صاحب نے دو شواہد کی تھیں۔ میرا ایک بھائی امریکا میں  
 ہے۔ ستارہ حیرت انگیز طور پر سکلی کے مانند حسین تھی۔"  
 "ایک منٹ۔" اختیار نے اسے ٹوکا۔ "کیا ستارہ،  
 سکلی کی سوتیلی بہن تھی؟"  
 "ہاں، لیکن ہم نے اسے بھی سوتیلیا نہیں سمجھا۔"  
 "اور ستارہ کی ماں؟"  
 "ستارہ کے جنم کے بعد اسپتال میں ہی ان کا انتقال  
 ہو گیا تھا۔"  
 "تم نے کہا تھا کہ جب تم نے میرا چہرہ دیکھا۔۔۔۔۔ اس  
 وقت تمہیں احساس ہوا کہ کچھ غلط ہونے والا ہے؟"  
 "ہاں، بتاتا ہوں۔" پرویز نے کہا۔ "درحقیقت  
 جس لڑکے سے سکلی کی بات طے ہوئی تھی۔۔۔۔۔ اسے ستارہ بھی  
 پسند کرتی تھی۔ یہ بات کچھ دنوں بعد ہمیں پتا چلی۔ تاہم  
 ستارہ خاموش رہی اور ایک دن وہ حادثہ ہو گیا۔ اس لڑکے کی  
 شکل تم سے ملتی تھی۔ بات طے ہونے سے پہلے ہی ستارہ حسد  
 کا شکار ہو چکی تھی۔ اسے حسن تو مل گیا تھا لیکن سکلی جیسی لڑکی  
 کشش سے وہ محروم تھی۔ سکلی جیسا جاتی شمع محفل بنا  
 جاتی۔ اس کی سہیلیاں بھی زیادہ دھمکیاں۔ وہ خود ہی محنت کر  
 کے بہت نمبر لیتی تھی جبکہ ستارہ کو زیادہ نمبر لینے کے لیے بہت  
 محنت کرنی پڑتی تھی۔ جب سکلی کی بات طے ہوئی تو ستارہ  
 کا پتا نہ بھر جواب دے گیا۔  
 ہم تینوں خاموش سے اس بل دار کہانی کے بیچ و خم

"غزالہ میں تمہیں زبردستی نہیں روک سکتا۔ لیکن میرا  
 اتنا تو حق ہے کہ تم میری پوری بات سن لو۔ مجھے بتاؤ کہ یہ سکلی  
 ہے یا نہیں؟"  
 غزالہ نے اشتہی نظر اختیار پر ڈالی پھر سکلی کی طرف  
 دیکھا۔ راجل نے کچھ کہنا چاہا تاہم اختیار نے ہاتھ اٹھا کر  
 اسے روک دیا۔ وہ چاہتا تھا کہ راجل کیا کہے گا۔ سب پرویز  
 کی طرف سے غافل تھے۔  
 "یہ سکلی نہیں ہے۔" غزالہ نے کچھ دیر میں صبر  
 تصدیق ثبت کر دی۔ وہ براہ راست پکلی مرتبہ سکلی کو دیکھ  
 رہی تھی۔ غزالہ کے بیان نے سکلی کے تپوہر بستر بدل دیے۔  
 وہ چیخ مار کے چیختی۔ اختیار کو اسے روکنے کا موقع ہی نہیں ملا مگر  
 راجل درمیان میں آ گیا۔ سکلی نے رخ بدلا اور جھپک رہی ہوئی  
 سیزھیوں کے ذریعے پکلی منزل کی طرف گئی۔ کسی کے  
 کراہنے کی آواز آئی اور اختیار چو کھتا ہو گیا۔  
 "اختیار رکھو۔ اگر اس نے اوپر جا کے پولیس کو فون  
 کر دیا تو ہم تجھس جا سکتے گے۔" راجل نے صائب مشورہ  
 دیا۔  
 "رک جاؤ۔" پرویز اٹھ کے بیٹھ گیا۔ وہ ایک ہاتھ  
 سے برقی پشت کو سہارا رہا تھا۔ اس کے انداز میں جارحیت  
 مفقود تھی۔ وہ ماحول کا جائزہ لے رہا تھا۔ "وہ کہاں ہے؟"  
 پرویز کی آواز میں شکوہ نہیں تھی۔  
 "وہ اوپر گئی ہے۔" اختیار نے جواب دیا۔ "مجھے  
 بتاؤ تم نے کیا تھا، وہ سکلی نہیں ہے۔ پھر کون ہے؟"  
 "وہ ستارہ ہے۔" پرویز نے گھٹی ہوئی آواز میں  
 انکشاف کیا۔ "یہ دونوں کون ہیں؟"  
 "وہ میرے ساتھ ہیں۔" اختیار نے جواب دیا۔  
 "تم یہاں کیوں آئے تھے؟ تم ستارہ نے فوڈ این فوڈ  
 میں کیوں ملے تھے؟"  
 غزالہ اور راجل کے ہنسنے سے پہلے ہی اختیار نے  
 تیزی سے بتایا کہ وہ ملاقات کیسے ہوئی تھی۔ نیز ستارہ نے کیا  
 کہانی سنائی تھی۔ "تمہیں وہاں حالت اشتعال میں دیکھ کر  
 ستارہ فرار ہو گئی۔ میں بھی سمجھا کہ وہ شیک کہہ رہی تھی اور اس  
 کی جان خطرے میں ہے۔ میں اس کی مدد کرنے آیا تھا۔  
 آنے سے پہلے میں نے اپنے دوستوں سے کہہ دیا تھا۔ فوڈ  
 این فوڈ میں اس کی جھولی کہانی سننے کے بعد میں اسے سکلی ہی  
 سمجھ رہا تھا۔"  
 "میں نے تمہیں حبیہ کی تھی۔۔۔۔۔ ڈرا یا تھا۔" پرویز  
 نے راجل اور غزالہ کو اشارے سے ہنسنے کے لیے کہا۔







## حاصل لا حاصل

کبیر عباسی

کچھ خوابوں کا تعلق وقت و حالات سے منسلک ہوتا ہے... وہ وقت اور لمحات کی قید میں ہوتے ہیں... مناسب موقع پر ان کی اسیر بن کر رہ جاتی ہے... اور وہ فضائوں میں محور پرواز ہو جاتے ہیں... مگر کچھ بے صبری طبیعت کے مالک ہوتے ہیں... وہ سب کچھ حاصل کرنا چاہتے ہیں... ان سے چھین کر جن کو وہ حاصل ہوتا ہے... دوسروں کے حصے پر اپنا تسلط چمانا چاہتے ہیں... ایسے ہی سر پہرے لوگوں کی تفتوں کا احوال جو سراسر بددیانتی کے سپارے آگے بڑھنا چاہتے تھے... حاصل لا حاصل کی جنگ میں الجھے قدم...

شعلوں میں گھرے دوستوں کی بے قراریاں... سرورق کا ٹھکانہ رنگ



ٹپنی منزل پر موجود کیش اینڈ کیری بھی لوگوں سے بھرا ہوا تھا۔ اس نے تمام چیزوں پر افتتاحی دن خصوصی ڈسکاؤنٹ دیا تھا۔ یہ ڈسکاؤنٹ اگلے تین دن جاری رہتا تھا۔ ڈسکاؤنٹ کے علاوہ اس نے تین دن میں پانچ ہزار سے زائد شاپنگ کرنے والے لوگوں کے لیے ایک کار بطور انعام بھی رکھی تھی۔ یہ کار قراء اندازی کے ذریعے کسی ایک خوش نصیب کی ملکیت بنی۔

شاپنگ کرنے والے لوگوں کے چہروں پر حیرت کے ساتھ خوشی چھائی ہوئی تھی۔ ان کا مشاہدہ کرنے کے بعد وہ اپنے آفس میں آگیا۔ اس نے منیجر کو بلوایا۔

”ہاں جی، سب ٹھیک چل رہا ہے نا؟ ریفر مشنٹ

چہرے سے خوشی پھوٹ رہی تھی۔ وہ خوش کیوں نہ ہوتا۔ اس کی تو جیسے لاری نکل آئی تھی۔ اس کے خواب کی تعبیر اسے اپنی جلدی مل جائے گی، اس نے بھی سوچا بھی نہ تھا۔

کچھ ہی دیر بعد سب لوگ روانہ ہوتے گئے۔ وہ پارکنگ لاٹ میں سب کو گاڑیوں تک چھوڑنے آیا۔ اس نے ایک بار پھر سب کا شکریہ ادا کیا۔ ان کے روانہ ہونے کے بعد اس نے ایک نظر سامنے ڈالی۔ لوگ جوق درجوق دوسری منزل پر موجود ”ریفر مشنٹ ہال“ کی طرف بڑھ رہے تھے۔ کچھ لوگ ریفر مشنٹ کے بعد باہر بھی نکل رہے تھے۔ ان کے چہروں پر آسودگی دیکھ کے یاسر کو بھی سکون کا احساس ہوا۔

ایک ابھرتی ہوئی سیاسی پارٹی کا نمائندہ تھا اور یاسر اس پارٹی کا کارکن۔ اصغر علی پچھلے الیکشن میں ایم پی اے کی سیٹ کے لیے لڑا تھا، کوکہ وہ الیکشن ہار گیا تھا مگر اس بار اس کی جیت کے چانسز روشن تھے۔ اس لیے یاسر کے علاوہ وہاں موجود دیگر لوگوں کا رویہ بھی اس کے ساتھ نیاز مند تھا۔

یاسر نے اس کے منع کرنے کے باوجود پلیٹ مختلف چیزوں سے بھر دی۔

”سرا، آپ راجہ شریف رکھیں۔“ یاسر نے پلیٹ نکل پر رکھنے کے بعد اپنی کرسی اصغر علی کو پیش کی۔ وہ کرسی پر بیٹھ گیا تو یاسر نے خود چائے بنا کے اس کے سامنے رکھ دی۔

اصغر علی کے پیٹنے کے بعد دیگر لوگ بھی ٹیبلو کے گرد کھڑے ہوئے اپنی پیشکشیں بھرنے لگے۔ یاسر سب لوگوں کو خوش اخلاقی سے مزید لینے پر اصرار کرنے لگا۔ اس کے

اصغر علی کے فیتے کا منہ ہی فضا تالیوں کے شور سے گونج اٹھی۔ کسروں کے فلیش چمکنے لگے۔ ملک یاسر نے آگے بڑھ کے اپنے ہاتھ سے مہمان خصوصی اصغر علی کو منگائی پیش کی۔ اس کا چہرہ مسرت سے دمک رہا تھا۔

کچھ دیر بعد ہی وہ بیس کے قریب چند افراد کو ساتھ لیے اپنے آفس میں پہنچ گیا۔ وہاں ”ہائی ٹی“ کا انتظام تھا۔ ایک طرف چند ٹیبلو پر چائے کے ساتھ مختلف قسم کی کھانے پینے کی چیزیں رکھی تھیں۔ وہ اصغر علی کو لے کے ٹیبلو کے گرد پہنچا۔ اس نے اپنے ہاتھ سے ایک پلیٹ اس کی طرف بڑھائی۔

”سرا، آپ کیا لینا پسند کریں گے؟“ اس نے خوش آواز انداز میں اصغر علی سے استفادہ کیا۔

”اس وقت میرا کچھ کھانے پینے کا سوا تو نہیں مگر آپ کی خوشی کی خاطر چائے کے ساتھ ایک فیش کا پیس لے لوں گا۔“ اس کے انداز میں نخوت نمایاں تھی۔ اصغر علی



کی مدد کوئی چیز کم نہیں ہونی چاہیے۔“ اس کے انداز میں حکم فرمایا تھا۔

”سر، آپ بے فکر رہیں، گوکہ لوگ ہماری توقع سے کہیں زیادہ آئے ہیں، لیکن انشاء اللہ، کوئی شخص ریفرصٹ کے بغیر نہیں لوٹے گا۔“ خیر سؤدب انداز میں بولا۔

”اوکے، تم جا کے لوگوں کو دیکھو اور ہاں افتتاح کے موقع پر لی گئی تصاویر مجھے وائس اینٹ کر دینا۔“ اس کے جانے کے بعد یاسر خوشی کے عالم میں گنگنانے لگا۔ اس وقت وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ کچھ دیر بعد ہی اس کی خوشی ایک گہرے شاک میں بدلنے والی ہے۔

☆☆☆

یاسر کی عمر پینتالیس سال کے قریب تھی لیکن چھریے جسم اور تروتازہ چہرے کی بدولت وہ اپنی عمر سے کہیں کم دکھتا تھا۔ اس نے چھوٹی سی تراشیدہ واڈھی رکھ چھوڑی تھی۔ کہتے ہیں کہ دولت جب آئی ہے تو ساتھ ”مکھیا پن“ بھی ساتھ لاتی ہے لیکن وہ اس معاملے میں خوش قسمت رہا تھا۔ اس کے سر پر اب بھی کچھ بال تھے۔ اس کے سر اور واڈھی کے بال کوکے آدھے سے زیادہ سفید ہو چکے تھے لیکن ڈائی کرنے کے بعد وہ یک رنگ ہو چکے تھے۔ اس نے سیاہ سوٹ اور سفید شرٹ پہن رکھی تھی۔ سوٹ کے ساتھ اس نے سیاہ و سفید رنگ کی دھاری دار ٹائی بھی باندھ رکھی تھی۔ تین ماہ قبل اسے جاننے والے لوگ اسے اس جیسے میں دیکھتے تو شاید پہچان ہی نہ پاتے۔

تین ماہ پہلے وہ ایک جنرل اسٹور کا مالک تھا۔ اسٹور پر وہ خاصا معروف رہتا تھا جس کی وجہ سے وہ خود پر دھیان ہی نہ دے پاتا۔ کچھلے کچھ عرصے میں قرب و جوار میں ہی دو کیش اینڈ کیری کھلنے کے بعد اسٹور کی سیل میں نمایاں کی دیکھنے میں آئی تھی۔ یہ امر اس کے لیے پریشانی کا باعث تھا۔ وقتی طور پر اس نے منافع لوہار رکھنے کے لیے ایک سیلز مین کی چھٹی کر دی لیکن یہ کوئی مستقل حل نہیں تھا۔ وقت بدل رہا تھا اور ساتھ ہی لوگوں کی ترجیحات بھی بدل رہی تھیں۔ اب لوگ جنرل اسٹور پر گھنٹوں کھڑے رہ کر سیلز مینز کے ساتھ مفر ماری کرنے کے بجائے کیش اینڈ کیری کی طرف راغب ہو رہے تھے۔ وہاں لوگ سکون سے اپنی من پسند اشیاء زیادہ مناسب ریٹ پر خرید سکتے تھے۔ کیش اینڈ کیری پر کھلنے سے مستقبل کے اندیشے اسے

نگھ کرنے لگے تھے۔ وہ ویسے بھی دور تک سوچنے کا عادی تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اب اپنے اسٹور کے ذریعے وہ کبھی اتنا منافع حاصل نہیں کر سکتا تھا جتنا کیش اینڈ کیری کھلنے سے پہلے کرتا تھا، بلکہ مستقبل میں اس منافع میں مزید کمی آنے کے چانسز تھے۔ اس مسئلے کا اس کے پاس ایک ہی حل تھا کہ وہ کبھی کیش اینڈ کیری کھول لیتا، مگر اس کے لیے درکار سرمائے کا حصول اس کے لیے درد منبر بن گیا۔ اس نے اپنے دوستوں اور عزیزوں سے ادھار رقم حاصل کرنے کی کوشش کی۔ پارٹنرز ڈھونڈنے مگر بے سود۔

وہ ان دنوں ہر وقت اسی فکر میں غلامان رہتا تھا۔ قریب تھا کہ وہ اپنے خواب سے دستبردار ہو جاتا کہ اسے ٹیبی مدد میسر آگئی۔ اسے یکدم ہی اپنی رقم مل گئی جس کی بدولت اس نے تین ماہ میں ہی اپنے خواب کی تعبیر حاصل کر لی۔

اس کے سیل پر وائس اینٹ کی بجائے تو وہ چونک کے اپنے خیالوں سے باہر آیا۔ اس نے فوراً وائس اینٹ کھولا۔ اس کا خیال تھا کہ میگزین نے تصاویر بیچیں ہوں گی مگر اسکرین پر ایک انجان نمبر چمک رہا تھا۔ اس نمبر سے اسے تصاویر ہی موصول ہوئی تھیں۔ اس نے تصاویر کھولیں۔ پہلی ہی تصویر دیکھ کے اسے اتنے زور کا جھٹکا لگا کہ اس کے ہاتھ سے سیل چھوٹ کے گر گیا۔ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کے سیل کو ایسے گھورتے لگا جیسے اس نے کوئی جھوٹ دیکھ لیا ہو۔

☆☆☆

راشد عباسی، عباسی ہارڈ ویئر، پینٹس اینڈ سینئری اسٹور کے آفس میں بیٹا سیل کے ساتھ مصروف تھا۔ اس کے سرخ و سفید چہرے پر گرد و زد کے آثار اثرات تھے۔ وہ چالیس سال کا ایک وجیہ اور اساتذہ شخص تھا۔ سکی اور سیدھے بال اسے ایک ہیرو کی سی ”ٹلک“ دیتے تھے۔ اوپر سے اس کا قد کاٹھ بھی اچھا تھا۔ باقاعدگی سے جم جانے کی وجہ سے اس کے جسم پر ابھی کہیں بھی چربی کی نہ نمودار نہیں ہوئی تھی۔ وہ انتہا کا خوش لباس تھا۔ اس وقت بھی وہ ٹیبلے کا سفید سوٹ پہنے ہوئے تھا، اوپر کالے رنگ کی وائسٹ اس پر بچ رہی تھی۔ دیکھنے میں ہی وہ معاشرے کا ایک معزز فرد لگ رہا تھا۔

یہ اسٹور اس نے اپنے کزن ساجد عباسی کے ساتھ مل کر حال ہی میں کھولا تھا۔ اسٹور دو حصوں پر مشتمل تھا۔ سامنے ”ڈیپلے سینئر“ تھا جبکہ عقبی حصہ گودام کے طور پر

استعمال ہوتا تھا۔ اسٹور میں ہارڈ ویئر، پینٹس اور ٹائلز کے علاوہ مین اور وائس روم ”ایکسپریز“ کی جدید ترین اور بے شمار دکانی موجود تھی۔ وہ زیادہ تر ہول سیل ڈیل کرتے تھے۔

اسٹور کے سامنے والے حصے میں ایک چھوٹا سا دفتر بھی بنایا تھا جس میں اس وقت وہ بیٹھا ہوا تھا۔ وہ وائس اینٹ پر یاسر کے کیش اینڈ کیری کے افتتاح کی تعمیل کر رہا تھا۔ یہ تصاویر اسے ساجد نے وائس اینٹ کی تعمیل جو افتتاح کے موقع پر وہاں موجود تھا۔ یاسر نے اسے بھی شرکت کی دعوت دی تھی لیکن اسٹور کی مصروفیت کی وجہ سے وہ نہیں جاسکا تھا۔ تصاویر دیکھتے ہوئے اس کے چہرے پر مایوسی اور حسد کے طے چلے جاثرات چھا گئے تھے۔ تصاویر میں اسٹور کے اندر چھل چھل دیکھ کر اس کا مایوس ہونا فطری تھا۔ اس نے بھی اسٹور کھولنے ہوئے آنکھوں میں بہت سے خواب سجائے تھے مگر فی الحال اسے اپنے خوابوں کی تکمیل کے آثار دور دور تک نظر نہیں آ رہے تھے۔ دو ہفتے میں بشکل چند کاہک آئے تھے جن سے اس کی معمولی سی سیل ہوئی تھی۔

کچھ عرصہ قبل وہ اس قسم کے ایک بڑے اسٹور پر میگزین کے فرائض سرانجام دے رہا تھا۔ اسٹور کا سارا انتظام و انصرام اسی کے ذمے تھا۔ مالک بھی کبھی پکارا نہ جاتا کرتا تھا۔ اسٹور کی ماہانہ اوسط بچت و لاگت اسے اوپر تھی۔

اس کی تنخواہ بھی اچھی تھی اور وہ ٹھیک ٹھاک پیسے بنا جائز خرچوں کے استعمال سے بھی نکال لیا کرتا تھا مگر بیوی کی فضول خرچی کی وجہ سے اس کا ہاتھ تنگ ہی رہتا تھا۔ وہ اسے اپنا اسٹور کھولنے کا مشورہ دیتی مگر اس کے لیے درکار سرمائے کی حصول یابی کے لیے وہ اس کی مدد کرنے میں بے بس تھی۔

اس کا باپ خاصا امیر کیرئیر شخص تھا، مگر راشد سے اپنی مرضی کی شادی کے باعث وہ اس کا اعتبار کھو چکی تھی۔ اس کا باپ..... ایلیٹ کلاس کے لوگوں کی طرح ”مستشیں کوٹنس“ تھا۔ وہ علویا سے بے انتہا محبت کرتا تھا۔ اس نے اس کی ہر جائز ناجائز خواہش پوری کی تھی مگر اس بار معاملہ مختلف تھا۔ راشد بازدار میں رہی کوئی چیز تو تھا نہیں جسے وہ خرید کر اپنی بیٹی کی خواہش پوری کر دیتا۔ یہ تو خاندانوں کا بسلوں کا معاملہ تھا۔ وہ کیسے اپنی بیٹی کی شادی ایک بڈل کلاس شخص سے کر سکتا تھا مگر علویا کی آنکھوں پر

## حاصل لا حاصل

اس وقت محبت کی پٹی بندھی تھی، اسے راشد کے موکھ نظر نہیں آتا تھا۔ وہ بلا کی حسن پرست تھی۔ اس کی راشد سے چھٹی ملاقات اسٹور پر ہی ہوئی تھی۔ وہ اپنے باپ کے ساتھ گھر کے لیے اپنی پسند کا سامان خریدنے آئی تھی۔ راشد حسب معمول ان سے انتہائی خوش اخلاقی سے پیش آیا۔

علویا کی توجہ چیزیں پسند کرنے سے زیادہ اس کی طرف تھی۔ راشد نے بھی اس کی نگاہوں کا ارتکا محسوس کیا مگر اس کے باپ کی وجہ سے وہ اپنی حد میں رہا۔ سامان خریدنے کے بعد..... وہ روانہ ہو گئے۔ جاتے ہوئے علویا اسے معنی خیز نظروں سے گھور کر مٹی تھی۔ اس کی نظروں نے اس کے قلب کی رفتار بڑھا دی تھی، وہ کچھ دیر اس کے بارے میں سوچتا رہا مگر جلد ہی کام میں مگن ہو کر وہ اسے بھول گیا۔ رات کو وہ سوئے کے لیے لیٹا ہی تھا کہ اس کا سیل بجنا۔ اسکرین پر انجانا نمبر چمک رہا تھا۔ اس نے کال ریسیو کر کے بلیو کیا۔

”آپ سو تو نہیں رہے تھے؟“ دوسری طرف سے مدھر آواز ابھری۔ اس کا دل تیزی سے دھڑکا۔ وہ ایک دم سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ اس نے پل بھر میں ہی آواز پہچان لی تھی لیکن وہ حائل عار قاند سے کام لیتے ہوئے بولا۔

”آپ کون؟“ اس کا سوال بھی اس نے نظر انداز کر دیا تھا۔

”اوہ، میرا خیال تھا آپ میری آواز پہچان لیں گے۔“ اس کے لہجے میں مایوسی راشد نے صاف محسوس کی۔

”آپ شاید وہی ہیں جو احسان صاحب کے ساتھ آج اسٹور پر تشریف لائی تھیں۔“ وہ لہجے میں پُرسوجو تاثرات لاتے ہوئے بولا۔

”جی ہاں، اب آپ نے صحیح پہچان لیا۔“ اس بار وہ چپکٹی ہوئی آواز میں بولی۔

”آپ کو میرا نمبر کیسے ملا؟“ اس کو اندازہ تو ہو گیا تھا کہ نمبر اس نے مل کی رسید سے لیا ہو گا مگر بات بڑھانے کو اس نے سوال کیا۔

”اے ڈھونڈنے سے تو خدا بھی مل جاتا ہے، آپ نمبر کی بات کرتے ہیں۔“ وہ ہلکھلا کر ہنسی۔ کچھ دیر کی بات چیت میں تعارف کے مراحل طے ہوئے۔ وہ پوچھو رچی سے ماسٹر کر رہی تھی۔ اس کا باپ شہر کا معروف بزنس مین تھا۔ اس کے بارے میں راشد پہلے



سے جانتا تھا۔

اس نون کال کے بعد وہ اکثر باہر ملنے لگے۔ راشد بہت خوش تھا کہ ایک دولت مند لڑکی اس کی طرف ہاتھ ہے۔ چھ ماہ کی ملاقاتوں میں ہی وہ دونوں ایک دوسرے کے اتنے قریب آ گئے کہ ایک دوسرے کے بنا جینا انہیں مشکل لگنے لگا۔ علیا کا فائل سسٹر چل رہا تھا۔ اس نے امتحانات کے بعد راشد کو اپنے باپ سے ملا۔ اس کا باپ اس سے بے انتہا محبت کرتا تھا، اسے یقین تھا کہ وہ اس کی پسند کو اپنانے لے گا مگر یہ اس کی خوش فہمی تھی۔ وہ راشد سے انتہائی سیات انداز میں ملا۔ اس کے جانے کے بعد اس نے صاف لفظوں میں علیا سے کہہ دیا کہ کچھ بھی ہو جائے، اس کی شادی راشد سے نہیں ہو سکتی۔

اس نے رونا دھونا دکھانا چھوڑنا، خود کشی کی دھمکی دینے جیسا ہر حربہ آزما لیا مگر اس کا باپ اس شادی کے لیے نہ مانا۔ وہ بھی انتہائی مدد کی تھی۔ منہ میں اس نے گھر چھوڑ کے راشد سے کورٹ میریج کرنی۔ راشد اپنے والدین کا اکلوتا بیٹا تھا۔ اس کا باپ کچھ عرصہ قبل فوت ہو گیا تھا۔ وہ اپنی ماں کے ساتھ تیار رہتا تھا، اس کی ماں سیدی سادی خاتون تھی۔ اسے راشد نے بے آسانی منالیا۔

وہ بے انتہا خوش تھا کہ ایک خوبصورت اور دولت مند لڑکی اس کی شریک حیات بن گئی ہے۔ اس کی ماں نے اس کی شادی کے لیے جو پیسے محفوظ کر رکھے تھے، وہ اس نے بے دریغ لٹائے شروع کر دیے۔ کچھ ماہ اسی طرح محبت کے غبار میں گزر گئے مگر پھر زندگی کی تنہا انہیں حقائق کی دنیا میں لے آئیں۔ راشد کی جتنی خواہش تھی، شادی سے قبل علیا تو اس سے زیادہ شاپنگ میں اڑا دیا کرتی تھی۔ اس نے اہم حالات دیکھے تو اسے باپ کی مرضی کے خلاف۔۔۔ شادی پر چھتاوے کا احساس ہونے لگا۔ وہ یہ

احساس لے کر اپنے باپ کے پاس پہنچی مگر خلاف توقع باپ تو باپ اس کی ماں اور بھائیوں نے بھی اس سے ٹھیک طرح سے بات نہ کی۔ وہ ہفتے میں ایک آؤہ بار ان سے ملنے جانے لگی۔ ان ملاقاتوں سے اتنا فرق پڑا کہ اس کی ماں کا رویہ اس سے بہتر ہو گیا مگر باپ اور بھائی ہنوز اس سے ناراض تھے۔ وہ دعا سلام کے علاوہ اس سے بات کے روادار ہی نہ تھے۔ اس کی کوشش تھی کہ کسی طرح اس کا باپ اس سے ناراضی دور کرے اور مالی لحاظ سے راشد کو سیکل کرانے میں مدد دے لیکن اس کی کوششیں بالکل ناکام تھیں۔

جانی رہیں۔ شادی کے دو سال بعد اس کے ہاں ایک بیٹے نے جنم لیا مگر رشتوں میں بھی براف کو وہ بھی نہ چکھا سکا۔ اب ان کی شادی کو بارہ سال کا عرصہ گزر چکا تھا۔ وہ دو بچوں کی ماں بن چکی تھی لیکن اس کا باپ ہنوز اس سے ناراض تھا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ ساری زندگی ایسے ہی کڑھ کڑھ کے گزار دے گی مگر ایسے میں راشد کو بھی اندازہ میرا آگئی۔ اس نے اپنے نزن ساجد کے ساتھ سے مل کر چند ماہ میں ہی ایک بڑا اسٹور کھول لیا۔ ساجد اس سے مل کر محکمہ پولیس میں ملازم تھا۔ وہ سب اسٹور تھا مگر شروع سے ہی اپنا کاروبار کرنے کے خواب دیکھا کرتا تھا۔ اب جب اس کے پاس اتنے پیسے آ گئے تھے کہ وہ بڑے پیمانے پر اپنا کاروبار کر سکتا تو اس نے راشد کے تجربے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کے ساتھ پانز شپ کر لی تھی۔

اسٹور کی بلڈنگ بھی انہوں نے کرائے پر لینے کے بجائے نقد خرید لی تھی۔ علیا بہت خوش تھی کہ اب وہ اس پوزیشن میں آ گئی تھی کہ اپنے باپ کا سامنا کرے کر سکے۔ اسٹور کے افتتاح پر اس نے اپنے باپ کو بھی مدعو کیا تھا مگر وہ توقع کے مطابق نہیں آیا تھا۔ علیا نے افتتاح اور اسٹور کی تصاویر اسے بھیج دی تھیں مگر اس نے کسی طرح کا کوئی رد عمل نہیں دیا تھا۔ علیا دل میں سوچ کر رہ گئی تھی۔ انہی دنوں اسے پتا چلا کہ اس کے باپ کو کاروبار میں بہت بڑا نقصان اٹھانا پڑا ہے۔ وہ اس سے ملنے لگی تو اسے وہاں اپنے باپ کا رویہ بہت عجیب لگا۔ پچھلے بارہ سال میں بنی باریا ہوا تھا کہ وہ اس سے ملا تو اس کے انداز میں بکرا اور بے نیازی کے بجائے شکست تھی۔ وہ ہاؤس اور دلی گرنے نظر آ رہا تھا۔ خیر یہ سب تو فطری تھا مگر علیا کو اس کے رویے میں جو چیز عجیب لگی تھی، وہ اس کی نظریں نہیں۔ وہ مسلسل اسے ٹھونکی ہوئی نظروں سے گھورتا رہا تھا۔

\*\*\*

راشد، یاسر کے کیش اینڈ کیریئر کی افتتاحی تصاویر دیکھ کر سوچ میں پڑ گیا۔ اسے یاسر نے کہا تھا کہ وہ نینوں میں کرکیش اینڈ کیریئر کھول لیتے ہیں مگر اس نے یاسر کی بات نہیں مانی تھی۔ ایک تو اسے اس کام کا تجربہ نہیں تھا، دوسرا اس طرح ان کا منافع ہٹ جاتا۔ وہ ایک ہی جست میں آسان کو چھو لینا چاہتا تھا۔ اس لیے اس نے ایسے کاروبار میں ہاتھ ڈالا جس کا اسے تجربہ تھا۔ ساجد کا ساتھ بھی اس نے اس لیے گوارا کر لیا تھا کہ ایک تو اس طرح سرمایہ کاری

کی رقم کمائی ہو جاتی دوسرا ساجد اس کام کے حوالے سے تا تجربہ کار تھا۔ اس طرح سب کچھ اس کے ہاتھ میں ہی رہتا۔ اسے اپنے کام میں کسی کی مداخلت سخت نا پسند تھی اور ساجد کے نا تجربہ کار ہونے کے باعث کسی مداخلت کا خدشہ نہیں تھا۔

وہ اپنے فیصلے سے مطمئن تھا۔ پچھلے اسٹور پر اس نے چند سال کے قریب کام کیا تھا اس لیے زیادہ تر گاہک مالک کے بجائے اسی کو جانتے تھے۔ اس نے اپنے تمام بڑے گاہکوں کو بھی افتتاح پر مدعو کیا تھا مگر تمام کوششوں کا نتیجہ اس کی توقع سے کم ہی نکلا تھا۔

اس کے باوجود وہ مطمئن تھا۔ اسے امید تھی کہ جلد ہی کام بڑھتا چلا جائے گا لیکن آج یاسر کے کیش اینڈ کیریئر کے افتتاح کی تصاویر دیکھتے ہوئے اسے پچھتاوے کا کہنم سے احساس ہو رہا تھا۔ وہ انہی خیالوں میں گم تھا کہ ساجد اسٹور میں داخل ہوا۔ وہ سیدھا آفس میں آیا اور تھکے تھکے انداز میں صوفے پر گر گیا۔

اس کی عمر پچیس تھی، پچیس کے لگ بھگ تھی۔ چھ فٹ قد کے ساتھ وہ کمرتی جسم کا مالک تھا۔ وہ ہر وقت چاق و چوبند نظر آتا تھا۔ اس لیے اس وقت اسے تھکے ہوئے انداز میں صوفے پر گرتے دیکھ کر راشد کو حیرانی ہوئی۔

”کیا ہوا؟ لگتا ہے بہت تھک گئے ہو؟“ یاسر نے اسے تعجب سے دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

”ہاں یار، وہ کمینڈر یاسر تو بڑا کامیاب رہا۔ پہلے ہی دن لاکھوں کی سیل ہو۔۔۔ مگر اس کے اسٹور کی، اور ایک ہم

دن کا دو ہفتے سے ادھر بیٹھ کر محض کمیاں اڑا رہے ہیں۔“ اس کے سچے میں حد تھا۔

”مگر کیوں کرتے ہو، وہ پورے دن میں بیٹھ کر کسے گا ہم اس سے زیادہ ایک گاہک سے کمایا کریں گے۔“ راشد تسلی آمیز انداز میں بولا۔

”لیکن کب؟ میں تو اب تمہارے ساتھ پانز شپ کر کے چھتا رہا ہوں۔ اس سے تو بہتر تھا کہ میں یاسر کی بات مان لیتا اور اس کے ساتھ شامل ہو جاتا۔“ اس کے چہرے پر پچھتاہٹ کے تاثرات چھائے ہوئے تھے۔

”تم کیوں نہیں سمجھ رہے ہو کہ ہمارے اور اس کے کاروبار کی پیچھا لگ طرح کی ہے۔“ وہ نری سے بولا۔

”جو بھی ہے، مجھے لگتا ہے کہ پولیس کی نوکری سے استعفا دے کر میں نے غلطی کی۔“ اُدھر کم از کم براہ گئی

حاصل لا حاصل

بندی رقم تو مل جاتی تھی، اور اس رقم کے علاوہ بھی ٹھیک ٹھاک کمائی کے مواقع تھے۔ رعب دو بند پڑا لگ تھا، ادھر تو نری ٹینشن ہے۔“ وہ ٹانگ پر ٹانگ رکھے بیڑاری سے بولا۔

”تم یہ کیوں بھول رہے ہو کہ اس کاروبار میں تم نے جو رقم شامل کی، وہ میرے ہی آئیڈیے کی بدولت نہیں ملی تھی۔“ راشد نے اس بار چیتے ہوئے لہجے میں کہا۔

”خالی خالی آئیڈیے سے کیا ہوتا ہے۔ عمل تو میں نے ہی کیا تھا۔“ وہ بھی تیش میں آ گیا۔

راشد جواب میں کچھ کہنے ہی والا تھا کہ اس کا سیل فون بجا۔ اس نے اسکرین پر نگاہ ڈالی اور کہا۔ ”یاسر کی کال ہے۔“

ساجد نے اسے بیڑاری سے دیکھا تاہم کچھ کہا نہیں۔ راشد نے کال ریسیو کر کے ہیلو کہا۔ دوسری طرف کی آواز سن کر اس کے چہرے پر ہوائیاں اُڑنے لگیں۔

ساجد اس کے تاثرات دیکھ کر چونک گیا۔

”تم مذاق تو نہیں کر رہے۔ یہ کیسے ممکن ہے؟ اس کو تو ہم نے اپنے ہاتھوں سے مارا تھا۔“ وہ مرزاں آواز میں کہہ رہا تھا۔ ساجد اسے ابھن بھرے انداز میں دیکھنے لگا۔

”نہیں، مجھے تو نہیں ملیں۔“ دوسری طرف کی بات سن کر راشد بولا۔ اس کی آواز ٹوٹ کر رہی تھی۔

”کیا ہوا؟“ ساجد نے پوچھا مگر اس نے ہاتھ اٹھا کر اسے چپ رہنے کہا۔

”یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ ہمارے سوا تو ادھر کوئی سوچ رہا نہیں تھا۔“ وہ تھوک لگتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ دوسری طرف کا جواب سن کے اس کے چہرے پر پھیلائی ابھن بڑھ گئی۔

”اوکے تم سمجھو، میں دیکھتا ہوں۔“ اس نے کال کاٹی تو اس کے چہرے پر زبردی کھنڈی ہوئی تھی۔ اس نے گلاس میں پانی بھرا اور غٹا پٹی لپیٹ لیا۔

”خیر تو ہے؟“ ساجد نے تشویش آمیز انداز میں استفسار کیا۔

”نہیں لگتا ہے ہمارے خوابوں کو کسی کی نظر لگ گئی ہے۔“ وہ کھوئے کھوئے انداز میں بولا۔

”پہیلیاں نہ بھجواؤ یار صاف بات کرو، ہوا کیا ہے؟“ ساجد اس بار پچھلا گیا۔ اسی لمحے راشد کے سیل کی بپ بجی۔ اس نے سیل اٹھایا اور دوسری طرف سے آنے







بھیجیں۔ اگر اس سب میں کوئی اور شخص ملوث ہوتا تو وہ ہم دونوں کو بھی لازماً یہ تصاویر بھیجتا۔  
 ”وہ تو یا سراسر جی ملوث ہوتا تو ہمیں بھیجتا۔“  
 ”اسی نے تو سمجھی ہیں۔“ ساجد بھی خیر انداز میں بولا۔

”مطلب؟“ راشد نے بھونچا چکا نہیں۔  
 ”مطلب اس کے پاس اور کوئی ایسا نمبر نہیں ہوگا جس سے وہ تصاویر بھیجتا۔ ہمیں جس بھی نمبر سے تصاویر ملتیں، میں لازماً اس کے بارے میں تحقیق کرتا۔ اگر وہ یا سراسر اس کے کسی جاننے والے کا نمبر لکھا تو وہ پکڑا جاتا۔ اس لیے اس نے یہ ساری کہانی پیچ میں ڈالی۔“ وہ اطمینان سے ٹانگ پر ٹانگ رکے بولا۔

”اُف۔۔۔ میرا تو سر درد سے پھٹنے لگا ہے۔ عجیب الجھن میں ڈال دیا ہے تم نے۔“ وہ اپنی پیشانی مسلتے لگا۔  
 ”میں تو جہنمیں الجھن سے نکالنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ اب تم میری بات کا یقین نہیں کرو گے تو ظاہر ہے تمہاری الجھن بڑھے گی۔ اس کے علاوہ تمہارے پاس کوئی تصدیق ہے تو بتاؤ۔“ اس کا اطمینان دیدی تھا۔ راشد کے پاس ایک اور تصدیق تو تھی۔ اسے ساجد پر شک تھا لیکن وہ فی الحال اس کا اظہار نہیں کر سکتا تھا۔ وہ تھکے تھکے انداز میں بولا۔

”جلو میں تمہاری تصدیق مان لیتا ہوں لیکن وہ ایسا کرے گا کیوں؟“ اس نے کیوں پر زور دیا۔  
 ”کیونکہ اسے کیش اینڈ کیری کے لیے جتنی رقم کی ضرورت تھی، وہ اس کے لیے کافی تھی اسی لیے اس نے پہلے ہمیں شراکت کی پیشکش کی تھی۔ ہمارے انکار کے بعد اسے ادھر ادھر سے ادھار پکڑنا پڑا۔ ہمارے پاس کاروبار میں رقم لگانے کے بعد بھی خاصی رقم بچی ہوئی ہے۔ وہ اس رقم کو بھینانے کے لیے بلک سیٹنگ کا سہارا لے گا۔“ وہ اس کے ہر سوال کے ایسے انداز میں فوری جواب دیتا جا رہا تھا جیسے سب کچھ اس نے پہلے سے سوچ رکھا ہو۔ راشد کا شک بڑھتا جا رہا تھا۔

”جو بھی ہے اگر یہ تصاویر منظر عام پر آئیں تو میں کسی کو نہ دکھانے کے تالش نہیں رہوں گا۔ علیٰ کو بھی میں نے ساری بات سچ نہیں بتائی۔ اسے حقیقت چاہی تو۔۔۔“ اس نے جملہ ادھر ادھر چھوڑ دیا۔  
 ”تم علیٰ کی فکر چھوڑو۔ اسے سب چاہی چل چکا

تو مجھے یقین ہے کہ اسے کوئی اعتراض نہیں ہوگا، البتہ یہ سب قانون کی نظروں میں آگیا تو ہمارا اپنا مشکل ہو جائے گا۔“ اتنی دیر کی گفتگو میں مکملی بار راشد کو ساجد کے لیے میں تشویش کی جھلک نظر آئی۔ اب پتا نہیں اسے خوفزدہ کرنے لیے اداکاری کر رہا تھا یا اس کی تشویش حقیقی تھی۔  
 ”تم ایک کام کرو، یا سراسر سے وہ نمبر باقو جس سے بقول اس کے وہ تصاویر موصول ہوگی۔“ ساجد پر سوچ انداز میں بولا۔

”تم خود کیوں نہیں نمبر مانگ لیتے اُس سے؟“ راشد جھٹکتے ہوئے انداز میں بولا۔  
 ”میں تمہاری تسلی کرنا چاہتا ہوں۔ تم مجھے سے شرط لگا لو کہ وہ تمہیں نمبر نہیں دے گا۔“ اس کا انداز چیلنج کرنے والا تھا۔

راشد نے تسلی افشا کے پاس کوکل کر کے نمبر مانگ دوسری طرف کی بات سن کر اس کے چہرے پر پُر سوچ تاثرات پھیلتے چلے گئے۔

☆☆☆

راشد، ساجد، یا سراسر اور حامد لڑکھن کے وقت سے ایک دوسرے کو جانتے تھے۔ وہ چاروں ایک ہی محلے میں رہتے تھے۔ حامد وکیل تھا اور خاصا بالاسول اور کامیاب وکیل تھا۔ ان چاروں میں معاشی لحاظ سے سب سے مستحکم پوزیشن میں وکیل تھا۔ ان چاروں کا ایک مشترک شوق تھا اور وہ تھا سیاحت کا شوق۔

حامد کی عمر چالیس کے لگ بھگ تھی۔ اس نے محبت کی شادی کی تھی لیکن اس کی محبوب بیوی بچے کو جنم دیتے ہوئے دنیا سے من موڑ گئی۔ اسے اپنی بیوی سے اتنی محبت تھی کہ اس نے باقی زندگی اس کی یادوں کے سہارے گزارنے کا فیصلہ کیا تھا۔ وہ پچھلے دس سال سے اپنے فیصلے پر قائم تھا۔

راشد اور یا سراسر کے لیے تو سیاحت کے لیے وقت نکالنا خاصا مشکل ہوتا تھا تاہم ساجد اور حامد اکثر کئی کئی دن کے نورڈ ایریج کر کے گھومنے نکل جایا کرتے تھے۔ بھی کبھار کوئی ایک دن کا وہ پردہ گرام بناتے تو راشد اور یا سراسر بھی ان کے ساتھ شریک ہو جایا کرتے تھے۔

اس دن وہ تینوں مری گھومنے گئے تھے۔ ساجد کے پاس چھپائی کی گروڈ تھی۔ باقی دونوں اسی کے ساتھ تھے۔ حامد گزشتہ ایک ہفتے سے کہیں گھومنے پھرنے لگا ہوا تھا۔

ان کی وہی رات گئے ہوئی تھی۔ رات تقریباً ایک بجے کا وقت تھا۔ وہ تینوں گئے ہوئے تھے۔ یا سراسر اور راشد تو خود کی میں تھے جبکہ ساجد ڈرائیو کرنے کی وجہ سے جاتے پر مجبور تھا۔ روڈ تقریباً دیران ہی تھی۔ وہ پروردی سے کچھ آگے آیا ہی تھا کہ اس کی نظر روڈ کے کنارے کھڑی ایک سنی میجر وپر پڑی۔ گاڑی کے عقبی شیشے پر ایک اسٹیکر چسپاں تھا، جس میں ایک شخص ہاتھ میں براؤز لیے بیٹھا تھا۔ جو کہ انصاف کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ یہ اسٹیکر حامد کی گاڑی کا طرہ امتیاز تھا۔ وہ حامد کی گاڑی دیکھ کر چونکا۔ حامد گاڑی کا پونٹ کھولے اس پر جھکا ہوا تھا۔ ساجد نے بارن بھایا اور گاڑی ساکنہ پر روک لی۔ ”کیا ہوا، گاڑی کیوں روک لی۔“ اس کے ساتھ والی نشست پر ادھکتا ہوا یا سراسر ٹانگ گاڑی رکنے کی وجہ سے چونک کر بولا۔

ساجد کچھ کہتے ہی والا تھا کہ حامد نے گاڑی کے اندر جھانکا۔ ”واہ دے خدا دیا۔۔۔ ایک طرف تو، تو اپنے بندے کو مشکل میں پھنسا دیتا ہے تو دوسری طرف اسے مشکل سے نکالنے کی کوئی کسلی بھی پیدا کر دیتا ہے۔“ وہ ساجد سے ہاتھ ملاتے ہوئے خوشدلی سے بولا۔ یا سراسر حیرانی سے اسے دیکھنے لگا۔

”تم ادھر کہاں سے آچکے؟“ وہ مصالحتی کے لیے ہاتھ بڑھاتے ہوئے حیرت سے بولا۔ حامد نے بھی اس سے ہاتھ ملایا۔

”ہمیں بد قسمتی سے گاڑی کی ہیڈ لائٹس اچانک جواب دے گئیں۔ ایک تار جل گئی ہے۔“ وہ عین مست میں اپنی گاڑی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

”آ جاؤ ہمارے ساتھ ہی۔۔۔ کل کسی الیکٹریشن کو لے آؤ۔“ ساجد نے دعائی لیتے ہوئے کہا۔

”ایک منٹ۔۔۔ میں اپنی گاڑی سے سامان نکال لاؤں اور گاڑی لاک بھی کر دوں۔“

چند لمحوں میں ہی اس کی واپسی ہو گئی۔ وہ گاڑی کا عقبی دروازہ کھول کر بیٹھ گیا۔ پچھلی سیٹ پر نیم دراز راشد چونکا۔ وہ خاصی گہری نیند میں جا چکا تھا۔ حامد کو کچھ کر وہ بھی حیران رہ گیا۔ وہ اس عجیب اتفاق پر بات کرنے لگے۔ اس وقت وہ یہ نہیں جانتے تھے کہ قدرت آج کسی خاص کہانی کے تانے بانے میں رہی ہے۔

وہ لوگ ایک جگہ سے گزر رہے تھے کہ راشد بولا۔  
 ”یار۔۔۔ ادھر کہیں گاڑی روکو۔ ان پیکر وماروڈوں

حاصل لا حاصل

نے مجھے تو چکرا دیا ہے۔“

ساجد ڈرائیو کر رہا تھا۔ اس نے ایک مکمل جگہ دیکھ کر گاڑی روک دی۔ وہ چاروں گاڑی سے اتر آئے۔ گاڑی کی ہیڈ لائٹس آف ہوئے ہی مکمل تار کی چھانکی۔ حامد نے اپنا سیٹ نکال کر اس کی لائٹ آن کر لی۔

راشد نے کولڈ ڈرنک کے ٹن نکال کے ان کی طرف بڑھائے۔ وہ روڈ کے کنارے لگے بلاکس پر بیٹھ کر کولڈ ڈرنک سے شغل کرنے لگے۔ یہ قدرے ویران علاقہ تھا۔ نیچے کچھ فاصلے پر ایک بھاڑی تالا پھرا تھا۔ پانی کے پتے کی ہلکی ہلکی آواز لائٹس بجلی لگ رہی تھی۔ ان کے عقب میں گھٹا چٹکل تھا جو اس وقت تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ اچانک بجلی چٹکل۔ اگلے ہی لمب بادل اتنی زور سے گرے کہ وہ دہل کے رہ گئے۔

”ایسا لگ رہا ہے جیسے بارش ہونے والی ہے۔“ یا سراسر آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ اسی لمحے پانی کی موٹی موٹی بوندیں گرنے لگیں۔ وہ جلدی سے گاڑی میں بیٹھ گئے۔ ساجد ہیڈ لائٹس آن کر کے گاڑی اسٹارٹ کرنے ہی لگا تھا کہ سامنے ایک موڑ سے گاڑی مڑی۔ یہ گہرے رنگ کی پراڈ تھی۔ اس کی رفتار خطرناک حد تک تیز تھی۔ موڑ اندر کی طرف مزید مڑ رہا تھا لیکن شاید رانچر کو اس کا اندازہ نہیں تھا۔ اس نے اپنی طرف سے بریک لگانے کی کوشش کی مگر بارش کی بوندیں پڑنے سے روڈ خطرناک حد تک پگھلاواں ہو چکی تھی۔ ان کے سامنے ہی پراڈ روڈ کے ساتھ رکے بھاری بھر کم بلاکس سے دھماکے سے ٹکرائی اور انہیں لپٹی ہوئی نیچے کھانکی کی طرف جانے لگی۔ فغاں میں جھاڑیوں کے پتلے جانے سے سرسراہٹ کی آواز بلند ہوئی۔ وہ چاروں دم سادھے یہ سارا منظر دیکھ رہے تھے۔

حامد نے کہا۔ ”میرے خیال میں انہیں ہماری مدد کی ضرورت ہے۔“

ساجد نے اپنی طرف سے اسے روکنے کی کوشش کی۔ ”چھوڑو یار، ہمیں کیا ضرورت ہے پرائے پھدے میں ٹانگ اڑانے کی۔ گاڑی میں بیٹھو۔“ حامد نے شیشے سے سر اندر کیا اور سر دروازہ میں بولا۔

”تم لوگ جانا چاہتے ہو تو چلے جاؤ۔ میں انہیں ہوں بے یار و مددگار چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔ کیا پتا گاڑی میں خواتین اور بچے بھی ہوں۔ انہیں یقیناً ہماری مدد کی



ضرورت ہوگی۔

”ہم بھلا کیا کر سکتے ہیں؟“ یا سر نے اچنبھے سے سوال کیا۔ ”تم رہیں گے کو کال کرو۔“

”رہیں گے کو کال کرنے کی میں کوشش کر چکا ہوں مگر ادھر نیٹ ورک ہی دستیاب نہیں۔ اب جو کچھ بھی کرتا ہے ہمیں ہی کرتا ہے۔“ حامد سپاٹ انداز میں بولا۔

ان تینوں نے اپنے موبائل چیک کیے مگر کسی کے سیل فون پر بھی سگنل نہیں آ رہے تھے۔ ”کچھ آگے جا کر سگنل آ جائیگا۔“ تو ہم وہاں سے کال کر لیں گے۔“ یا سر نے کہا لیکن حامد اس کی بات کو ان سنی کرتے ہوئے ڈھلوان سے پیچھے اترنے لگا۔ ان تینوں نے ایک دوسرے کو بے بسی سے دیکھا اور گاڑی سے نیچے اتر آئے۔ بارش زور پکڑنے سے پہلے ہی دوبارہ رگ بجی تھی لیکن بجلی رورہ کر چمک رہی تھی۔ ان تینوں نے اپنے سٹیز کی ٹارچ لائٹس آن کیں اور حامد کے پیچھے پیچھے اترنے لگے۔

تقدیر درد کھڑی انہیں نیچے جاتے دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔

☆☆☆

پراڈو جس راستے سے نیچے گئی تھی وہاں جھاڑیاں ٹوٹ گئی تھیں۔ یہ ٹوٹی ہوئی جھاڑیاں پیچھے جانے میں ان کی راہنمائی کر رہی تھیں۔ انہوں نے ٹارچ لائٹ لگا کر نیچے دیکھنے کی کوشش کی تھی مگر ٹارچ لائٹ کی حد محدود تھی وہ اس کی مدد سے چند فٹ سے زیادہ پیچھے نہیں دیکھ سکتے تھے۔ حامد ان سے کافی آگے نکل چکا تھا۔ وہ جھاڑیاں بٹانہ بنا کے راستے بناتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔

اچانک ان کی نظر حامد پر پڑی۔ وہ ایک بریف کیس کھول رہا تھا۔ وہ تینوں اس کے پاس پہنچے تو ان کی نظر کھلے ہوئے بریف کیس پر پڑی۔ وہ پانچ ہزار کے نوٹوں سے بھرا ہوا تھا۔

حامد نے بریف کیس بند کیا اور اُدھر ہی چھپک کے نیچے اترنے لگا۔ ان تینوں نے معنی خیز نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھا۔ راشد نے بریف کیس انہما کے کھولا۔ سب سے نوٹوں کی جھلک دیکھ کر اس کی آنکھوں میں حرص کی چمک جاگی۔ یہ کروڑوں کی رقم لگ رہی تھی۔ اس رقم کے حصول کیلئے وہ زندگی بھر خواب دیکھتا رہا تھا۔ یہ اس کی زندگی بدل سکتی تھی۔ اس سے وہ اپنے کاروبار کے خواب کو

شرمندہ تعبیر کر سکتا تھا اور سب سے بڑی بات کہ اس رقم کے حصول سے وہ اپنے سرکاری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے بات کر سکتا تھا۔ یہ رقم اس کے لیے ناگزیر تھی۔ انہوں میں ہی اس نے ساری دولت حاصل کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا۔ وہ بھی حرص نظر دوں سے بریف کیس میں رکھی رقم کو گھور رہے تھے۔ ”یہ ساری رقم ہماری ہو سکتی ہے۔“ وہ کھوئے کھوئے انداز میں دھڑکنے سے بولا۔

”حامد تمہیں یہ رقم رکھنے دے گا۔ اس کی اصول پرستی تم جانتے ہو۔“ یا سر جیسے ہوئے انداز میں بولا۔

”اگر حامد ہی نہ رہے تو۔۔۔“ وہ سفاکی سے بولا۔ یا سر اور حامد نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ دونوں ایک دوسرے کے تاثرات دیکھنا چاہتے تھے۔ گوکہ ٹارچ لائٹس کی روشنی مکمل طور پر ان کے چہروں کا احاطہ نہیں کر رہی تھی۔ وہ ایک دوسرے کے دھندلے چہرے ہی دیکھ سکتے تھے مگر اس لمحے ان میں ایسی کیمسٹری جنم لے چکی تھی کہ وہ ایک دوسرے کے خیالات تک پڑھنے پر جیسے قادر ہو گئے تھے۔ وہ چند لمحات تک ایک دوسرے کو گھورتے رہے پھر حامد بولا۔

”اگر حامد نہ رہے تو ہم اس رقم کے مالک بن سکتے ہیں۔“ اس نے اگر پر زور بولا۔

”تم پراڈو کی سوار یوں کو بھول رہے ہو۔ اس میں کیا پتا کتنے افراد تھے۔“ یا سر تھوک تھکے ہوئے بولا۔

”جس طرح پراڈو گزری ہے، مشکل ہے کوئی زندہ بچا ہو۔ اگر بچا بھی ہو تو وہ ہماری راہ میں رکاوٹ بننے کے قابل نہیں ہوگا۔ ہمارے راستے کی واحد رکاوٹ حامد ہے۔“ راشد سرد انداز میں بولا۔ چند لمحے پہلے تک حامد ان کا دوست تھا مگر چند کاغذ کے نوٹ دیکھ کر ہی انہوں میں ان کا حامد سے رشتہ بدل گیا تھا۔ دولت نے ایک لمبے میں ہی دوستی کو خمی میں تبدیل کر دیا تھا۔

”اور اس رکاوٹ کو راستے سے ہٹائے گا کون؟“ یا سر خوفزدہ انداز میں بولا۔

”میں۔۔۔ میں اُسے اپنے راستے سے ہٹاؤں گا۔“ حامد سفاکی سے بولا۔ وہ ایک پولیس والا تھا۔

”تم بے کیسے کرو گے؟“ دولت کی کیش یا سر کو بھی سمجھ رہی تھی لیکن خوف اسے سوالات اٹھانے پر مجبور کر رہا تھا۔

”تم اس کی فکر چھوڑو، بس یہ بتاؤ تم ہمارے اس پلان سے متعلق ہو؟“ حامد تیز آری سے بولا۔

”میں تم لوگوں سے الگ نہیں ہو سکتا۔“ وہ ڈرتے ڈرتے بولا۔ اسی لمحے بجلی کی چمک کے ساتھ بادل اتنی زور سے گرجے کہ وہ لرزے رہ گئے۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے بادل بھی انہیں اس انتہائی اقدام سے باز رکھنے کی کوشش کر رہے تھے لیکن انہیں دولت کے سوانہ کچھ دکھائی دے رہا تھا اور نہ ہی کچھ سنائی دے رہا تھا۔ ان کی آنکھوں اور کانوں پر حرص کی پتی بندھ چکی تھی۔ ان کے دلوں کو قفل لگ چکا تھا۔

وہ تینوں نیچے اترنے لگے۔ ان کے ذہنوں میں ایک خوفناک سودا سما چکا تھا۔ وہ جلد از جلد اس کی تکمیل کرنا چاہتے تھے۔ اس لیے اس بار ان کی رفتار تیز تھی۔ اب جھاڑیاں بھی انہیں نگاہ میں نہ رہی تھیں۔ وہ نیچے نیچے تو ان کی نظر پراڈو پر پڑی۔ پراڈو ایک درخت کے ساتھ ٹھہرا کے رک چکی تھی۔ اس کی حالت اتنی خراب نہیں لگ رہی تھی جتنی انہیں توقع تھی۔ اس کی اندرونی لائٹ روشن تھی۔ حامد اندر جھانک رہا تھا۔

”ایک ہی بندہ تھا وہ بھی جان سے گیا۔“ حامد انہیں اپنی طرف آتے ہوئے دیکھ کر پراسفس لہجے میں بولا۔

حامد اس کے عقب میں پیچھا۔ حامد پیچھے مڑنے ہی لگا تھا کہ حامد نے اس کی گردن اپنے بازوؤں کے گھٹنے میں پکڑ لی۔ وہ پچھلے لیکن حامد میں بے پناہ طاقت تھی۔ وہ اس کے سامنے بے بس ہو کے رہ گیا۔ حامد نے جب تک اس کی گردن کو دبائے رکھا جب تک وہ بے دم ہو کر اس کی ہاتھوں میں جمبول نہ گیا۔ یا سر اور راشد چند قدموں کے فاصلے پر موجود یہ سارا منظر دیکھ رہے تھے۔ حامد نے اسے چھوڑا تو وہ جھاڑیوں میں گر گیا۔ حامد جھک کر اس کا حسیہ کرنے لگا۔ اس کی بے نور نظریں جیسے اس سے جھک کر گئی تھیں۔ حامد نے اس کی نبض چیک کی۔ توقع کے مطابق اس کی نبض ساکت ہو چکی تھی۔ وہ سپاٹ چہرے کے ساتھ اٹھا اور پراڈو میں جھانکا۔ اندر ایک ہی شخص موجود تھا۔ اس کے زخموں میں ونڈ شیلڈ کا ایک بڑا ٹکڑا پھنسا ہوا تھا جس سے بہتا ہوا خون اب جھنے لگا تھا۔ حامد نے ہاتھ بڑھا کر اس کے ہاتھ کو چھوا۔ ہاتھ کے سرد لمس نے اسے احساس دلا دیا کہ وہ جس کی مدد کی نیت سے نیچے اتر رہے تھے، وہ ان کی مدد کر کے خود ہر طرح کی مدد سے بے نیاز ہو چکا ہے۔

حاصل لا حاصل

وہ پلٹا تو راشد یک لک کھڑا حامد کی لاش کو دیکھ رہا تھا۔

”اس کا کیا کرتا ہے؟“ وہ سپاٹ انداز میں بولا۔

حامد نے ٹارچ لائٹ کا رخ نیچے موڑا۔ چند فٹ کے فاصلے پر ڈھلوان سے نیچے پھر شور آواز میں پہاڑی ٹالا بہہ رہا تھا۔ یہاں سے ٹالا پتھر خندیل کر رہا تھا۔ موڑ پر ایک گھاٹی ہی وجود میں آگئی تھی۔ حامد کو اندازہ تھا کہ یہاں پانی کافی گہرا ہوگا۔ اس کے باوجود اس نے نیچے اتر کر دیکھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک لمبی شاخ تھی۔ اس نے شاخ کی مدد سے پانی کی گہرائی مانی۔ پانی اس کی توقع سے بھی زیادہ گہرا تھا۔ نیلے رنگ کے پانی کی وجہ سے لاش کے دکھائی دینے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ اس نے اوپر آ کے حامد کی شرٹ اتاری اور اس کی مدد سے ایک بھاری پتھر اس کی لاش کے ساتھ باندھ دیا۔ راشد اس کی مدد کر رہا تھا تاہم یا سر موبائل کی ٹارچ کا رخ ان کی طرف موڑے چند فٹ کے فاصلے پر کھڑا تھا۔ لاش کے ساتھ پتھر باندھ کر راشد اور حامد نے اسے اٹھانے کی کوشش کی۔ پتھر کی وجہ سے لاش کا وزن بڑھ گیا تھا۔ ڈھلوانی راستے کی وجہ سے اتار ڈالنا اٹھا کر ان کے لیے چلنا دشوار تھا۔

”تم اُدھر کیا تھا شاید کچھ رہے ہو۔ ادھر آ کے ہماری مدد کرو۔“ حامد دھڑکی سے بولا تو یا سر نے ایک جھاڑی پر اپنا سانس لگا لیا اور ان کی طرف لپکا۔ تینوں لاش کو اٹھا کے نیچے اترنے لگے۔ یا سر نے لاش کے پاؤں پکڑ رکھے تھے جبکہ راشد اور حامد نے اسے بازوؤں سے پکڑا ہوا تھا۔

آگے انہیں دائیں طرف چل کر لاش کو گھاٹی میں پھینکنا تھا۔ اس جگہ کتاؤ کی وجہ سے ایک دس پندرہ فٹ۔۔۔ اونچی دیواری وجود میں آگئی تھی۔ ان کا پاؤں ڈر سا پھلتا تو وہ خود بھی نیچے گر سکتے تھے۔ یا سر کی ٹارچ کی لائٹ کی مدد بھی ختم ہو چکی تھی۔ حامد نے اپنا موبائل کال کر اس کی لائٹ آن کی اور اسے جھاڑی پر لگا دیا۔

بادلوں کی گرج چمک اچانک بڑھ گئی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا کہ موسلا دھار بارش اب شروع ہونے ہی والی ہے۔ انہوں نے چند فٹ کا فاصلہ تیزی سے طے کیا اور جہاں سے پہاڑی ٹالا موڑا رکٹ رہا تھا وہاں سے حامد کی لاش نیچے پھینک دی۔ لاش چھپاک کی آواز کھٹکھٹا پانی میں گری۔ پانی کے چھینٹے اڑے۔ اسی لمحے بارش برستا



حوالے سے تمہیں نال دیا یاں؟ اس کا انداز ملتا ہے تھا۔

راشد بولا۔ ”نہیں۔۔۔ وہ نہیں سمجھ رہا ہے لیکن وہ جلد از جلد ہم سے ملنا چاہتا ہے۔“

ساجد جواب میں کچھ کہنے ہی لگا تھا کہ راشد کے سہیل کی سبب تھی۔ وہ سہیل پر ہیج کھول کے بولا۔ ”یاسر نے نمبر بھیجا ہے۔“ ساجد نے کندھے اچکائے۔ اس کی خیموری غلط ہو گئی تھی۔ اس لیے اس کے چہرے پر بھی سی حیرت نمودار ہوئی۔

”نمبر لوٹ کرو۔“ راشد کے کہتے ہی ساجد نے اپنا سہیل نکال لیا۔ اس نے ”بی ٹیلمنبر“ میں نمبر لکھ کر کال کا بجٹن پر پریس کر کے کال کاٹ دی۔ اس طرح نمبر ”ڈائٹلمسٹ“ میں محفوظ ہو جاتا۔ اس نے کال کا ٹی ہی تھی کہ اس کے چہرے پر ہلکا سا شہدہ کے تاثرات نمودار ہوئے۔ ”یہ۔۔۔ تو حامد کا نمبر ہے۔“ وہ لڑزائیں آواز میں بولا۔

”کیا؟“ راشد پچھتی پچھتی نگاہوں کے ساتھ بولا۔ اس نے اپنے پاس نمبر چیک کیا۔ اس کے پاس بھی یہ نمبر حامد کے نام سے محفوظ تھا۔ وہ ہنسا پڑا۔ اپنے سہیل کی اسکرین کو دیکھنے لگا۔ اس کی گردن سے پسینے کا ایک قطرہ پھوٹا اور اس کی ریزہ کی ہڈی پر پہنچا۔

☆☆☆

وہ دونوں ساجد کے گھر پر بیٹھے تھے۔ رومیہ اپنے میکے گئی ہوئی تھی اس لیے ساجد نے یاسر کو بھی یہیں بلایا تھا۔ وہ ابھی نہیں پہنچا تھا۔ وہ دونوں اسی عجیب و غریب قصے کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے۔

”یاسر پر شک کرنا چھوڑ دو۔ تمہارا کہنا ہے کہ اس نے حامد کی جیب سے سہیل نکال لیا ہوگا اور اب اسے ماویہ اس کے نمبر سے اپنے نمبر پر وہ تصاویر و اس ایپ کر کے ہمیں دکھانا چاہتا ہے۔ لیکن ایسا ہوتا تو وہ اس کے نمبر سے ہمیں بھی تصاویر بھیج دیتا۔“ راشد دے دے ٹپٹپٹ سے بولا۔

”اس کے پاس بھی حامد کا نمبر محفوظ تھا۔ اس نے پہلے کیوں نہیں بتایا کہ یہ تصاویر اسے حامد کے نمبر سے ملی ہیں؟“ ساجد کا انداز جرح کرنے والا تھا۔

راشد چڑ گیا۔ ”میں تمہیں بتا تو چکا ہوں کہ اس کا سہیل تم لیا تھا۔ اس کے پاس حامد کا نمبر محفوظ نہیں تھا۔“

”تو پھر تم بتاؤ۔ ہمارے علاوہ کون اور موجود نہیں تھا نہ اس جگہ میں رات کے اس پہر اصرار کی موجودگی ممکن تھی، تو وہ تصاویر کس نے بنائیں۔ حامد کا

تفصیل موجود نہیں تھی۔

حامد کی گاڑی دو دن بعد مری سے رپورٹ ہوئی۔ پولیس اس کے مالک کا پتا لگتے ہوئے اس کے گھر تک پہنچ گئی۔ حامد کا ایک ہی بھائی تھا جو اس کے ساتھ والے پورٹن میں رہتا تھا۔ وہ بھی اس کی کشدگی سے پریشان ہو گیا۔ اس نے حامد کی کشدگی کی باقاعدہ ایف آئی آر درج کروادی۔ پولیس تفتیش کرتے ہوئے حامد کو دوست ہونے کے ناطے ان تک بھی پہنچی۔ انہوں نے اس کے متعلق لاش کا اظہار کیا۔

پولیس چند دن تک تفتیش کرتی رہی لیکن وہ حامد تک نہ پہنچ سکی۔ آخر کار اسے بھی کشدہ افراد کے خانے میں ڈال کر فائل بند کر دی گئی۔

اب وہ تینوں خوف سے کافی حد تک آزاد ہو چکے تھے۔

یاسر چاہتا تھا کہ وہ تینوں مل کر کشیدہ اینڈ کیری کھولیں لیکن راشد ان کے ساتھ شفیق نہیں تھا۔ اس نے اپنا الگ کاروبار کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ ساجد اس کے ساتھ تھا۔

وہ دونوں آپس میں پچھڑاؤ بھائی تھے۔ انہوں نے چند دن بعد محلے میں بتانا شروع کر دیا کہ وہ اپنی آبائی زمین فروخت کرنے والے ہیں۔ یاسر نے اپنا گھر اور جہول اسٹور فروخت کر دیا۔ اس نے چند لوگوں سے اوجار رقم بکڑی۔ اس طرح جب ان تینوں نے اپنا کاروبار شروع کیا تو محلوے داروں اور رشتے داروں میں سے کسی کو ان پر انگلی اٹھانے کا موقع ہی نہ ملا۔

وہ مطمئن ہو چکے تھے کہ یاسر کو ملنے والی تصاویر نے ان کا سکون غارت کر دیا۔ ان تصاویر میں وہ حامد کی لاش اٹھا کر نالے میں پھینکتے دکھائی دے رہے تھے۔ ایک تصویر میں جس منظر میں ٹوٹی پھوٹی پراڈو بھی دکھائی دے رہی تھی۔ تصاویر میں کو کہ راشد کا چہرہ ہی زیادہ واضح نظر آ رہا تھا لیکن وہ تینوں یہ جانتے تھے کہ اگر حامد کی کشدگی کی فائل دوبارہ کھلی تو ان تینوں کے پکڑے جانے کے زیادہ امکانات تھے۔ ان کا خیال تھا کہ دولت ملنے کے بعد ان کے مسائل حل ہوتے چلے جائیں گے لیکن یہ ان کی خام خیالی تھی، دولت اپنے ساتھ پریشانیوں لے آئی تھی۔

☆☆☆

راشد نے کال کا ٹی تو ساجد کو اپنی طرف ہیج بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے پایا۔ ”کیا اتوار اس نے نمبر کے

ٹکس رقم سے اپنا اپنا حصہ الگ کر لیں گے۔

یاسر کے گھر پہنچنے کے انہوں نے رقم مٹی۔ یہ پانچ کروڑ تھے۔ ان کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔ ان تینوں نے اپنا اپنا حصہ الگ کیا۔ یاسر نے انہیں دو تھیلے بکڑائے۔ انہوں نے اپنی رقم تھیلوں میں ڈالی اور روانہ ہو گئے۔ ساجد، راشد کو اس کے گھر ڈراپ کر کے اپنے گھر آ گیا۔ اس نے دو سال پہلے ہی شادی کی تھی لیکن ہنوز وہ اولاد کی نعمت سے محروم تھا۔ وہ جب بھی کہیں گھومتے جاتا تھا، رومیہ کو میکے چھوڑ جاتا تھا۔ اس وقت بھی وہ میکے گئی ہوئی تھی۔ وہ اس سے بے پناہ محبت کرتا تھا لیکن اس وقت اس کی غیر موجودگی اس کے لیے باعث راحت تھی۔ وہ اس وقت تنہائی چاہتا تھا جو اسے میسر نہ تھی۔

اس نے رقم اپنے لاکر میں رکھی اور سونے کے لیے لیٹ گیا لیکن نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ جب اس نے پانچ کروڑ کی رقم دیکھی تو اسے اپنے حصے کی رقم خاصی زیادہ لگی تھی اب اسے خیال آ رہا تھا کہ حامد کو قتل کرنے کا سب سے مشکل کام اسی لے گیا تھا۔ اس کا حصہ زیادہ ہونا چاہیے تھا۔ یہ دولت کی ہوس ہی تھی جس نے اسے اپنے دوست کی جان لینے پر مجبور کیا تھا۔ اسے دولت مل گئی تھی لیکن اس کی ہوس مزید بڑھ گئی تھی۔

☆☆☆

اگلے دن شام کو وہ باہر ایک پارک میں ملے۔ ساجد نے ان سے شکوہ کیا کہ اسے کچھ ملا ہے۔ راشد اس کا شکوہ سن کر گوارا ہی سے بولا۔

”ہم تینوں ایک جیسے خطرے سے دوچار ہیں۔ اگر خدا غواستہ ہم پکڑے گئے تو تینوں ایک ساتھ پکڑے جائیں گے۔ اس لیے میرے خیال میں تینوں کا حصہ برابر جتنا ہے۔“ کچھ دیر تک وہ تینوں اس پر بحث کرتے رہے۔ بحث آخر کار اس نتیجے پر اختتام پزیر ہوئی کہ اگر وہ پکڑے جاتے ہیں تو کوئی بھی یہ نہیں کہے گا کہ حامد کو قتل ساجد نے کیا تھا۔ وہ اسے حادثہ قرار دیں گے۔

رقم کے حوالے سے انہوں نے فیصلہ کیا تھا کہ ایک ماہ تک وہ حالات دیکھیں گے۔ اگر حالات موافق رہے تو اس کے بعد کسی بہانے سے رقم کو منظر عام پر لا کر اس سے اپنی مرضی کا کاروبار کریں گے۔

سانگراں میں پراڈو کے گرنے کا ذکر اگلے دن کے اخبار میں موجود تھا۔ لیکن اس ایک کالمی خبر میں کوئی خاص

شروع ہو گئی۔ ساجد نے بختری سے آگے بڑھ کر اپنا موبائل اٹھا لیا اور بھاگا۔ بریف کیس انہوں نے پراڈو کے قریب رکھا تھا۔ ساجد نے بریف کیس اٹھا لیا اور یاسر نے اپنا موبائل۔ اب وہ تیزی سے اوپر کی طرف بھاگ رہے تھے۔ جھاڑیوں سے ان کے بازو پھیل رہے تھے لیکن انہیں جیسے کسی چیز کی پروا ہی نہیں تھی۔ وہ تینوں کچھ ہی دیر میں اوپر موجود اپنی گاڑی تک پہنچ چکے تھے۔ کچھ دیر تک تینوں نے اپنی سائیکس ہموار کیں۔ پھر سب سے پہلے یاسر کو اپنے موبائل کا خیال آیا۔ اس نے ایک کچڑاؤ پیش پورڈ سے لگا لیا اور موبائل خشک کرنے لگا۔ اسے دیکھ کر باقی دونوں نے بھی اپنے موبائل کپڑے سے خشک کیے۔ خوش قسمتی سے تینوں کے موبائل بھیجنے کے باوجود خراب ہونے سے محفوظ رہے تھے۔ اس محل سے فارغ ہو کر ساجد نے بریف کیس کھولا۔ نمبر سے نوٹ دیکھ کر اس کی آنکھوں میں چمک نمودار ہو گئی۔

”پلیز۔۔۔ ابھی تو یہاں سے نکلو۔ بعد میں دیکھ لیں گے۔“ یاسر منظر بانہ انداز میں یعنی نشست سے بولا۔ پچھلی نشست کے عقب میں ایک عہدہ تھا۔ ساجد نے بریف کیس یاسر کی طرف بڑھایا اور بولا۔ ”اسے سینٹ کے عقب میں رکھ دو۔“

یاسر نے بریف کیس غلامی ڈالا۔ ساجد نے گاڑی آگے بڑھا دی۔ رات کے اڑھائی بج چکے تھے۔ روڈ بالکل ہی دیر ان تھی۔ وہ بائیں سیدل سے گزر رہے تھے کہ ایک سیارہ رنگ کی بالکل ویسی ہی پراڈو انتہائی تیز رفتار سے ان کے قریب سے گزری۔ اپنی تیز بارش میں اس کی رفتار سیران کن تھی۔ یہ واحد گاڑی تھی جو سانگراں سے نکلنے کے بعد ابھی تک انہیں نظر آئی تھی۔

راشد نے سوائے نظروں سے ساجد کی طرف دیکھا۔ تاہم اس کی ساری توجہ ڈرائیونگ پر مرکوز تھی۔ بارش پوری رفتار سے جاری تھی۔ ونڈ شیلڈ پر جیسے پانی کی چادری تن گئی تھی۔ دائیر تیزی سے چل رہے تھے مگر اتنی تیز بارش کے سامنے جیسے وہ بھی بے بس تھے۔

انہیں گھر پہنچنے پہنچنے گھٹنا لگ گیا۔ سب سے پہلے یاسر کا گھر آتا تھا۔ وہ اپنی بیوی اور تین بچوں کے ساتھ اوجھڑیم تھا۔ اس کی بیوی بچوں کے ساتھ سیکے گئی ہوئی تھی۔ وہ بریف کیس نکال کر ان دونوں کو بھی اندر لے آیا۔ راستے میں انہوں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ گھر پہنچتے ہی وہ تینوں



موباگل اس تک کیسے پہنچا؟" ساجد کا لہجہ بھی تیز ہو گیا۔  
 "مجھے لگتا ہے۔ ادھر کوئی اور شخص موجود تھا۔ ورنہ یہ  
 ممکن نہیں کہ ہم میں سے کوئی ایسا کرے۔" وہ پرمسوج  
 انداز میں بولا۔

ساجد جواب میں کچھ کہنے ہی لگا تھا کہ گیت پر گاڑی  
 کا ہارن بجنا۔ ساجد باہر نکل گیا۔ چند لمحوں بعد اس کی واپسی  
 ہوئی تو یاسر اس کے ساتھ تھا۔ اس کا چہرہ بالکل زرد نظر آ رہا  
 تھا۔ ایسے لگ رہا تھا جیسے اس کے چہرے سے سارا خون  
 کسی نے خچڑ لیا ہو۔ وہ بار بار تھوک نکل رہا تھا۔ اسے اس  
 درجہ پریشان و کچھ کر اشد کوساجد کی ساری تھیوری کے غلط  
 ہونے کا سو فیصد یقین ہو گیا۔

یاسر اندر آتے ہی ایک صوفے پر گر گئے والے  
 انداز میں بیٹھ گیا۔

"اپنا موباگل دکھاؤ۔" ساجد کے کہنے پر اس نے  
 اپنا موباگل اس کی طرف بڑھا دیا۔ اس نے واٹس ایپ  
 کھول کر اس کے موباگل پر وہ تصاویر دیکھیں۔ اسے واقعی  
 حائد کے نمبر سے ہی وہ تصاویر موصول ہوئی تھیں۔ ساجد  
 موباگل دوبارہ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے سرور آواز میں  
 بولا۔

"دیکھو یاسر، ہم جنہیں اپنا دوست سمجھتے ہیں۔ ہم  
 تینوں ایک ہی ہستی کے سوار ہیں اس لیے بیتر ہو گا کہ تم  
 ہمیں پکڑ دینا چھوڑ دو۔"

یاسر کا چہرہ حیرت کی آماجگاہ بن گیا۔ "یہ تم کیا کہہ  
 رہے ہو۔ ہوش میں ہو تم؟" وہ دکھ آمیز غصے کی کیفیت میں  
 بولا۔

"ہوش ہی میں تو ہوں۔ تمہارا کیا خیال ہے تمہاری  
 اس حرکت سے میں اپنے ہوش کھو بیٹھوں گا۔" اس کے سچے  
 میں چہرہ تھی۔

"مجھ پر شک کی وجہ جان سکتا ہوں میں؟" وہ اسے  
 عجیب سے انداز میں دیکھتے ہوئے بولا۔

"تم پر شک کی بہت سی وجوہات ہیں۔ ایک تو تم  
 نے اپنا سیل ہمیں لائٹ دکھانے کے لیے جھانوی پر رکھ دیا  
 تھا۔ میں سمجھتا ہوں کہ تم نے نارنج لائٹ آن کرنے کے  
 بجائے ویدو گیمز آن کر کے سیل رکھا ہوا۔ دوسرا تصاویر میں  
 ہم دونوں کا چہرہ نظر آ رہا ہے تمہارا نہیں۔ تیسرا تمہارے  
 پاس پورا موبل تھا کہ اس وقت تم حائد کا سیل اپنے قبضے میں  
 لے سکو۔"

"لیکن میں ایسا کیوں کروں گا؟" یاسر نے طنزیہ  
 انداز میں پوچھا۔

"کیونکہ تم شک تھا کہ قرض چکڑ چکے ہو اور دوسری  
 طرف تم جانتے ہو کہ ہمارے پاس کچھ رقم محفوظ ہے۔ تم وہ  
 ہم سے ایشیئے کے لیے ہمیں بلیک میل کرنا چاہتے ہو۔"

ساجد نے اطمینان سے جواب دیا۔  
 "بقول تمہارے میں تمہیں بلیک میل کرنے کے  
 لیے یہ سارا پکڑ چلا رہا ہوں تو میں تصاویر تمہیں کیوں نہ  
 بھیجتا۔ صرف اپنے نمبر پر کیوں بھیجتا۔" وہ استہزائیہ انداز  
 میں بولا۔

"تاکہ ہم تم پر شک نہ کر سکیں۔" ساجد کے پاس تو  
 ہر سوال کا جواب محفوظ تھا۔

"میرے خیال میں تم اس سب میں ملوث ہو اور  
 خود سے شک موڑنے کے لیے مجھے مورد الزام ٹھہرا رہے  
 ہو۔" یاسر سرخ پڑتی رنگت کے ساتھ بولا۔ ایسا لگ رہا تھا  
 وہ اپنا غصہ کنٹرول کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔

راشد نے ہاتھ اٹھا یا اور بولا۔ "پلیز..... آپس میں  
 لڑنے کی ضرورت نہیں۔ ہم سب ایک ہی ہستی کے سوار  
 ہیں۔ اگر ہم آپس میں لڑ پڑے تو ہماری تباہی یقینی ہے۔  
 میرے خیال میں ادھر کوئی اور شخص موجود تھا اور اس نے  
 ہماری تصاویر بنائیں۔ اب اس نے اتنے عرصے بعد ہم  
 سے رابطہ کیوں کیا، اس کا جواب بھی جلد مل جائے گا۔  
 میرے خیال میں ہمیں اس چوتھے شخص کو سامنے رکھ کر اس  
 مسئلے کے حل پر توجہ دینی چاہیے۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ میں خود اس موبل کے ساتھ  
 تم لوگوں سے ملنے آیا تھا لیکن یہ پتا نہیں کیوں مجھ سے کون  
 سی خار چکارہ ہے۔" یاسر ناگواری سے بولا۔

ساجد کے بچہ بولنے سے پہلے ہی راشد نے ہاتھ  
 اٹھا کر اسے خاموش رہنے کو کہا۔ "پلیز..... اب پھر سے  
 آپس میں لڑنا مت شروع کر دینا۔" ساجد اس کا انداز  
 دیکھ کر چیخے ہٹ کر بیٹھ گیا۔ "تم نے اس سے رابطے کی  
 کوشش نہیں کی۔" وہ یاسر سے مخاطب ہوا۔

"تصاویر بھیجی ہی وہ آف لائن ہو گیا۔ میں نے اس  
 نمبر پر کال کرنے کی کوشش کی مگر نمبر اب تک بند ہے نہ ہی  
 وہ انہی تک دوبارہ آن لائن ہوا ہے۔" وہ بے بسی سے  
 بولا۔

"عجیب شخص ہے۔ میرے خیال میں وہ ہمیں...

فی الحال زیادہ سے زیادہ پریشان کرنا چاہتا ہے تاکہ جب وہ  
 ہم سے رقم کا مطالبہ کرے تو ہم اس حد تک اعصاب زدہ  
 ہو چکے ہوں کہ اس کا مطالبہ ماننے میں مزید دیر نہ کریں۔"

راشد پرمسوج انداز میں بولا۔  
 "تمہارا انداز درست لگتا ہے۔ میرے خیال میں  
 وہ کل ہم سے رقم کا مطالبہ کرے گا۔ اب بس دیکھنا یہ ہے  
 کہ وہ ہم سے کتنی رقم کا مطالبہ کرتا ہے؟" یاسر نے کہا۔

"مسئلہ یہ ہے کہ وہ ہم سے پیسے لے کر بھی تصاویر  
 پولیس تک پہنچا دے تو ہم کیا کر سکیں گے؟" راشد  
 مضطربانہ انداز میں ہاتھ ملتے ہوئے بولا۔

"اس کی تم فکر مت کرو۔ اس کا بندوبست میں کر  
 لوں گا۔ فی الحال یہ بات ذہن میں بٹھا لو کہ اس نے جو بھی  
 مطالبہ کیا ہم وہ ماننے کے پابند ہوں گے۔ ورنہ ہم تینوں کی  
 تباہی یقینی ہے۔" ساجد دو ٹوک انداز میں بولا۔ راشد اور  
 یاسر اسے عجیب سے انداز میں دیکھتے رہ گئے۔

☆☆☆☆

یاسر کی یہ رات انتہائی پریشانی کے عالم میں گزری  
 تھی۔ ساجد کے رویے نے اس کی پریشانی کوئی کر دی  
 تھی۔ جب سے ساجد نے حائد کو قتل کیا تھا، اسے اس سے  
 خوف محسوس ہونے لگا تھا۔ اسے اب لگتا تھا کہ اس سب  
 کے پیچھے ساجد کا ہی ہاتھ ہے۔ اس نے واپسی پر راشد سے  
 بھی یہ بات کی تھی لیکن راشد نے اس کے شک کو بے جا  
 قرار دیا تھا۔ اب وہ یہ سوچنے پر مجبور تھا کہ وہ دونوں مل کر  
 اسے بلیک میل تو نہیں کرنا چاہتے۔ وہ جوں جوں ان کے  
 بارے میں سوچتا مزید الجھتا چلا جاتا۔ اسی مسئلے پر الجھتے  
 ساری رات بیت گئی۔ فجر کے وقت جا کر اس کی کہیں آنکھ  
 گئی۔

صبح گیارہ بجے الارم کی آواز سے اس کی آنکھ کھلی۔  
 اس کا سر شدید درد کر رہا تھا۔ اس نے سب سے پہلے  
 "موباگل ڈیٹا" آن کر کے واٹس ایپ چیک کیا۔ بلیک  
 میل کی طرف سے ایک میسج آیا ہوا تھا۔ اس نے لڑتے  
 ہاتھوں کے ساتھ میسج کھولا۔ لکھا تھا۔

"تم تینوں کیا سمجھتے تھے کہ مجھے مار کر بیچ جاؤ گے۔ تم  
 شاید یہ بھول گئے تھے کہ جسے اللہ رکھے اسے کون بچھے۔  
 میرا دل تو چاہتا ہے کہ تم لوگوں کو اسی طرح زندہ درگور کر  
 دوں جس طرح تم لوگوں نے مجھے زندہ درگور کرنے کی  
 کوشش کی تھی لیکن نہیں..... میرے دل میں خدا کا خوف

حاصل لا حاصل

باقی ہے۔ میں تم لوگوں کو بس تھوڑی سی سزا دینا چاہتا  
 ہوں۔ میں تم تینوں کو کل تین بجے تک کی مہلت دیتا ہوں۔  
 تم لوگ ساتھ لاکھ لاکھ روپے..... یعنی فی کس صرف بیس لاکھ  
 روپے تیار رکھو۔ میں کل تین بجے تم سے رابطہ کروں گا۔ میں  
 جانتا ہوں تم لوگوں نے حال ہی میں کاروبار میں ایک بڑی  
 رقم انویسٹ کی ہے۔ اس وجہ سے میں تم لوگوں سے بس  
 اس رقم کی ذکوہ مانگ رہا ہوں۔ آخر کو دست ہوں نا  
 تمہارا.....

اور میرے خیال میں یہ مجھے بتانے کی بالکل  
 ضرورت نہیں کہ اگر تم لوگوں نے کل تین بجے تک ساتھ  
 لاکھ کی رقم تیار نہ رکھی تو میں تم لوگوں کے ساتھ کیا کروں گا۔  
 تم لوگ سمجھ دار ہو..... یہ جانتے ہو گے کہ اس صورت میں،  
 میں کیا کر سکتا ہوں۔"

فقط

تم لوگوں کا مردہ دوست

حائد۔

صبح پڑھ کر اس کا رنگ لٹھے کی طرح سفید پڑ گیا۔  
 اس کے دل کی دھڑکن اس کی پسیلوں پر ٹھوکریں مارنے  
 لگی۔ اس کا چہرہ خوف و وحشت کا استعارہ نظر آنے لگا۔  
 تو کیا حائد زندہ ہے؟ یہ خیال ہی اس کے روکنے  
 کھڑے کر دینے کے لیے کافی تھا۔ "نہیں..... نہیں..... یہ  
 ممکن نہیں۔ یہ شخص کوئی مجھے پریشان کر رہا ہے۔ وہ اگر  
 زندہ ہوتا تو بھی اس کے پاس ان تصاویر کا ہونا ممکن نہیں  
 تھا۔" اس کے سر کا درد بڑھتا جا رہا تھا۔ اس نے دونوں  
 ہاتھ اٹھائے اور اپنے سر کو ہاتھوں کے گھٹنے میں جکڑ لیا۔ اس  
 کی بیوی تازہ کرے میں داخل ہوئی تو اپنے شوہر کو اس  
 کیفیت میں دیکھ کر حیران رہ گئی۔ وہ دونوں ہاتھوں سے  
 اپنے سر کو دبائے خالی خالی نظروں سے چھت کی طرف دیکھ  
 رہا تھا۔

☆☆☆☆

وہ تینوں ایک بار پھر ساجد کے گھر جمع تھے۔ یاسر  
 ایک ہی رات میں اپنی عمر سے دس سال بڑا لگنے لگا تھا۔ صبح  
 تازہ نے اسے پکارا تو یکدم جیسے وہ ہوش میں آ گیا تھا۔  
 "کیا ہوا، خیر تو ہے؟" وہ اسے دیکھ کر تشویش  
 سے بولی تھی۔

"ہاں..... بس سر میں شدید درد ہو رہا ہے۔" وہ نیم  
 دلی سے کہتا ہوا دلشاد رویہ میں گھس گیا۔ غسل سے کسی حد



تک اس کی حالت سنبھل گئی تھی۔ اس نے ناشتے کے بعد دو بین کھڑ بانی کے ساتھ لکھن اور باہر نکل آیا۔ نازیہ کو اس نے بکری بتایا تھا کہ وہ ڈاکٹر کے پاس جا رہا ہے۔ باہر نکل کے اس نے ساجد اور راشد کو کال کی۔ ساجد نے اسے اپنے گھر بلا لیا۔ اس نے اپنا سکل ان کی طرف بڑھایا۔ وہ دونوں میچ پڑھنے لگے۔ میچ پڑھ کے راشد کی آنکھیں تو جیرائی سے پھٹنے کے قریب ہو گئیں تاہم ساجد نے خود پر قابو رکھا تھا۔ وہ پرسوج انداز میں بولا۔

”تو حاد زنده ہے۔“ اس کے چہرے پر تلخ کی لکیر چھائی ہوئی تھی۔

”اگر وہ زندہ بھی ہے تو اس کے پاس وہ تصاویر کیسے پہنچیں۔“ راشد ابھمن زدہ انداز میں بولا۔

”میرے خیال میں وہاں واقعی کوئی اور شخص موجود تھا۔ اس نے ہماری تصاویر بھی بنائیں اور حاد کی جان بھی بچائی۔“ وہ سوچتی ہوئی لگا ہوں سے ان کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

”جو بھی ہے ہم تو بڑی طرح پھنس گئے نا۔“ راشد نے ہاتھ ملے۔

”میرے خیال میں ہماری جان سستے میں چھوٹ رہی ہے۔ پانچ کروڑ کے مقابلے میں ساٹھ لاکھ کی رقم کچھ نہیں۔ اگر اس کی ادائیگی سے ہمارے سر پر کتنی خطرے کی تلوار جٹ جاتی ہے تو یہ سودا برا نہیں۔“

”مسئلہ یہ تو یہی ہے۔ اگر یہ رقم وصول کرنے کے بعد اس نے مزید رقم کا مطالبہ کر دیا تو.....؟“ یاسر بیٹھی ہوئی آواز میں بولا۔

”تم اس کی فکر مت کرو۔ اس کا بندوبست میں کر لوں گا۔ ویسے بھی یہ حاد ہی ہوا تو میرا خیال کہ وہ ہمیں مزید بنگ کرے گا۔ فی الحال تم اپنے حصے کے بیس لاکھ اریج کرو۔“ ساجد اطمینان سے بولا۔

”تم اس کا کیا بند و بست کرو گے؟“ یاسر کی آنکھوں میں حیرت تھی۔ ساجد پراسرار سے انداز میں مسکرایا۔ ”کہا ناں تم اس کی فکر چھوڑو۔ مجھ پر بھروسہ رکھو۔“ اس کا اطمینان دیدنی تھا۔ ایسے لگ رہا تھا کہ اس نے باقاعدہ کوئی منصوبہ سوچ رکھا ہو۔

بھروسہ تو نہیں تم پر۔ یاسر نے سوچا تاہم وہ اس وقت جس کیفیت میں تھا، اپنی اس سوچ کا اظہار نہیں کر سکتا تھا۔

”میرے خیال میں ہمیں اس سے رقم کم کرنے کا کہنا چاہیے۔ بیس لاکھ میرے لیے اریج کرنا بہت مشکل ہو گا۔“ یاسر نے کہا۔

”اگر یہ جاہد ہی ہوا تو وہ ہرگز رقم کم نہیں کرے گا بلکہ ہو سکتا ہے وہ ”ڈسکاؤنٹ“ کا سکر اپنے بھٹے سے ہی اکٹرا جائے۔ سو میرے خیال میں ہمیں یہ دمک نہیں لینا چاہیے۔“ ساجد بولا تو یاسر اسے عجیب سے انداز میں دیکھنے لگا۔

”میرے خیال میں یہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔ اگر وہ حاد ہی ہوا تو ہرگز رقم کم نہیں کرے گا۔“ راشد نے اس کی تائید کی۔ یاسر اسے غلطی نظروں سے دیکھنے کے سوا کچھ نہ کہہ سکا۔ کچھ عرصہ پہلے تک وہ انہیں اپنا بے غرض دوست سمجھتا تھا مگر دولت بٹنے ہی ان کے رویے بدل گئے تھے۔ اب تو اسے لگ رہا تھا کہ وہ دونوں اسے ل کر بیوقوف بنا رہے ہیں۔ اسے اس دولت سے اتنی نفرت محسوس ہونے لگی تھی کہ وہ ان کے ہاتھوں بیوقوف بننے کے لیے بھی تیار ہو گیا۔

کچھ دیر کے بعد وہ انہیں الوداع کہہ کر باہر نکل رہا تھا۔ راشد اسے ہمدردی نظروں سے دیکھ رہا تھا تاہم ساجد کے انداز میں بے پروائی تھی۔ وہ اس وقت لوگوں کو رہا تھا جب اس نے رقم کے لالچ میں اپنے دوست کا خون کرنے میں ان کا ساتھ دیا تھا۔

☆☆☆

انکے دن تین بجے وہ ساجد کے گھر میں وائس ایپ کھولے میچ کے اختصار میں بیٹھا تھا۔ حاد کا نمبر فی الحال ”کیٹو“ نہیں تھا۔ ساجد اور راشد بے چینی سے اسے دیکھ رہے تھے۔ معاہدہ کے نمبر پر ”آن لائن“ کا اشاریہ ظاہر ہونے لگا۔ یاسر نے انہیں اس کے آن لائن ہونے کی بابت بتایا۔ قوی دیر کے بعد اس کا میچ آگیا۔ ”امید ہے رقم کا بندوبست ہو گیا ہو گا؟“

یاسر نے مختصر آکھا۔ ”جی۔“

”میرے خیال میں ہمیں اسے کال کرنی چاہیے۔ اگر یہ حاد ہی ہوا تو ہم اس کی آواز پہچان جائیں گے۔“ راشد نے کہتے ہوئے اس کا نمبر ملا یا مگر نمبر آف تھا۔ ”اوه لگتا ہے یہ صرف وائس ایپ کے لیے یہ نمبر استعمال کر رہا ہے۔“ وہ یابوی سے بولا۔

ایک سیکنڈ میں اسے وائس ایپ پر کال کرنے کی

کوشش کرتا ہوں۔ یاسر نے یہ کہتے ہوئے نمبر ملا یا لیکن دوسری طرف سے کال رسیڈی نہیں کی گئی۔

”تو کال صرف میچ۔“ اس کا مختصر سا جواب دیکھ کر یاسر نے معنی قیظروں سے ان کی طرف دیکھا۔

”میرے خیال میں یہ حاد نہیں ورنہ وہ کال پر بات کر لیتا۔“ یاسر پرسوج انداز میں بولا۔

”ضروری نہیں۔ ہو سکتا ہے ہمیں الجھانے کے لیے یہ صرف میچ پر بات کر رہا ہو۔“ ساجد نے اندازہ لگا یا۔

وہ اسی حلق اپنے انداز سے لگا رہے تھے کہ اگھا میچ آیا۔

”میں جانتا ہوں اس وقت تم ساجد کے گھر بیٹھے ہو۔ تم لوگ رقم اسی طرح کے بریف کیس میں ڈالو جیسا بھاگتے ہوئے جہاز سے پاس تھا اور باہر نکل آؤ۔ میں آگے تم لوگوں کو ہدایات دیتا رہوں گا۔ میں میرے خیال میں مجھے یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ تم لوگوں کے سوا کوئی گاڑی میں نہ ہوا ورنہ یہ نہیں آگے پیچھے۔ اگر مجھے ذرا مہینہ شک ہو تو تم لوگوں کی تباہی کو کوئی نہیں روک سکتا۔“

ساجد نے میچ پڑھ کے جیسے سکون کا سانس لیا۔ اس نے یاسر کے ہاتھ سے موبائل لے کر میچ ٹاپ کیا۔ ”فکر مت کریں۔ ہم تینوں اکیلے ہی آئیں گے اور آپ کی ہدایات پر حرف بہ حرف عمل کریں گے۔ بس ہمیں یہ یقین دہانی چاہیے کہ آپ آئندہ ہم سے مزید رقم کا مطالبہ نہیں کریں گے۔“

”میں خدا کی قسم اٹھا کر کہتا ہوں کہ تم لوگوں سے مزید رقم کا مطالبہ نہیں کروں گا۔ اس کے علاوہ میرے پاس یقین دہانی کے لیے اور کوئی طریقہ کار نہیں۔“ میچ پڑھ کر ساجد پراسرار سے انداز میں مسکرایا۔ یاسر نے اسے احتجاج سے دیکھا۔ وہ ایک دم ناراض ہو کر بولا۔

”اپنے بیس لاکھ دو۔“ یاسر نے چاروٹا چار اپنے منہ بیگ سے پانچ ہزار کی چار گنڈیاں نکال کر اس کی طرف بڑھا دیں۔ راشد نے بھی اپنے حصے کی رقم اسے دے دی۔

”میں یہ رقم بریف کیس میں رکھ کر اور دو مہرہ کو بتا کر ابھی واپس آتا ہوں۔“ ساجد یہ کہتے ہوئے رقم لے کر اندر کی طرف بڑھ گیا۔ یاسر اسے اندر جاتے دیکھ کر مضطربانہ انداز میں ہاتھ نپٹے لگا۔ اسے لگ رہا تھا کہ وہ دونوں یا صرف ساجد اسے بیوقوف بنانے کے لیے یہ سب

حاصل لا حاصل

کر رہا ہے مگر فی الحال اس کے پاس ہدایات ماننے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ ساجد کی داہنی جلد ہی ہو گئی۔ اس کے ہاتھ میں دیا ہی بریف کیس تھا جس میں پانچ کروڑ کی رقم وہ ساتھ لائے تھے۔ آج اس بریف کیس میں بقول بلیک میل کے اس رقم کی ڈکوتہ واپس چار ہی تھی۔

☆☆☆

وہ تینوں گاڑی میں بیٹھ کے باہر نکلے ہی تھے کہ انہیں میچ پر ہدایت ملی۔ ”مری روڈ پر میچ کر مری کی سمت سفر شروع کرو۔“ راستے میں انہیں اسی طرح کی ہدایات ملتی رہیں۔ وہ ان ہدایات کے مطابق سفر کرتے ہوئے جھڑ پھٹ گئے۔ اس کی ہدایات سے لگ رہا تھا کہ بلیک میل ان کے ساتھ ساتھ ہے۔ وہ اپنے ارد گرد نگاہ رکھتے ہوئے تھے لیکن انہیں ابھی تک کسی خاص گاڑی پر شک نہیں ہوا تھا۔

اب وہ جگہ ان سے چند کلومیٹر کے فاصلے پر تھی جہاں انہوں نے حاد کو مار کر پھینکا تھا۔ انہیں اگھا میچ ملا۔ ”اس جگہ سے آگے نیت درک دستیاب نہیں ہو گا۔ تم لوگ جس درخت سے پڑاؤ بکرا کر رکھ کر رکھو، اس کے نیچے بریف کیس رکھ کر واپس روانہ ہو جانا۔ وہ درخت ابھی تک ٹوٹا ہوا ہے اس لیے تم لوگوں کو اس کی شناخت میں کوئی مسئلہ نہیں ہو گا۔ تم لوگ جب واپس اس جگہ پہنچو گے تو میں رابطہ کر دوں گا۔“

یاسر نے بلند آواز میں میچ پڑھا۔ اسے اب یقین ہونے لگا تھا کہ یہ بلیک میل حاد ہی ہے۔

ساجد نے اس جگہ پر میچ کر گاڑی روکی۔ روڈ کے کنارے بلاکس واپس لگا دیئے گئے تھے۔ وہ گاڑی روک کر نیچے اترنے لگے۔ بریف کیس ساجد کے ہاتھ میں تھا۔ راستے میں جھاریاں واپس جری بھری ہوئی تھیں لیکن کہیں کہیں سے اس راستے کا اندازہ ہوتا تھا جہاں سے پڑاؤ کر کے نیچے پھٹی تھی۔ وہ جھاروں سے بچتے بچاتے نیچے پہنچے۔ انہیں جلد ہی مطلوبہ درخت نظر آگیا۔ ساجد نے بریف کیس درخت کے نیچے رکھا اور تینوں داہنی کے راستے پر گاڑیاں ہو گئے۔ کچھ دیر میں وہ گاڑی کے قریب میچ چکے تھے۔ ساجد نے گاڑی اسٹارٹ کی۔ راشد اور یاسر کو نمبر چپ لگی ہوئی تھی۔ وہ جانے کن خیالوں میں گم تھے۔

واپس پر ساجد خوش تھا کہ اس نے اپنی ذہانت سے



اپنے دوستوں سے چالیس لاکھ کی رقم بھی اٹھ لی تھی اور ”بیک میل“ سے چھکارا بھی حاصل کر لیا تھا۔

☆☆☆

شاہد میں سالہاں جوان تھا۔ وہ ساگر اس کا رہائشی تھا۔ پچیس تیس سال پہلے اس کے والدین کشمیر سے ہجرت کر کے یہاں جنگل میں آئے تھے۔ یہاں پر کل تین چار کچے گھر بنے تھے۔ جن میں اس کے چچا رہائش پذیر تھے۔ یہ مکانات انہوں نے اپنے ہاتھوں سے تعمیر کیے تھے۔ اس کے والدین کا پیشہ بانی تھا۔ انہوں نے بھیڑیں اور بکریاں پال رہی تھیں۔ یہاں اس گھر میں باقی سہولیات تو دور کی بات بجلی تک میسر نہیں تھی۔ ان کی عورتیں کافی دور سے ایک چشمے سے پانی بھر کر لاتیں۔ وہ غیر قانونی طور پر یہاں رہائش پذیر تھے اور حکومت کسی بھی وقت انہیں یہاں سے دھکیل سکتی تھی۔

ان کے کچھ رشتے دار بہارہ کو بھی آباد تھے۔ اس نے وہاں رہ کر میٹرک تک تعلیم حاصل کی تھی۔ میٹرک کے بعد وہ مزید تعلیم حاصل کرنا چاہتا تھا لیکن اس کے وسائل اسے اجازت نہیں دیتے تھے۔ اس کا ایک رشتہ دار رنگ ساز تھا۔ اس نے اسے بھی اپنے ساتھ کام پر لگایا۔

جب وہ بڑی بڑی کوشیوں میں کام کرتا تو وہاں موجود لوگوں کا انداز رہائش دیکھ کر حسرت سے سوچتا۔ ”جی تو یہ لوگ رہے ہیں، ہماری اور جانوروں کی زندگی میں تو کوئی فرق ہی نہیں۔“

وہ دن رات دولت حاصل کرنے کے خواب دیکھتا رہتا لیکن جیسے اس کے حالات تھے، اسے نہیں لگتا تھا کہ وہ زندگی میں بھی دولت حاصل کر سکے گا۔

اس کی خواہش تھی کہ اس کے والدین اپنے جانور چکر شہر میں رہائش اختیار لیں۔ جانوروں سے حاصل ہونے والی رقم سے وہ کوئی اور کاروبار بھی کر سکتے تھے مگر اس کے والدین اپنے آباؤ اجداد کا پیشہ ترک کرنے کے لیے تیار نہیں تھے۔ میٹرک کرنے کے بعد سے وہ اپنے والدین کے ساتھ ہی رہ رہا تھا۔ اس کے والدین نے تو دیگر سہولیات بھی دیکھی ہی تھیں اس لیے انہیں یہاں رہنے میں کوئی مسئلہ نہیں تھا مگر وہ دس سال تک بہارہ کو رہ کر آیا تھا۔ اسے سہولیات سے عاری اس جگہ سے سخت جڑ تھی مگر اس کے آٹے و وسائل نہیں تھے کہ وہ اس جگہ سے اپنے طور پر نقل مکانی کرتا۔ روڈ سے اسے روزانہ یہاں

..... آدھے گھنٹے سے زیادہ سفر کرنے کے پیدل آنا پڑتا تھا۔ اب وہ جوان تھا اس لیے کسی رشتے دار کے ہاں رہنا بھی مناسب خیال نہیں کرتا تھا۔ اکثر کام سے اسے دیر ہو جاتی تو وہ رات گئے جنگل سے تنہا پیدل گزر کر گھر آتا۔

وہ اسٹارٹ فون کا ”کیڑا“ تھا۔ اپنے ایک دوست کے پاس اسٹارٹ فون دیکھ کر اس نے فون استعمال کرنا شروع کیا تھا۔ اس فون میں چھاپا ایک نیا جہاں دیکھ کر وہ ہکا بکارہ گیا تھا۔ جب سے اس نے فون خریدا تھا، اس کی توجہ کام سے ہٹ گئی تھی۔ وہ ہر وقت فون پر لگا رہتا۔ وہ ان دنوں اپنے ایک دوست میٹرک کے ساتھ مل کر کام کر رہا تھا۔ میٹرک اسے سیل پر لگا دیکھ کر چڑتا رہتا۔ وہ اس وقت کوکوس رہا تھا جب اس نے شاہد کا موبائل فون کا شوق دیکھ کر اسے قسطوں پر موبائل لینے کا مشورہ دیا تھا۔

اسے فلیس دیکھنے کا بھی جنون کی حد تک شوق تھا۔ وہ فون خریدنے سے پہلے اپنے دوستوں سے مانگ تا تھا کہ کبھی کبھار موبائل لے آتا، اور رات بھر فلیس دیکھتا رہتا تھا۔ اپنا موبائل خریدنے کے بعد تو اس نے جی بھر کے اپنے اس شوق کی تکمیل کی تھی۔

شاہد کی قسمت خراب تھی۔ جس دن اس نے آخری قسط ادا کی تھی، اسی دن اس کا موبائل کسی نے اس کی جیب سے نکال لیا۔ اسے ایسا لگا جیسے اس کے جسم سے روح ہی نکل گئی ہو۔ میٹرک اس کا سیل کھول جانے پر خدا کا شکر ادا کیا تھا۔ اب وہ جلد از جلد دوسرا سیل خریدنے کے لیے کچھ عرصہ دل لگا کر کام کرتا۔

شاہد ان دنوں پھر سے قسطوں پر موبائل لینے کا سوچ رہا تھا۔ اس رات رنج حاجت کے لیے باہر نکلا تھا۔ ان کے گھر میں بیت الخلا کی سہولت بھی میسر نہیں تھی۔ رنج حاجت کے لیے وہ باہر جنگل کا رخ کرتے۔ وہ فارغ ہو کر آیا ہی تھا کہ اس نے ایک دھماکے کی آواز سنی۔ سناتے میں یہ آواز اسے خاصی بلند محسوس ہوئی تھی۔ اس نے نظر اٹھا کر سامنے روڈ کی طرف دیکھا۔ اسی وقت بجلی چمکی، تو اسے روڈ سے نیچے گرنے کی ایک گاڑی کی جھلک دکھائی دی۔ گاڑی گرنے کی تدمہ سی آواز بھی اسے سنائی دے رہی تھی۔

وہ کچھ سوچ کر گاڑی کی طرف بھاگا۔ ان کا گھر روڈ سے سامنے ایک پہاڑی پر بنا تھا۔ وہ دھوا نی راستے سے اتر کر نیچے نالے تک پہنچا۔ یہ سارا راستہ اس نے

اندھیرے میں بھاگتے ہوئے طے کیا تھا مگر کہیں لڑکھرایا تک نہیں تھا۔ وہ روزانہ اس راستے پر اندھیرے میں ہی سفر کرتا تھا۔ کچھ ہی دیر میں اسے گاڑی نظر آگئی۔ گاڑی کے قریب پہنچ کر اس نے اندر بھاگا۔ گاڑی کی اندرونی لائٹ روشن تھی۔ اسے فرخ سیٹ پر ایک شخص بیٹھا نظر آیا۔ اس نے سیٹ بیلٹ باندھ رکھی تھی۔ اس کے زخروں میں شیشے کا ایک بڑا ٹکڑا بیوست تھا۔ جس سے بھل بھل خون بہہ رہا تھا۔ وہ جان کنی کے عالم میں تڑپ رہا تھا۔ اس نے شلوار قمیض پہن رکھی تھی۔ شاہد نے کچھ سوچتے ہوئے اس کی بغلی جیب میں ہاتھ ڈالا۔ اس جیب سے ایک سیل فون اور پرس برآمد ہوا۔ اس کی آنکھوں میں چمک نمودار ہوئی۔ موبائل کی امید میں ہی تو وہ اس وقت یہاں پہنچا تھا۔

اسی لمحے اسے اپنے پاس کسی کی موجودگی کا احساس ہوا۔ وہ بھوک کے پیچھے سڑا۔ اندھیرے میں اسے تاراج لائٹ کی روشنی میں پہاڑی سے ایک شخص نیچے اترتا دکھائی دیا۔ وہ جھاڑیوں کو سرکاتے ہوئے پیچھے ہٹا۔ وہ شخص گاڑی کے قریب پہنچ چکا تھا۔ شاہد اُدھر ہی دیک کر بیٹھ گیا۔ وہ شخص گاڑی میں بھاگ رہا تھا۔ شاہد کی نظر کچھ اور لوگوں پر پڑی۔ وہ بھی اور تاراج لائٹ اٹھانے پہاڑی سے نیچے اتر رہے تھے۔ گاڑی میں بھاگنے والے شخص نے اپنے ساتھیوں کو ڈرائیور کے مرنے کی اطلاع دی۔ شاہد بے چینی سے ان کی واپسی کا منتظر تھا۔ اسے ڈر تھا کہ اس نے جھاڑیوں میں چلنے کی کوشش کی تو جھاڑیوں کی سرسراہٹ سے وہ اس کی موجودگی کے بارے میں جان سکتے تھے۔ اگر وہ پکڑا جاتا تو اس کے قبضے میں موجود سیل فون اور پرس اس کے ہاتھ سے جاسکتا تھا اس لیے وہ دم سادھے انہیں دیکھ رہا تھا۔ اچانک اس نے ایک عجیب وہ غریب منظر دیکھا۔ بعد میں آنے والے افراد میں سے ایک فرد نے آگے بڑھ کر پراڈ کے پاس موجود شخص کی گردن میں اپنے بازو ڈال دیے تھے۔ باقی دو افراد موبائل کی تاراج آن کیے چند قدم دور کھڑے تھا شاہد کچھ رہے تھے۔ اس کے سامنے ایک ٹک ہور بنا تھا۔ اس کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ معاش کے ذہن میں ایک خیال آیا۔ اس نے جھاڑی کی اوٹ میں چھپتے ہوئے اپنے ہاتھ میں موجود سیل کی سائیڈ پر لگا شیشہ پر پس کیا۔ سیل کی انکریں روشن ہو گئی مگر اس پر بہن کوڈ لگا تھا۔ یہ سیٹ اس کا دیکھا بھلا تھا۔ اس کے

حاصل لا حاصل

کچھ ٹکسٹر کوڈ کھولے بنا بھی چلتے تھے۔ ان میں کبیرا بھی تھا۔ اس نے کبیرا کھول کے اس کا فلیش آف کیا اور ویڈیو کبیرا آن کر کے ان کی طرف موڈ دیا۔ سیل کی انکریں پر دھندلے دھندلے ہونے لگے نظر آرہے تھے۔

ویڈیو میں قید ہوئے سنسنی خیز لمحے اس کے لیے کھینچ کر رہے تھے۔ بارش شروع ہوتے ہی شاہد کو اپنے پاس موجود موبائل کی فکر پڑ گئی۔ اس نے بھاگ کر موبائل گاڑی کے اندر رکھ دیا۔ اب وہ ان لوگوں کے پیچھے بھاگ رہا تھا۔ وہ ان کی گاڑی کا نمبر نوٹ کرنا چاہتا تھا مگر بارش، اندھیرے اور جھاڑیوں کی وجہ سے اس کی رفتار انتہائی سست تھی۔ وہ جب اوپر پہنچا تو گاڑی موڑ سے اوچھل ہو رہی تھی۔ وہ اپنا دل موس کر رہ گیا۔ وہ واپس نیچے گاڑی تک پہنچا۔ بارش پوری رفتار سے جاری تھی۔ وہ موبائل لے کر اس بارش میں گھر نہیں جاسکتا تھا۔ گاڑی کا پچھلا دروازہ لڑکھتے ہوئے شاید خود کھل گیا تھا۔ وہ گاڑی میں سرک گیا۔

گاڑی کے ٹوٹے ہوئے شیشے سے بارش کا پانی اندر آرہا تھا۔ وہ سرک کے درمیان میں ہو گیا۔ گاڑی کی اندرونی لائٹ ابھی تک روشن تھی۔ اس کی نظر اٹھی نشست پر موجود لاش پر پڑی۔ اس کی گردن سے بہتا خون اس کی سفید قمیض پر جما ہوا نظر آرہا تھا۔ اس نے اس سے نظریں چرائیں۔

اسے اس لاش سے خوف محسوس ہو رہا تھا لیکن موبائل سے محبت اتنی زیادہ تھی کہ وہ اس کے پاس رکنے پر مجبور تھا۔ اس نے اپنے ہاتھوں سے بنائی گئی ویڈیو چیک کرنے کی کوشش کی مگر اب ویڈیو یوں لاک کھولے بغیر نہیں دیکھی جاسکتی تھی۔ وہ موبائل کا معائنہ کرنے لگا۔

وہ انداز سے مختلف پنا کوڈ ٹرائی کر کے لاک کھولنے کی کوشش کرنے لگا مگر اس کی کوششیں رانگ بن گئیں۔

اچانک اسے جیب میں موجود پرس کا خیال آیا جو اس نے اس شخص کی جیب سے نکالا تھا۔ اس نے پرس نکال کر چیک کیا۔ پرس میں شناختی کارڈ اور اسے ٹی ایم کارڈ کے علاوہ بارہ سو کے قریب رقم پڑی تھی۔

اتنی بڑی گاڑی اور صرف بارہ سو روپیہ۔ اس نے منہ بنایا۔

اس نے شناختی کارڈ چیک کیا۔ شناختی کارڈ سے







پایس ورڈ

قبرستان میں تدفین کا عمل جاری تھا۔ ایک صاحب مسلسل اپنے موبائل فون پر مصروف تھے۔ اچانک انہوں نے جھک کر اپنے بڑے بھائی سے پوچھا۔ ”نیٹ پاس وورڈ کیا ہے؟“

(DON'T TALK) ”ڈونٹ ٹاک!“  
 بڑے بھائی نے غصے سے کہا۔

”بھائی جان سب لپٹل میں ہے نا؟“ انہوں نے ڈونٹ ٹاک کی ہدایت کو پاس ورڈ سمجھ کر وضاحت چاہی۔

مقامہ احمد کراچی

927

”میرے پاس تیرے لئے ایک دھماکا دار سرپرائز ہے۔ تو چٹھنی کر۔ باہر چل کر میں تجھے بتاتا ہوں۔“ وہ بچکانی لہجے میں بولا۔ مبشر اسے ٹوٹتی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگا۔

پاہم کرے کی ایک ہی دیوار رہتی تھی۔ وہ بھل کر  
کے برش صاف کرنے لگا۔ شاہد بے چینی سے اسے دیکھنے  
لگا۔

کچھ دیر کے بعد وہ دونوں ایک دہلیز پر ٹھٹھ میں بیٹھے تھے۔ شاید اسے پچھلے رات کے واقعات سنا رہا تھا اور مہر بے تعلقی سے اسے دیکھتا جا رہا تھا۔ ساری بات سن کر وہ اسے ٹھٹھ کو انداز میں دیکھتے ہوئے بولا۔

”یہ تو کسی سنسنی خیز فلم کی کہانی لگتی ہے۔“ شاہد نے جب سے موبائل نکال کے اس کے سامنے رکھ دیا۔ مبشر موبائل اٹھا کر دیکھنے لگا۔

”تو اب کیا چاہتا ہے؟“ وہ اسے پرسوج انداز میں دیکھتے ہوئے بولا۔ شاید نے اس بار جیب سے میسوری کارڈز آدیا۔

”پہلے تو یہ اپنے موبائل میں ڈال کر چیک کر کے میں

بعد اسی تین گزیاں نکلی تھیں جن میں سے کوئی ایک اس کی مطلوبہ گاڑی ہو سکتی تھی۔ اس نے مری ٹول پلازے سے تین دن کا ریکارڈ حاصل کیا۔ اس کی لسٹ پچیس گاڑیوں تک محدود ہو گئی۔ ان میں سے اس کی شرائط پر پورا اترتی نوکرہ لگا کر تین اسی دن مری شہر میں داخل ہو گئی۔ جس دن ان کی گاڑی کو حادثہ پیش آیا تھا۔ اس نے ان نوکرہ لڑیوں کے مالکان کے بارے میں جاننے کا فیصلہ کیا۔ آخر کار تین ماہ کی مسلسل محنت کے بعد وہ اپنے مطلوبہ لوگوں تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

☆☆☆

شاید نے مطلوبہ آواز پر کان لگا دئے۔ تالے کی  
پر شور آواز کی وجہ سے اسے آواز صاف سنائی نہیں دے  
رائی تھی۔ اسے ایسا لگا کہ جیسے کوئی اسے پکار رہا ہو۔ وہ گھر  
کی طرف جانے لگا۔

کچھ ہی دیر میں وہ اوپر پہنچ چکا تھا۔ اس کا باپ اسے خوشنکس نظروں سے گھور رہا تھا۔ "رے کہاں گیا تھا تو؟" اس نے غصے سے پوچھا۔

”وہ اب اس قدر اٹل بن گیا تھا۔“ اس نے جلدی سے پہاڑ کیا۔

”تو آج اتنی جلدی کیسے اٹھ گیا؟“ وہ اس کی طرف  
اجنبی سے دیکھتے ہوئے بولا۔

”ہم اچانک آگ لگھل گئی تو میں نے سوچا زرا نا  
 بیچہ آؤں۔“ وہ کہتے ہوئے جلدی سے اندر کی طرف بڑھا  
 جہاں اس کی ماں آگ چلا کر دو تیاں پکارتی تھی۔ وہ ناشا  
 کرنے لگا۔ ناشا کر کے وہ اندر آگیا۔ اس نے ایک سوئی  
 تلاش کر کے سب سے پہلے موپاں کی دونوں سلاسل

کاٹیں۔ ایک سلاط میں اس کی توقع کے مطابق میموری  
 کا رد و جو ہو تھا۔ اس کی آنکھوں میں چمک نمودار ہوئی۔ سم  
 اس نے اپنے پاس محفوظ کر لی۔ دوسرا سیل ڈیڑ پڑا تھا۔ اس  
 لی میٹری نہیں نکل سکتی تھی۔ اس نے دونوں موائل محفوظ  
 بلکہ پر رکھے اور سونے کے لیے لٹ گیا۔ وہ رات بھر کا  
 کا ہوا تھا۔ کچھ ہی دیر میں اس کی آنکھ کھلی۔ اس کی  
 کچھ دو چہر کوئی کھلی۔ وہ بہارہ کہو کی طرف روانہ ہو گیا۔  
 اس کے ذہن میں جو منصوبہ تھا، وہ اس کے متعلق اپنے  
 دست بھر سے مشورہ کرنا چاہتا تھا۔

مبشر کام پر لگا تھا۔ وہ ایک ویو آر پر پینٹ کر رہا تھا۔  
 سے دیکھتے ہی وہ ناراضی سے بولا۔ ”یہ کوئی وقت ہے

اس کی پولیسوں کے قہقہے کو تو فرکر جیسے باہر نکلتا چاہتا تھا۔ وہ خاصی دیر تک ادھر ہی دیکھا رہا لیکن وہ لوگ جیسے جانے کا نام ہی نہیں لے رہے تھے۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے انہیں کبھی چیز کی تلاش ہو۔

آخر کار اللہ اللہ کر کے وہ لوگ اُدھر سے رخصت ہوئے۔ شاید کواٹھنے کی ہمت ہی نہیں ہو رہی تھی۔ اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ جوں ہی اٹھے گا، روشنی کی زد میں آ جائے گا۔

صبح صادق کا اچالا پھیلنا شروع ہوا تو وہ ہمت کر کے اٹھا۔ نالا اسی طرح ٹھاٹھیں مارتا بہرہ راتا تھا لیکن صبح کی روشنی میں اسے اتنا خوف محسوس نہیں ہوا جتنا رات کو ہوا تھا۔ اس نے سنبھل سنبھل کے نالا پار کیا۔ نالا پار کرتے ہی وہ بے دم ہو کر بیٹھ گیا۔ اچانک اسے ایک آواز سنائی دی۔ وہ چونک گیا۔

☆☆☆

امان نے وہابی پسر سرد خان کو زمان کی لاش کے  
 ملنے کے متعلق بتا دیا تھا۔ سرد کو زمان کی لاش سے زیادہ  
 اپنی رقم سے دلچسپی تھی۔ رقم کے متعلق امان کے پاس صرف  
 مفروضے تھے۔ اس نے وہ مفروضے سرد کو بتا دیئے۔  
 اس کا پاراہائی ہو گیا مگر اسے اپنی رقم کی فکر تھی۔ اس  
 کے دلایل شروع ہو گئے۔

پوچھنے والے نے انعام کے لالچ میں ایمان کی توفیق سے کہیں زیادہ حیرتی سے کام کیا تھا۔ اسے تین گھنٹے میں ہی اپنی مطلوبہ روینڈیوں مل گئی۔ اس نے روینڈیوں کی بھی رات ایک سے تین کے درمیان کل پانچ گاڑیاں سری سے اسلام آباد میں داخل ہوئی تھیں۔ ان میں سے چار گاڑیاں دو بجے

سے پہلے کڑی تھیں۔ صرف ایک گاڑی دوسے تین کے درمیان گزری تھی۔ یہ وہی سفید کرد لاکھی۔ بارش کی وجہ سے گھرے کا زرلٹ دھندلا گیا تھا۔ اس نے کرد لاکا نمبر پڑھنے کی کوشش کی مگر اس سے ادھور انمبر ہی پڑھا جا سکا۔ نمبر سے اتنا کثرت ہو گیا کہ گاڑی راولپنڈی نمبر کی ہے لیکن ہندسوں میں صرف پہلا ہندسہ پڑھا جا رہا تھا۔ اس کی پیشانی عرق آلود ہو گئی۔ شہر میں ٹیکڑوں کے حساب سے کرد لاک گاڑیاں موجود تھیں۔ ان میں بھی ایسی ٹیبیوں گاڑیاں ہو سکتی تھیں جن کا پہلا ہندسہ تین ہوتا۔

اس نے راولپنڈی شہر میں رجسٹرڈ سفید کرولا گاڑیوں کا ریکارڈ حاصل کر لیا۔ شائد سمٹ کرنے کے

ہڑی۔ دو گاڑی کی تلاش لینے لگا۔ اسے رقم والے بریف کیس کی تلاش تھی لیکن پوری گاڑی جھان مارنے کے باوجود اسے بریف کیس نہیں ملا۔ اس نے زمان کی جیبوں کی تلاش لی لیکن اس کی جیبیں بھی خالی تھیں۔ اس کے چہرے پر چھائی پریشانی برقع جاری تھی۔

”یہ دیکھیں۔ زمانہ کا پرس ملا ہے۔“ اس کا ایک ساتھی بالا تو وہ چونک کر اسے دیکھنے لگا۔ اس کے ہاتھ سے پرس نے کر اس نے کھولا۔ بعد زمانہ کا شناختی کارڈ اور اسے فی ایم کارڈ پڑا تھا لیکن کسی قسم کی رقم موجود نہیں تھی۔

”گلتا ہے ہم سے پہلے کچھ لوگ یہاں آئے ہیں۔ انہوں نے زمانہ کی جھینٹیں بھی خالی کر دیں اور رقم والا بریف کیس بھی لے اڑے۔“ اس کا اندازہ سن کر اس کے ساتھیوں کے چروں پر ہوا نکال اڑنے لگیں۔

”بھولتا ہے گاڑی گرتے ہوئے بریف کیس بھی  
 کہیں جا کر گر گیا ہو۔“ اس کا ایک ساتھی ٹھوکر ٹھٹکے ہوئے  
 بولا۔ امان کی آنکھوں میں اس کا جھٹکنا مٹایا۔ وہ فلیش  
 لائٹ کی مدد سے جھاڑیوں میں بریف کیس تلاش کرنے  
 لگے لیکن آدھے گھنٹے کی تلاش کے باوجود انہیں بریف کیس  
 نہ ملا۔ قدموں کے نشانات کی طرف گئے آوی بھی واپس  
 آگئے تھے۔ ان کے مطابق قدموں کے نشانات سے  
 اندازہ ہوتا تھا کہ وہ کم از کم تین افراد تھے۔ ان کا رخ روڈ  
 کی طرف تھا۔ امان کے ذہن میں رورہ کردہ سفید رنگ کی  
 کرولا آ رہی تھی جو راستے میں انہیں نظر آئی تھی۔ اسے یقین  
 ہونے لگا کہ ان کی رقم وہی لوگ لے آئے ہیں۔  
 کچھ دیر بعد وہ زمان کی لاش اٹھائے واپس جا  
 رہے تھے۔

☆☆☆

شاہد کے راستے میں پرشور آواز میں پہتا نالا خاکس  
تھا۔ وہ جن پتھروں پر چڑھ کر نالا کراس کیا کرتا تھا۔ وہ  
پانی میں غائب ہو چکے تھے۔ نالے کی رفتار اتنی تیز تھی کہ  
اس کا دل لرز نہ لگتا۔ دن کے وقت تو وہ چڑھا ہوا نالا بھی  
کراس کرتا رہتا تھا مگر رات کے اس پہر پیچھے پچھاؤتے  
نالے کو دیکھ کر اس کے دل پر ہیبت طاری ہو گئی۔ وہ  
پریشان کھڑا تھا کہ اسے روشنی کی جھلک دکھائی دی۔ وہ  
بدگ کے پیچھے بنا۔ روڑے کوئی سرخ لائٹ نیچے پھینک رہا  
تھا۔ اس کا دل اچھل کر طلق میں آ گیا۔

وہ آدھر ہی جھانڑیوں میں دھبے لڑ بیٹھ گیا۔ اس کا دل



نے جو بیڈیو بنائی، وہ اس میں سید ہے یا فون میں؟“  
مبشر نے اس کے ہاتھ سے میموری کارڈ لے کر اپنے سیل میں ڈال لیا۔ وہ میموری کارڈ چیک کرنے لگا۔ اس میں موبائل نمبر سے بنائی گئی ایک ہی ویڈیو محفوظ تھی اور یہ وہی ویڈیو بھی جو رات کو شاہد نے بنائی تھی۔  
شاہد اس کے ساتھ بیٹھا اس کی ساری کارروائی دیکھ رہا تھا۔ ویڈیو دیکھتے ہی اس کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا۔  
”اسے پکڑ کرو۔“ وہ اشتیاق سے بولا۔

ویڈیو دیکھتے ہوئے دونوں کے چہروں پر سسنی خیز تاثرات نظر آنے لگے۔ ویڈیو میں آڈیو کے طور پر صرف بادلوں کی گرج ہی سنائی دے رہی تھی۔ سیل کی مارچ لائٹس کی روشنی کی وجہ سے منظر کسی حد تک روشن تھا مگر قاصد کی وجہ سے ان تینوں کے بس بیوے نظر آ رہے تھے۔ البتہ جب بجلی چمکتی تو منظر کافی حد تک روشن ہو جاتا۔  
پوری ویڈیو دیکھنے کے بعد مبشر بولا۔  
”اس میں تو بس ایک ہی شخص کا چہرہ کسی حد تک واضح ہے۔“

”کوئی بات نہیں۔ یہ بھی چلے گا۔“ وہ جوش سے بولا۔  
”اب آگے کا حیرا کیا پلان ہے۔“ مبشر سنجیدگی سے بولا۔

”پلان تو سادہ ہے۔ اس ویڈیو کے ذریعے ہم ان لوگوں کو بلیک میل کر کے ان سے کچھ پیسے اکٹھا کریں گے۔ پھر ہماری بھی زندگی بدل جائے گی۔“ اس کی آنکھوں میں خواب جگمگانے لگے۔

”ان لوگوں تک تم پہنچو گے کیسے؟“  
”دوسرا سیل ڈیڈ پڑا ہے۔ وہ ٹھیک کرنا پڑے گا۔ اس کے ذریعے شاید میں ان لوگوں تک پہنچ جاؤں لیکن اس میں مجھے حیرتی مدد کی ضرورت ہے۔ اگر ہم ان سے پیسے حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے تو وہ ہم آدھے آدمے کر لیں گے۔“

مبشر کا چہرہ حقیر زدہ ہو گیا۔ ”واہ بھئی... تو تو بہت تیز ہو گیا۔“ اس کے انداز میں ستائش تھی۔

شاہد ہنسا۔ ”سب تجھ سے ہی تو سیکھا ہے استاد۔“  
”مجھے استاد مانتے ہو تو میرے مشورے بھی ماننے ہوں گے۔“ وہ سنجیدگی سے بولا۔  
”اسی لیے تو مجھے سب بتایا ہے، میں اب کیا کرنا

چاہیے۔“ شاہد بھی سنجیدہ ہو گیا۔

”ہم...“ مبشر نے ہنکارا بھرا۔ ”میرے خیال میں میں کچھ عرصہ صبر سے کام لینا ہوگا۔ مقتول کے بارے میں یقینی تحقیقات ہوں گی۔ تو کہیں ایسا نا ہو کہ اس کا سیل تم سے پکڑا جائے اور لینے کے دینے پڑ جائیں۔“  
”موبائل سے وہ کیسے مجھ تک پہنچیں گے۔ میں تو دونوں موبائلز سے میں نے نکال لی ہیں۔“ شاہد حیرانی سے بولا۔

”بھر بھی احتیاط بہتر ہے۔“  
”ٹھیک ہے۔ کچھ عرصہ صبر کر لیتے ہیں لیکن تب تک موبائل ٹھیک کر کے ان لوگوں تک پہنچنے کی کوشش تو ہمیں کرنی چاہیے نا؟“ شاہد مشورہ طلب انداز میں بولا۔  
”تم ان کا نام تک نہیں جانتے۔ موبائل سے ان تک کیسے پہنچو گے؟“ مبشر نے طنز یہ انداز میں کہا۔ شاہد مسکرائے لگا۔

”اس موبائل پر ہو سکتا ہے اس کی فیس بک آئی ڈی یا واٹس ایپ کھلا ہو۔ وہ لوگ اس کے دوست تھے تو یقیناً وہ اس کے ساتھ ایڈ ہوں گے۔ میں ان کی تصاویر سے انہیں پہچان لوں گا۔ پھر ان تک پہنچنا زیادہ مشکل نہیں رہے گا۔“ اس نے فخر یہ انداز میں اپنا آئینہ یا اس کے سامنے رکھا۔

”واہ... تم نے تو سب کچھ پہلے ہی سے سوچ رکھا ہے۔“ مبشر ستائشی انداز میں بولا۔  
شاہد مسکرایا۔ ”میں تو کافی عرصے سے کسی شہادت کٹ کی تلاش میں ہوں۔ اب قدرت نے مجھے موقع دیا تو میں اس سے فائدہ اٹھانے کے بارے میں کیوں نہ سوچوں۔“

”سوچو ضرور مگر احتیاط سے۔ موبائل بے شک ٹھیک کر لو مگر اس پر فی الحال نیت آن نہ کرنا۔“  
”جہاں اب موبائل ٹھیک کرانے چلتے ہیں۔“ کچھ دیر موبائل سے کھیلنے کے بعد اچانک شاہد مبشر سے بولا۔  
مبشر نے چائے کاٹل اور کیا اور باہر نکل آئے۔

کچھ دیر کے بعد وہ دونوں موبائل دیکر ٹنگ شاپ پر کھڑے تھے۔ دیکر ٹنگ والے نے سیل چیک کیا۔ شاہد اسے بے چینی سے دیکھ رہا تھا۔ سیل چیک کرنے کے بعد اس نے سرائی کے ایک جملہ کہا۔ شاہد اس کا جملہ سن کر ہکا بکا رہ گیا۔

☆☆☆

”امان نے اپنے بندوں کے ذریعے ان تینوں پر نظر رکھی ہوئی تھی۔ پچھلے دو دنوں سے وہ تیسری بار ساجد کے گھر مل رہے تھے۔ ان کو کچھ کر اندازہ ہوتا تھا کہ وہ ان دونوں کسی پریشانی کا شکار ہیں۔ امان کو ان کی پریشانی سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ وہ تو خود اسے عرصے سے شدید پریشانی کا شکار تھا۔ سرد خان نے اس کی جان سولی پر لٹا رکھی تھی۔

اس دن اسے ایک بندے کے ذریعے اطلاع ملی کہ وہ تینوں کا ڈی میں بیٹھ کر کہیں جا رہے ہیں۔ اس نے اپنے بندے کو ان کا چھپا کرنے کا کہا۔ اس نے کچھ دیر بعد رپورٹ دی کہ ان کا رخ سری کی طرف ہے۔ امان سوچ میں پڑ گیا۔ اپنے پلان پر عمل کرنے کا اس کے پاس یہ مناسب ترین موقع تھا۔ اس نے اپنے بندے کو کال کی اور اسے ہدایات جاری کرنے لگا۔ اسے یقین تھا کہ وہ اپنا دھورانا رنگت جلد ہی حاصل کر لے گا۔

☆☆☆

موبائل ریجیٹر جگ والے نے شاہد سے کہا تھا۔ ”یہ سیل ٹھیک تو ہو جائے گا مگر آٹھ ہزار لگیں گے۔“  
”اسنے زیادہ؟“ وہ ہکا بکا انداز میں بولا۔  
”اس کا پورا مشینل حل کیا ہے۔ سارا تبدیل کرنا پڑے گا۔“

”اس میں میرا بہت قیمتی ڈیٹا محفوظ ہے۔ میں صرف اسی لیے یہ موبائل ٹھیک کرانا چاہ رہا ہوں۔ مشینل پیسے کرنے سے ڈیٹا تو ضائع نہیں ہو جائے گا؟“ شاہد پریشانی سے بولا۔

”امید ہے اس کی میموری چپ ٹھیک ہوگی۔ آپ کا ڈیٹا ضائع نہیں ہوگا۔“ لڑکا عیاری سے مسکراتے ہوئے بولا۔

شاہد کو سوچ میں گم دیکھ کر لڑکا اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔ شاہد موبائل اٹھا کر باہر نکل آیا۔ آٹھ ہزار تو اسے کوئی ادھار بھی نہیں دے گا۔ اور اتنی رقم جمع کر کے اسے بھی جانے کتنا عرصہ لگ جاتا۔ وہ اچھا کھانے پینے اور اچھا پہنے کا شوقین تھا اس لیے اس کے پاس رقم تنگی نہیں تھی۔

اس نے مبشر سے پیسے ادھار مانگے۔ ”یار تو تو جانتا ہے میں ہشکل موبائل کی قسط دیتا ہوں۔ میں اسے پیسے کہاں سے دے سکتا ہوں۔“ مبشر نے معذرت کی۔

حاصل لا حاصل

”ویسے بھی میرا مشورہ مانو تو ایک دو ماہ تک... صبر کرو۔ اس کے بعد ہم مل کر اس معاملے کو دیکھ لیں گے۔ جب تک تم پیسے بھی جمع کر لو گے۔“

شاہد سوچ میں پڑ گیا۔ اسے لگ رہا تھا کہ مبشر کی بات ماننے کے سوا اس کے پاس کوئی دوسرا چارہ نہیں۔ اس نے ایک دو ماہ تک صبر کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

اب اس کے پاس مطلوبہ رقم جمع کرنے کا ہارگٹ تھا۔ وہ پیسے جمع کرنے کی تک دو دن میں لگ گیا۔ اس نے ان لوگوں کو بلیک میل کرنے کا مکمل منصوبہ بھی بنالیا۔ وہ قارغ وقت میں اس منصوبے کی جزئیات سمجھانے میں لگا رہتا۔ اسے یقین تھا کہ اگر وہ ان لوگوں کا سراغ لگانے میں کامیاب رہا تو اس کے منصوبے کی کامیابی یقینی تھی۔

آٹھ ہزار جمع کرتے اسے تین ماہ لگ گئے۔ تین ماہ بعد اس نے موبائل ٹھیک کرانے کے لیے دے دیا۔ وہ دن بعد شام کو اسے موبائل ملا۔ اس نے اپنی سم ڈال کر موبائل آن کیا۔ بے چینی کے باعث خون اس کی رگوں میں سنسنار ہوا تھا۔ موبائل آن ہوا تو سب سے پہلے اس کی نظر ہوم اسکرین پر ”واٹس ایپ“ کی ایپ پر پڑی۔ اس نے واٹس ایپ پر چک کیا تو وہ کھل گیا۔ اس پر موبائل کے مالک کا واٹس ایپ اکاؤنٹ کھلا دیکھ کر اس کا دل خوشی سے لرزے لگا۔ اس نے فوراً ادا لگی کی اور باہر نکل آیا۔

وہ ادھر ہی کھڑا ہو کر اس کا واٹس ایپ اکاؤنٹ چیک کرنے لگا۔ اس کے ہاتھ کا پڑ رہے تھے۔ اس نے سب سے پہلے اکاؤنٹ کے مالک کا ’’اسٹیشن‘‘ چیک کیا۔ یہ اکاؤنٹ حامد شیر کے نام سے بنا تھا۔ اس کے ساتھ لگی تصاویر اس کے لیے اپنی تھیں۔ اس نے اندازہ لگا یا کہ موبائل مقتول کا تھا۔ تھانوں کی شکلیں تو اس کے ذہن میں محفوظ تھیں۔

اکاؤنٹ کے مالک کے بارے میں جانتے کے بعد وہ ”چیت“ چیک کرنے لگا۔ اس میں تین ماہ پرانے تبصرے محفوظ تھے۔ وہ ان تبصرے کے ساتھ ہی تصاویر پر دیکھے گا۔ ایک تصویر پر اسے شک کرنا۔ اس نے تصویر پر کلک کر کے دیکھی۔ ڈیٹا آف ہونے کی وجہ سے تصویر بھند نظر آ رہی تھی لیکن اس کے باوجود اسے تصویر پیسے سے ملے دن دشواری قیاس نہیں آئی۔ وہ تصویر دیکھ کر خوشی سے جھل پڑا۔ یہ اچھا تین افراد اس سے ایک کی تصویر تھی۔ تصویر کے ساتھ ملک پیسے کا نام درج تھا۔







# کیا آپ

## لبوب مقوی اعصاب

### کے فوائد سے واقف ہیں؟

کھوئی ہوئی توانائی بحال کرنے۔ اعصابی کمزوری دور کرنے۔ ندامت سے نجات، مردانہ طاقت حاصل کرنے کیلئے۔ کستوری، عنبر، زعفران جیسے قیمتی اجزاء سے تیار ہونے والی بے پناہ اعصابی قوت دینے والی لبوب مقوی اعصاب۔ یعنی ایک انتہائی خاص مرکب خدارا۔۔۔ ایک بار آزما کر تو دیکھیں۔ اگر آپ کی ابھی شادی نہیں ہوئی تو فوری طور پر لبوب مقوی اعصاب استعمال کریں۔ اور اگر آپ شادی شدہ ہیں تو اپنی زندگی کا لطف دوبالا کرنے یعنی ازدواجی تعلقات میں کامیابی حاصل کرنے اور خاص لمحات کو خوشگوار بنانے کیلئے۔ اعصابی قوت دینے والی لبوب مقوی اعصاب۔ آج ہی صرف ٹیلیفون کر کے بذریعہ ڈاک VP وی پی منگوائیں۔

**المسلم دارالحکمت (چٹری)**

(دبئی طبی یونانی دواخانہ)

ضلع و شہر حافظ آباد پاکستان

0300-6526061

0301-6690383

فون صبح 10 بجے سے رات 8 بجے تک کریں

دل میں آگے بھی سب بخیر دو خوبی ہونے کی دعائیں مانگتے تھے۔

کچھ ہی دیر میں گاڑی ان کی بتائی جگہ پر رکی۔ میٹر دھڑکتے دل سے انہیں دیکھ رہا تھا۔ وہ تینوں اتر کے نیچے کی طرف چل پڑے۔ اب وہ اس کی نگاہوں سے اوجھل تھے۔ وہ روڈ پر لگا دھماکا کھڑا ہو گیا۔ اسے ڈر تھا کہ وہ لوگ اپنے پیچھے کچھ اور لوگوں کو لگا کے نہ لے آئے ہوں۔ اس کی ساری حسیات بیدار تھیں۔ وہ چونکا انداز میں اپنے گرد و نواح پر نظر رکھتے ہوئے تھا۔ کچھ ہی دیر میں ان تینوں کی واپسی ہو گئی۔ وہ گاڑی میں بیٹھ کر روانہ ہو گئے۔ ان کے روانہ ہونے ہی میٹر نے سٹی بجائی۔ یہ شاید کے لیے سب ٹھیک ہے کا سٹل تھا۔ شاید بریف کیس اٹھا کے لے آیا۔ اس کا چہرہ خوشی سے دک رہا تھا۔ اس نے میٹر کو دیکھ کر کوکری کا نشان بنایا۔ وہ قریب پہنچا تو میٹر نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ مارا۔

”ہم لاکھ بتی ہو گئے۔“ بشری آواز خوشی سے لرز رہی تھی۔ اس نے شاید کے ہاتھ سے بریف کیس لیا۔ بریف کیس کھولنے سے پہلے اس نے شاید کی طرف دیکھا۔ وہ حد درجہ بے چین لگ رہا تھا۔ بشری اپنی حالت بھی مختلف نہ تھی۔ اس نے گھر سے گھر سے سانس لے کر اپنے دھڑ دھڑاتے دل کو سنبھالا۔ شاید کی سانس بھی نامووار ہو رہی تھی۔ وہ میٹر کے ہاتھوں کو دیکھ رہا تھا۔ اس نے بریف کیس کا ہٹن دیا یا اور ایک کان بھاڑ دینے والا دھماکا ہوا اور ان دونوں کے پرچھے اڑ گئے۔ گرد و نواح میں موجود جھاڑیاں اور ان پر تھے ان کے اجسام کے ٹکڑے دھوا دھڑ جلتے تھے۔ فضا میں گوشت جلنے کی چراغ پھیلنے لگی۔ ان کی ندوہ آنکھیں سلامت رہی تھیں جن میں دولت مند بننے کے سنے سجے تھے اور وہی ان کے دل سلامت رہے تھے جو دولت کی حرص سے بھرے ہوئے تھے۔

☆☆☆

واپسی پر راشدا اور یاسر پریشان تھے جبکہ ساجد دل ہی دل میں خوش ہو رہا تھا۔ پہلے چل تو جب اس نے تصاویر دیکھی تھیں تو اس کا سارا رنگ یاسر پر گیا تھا لیکن بعد ازاں یاسر کی حالت دیکھ کر وہ اپنے خیالات بدلنے پر مجبور ہو گیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی ان کی پریشانی بڑھ گئی تھی۔ اگر ان کے جرم کا کوئی حشر دید کو موجود تھا تو اس سے چھکارے کے بغیر وہ سکون کی زندگی نہیں گزار سکتے

جاسوسی ڈائجسٹ 285

☆☆☆

اگلے دن وہ دیکھ ہی ساجد کے گھر پہنچ گئے تھے۔ اسی جگہ میں ایک اسٹور کلب تھا۔۔۔ وہ اسٹور کلب میں بیٹھ گئے۔ بیان سے وہ اس کے گھر پر نظر رکھ سکتے تھے۔ وہ بے چینی سے تین بجے کا انتظار کر رہے تھے۔ پونے تین بجے انہیں یاسر کی گاڑی نظر آئی۔ وہ اپنی گاڑی میں لگا کر ساجد کے گھر چلا گیا۔ اس کے پاس ایک وین بیگ تھا۔ وہ آج بھی انتہائی پریشان لگ رہا تھا۔ ”گلٹا ہے یہ اپنے حصے کے بیس لاکھ لے آیا ہے۔“ میٹر نے شاید کے کان میں سرگوشی کی۔ شاید نروس سے انداز میں مسکرا دیا۔

تین بجے میٹر نے انہیں میٹج کر کے رقم کے بارے میں استفسار کیا۔ مثبت جواب پڑا کہ ان کے چہرے خوشی سے جھل اٹھے۔ وہ کلب سے باہر نکل آئے۔ اسے وائٹن ایپ پر یاسر کی کال آنے لگی۔ وہ ان سے حامد بن کر بات کر رہے تھے اس لیے کال ریسیو کرنے کے سبب ٹھیک ہو سکتے تھے۔ اس نے کال کاٹ کے اسے میٹج کیا۔ گلی سے آکا ”کا لوگ کر رہے تھے۔ اس لیے ان کی موجودگی وہاں مشکوک نہیں لگ رہی تھی۔ اس کے باوجود انہوں نے غیر محسوس انداز میں اپنے اطراف پر نظر رکھی ہوئی تھی۔ کچھ ہی دیر میں گیٹ کھلا اور ان میں سے ایک گاڑی برآمد ہوئی۔ گاڑی ساجد ڈرائیو کر رہا تھا۔ گاڑی میں ان کی ہدایات کے مطابق وہ تینوں ہی تھے۔ انہوں نے اپنی بانگ کچھ فاصلے پر کھڑی کی تھی۔ میٹر بانگ چلائے لگا جبکہ شاید موبائل پر انہیں ہدایات دیتے لگا۔ اس نے اطراف پر بھی نگاہ رکھی ہوئی تھی۔

وہ ان کی ہدایات پر عمل کرتے ہوئے ساگر میں پہنچ گئے۔ میٹر اور شاید پہلے ہی وہاں پہنچ چکے تھے۔ ان کی مطلوبہ جگہ سے کچھ پہلے ایک زیر تعمیر روڈ پر گاڑی کے عقب میں جا رہا تھا۔ میٹر نے بانگ ادھر لے جا کے کھڑی کر دی۔ بانگ وہاں چھپانے کے بعد دونوں پہلے سے لے شدہ اپنی پوزیشن کی طرف بڑھ گئے۔ میٹر ایک سے زائد تھا۔ وہ بیان سے روڈ پر لڑکھڑکھا تھا جبکہ شاید جگہ پر جہاں انہوں نے رقم رکھی تھی۔ اب دولت دور بنا کے میٹر شخص چند منٹ کا وقت حاش تھا۔ وہ اس وقت دنگر ہو کر رہے تھے۔

ان کے ذہنی تیزی سے دھوکا رہے تھے۔ کچھ جگہ سب کچھ ان کے محسوسات کے مطابق ہو رہا تھا۔ وہ دل ہی

کچھ دیر دونوں مشورہ کرتے رہے۔ مشاورت کے بعد اس نے حامد کا موبائل آن کیا۔ غلطی تو قریب یاسر کی طرف سے کسی قسم کا جواب نہیں آیا تھا۔ البتہ چند منٹ کا لڑ موجد تھیں۔ اس نے ایک میٹج نامیپ کر کے یاسر کے نمبر پر میٹج دیا۔ میٹج کچھ شاید نے معنی غور نظروں سے میٹر کی طرف دیکھا۔ ”یاد رہے میٹج پڑھ کر تو ان کی۔۔۔۔۔۔“ اس نے جتنے ہوئے ایک ناز یا لفظ استعمال کیا۔ شاید بھی ہنسنے لگا۔

کچھ دیر بعد میٹج دیکھ گیا لیکن یاسر نے اس بار بھی جواب نہیں دیا تھا۔

”یہ جواب کیوں نہیں دے رہا؟“ شاید اُلجھ کر بولا۔

”کیا پتا وہ میٹج پڑھ کر بے ہوش ہی ہو گیا ہو۔“ وہ ہنسا۔

میٹر نے موبائل آف کیا اور دونوں منصوبے کے مطابق بانگ پر ساجد کے گھر کی طرف چل پڑے۔ ایک گھنٹے سے بھی کم وقت میں وہ ساجد کے گھر پہنچ چکے تھے۔ یہ پانچ کمرے پر بنا دو منزلہ گھر تھا اور خاصی مصروف گلی میں واقع تھا۔ گلی میں کئی طرح کی دکانیں کھلی ہوئی تھیں جن کی وجہ سے لوگوں کی آمد و رفت جاری تھی۔ وہ ایک دکان سے کوئلہ ڈرنک لے کر پینے لگے۔ انہیں ابھی یہاں کھڑے چند منٹ ہی ہوئے تھے کہ اس کے گھر کا دروازہ کھلا اور اس میں سے یاسر کا چہرہ نمودار ہوا۔ اس کا چہرہ بچڑا ہوا لگ رہا تھا۔ وہ کم کم انداز میں اپنی گاڑی میں بیٹھ کر روانہ ہو گیا۔

”اس کی حالت دیکھ کر گلٹا ہے کہ ہمارا منصوبہ کامیاب۔۔۔۔۔۔ جارہا ہے۔“ میٹر نے کہتے ہوئے بانگ کو کٹک لگائی۔ وہ بانگ پر اس کی گاڑی کے پیچھے جارہے تھے۔ چند منٹ کے بعد ہی وہ ایک گھر کے گیٹ پر بارن دیتے لگا۔ گیٹ کھلا تو وہ گاڑی اندر لے گیا۔

”گلٹا ہے یہ اسی کا گھر ہے۔“ شاید نے اندازہ لگایا۔

آج کے دن انہیں غیر معمولی کامیابی ملی تھیں۔ انہیں لگ رہا تھا کہ قدرت ان کے ساتھ ہے۔ وہ کامیابی کے نشے میں مغموم واپسی کے راستے پر گامزن تھے۔ راستے میں وہ اپنے کل کے منصوبے پر بھی بات کرتے جارہے تھے۔ دوسری طرف ساجد بھی اپنے منصوبے کے تالے بانٹے بیٹے میں مصروف تھا۔

جاسوسی ڈائجسٹ 284 نومبر 2018



ساجد تحریزہ انداز میں بولا۔ ”کیا کہہ رہے ہو تم۔“  
میرے گھر بھی کسی نے توڑ پھوڑ کی ہے اور دمیہ بھی

”اوہو..... لگتا ہے سب انسپٹر صاحب بیوی کے  
غیاب سے اپنی یادداشت کھو چکے ہیں۔“ وہ اسے چپ  
دیکھ کر طنز پر انداز میں بولا۔ ”میں سرور خان کا دست

اس شہر کا اسمع اور غشیات کا سب سے بڑا  
سب سے بڑا جلاؤ۔ ہمارے بیوی بچے اس کے  
میں سے ہیں اور ان کی قیمت جو اس نے لگائی، وہ تم نے  
لی لی۔" وہ غصے سے اتر اڑ میں بولا۔ راشد اور اس

م آئے کے بعد انہیں اپنے کاروبار شروع کرنے  
تین ماہ کا عرصہ دیا گیا لیکن سب ختم کرنے کے لیے ان کے  
ص صرف ایک ہفتے کا وقت تھا۔ وہ پچھلے قدموں لوٹنے پر  
ر تھے۔ اگلے ایک ہفتے میں وہ تینوں اپنے سارے  
ٹے فروخت کرنے کے بعد بھی کچھ کر ڈیڑھ بج کر سکے  
۔۔۔ باس نے تو انہما مکان کیلئے بی بی بیج دیا تھا۔ وہ اس



1987ء سے خدمت میں مصروف

LEUCODERMA-VITILIGO

تمام جلدی بیماریوں کا مندر اور بے ضرر علاج

پہلی

STERIODS FREE MOST PROGRESSIVE TREATMENT

اجل زیدی

ایوارڈز  
ہولڈرز



اسلام آباد

9- جنوری 30 تا مئی  
9- اگست 30 تا ستمبر  
9- دسمبر 30 تا جنوری



ASIAN EXCELLENCE  
PERFORMANCE AWARD



AWARD  
PILLAR OF LEUCODERMA



AWARD OF  
BEST ACHIEVEMENT

لاہور

گلف سینٹر  
16 مارچ  
14- فروری 27 تا فروری  
14- جون 27 تا جون  
14- اکتوبر 27 تا اکتوبر

پشاور

ہیٹل لائیو  
11 تا فروری  
11 تا جون  
11 تا اکتوبر

ملتان

ہیٹل سائبر سیٹھ  
28 مارچ 6 تا اپریل  
28 جولائی 6 تا اگست  
28 نومبر 6 تا دسمبر

کراچی

لویجی سیٹھ  
13 تا 27 جولائی  
13 تا 27 اگست  
13 تا 27 ستمبر

کرائے کے گھر میں رہ رہا تھا جبکہ راشد اور ساجد کو اپنے گھر تک اونے پونے داموں فروخت کرنے پڑے تھے۔ ساجد اور راشد عارضی طور پر پاسر کے گھر شفٹ ہو گئے تھے۔ وہ چند دن پہلے آسمان پر اڑ رہے تھے۔ ایک ہی جھٹکے نے انہیں زمین پر لا پھینکا تھا۔

ساتویں دن امان نے ساجد کو کال کی۔ پاسر اور راشد اس کے ساتھ تھے۔ اس نے انہیں آگے آن کر کے ”ہیلو“ کہا۔

”تمہاری مہلت ختم ہو گئی۔“ دوسری طرف سے امان کی کاٹ دار آواز ابھری۔

”ہم نے اپنا سب کچھ بیچ دیا ہے لیکن جلدی کی وجہ سے اونے پونے داموں ہی بکا ہے۔ ہم بشکل چھ کروڑ جمع کرنے میں کامیاب ہو سکے ہیں۔“ ساجد عرض آواز میں بولا۔

”چلو کوئی بات نہیں، باقی کی رقم ہم پوری کر لیں گے۔“ وہ پراسرار سے انداز میں منہ ساجد کا لہو اس کی رگوں میں جیسے ٹپتپہ ہو کر رہ گیا۔ اس نے کچھ بولنے کی کوشش کی لیکن آواز اس کے گتے میں پھنس کے رہ گئی۔ امان اسے خاموش دیکھ کر بولا۔

”میرا ہندو تمہارے گھر آ رہا ہے۔ اسے چھ کروڑ دے کر بھیج دو۔“

”تمہارے گھر والے...“ وہ خوف کے باعث اپنا جملہ مکمل بھلا کر سکا۔

”وہ بھی رات تک بیچ جائیں گے۔“ یہ کہتے ہی اس نے کال کاٹ دی۔ ساجد نے ہراساں نظروں سے پاسر اور راشد کی طرف دیکھا۔ ان کے چہرے لٹھے کی طرح سفید نظر آ رہے تھے۔ وہ انہیں تسلی دیتے ہوئے بولا۔

”امید ہے یہ لوگ رقم وصول کرنے کے بعد ہمارے گھر والوں کو پا کر دیں گے۔“

ان کی آنکھوں میں بے یقینی کے سائے لہرا رہے تھے۔ ”اگر انہوں نے رقم لینے کے باوجود انہیں رہا نہ کیا تو؟“ راشد کے لہجے میں اندھے لڑ رہے تھے۔

”اس کے لیے میں نے ایک بیک آپ پلان سوچ رکھا ہے۔“ ساجد سر راتے ہوئے لہجے میں بولا۔ اس کی آنکھوں میں شرار اسے چھوٹ رہے تھے۔ راشد اور پاسر اسے خیر رائی سے دیکھنے لگے۔

☆ ☆ ☆

امان کا بندہ شام کے وقت ان کے گھر پہنچا تھا۔ ساجد نے رقم سے بھرا بریف کیس اس کے حوالے کر دیا تھا۔ اس نے بریف کیس کھول کر رقم چیک کی۔ ساجد اسے بغور دیکھ رہا تھا۔ وہ اپنی تسلی کے بعد زوداد ہو گیا۔

اس کے باہر کھڑے ہی ساجد نے راشد اور پاسر کو ضروری ہدایات دیں اور مکان کے پچھلے دروازے سے علیحدگی میں نکلا۔ یہاں اس کی بالک کھڑی تھی جو اس نے ایک دوست سے مستعار لی تھی۔

وہ سرور خان پر ہرگز بھروسہ نہیں کر سکتا تھا۔ اس



**Care**  
Beauty Soap

”میرا گلیمر میری سکن“



حاصل لا حاصل

آدمے سمجھنے کے انتظار کے بعد اسے گاڑی گیت سے نکلتی نظر آئی۔ وہ اس سے پہلے ہی بانگ پر آگے چل پڑا۔ اس نے ایک سوڑ پر مٹی کے بانگ کو بھانڈیوں میں اتار لیا۔ تھوڑی دیر بعد گاڑی موڑ سے مڑی۔ اچانک ایک دھماکے سے اس کا ٹر پھٹا۔ ساجد کی پھیلائی ہوئی کیوں نے اچانک کام کر دیا تھا۔ ڈرائیور نے بمشکل گاڑی کنٹرول کر کے سائڈ پر روکی۔ فرنٹ سیٹ سے دونوں افراد چلا نکلیں مار کے اترے۔

ان کے لبوں سے فلیپ کالیوں کا طوفان ابل رہا تھا۔ چند لمحوں بعد وہ جھکے ہوئے پیچھے باز کا معائنہ کر رہے تھے۔ وہ ساجد سے ٹھٹھکی چھٹ کے فانیلے پر تھے۔ اس نے اپنے ہاتھ میں پکڑے سائلنسر لگے پمپول کا رخ ان کی طرف کر کے کچے بعد دیگرے دو دفارے کیے۔ دونوں افراد سڑک پر جا گرے۔ ان کے سروں سے بہتا خون سڑک کو سرخ کرنے لگا۔ ساجد تیزی سے گاڑی کے عقبی حصے کی طرف پکا۔ اس نے تریپال اٹھا کر اندر جھانکا۔ اس کے سیل کی بائیں روشنی تھی۔ اس کی نظر گاڑی کے فرش پر پڑے آڈے تریچے جسوں پر پڑی۔ وہ بھیڑ بکریوں کی طرح ایک دوسرے کے اوپر پڑے تھے۔ ساجد ان کی حالت دیکھ کر ترپ گیا۔

وہ یکدم گاڑی پر چڑھا اور ان کا معائنہ کرنے لگا۔ وہ سب بے ہوش تھے۔ اس کے باوجود ان کے ہاتھ پاؤں بندھے تھے۔ ان کے لبوں پر ٹپ چمکی ہوئی تھی۔ اس نے ایک کال کی اور ان کی بندشیں کھولنے میں لگ گیا۔ کچھ ہی دیر بعد راشد اور یاسر ایک بائی ایس لے کر اس کے پاس پہنچ چکے تھے۔ ان تینوں نے مل کر ان کو اپنی گاڑی میں منتقل کیا۔

کچھ دیر کے بعد وہ تیز رفتاری سے اس شہر سے دور بہت دور جا رہے تھے۔ ساجد ڈرائیور کرتا تھا جبکہ راشد اور یاسر اپنے بیوی بچوں کو ہوش میں لانے کے جتن کر رہے تھے۔

انہوں نے زندگی بھر جائز و ناجائز طریقے اختیار کر کے جو مادی دولت حاصل کی تھی، وہ اس سب سے محروم ہو چکے تھے لیکن ان کی سب سے بڑی دولت، ان کے حقیقی رہنے ان کے ساتھ تھے۔ حاصل لا حاصل کے چکر میں، اب بس یہی ان کا حاصل تھا۔

لے اس نے پہلے سے ایک آپ جان تیار کر رکھا تھا۔ اس جان کے لیے درکار چیزیں اس نے جمع کر لی تھیں۔ بریف کیس کے ساتھ اس نے ایک گھڑائی ڈیو افس اور ہانگروں چکا دیا تھا۔ وہ اس کی مدد سے سرور خان کے ٹھکانے تک پہنچ گیا۔

یہ مکان ایک قدرے ویران علاقے میں تھا اور ایک پہاڑی کوکٹ کر بنایا گیا تھا۔ مکان کے گردوس فٹ پلینڈ ریو اور چنی ہوئی تھی۔ دیوار کے اوپر خاردار تاروں کی بارشیں۔ مکان کیا یہ پورا قلعہ تھا۔

ہانگروں پانچ سو میٹر کی حد تک کام کر سکتا تھا۔ وہ سرور خان کے ٹھکانے کے نزدیک ایک سناٹا جگہ پر رک کر ہانگروں کی مدد سے اندر ہونے والی گفتگو اپنے سیل پر سننے لگا۔ سرور خان کا شیطان منسوب سن کر اس کی دگوں میں بھونکی روانی تیز ہوئی۔ وہ سوچ میں پڑ گیا۔ کچھ دیر بعد اس نے راشد کو کال کر کے تازہ ترین صورتحال سے آگاہ کیا۔ ان کی پریشانی میں اضافہ ہو گیا۔

اس نے انہیں ضروری ہدایات دینے کے بعد کال کاٹی اور ہانگروں کی گفتگو نشر کرنے والی ایپ کھول لی۔ سرور خان کسی سے فون پر بات کر رہا تھا۔ اس کی گفتگو سے اسے معلوم ہو گیا کہ رات بارہ بجے ایک لوڈر گاڑی میں ان کے بیوی بچوں کو روانہ کر دیا جائے گا۔

سرور خان کا ٹھکانا ایک قلعے سے کم نہیں تھا۔ اس سے ان کے بیوی بچے نکل آتے تو اس کے پاس انہیں رہا کرنے کا سوچ موجود تھا۔ اس نے ایک پلان تشکیل دیا اور اس کی تکمیل کے لیے ضروری لوازمات اکٹھا کرنے میں لگ گیا۔

رات بارہ بجتے ہی ساجد کو ایک لوڈر گاڑی سرور خان کے ٹھکانے کے طرف بڑھتی نظر آئی۔ اس کی فرنٹ سیٹ پر دو افراد بیٹھے تھے جبکہ عقبی حصے پر تریپال پڑا تھا۔ گاڑی گیت پر پہنچی تو گیت کھل گیا۔ چند لمحوں بعد ہی گاڑی اندر غائب ہو چکی تھی۔

ساجد چونکا ہوا گیا۔ اس نے ہانگروں کو کنٹرول کرنے والی ایپ کھولی لیکن سرور نے شاید بریف کیس کسی ایسی جگہ رکھ دیا تھا جہاں سے ہانگروں سے کسی قسم کی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ وہ اسپیکر کو خاموش دیکھ کر دل مسوں کر رہ گیا۔ اب اس کے پاس انتظار کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔